

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224348

UNIVERSAL
LIBRARY

ایڈیٹل کالج میگزین

حصہ اول

ایڈیٹر
محمد شفیع
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

۱۹۱۵ء ۳۰ ۵
اورنگ آباد
۱۳

نظریات کا لکھنؤ میں اورنگ آباد

جلد ۱۳ - عدد ۲ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء - عدد مسلسل ۴۸

۱۹۱۵ء

فہرست مضامین

| صفحہ | مضمون نگار | مضمون | نمبر شمار |
|------|---|---|-----------|
| ۳ | سید محمد عبداللہ ایم آے - ڈی رلٹ | انیس صدی کا ایک مصنف اور ہنر | ۱ |
| ۲۶ | سید اولاد حسین شاداں بکرامی | افرنی بیستانی | ۲ |
| ۳۸ | مولوی نور الحق | علم کلام اور نظریہ "استطاعت" | ۳ |
| ۴۳ | علین خاں نیازی ایم آے | { مثنوی مفتاح الفتوح (از حضرت امیر خسرو) | ۴ |
| ۸۱ | { پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم آے پتی - ایچ - ڈی | امام موفی نیشاپوری | ۵ |
| ۹۲ | ایڈیٹر | شہر قصور کے متعلق اقباسات | ۶ |
| ۹۹ | حافظ محمود شیرانی | { پرتھی راج راسا (از چندر بر دالی) | ۷ |

لیٹری انیسٹرک پریس لاہور میں باہتمام مثنوی نظام الدین پرنٹنگ ہاؤس اور ابن ستر نے اورنگ آباد میں لکھنؤ میں شائع کیا

انٹیل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو اتحاد مکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت - عربی - فارسی اور یوپی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے اس کو شش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگار فنی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہوں بغیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہو گا اور کم فصاحت کے بعض مفید رسالے بھی باقسط شائع کئے جائیں گے۔ رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی اور دو پنجابی و بھارتی فارسی حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی و بھارتی گورکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر - فروری - مئی - اگست میں شائع ہوتا ہے۔ قیمت اشتراک | سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۱۱ روپے اور نیل کالج کے طلبہ چندہ و خاندان کالج کی قوت مہول گلوہ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ کے شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی دسمبر اور

نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و بریل زر خرید رسالہ کی متعلق خط و کتابت اور بریل زر صاحب پرنٹل اور نیل کالج

کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت | یہ رسالہ اور نیل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔

قلم تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد رفیع ایم اے اور نیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

نہ چھ ماہ گزرتے ہیں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کا ایک مُصنّف اور مُفکر

سر سید احمد خان

سر سید احمد خانؒ جس صدی میں پیدا ہوئے۔ وہ اہل ہندوستان کے لئے ایک ابتلا، ایک روحانی آزمائش اور ایک ذہنی کشمکش کا زمانہ تھا جس میں ماضی کی روایات باوجود فرسودگی، کنگی اور قدامت کے، اس عہد کی مردہ سوسائٹی کے لئے دستورِ اہل کا درجہ رکھتی تھیں۔ اور مذہبی توہمات، العیاذ باللہ ربانی کے مساوی سمجھے جاتے تھے۔ دماغی خلّاقیوں اور ذہنی صنّاعیوں کو عقاید اصولیہ کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اور فردی اختلافات، اصولی تنازعات کے ہم پایہ اور جزئیات اُمورِ کلّیہ سے زیادہ قابلِ توجہ خیال کئے جاتے تھے۔ اخلاقیات کا باب اس سے بھی زیادہ دلشکن اور حوصلہ فرسا نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس زمانے میں انفرادی اور اجتماعی اخلاق کا کوئی مضابطہ موجود نہ تھا۔ قوم اور قومی وقار اس وقت کی سوسائٹی کے لئے الفاظ بے مفہوم تھے۔ اور قومیت ایک تصویری گمان، قومی نفسیات کی باگ ڈور شاید فطرت انسانی کے جذبات، کشمکش کے تابع اثر تھی۔

اس مضمون میں سر سید احمد خان کی تصانیف اور انکار پر تبصرہ کرنا مقصود ہے کیونکہ فخر کتابوں کی ظاہری خصوصیات پر بحث کرنے سے اس اہم انقلاب اور اثر کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا جو سر سید نے پیدا کیا۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خیالات و افکار کا بھی تجزیہ کیا جائے جو ان کی تمام تصانیف کا سرمایہ ہیں جو موجودہ تبصرے میں اسی اہم عمل کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

تقلید اور تقلید جاد جس طرح مذہب کے ہر شعبہ پر حاوی تھی۔ ادب بھی اس سے مومن مہوٹن نہ تھا۔ فارسی لٹریچر کے طواری انشا و ادب و شعر کے دفتر ہائے بے معنی، تالیف و فلسفہ و فقہ و اصول کے پشمارے، تمام و کمال تقلید و تبتع کے اثرات سے بھرپور نظر آئیں گے۔ قوم جدت اور اختراع کی تمام خوبیوں کو کوہ چکی تھی۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ خوبیاں امراض کا درجہ رکھتی تھیں۔

پس جب فارسی ان اثرات سے غالی تھی۔ تو زبان اردو ان صفات سے کیسے متصف ہوتی۔ ایک نوعمری پھر تربیت کا یہ حال پس وہ سوائے الفاظ اور ظاہری شکل و صورت کے صحیح فکری اور ادبی چاشنی اپنے اندر پیدا نہ کر سکی۔ سچ یہ ہے کہ صحیح لٹریچر کا اردو میں فقدان تھا۔

تنقید مذہبی کی ابتدا | اس ذہنی، روحانی اور نفسیاتی جہود کے عالم میں ہندوستان فطرت کی گہرائیوں میں ایک خاموش اضطراب بھی نظر آتا ہے۔ شاید قانون قدرت اپنے عمل اور رد عمل سے اس مردہ مٹی میں پھر جان تازہ ڈالنے کی فکر میں تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب انگیزیوں کی حکومت کے قدم بقدم مغربی خیالات بھی ملک میں شائع ہو رہے تھے۔ فکر اور خیال کی آزاویاں عام ہو رہی تھیں۔ اور تنقید اور تحقیق کو پیدائشی حقوق میں شمار کیا جانے لگا تھا۔

اصلاحی تحریکوں کا آغاز | اس سیاسی اور ذہنی ہیجان کے زیر اثر ہندوستان میں بعض ایسی تحریکات پیدا ہوئیں۔ جو زمانہ تداخل (Transitional period)

کا لازمہ ہوتی ہیں۔ ایک طرف بین المذاہب تبادلہ خیالات کا دروازہ کھلا جس میں اسلام ہندویت اور عیسائیت کی باہمی کش مکش کی ابتدا ہوئی اور دوسری طرف

۱۰ سید سے پہلے کے نثری لٹریچر کے لئے دیکھو میر المصنفین مصنفہ ثنا حصہ اول بشیر زنی صاحب کی پنجاب میں اردو آب حیات آزاد ارباب شرار اردو از سید محمد، دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی۔

خالص مسلمانوں میں بعض ایسی اصلاحی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ جن کا اُس وقت اور مستقبل کی ادبی سیاسی اور ذہنی تاریخ پر گہرا اثر پڑا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں سید احمد نام کے دو ایسے شخص پیدا ہوئے جن کی عظیم شخصیت نے خاموش فضا کی افسردگیوں میں ایک ہنگامہ خیز متوج پیدا کیا اور ملک کے دل و دماغ پر زبردست اثر ڈالا، اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اُن میں سے ایک یعنی مولوی سید احمد بریلوی نے جہاد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اسلام کی ابتدائی سادگی کی طرف دعوت دی۔ اور دوسرے یعنی سید احمد خان دہلوی نے اس پر آشوب زمانے کی پرفتہ قوتوں کی کشمکش میں مسلمانوں کے سیاسی معاشرتی اور مذہبی عقیدوں کو، حاضر کی روشنی میں حل کرنے میں مدد دی۔ ذیل کی سطور میں اسی موخر الذکر بزرگ کی ان عملی کوششوں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جن کا تعلق خاص طور پر افکار و ادبیات سے ہے۔ اور جن کے ذریعے زبان اُردو کو بہت تقویت ملی۔ اور مسلمانوں کے فکر اور تصور میں انقلاب آیا۔

سید احمد خان کے واقعات زندگی | سید احمد خان دہلی کے ایک معزز گھرانے میں بتاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۱ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد جو بہت تنگ والدہ کے زیر سایہ ہوئی۔ ۱۸۸۷ء میں مین پوری میں مصنف مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۲ء میں تبدیل ہو کر فتحپور سیکری اور ۱۸۹۶ء میں دہلی آ گئے۔ ۱۸۹۵ء میں آپ کا تقر بطور صدر امین بجنور ہوا اور ہنگامہ ۱۸۹۵ء کے فرو ہونے کے بعد ۱۸۹۵ء میں صدر الصدور مراد آباد مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں غازی پور تبدیلی ہو گئی۔ ۱۸۹۷ء میں علیگڑھ آئے اور ۱۸۹۶ء میں بنارس میں بی جی سمال کاز کورٹ کا عہدہ ملا۔ جہاں وہ ملازمت کے اختتام تک رہے۔ قیام بنارس کے دلنے میں ہی آپ نے انگلینڈ کا سفر اختیار کیا۔ آپ اپریل ۱۸۹۹ء میں بنارس سے ولایت گئے اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں بمبئی واپس آ گئے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بقیہ عمر علیگڑھ کالج کی

خدمت میں گزار دی۔ جہاں آپ نے اپنی کامیابیوں کے مین شباب میں بتاریخ
۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء وفات پائی۔

سید کی مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی کا بظاہر اس مختصر خاکہ سے اندازہ نہیں ہو
سکتا۔ اور نہ ان کی عظمت اور بزرگی کے متعلق کوئی صحیح خیال قائم کیا جاسکتا ہے۔
انہوں نے اپنی عمر کی تمام منزلوں میں حیرت انگیز قربت عمل کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں زبردست اضطراب بے مثل بے ثانی،
اور ایک غیر فانی اُنگ موجود تھی جو انہیں بے قرار رکھتی تھی۔ انہیں کام کے ہنگاموں
میں ایک لذت ملتی تھی۔ ان کے نزدیک زندگی اسی تحریک، اسی تجلّز کا نام تھا
ان کو جہاں اور جس وقت دیکھیں گے۔ ایک انقلاب پرور مصروفیت کے عالم میں
پائیں گے۔ ۱۸۹۸ء سے پہلے جب انہیں نسبتاً سیاسیات سے کم تعلق رہا۔ انہوں نے
اپنی اندرونی شورشوں کو تحقیق علی کی کاوشوں کے ذریعے خاموش کرنے کی کوشش
کی۔ ایامِ غدر میں ان کی زندگی میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے۔ جب دہلی
خاک و خاکستر ہو گئی اور اہل دہلی اور ان کے ساتھ مسلمان قوم پر کش مکش حیات کا
دروازہ کھل گیا۔ تو اس میدان میں بھی حرف نہیں کی فات نظر آتی تھی۔ جو مخالف قوتوں
کے اندر پوری جرأت اور دلیری کے ساتھ، حالات کا مقابلہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔
سر سید کے احسانات | علاوہ ان کاموں کے جن کے ساتھ زیر بحث مقالہ
ادب اُردو پر | کے ضمن میں ہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ اور جن کی تفصیل
سید کی لائف کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ انہوں نے بعض ایسی تحریکوں کی ابتدا کی۔
جن کی بدولت ہندوستان کے افکار عمومی اور ادبیات اُردو پر گہرا اثر پڑا۔ ان کے
دماغ کو دریا سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس سے نکلی ہوئی نہروں سے مختلف کھیتیاں
سیراب ہوئیں۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے سیاسیات اور ادبیات

میں بعض ایسے بیج بوئے جن کے نہال سے ہزاروں برگ و بار نکلیں گے۔ اور فکر اسلامی کے چمنستان کو پُر رونق بنائے رکھیں گے۔

زبان اردو کو اپنی نشو و نما کے دوران میں جتنے محن ملے ہیں۔ ان میں غالباً سرسید کو امتیاز خصوصی حاصل ہے۔ یہ عجیب و غریب زبان اسلامی قافلوں کے ساتھ ساتھ پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی اور دہلی سے گجرات و دکن میں پہنچی۔ جہاں دلی و رعایا دونوں نے اس کی سرپرستی کی شروع شروع میں وہ صرف جذباتِ انسانی کے اہل مظلوم پر قادر ہوئی۔ اور شروع و شعری یا ابتدائی نثر تک محدود رہی۔ جب انگریز اس ملک کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ تعلقات کی استواری کے لئے اسی بولی کو منتخب کیا۔ اور فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر کو زندہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا گیا اس وقت سے اردو میں نثر کی مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔ بلکہ اس کو مغربی افکار اور علوم سے روشناس کرنے کے لئے ترجموں کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ یہ سب کوشیشیں ایسی تھیں جن کا تعلق زبان کی ظاہری شکل و صورت کی آراستگی اور درستی سے تھا۔ لیکن جب تک زبان میں انسانی محسوسات و افکار کے بے تکلف اظہار کی قوت نہ ہو اور بھوس مذہبی سیاسی اور عملی خیالات کو پیش کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو زندہ ترقی پذیر اور وسیع زبان کا درجہ نہیں دیا جاسکتا تھا۔ سرسید احمد خاں نے زبان اردو کی اس کمی کو بھی پورا کر دیا اور نثر میں ان مضامین پر قلم اٹھایا جن کا اب تک اردو میں رواج نہ تھا۔ انہوں نے ملک میں جو ادبی تحریک پیدا کی۔ اس کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں۔ سرسید کی مثال، ترغیب اور اثر سے ادبیات کے ایک اہم دبستان کی ابتدا ہوئی۔ سرسید اور ان کی مختصر جماعت نے زبان کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا۔ جہاں وہ نہ صرف ہندوستان کی واحد قومی زبان کے بجا افتخار کی حق

ہے۔ بلکہ اس کا شمار دنیا کی زندہ اور ترقی پذیر زبانوں میں ہونے لگا۔ شبلی حالی اور ذکا اللہ کے پایہ کے مصنفین جس زبان کے سرپرستوں میں ہوں۔ اس کے اعلیٰ اور بلند پایہ ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن جس عظیم شخصیت نے اپنے مقناطیسی اثر سے ایسے مصنفین میں جذبہ عمل پیدا کیا۔ اس کی عظمت سے بھی انکا نہیں کیا جاسکتا۔

سر سید کے تصنیفی رجحانات | سر سید نے خود جن مضامین پر قلم اٹھایا۔ ان میں مذہب، سیاست اور تاریخ کا حصہ غالب ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں فارسی اُردو اخبار نویسی کا رواج بہت پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن تہذیب الاخلاق کی اشاعت نے صحافت کو بہت حد تک نئی بنیادوں پر قائم کیا۔ اور اخبار و صحایف سے وہ فائدہ اٹھایا۔ جو راسے جمہور کی تشکیل اور قومی شعور کی تربیت کے سلسلے میں یورپ میں اٹھایا جاتا ہے۔ سیاسیات، اخلاقیات، مناظرات، تعلیمات غرض مذہبی افکار کے ہر شعبہ پر بے تکلف لکھنے اور دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کی۔ تراجم کا خیال بھی اگرچہ اس زمانے سے ہی جب انگریز مغربی علوم کو ہندوستانی زبان کے ذریعہ پھیلانا چاہتے تھے۔ تاہم سائنٹفک سوسائٹی نے جہاں کام اس سلسلے میں انجام دیا۔ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ کیشنل کانفرنس نے جہاں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ وہاں خطابت اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں بھی اعزاء کیا۔ چنانچہ بہت سے مضامین اور رسالے اسی کانفرنس کے لئے لکھے گئے۔ اور اسی میں پڑھے گئے۔ قصہ مخقر یہ کہ سر سید احمد خان کی ذات نے ادبیات و انکار میں ایک ایسا انقلاب پیدا کیا۔ اور مذہب و سیاست کے ایسے مغلیہ جھپٹے۔ جن کی تشریح و توجیہ بہت مدت تک ہندوستانی ذہن و فکر کو مصروف رکھے گی۔

سید کے رجحان کا ارتقا اور ماحول کا اثر | اگر سر سید احمد خاں کی نفسیات

کا مطالعہ کیا جائے۔ اور پھر ان کی تصانیف و رسائل کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو یہیں معلوم ہوگا کہ باوجودیکہ وہ بظاہر غایت درجہ آزاد طبع، تقلید کی بندشوں سے فارغ اور ہر معاملے میں ایک نئی روش پر چلنے والے نظر آتے ہیں۔ جو بادی النظر میں اور جہاں تک قومی اور مذہبی روایات قدیم کا تعلق ہے۔ درست بھی ہے۔ لیکن صرف نظر غائر اس حقیقت کو منکشف کر سکتی ہے کہ وہ بہت حد تک اثر پذیر اور سرلیح الانفعال قلب رکھتے تھے۔ اگرچہ ان میں اپنی روایات اور اپنے عقاید و خیالات کے احترام کا قوی جذبہ موجود تھا۔ تاہم وہ اپنے دل و دماغ کو پیردنی اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکتے تھے۔ علی الخصوص جب کہ وہ اثرات بظاہر زیادہ قومی سرچشمہ سے نکل رہے ہوں۔ اور انکی تائید عقل اور منطق کے نظر فریب اور دلربا دلائل ہو رہی ہوں۔

سر سید جس ماحول میں رہے۔ اس کی مخلوق بن کر رہے۔ چنانچہ ابتدا سے لے کر آخر وقت تک ان کی تصنیفات پر یہ راسخ صادق آئے گی۔ سر سید کی تصانیف میں ایک عجیب و غریب ارتقائی تدبیر نظر آتی ہے۔ جس میں وہ کسی حالت میں اپنے نئے ماحول سے الگ نہیں ہوتے۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ قدیم ماحول کی یادگار ہے۔ جس میں وہ اپنی خاندانی روایات و رجحانات میں بہت بڑی حد تک ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے انہوں نے علم اور ذوق کے جو میلان ورش میں پلنے اسی طرز کی پیروی میں ان کی پہلی کتاب صحیح اترتی ہیں مولانا حالی نے سید کی زندگی کی جوتین ادوار مقرر کئے ہیں۔ وہ غالباً واقعات اور اثرات اور خصوصیات کے اعتبار سے درست ہیں۔ ان کی زندگی کا پشلا دور شروع سے لے کر ۱۸۵۸ء تک ہے۔ دوسرا ۱۸۵۸ء یعنی غرر سے سفر ہنگام تک اور تیسرا سفر ہنگام سے آخر عمر تک حقیقت یہ ہے کہ سر سید جس قدر عمر کی منزلیں طے کرتے گئے۔ اتنے ہی قدیم اثرات سے دور اور نئے اثرات کے زیادہ قریب ہوتے گئے جبکہ

ماخذ مغرب اور مغرب کا تمدن تھا۔

تصانیف کا پہلا دور | سب سے پہلے دور کو بھی آسانی کے ساتھ دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ وہ ہے جس میں اُن پر خالص پرانا اثر تھا لیکن دوسرے حصے میں ملازمت کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ جو اختلاط ہوا۔ اس کی بدولت قدیم و جدید کا امتزاج پیدا ہو گیا۔

ریاضی اور تصوف سید کے خاندانی مشاغل تھے۔ تاریخ نگاری دربار دہلی کے متوسلین کا قدیم شہوہ تھا۔ اگرچہ مناظر اور تردید مذاہب مسلمان فرقوں میں پہلے سے رواج ہو چکا تھا لیکن اس عہد میں اس کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ کیونکہ اسی زمانے میں حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے پرجوش رفقاء نے ملک میں اصلاح کی دعوت کو عام کیا۔ عیسائی مشنریوں کی بدولت بین المذاہب مناظرات کی تحریک کو بہت ترقی ہوئی۔ ادھر بنگال میں ایشیاٹک سوسائٹی مشرقی تاریخ و ادب کو جدید اصول پر مرتب کر رہی تھی۔ چنانچہ سرسید کے زمانے میں یہ کام بھی پوری سرگرمی کے ساتھ ہو رہا تھا

جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھا جا چکا ہے اس ابتدائی دور کے پہلے حصے میں سرسید پر قدیم خاندانی اثرات نظر آتے ہیں۔ پھر حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کی تعلیمات کی طرف رجحان ہوا۔ اور دوسرے حصے میں مغربی اثرات کا آغاز اور مستشرقین کی پیروی ہو رہی ہے۔

ذیل کی فہرست کتب سے جو بقیہ تاریخ درج کی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا نتائج کی تائید ہوگی۔

جام جم (فارسی) ۱۳۱۵ھ اس میں امر تیمور عا جب قراں سے لے کر ابو ظفر بہادر شاہ تک ۳۴ بادشاہوں کا مختصر حال ہے۔

۲۔ انتخاب الاخیرین۔ تقریباً اسی زمانے میں لکھا۔ اس میں قواعد منصفی درج کئے۔ سید نے اسی زمانے میں خود منصفی کا امتحان دیا تھا۔ اور اس کی ترتیب میں ان کے بہائی سید محمد خان بھی شامل تھے۔

۳۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب ۱۲۵۵ھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ ہے۔ اور اس خیال سے لکھی گئی تھی۔ کہ چونکہ مجالس مولودیں جتنے رسائل پڑھے جلتے تھے۔ ان میں صحیح روایتیں کم ہوتی تھیں۔ سید نے اس میں اس زمانے کے خیالات کے موافق صحیح روایتوں کا خیال رکھا ہے۔

۳۔ تحفہ حسن ۱۳۶۰ھ۔ تحفہ اثنا عشریہ کے باب ۱۲۱۰ کا اردو ترجمہ جس میں شیعوں کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے

۴۔ تسہیل فی جزائشقیل ۱۸۴۴ء۔ بوعلی کے ایک فارسی رسالہ معیار العقول کا اردو ترجمہ جس میں جزائشقیل کے پانچ اصول بیان کئے ہیں۔

۵۔ آثار الصنادید ۱۸۴۷ء۔ سید جب فقہور سے دہلی تبدیل ہو کر آئے۔ تو انہوں نے یہاں دہلی کی عمارات کا حال لکھا۔ اس کا سٹایل بعد کی کتابوں کے برعکس قدیم مذاق کے مطابق ہے۔

۶۔ فوائد الافکار فی اعمال الفرہار۔ نانا کی بعض فارسی تحریرات کا ترجمہ ہے۔ جو انہوں نے ہر کار متناسبہ کے اعمال پر لکھی تھیں۔ یہ اردو ترجمہ دو انگریز عالموں کے کہنے سے کیا گیا۔

۷۔ قول متین در ابطال حرکت زمین۔ یہ رسالہ زمین کی گردش کی تردید اور آسمان کی گردش کی حمایت میں لکھا۔ (یہ خیال سید صاحب نے بعد میں تبدیل کر لیا تھا۔ اور وہ حرکت زمین کو یقینی مانتے تھے)۔

۸۔ کلمۃ الحق ۱۸۴۹ء۔ یہ رسالہ پیری مریدی کے طریقہ مروجہ کے خلاف لکھا۔

۹۔ راہِ سنت و ردِ بدعت۔ ۸۵۱ء۔ یہ طریقہ محمدیہ کی تائید میں لکھا۔ جس میں مروجہ عقاید و رسوم کی مخالفت کی۔ اس میں وہابی اثرات غالب نظر آتے ہیں۔
۱۰۔ نمیقہ۔ در بیان مسئلہ تصور شیخ۔ ۸۵۲ء۔ (فارسی) تصور کی حمایت میں بعض دلائل ایک فرضی خط میں پیش کئے ہیں۔

۱۱۔ سلسلہ الملوک۔ ۸۵۲ء۔ ۲۰۳ بادشاہوں کی فہرست جو پہلے آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن کے بابِ اوّل کے ساتھ تھی۔ بعد میں اس نام کے ساتھ شائع کی
۱۲۔ کیمیائے سعادت کے چند اوراق کا ترجمہ۔ ۸۵۳ء

۱۳۔ تاریخ ضلع بجنور۔ ۸۵۵ء میں سید صدر امین ہو کر دہلی سے بجنور تبدیل ہو گئے وہاں انہوں نے محکمہ کی ہدایت کے مطابق اپنے ماتحت ضلع کی تاریخ قلمبند کی۔ جو غدر میں ضائع ہو گئی۔

۱۴۔ آئین اکبری کی تصحیح و اشاعت کا کام سید نے اسی زمانے میں شروع کیا۔ لیکن اس کے بعد منگامہ ہو گیا۔ چنانچہ دوسری جلد اسی کی نذر ہو گئی۔ اب اس کی پہلی اور تیسری جلد موجود ہے۔

تصانیف کا دوسرا دور | بجنور میں دو برس ۴۴ ماہ گزرنے پائے تھے۔ کہ غدر ہو گیا۔ اس کے بعد جب حالات رو بہ سکون ہوئے۔ تو سید اپریل ۸۵۵ء میں مراد آباد میں منتعین ہوئے۔ اس زمانے میں انہوں نے جو تصانیف کیں۔ ان میں نیا گ نظر آئے گا۔ اس شورش کی مصیبتیں تمام ہندوستان پر نازل ہوئیں لیکن سید کی قوم سب سے زیادہ معتب و ٹھہری۔ حالات کے اقتضا نے ان کے رجحان کے لئے نئی راہیں پیدا کیں۔ اور ان کے دماغ میں سیاسی اور مذہبی پیچیدگیوں کے حل کرنے کے لئے ایک نئی کش مکش پیدا ہوئی۔ اس زمانے میں ان کا سب سے بڑا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سیاسی اور روحانی بنیادوں پر ایک رابطہ اتحاد پیدا

کیا جائے۔ اور ان کے دلوں میں جو کدورت پیدا ہو چکی ہے۔ اس کو صورت حال کے صحیح انکشاف کے ذریعے دور کیا جائے۔ ذیل کی فہرست سے اس کی تصدیق ہوگی

- ۱۔ تاریخ سرکٹے بجنور۔ سید جب بجنور میں تھے۔ تو انہوں نے واقعات غدر کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ مراد آباد میں آتے ہی انہوں نے یہ تاریخ شائع کر دی۔ جس میں مئی ۱۸۵۷ء سے لے کر اپریل ۱۸۵۸ء تک کے واقعات درج کئے۔
- ۲۔ اسباب بغاوت ۱۸۵۷ء۔ جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں ان اسباب سے بحث کی ہے جو غدر کا باعث ہوئے۔ اس کا انگریزی ترجمہ گریم نے کیا۔
- ۳۔ رسالہ لائل محمد نراف انڈیا۔ ۱۸۶۱ء میں جاری ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں بند ہو گیا۔ یہ اخبار کی طرز کی چیز تھی۔ ان میں اس مسلمانوں کے حالات بیان کئے جاتے تھے۔ جو دوران ابتلا میں انگریزوں کے طرفدار رہے۔ یہ اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

۴۔ تحقیق لفظ نصاریٰ۔ اسی زمانے میں سید کو معلوم ہوا کہ حکومت لفظ نصاریٰ کے استعمال کو بغاوت کا مرادف سمجھتی ہے۔ اور ان مسلمانوں کو جنہوں نے اپنی تحریروں میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ سزائیں دے رہی ہے۔ تو انہوں نے انگریزوں کی غلط فہمی رفع کرنے کے لئے قرآن و حدیث و لغت کی روشنی میں اس لفظ کی تشریح کی اور بتایا کہ اس کا استعمال کسی طرح نفرت یا مخالفت کا حامل نہیں۔

۵۔ تاریخ فیروز شاہی مصنف ضیا برنی۔ یہ کتاب جو ہندوستان کی مستند تواریخ میں سے ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فرمائش پر ایڈٹ کی اور اسی سوسائٹی کی طرف سے ۱۸۶۷ء میں طبع ہوئی۔ اس پر سید نے ایک دیباچہ بھی لکھا۔

۶۔ تیسیمین الکلام۔ یہ مراد آباد میں شروع ہوئی۔ اور فازی پور میں تکمیل تک پہنچی۔ اس میں انجیل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت دکھائی گئی ہے۔ اور جہاں جہاں اختلافات

نظر آتے ہیں۔ ان میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

۷۔ سائنٹفک سوسائٹی سید نے غازی پور کے قیام کے دوران میں قائم کی تھی جس نے تراجم کا کام بہت سرگرمی کے ساتھ کیا۔ ۱۸۶۶ء میں سید نے ایک اخبار علیگڑھ سے نکالا جس کا نام سائنٹفک سوسائٹی اخبار رکھا۔ اس کی ادارت سید خود کیا کرتے تھے بعد میں اس کا نام علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ہو گیا۔ اس میں شروع شروع میں سیاسی مضامین لکھے جاتے تھے۔ جن کا مقصد انگریزوں اور ہندوستانیوں کو متحد کرنا تھا۔

۸۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب۔ ۱۸۶۸ء۔ اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان انگریزوں کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

تصانیف کا تیسرا دور سید کے افکار میں غدر کے بعد جو عظیم الشان تبدیلی آئی۔ تیسرے دور میں اس کی تکمیل اور پختگی درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ ان کے پہلے دور اور آخری دور میں ایک ایسا تفاوت نظر آتا ہے۔ جس کو ایک دوسرے کا نقیض کہنا چاہیے۔ اس زمانے میں ان کے ہر خیال میں ایک سختی اور ہٹ نظر آتی ہے۔ وہ اظہار خیال میں زیادہ آزاد اور بے خوف معلوم ہوتے ہیں۔ اور پہلک کی مخالفت کو بے پروائی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ تصور شیخ کے دقیق اور نازک خیالات میں ڈوبے رہتے تھے۔ اب انہیں معراج رسول بھی جسم عنصری کی موجودگی میں ناممکن نظر آنے لگا یا تو وہ ہایت و حنفیت کی الجھنوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ یا اب ان کے نزدیک اسلام اس درجہ بے رنگ چیز ہو گئی کہ اس کی ہر چیز عقل کی کسوٹی پر رکھ کر تسلیم کی جاسکتی ہے۔ سیاسی اور تعلیمی مسائل میں بھی ان کی نگاہ اب وہ نہیں۔ جو پہلے تھی۔ ان کے دماغ پر مغرب کا اثر اتنا گہرا اتنا مستقل ہو چلا ہے کہ وہ ورنیکلر تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور مشرقی علوم کو لارڈ ڈیکالے کی طرح 'ذہن دگر کے جہود ادہ پستی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کی ہر بات، ان کا ہر خیال، ان کی ہر تجویز "وکنویرن سپرٹ" میں ڈوبی ہوئی دکھائی

دیتی ہے۔ مذہب، سیاست معاشرت کے ہر مسئلے میں ان پر کسی وکٹورین صاحب قلم اور صاحب فکر کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے سفر انگلستان نے اس رنگ کو بالیقین تیز کر دیا ہوگا۔ جو محض اہل انگلستان کی صحبت سے ہندوستان ہی میں ان پر چڑھ چکا تھا۔ ان کی زندگی میں یہی ایک حصہ ہے جس کے دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اسی دور کی تصانیف اور افکار اس درجہ قابل توجہ ہیں کہ ان پر بحث و تمحیص کا دروازہ اور ان کے متعلق غور و فکر کا باب ہندوستان کی علمی سیاسی اور مذہبی تاریخ میں ہمیشہ کھلا رہے گا۔ یہ سوال کہ سر سید احمد خاں نے اپنے آراء و افکار میں تیسری چوتھی صدی ہجری کے مسلمان معقول پسندوں سے اثر قبول کیا یا حضرت (Darwin) اور حضرت والیس (Wallis) کے دبستان حکمت سے اکتساب فیض کیا۔ ہماری تحقیقات کا موضوع ہے۔ جس پر آئندہ سطور میں مختصراً بحث کی جائے گی۔

تیسرے دور کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ سفر نامہ لندن۔ اس میں سفر انگلستان کے تاثرات لکھے۔

جو بالاقساط سوسائٹی اخبار میں شائع ہوتے ہیں لیکن پبلک کی مخالفت کی وجہ سے یہ سلسلہ بہت جلد بند ہو گیا۔

۲۔ خطبات احمدیہ۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف اف محمد کے اعتراضات کا جواب ہے۔ اس میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو ہر عیب سے مبرا قرار دیا ہے۔ اور اس کی تکمیل و ترتیب تفتیش و تجسس کا حق ادا کیا ہے۔ یہ ۱۲ خطبات پر مشتمل ہے۔

۳۔ تہذیب الاخلاق۔ یہ اخبار ۲۴ دسمبر ۱۸۷۷ء کو شائع ہونا شروع ہوا۔ اس نمبر نے تین دفعہ نئی زندگی پائی۔

۴۔ ہنٹر کی کتاب پر ریویو۔ ۱۸۷۷ء میں ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب انڈین مسلمانز

کے نام سے لکھی جس میں یہ ثابت کیا۔ کہ مسلمانان ہندوستان مذہباً اور سیاستاً انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور انگریزی حکومت کو ان سے کسی حالت میں طینان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس خیال سے مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات (جو پہلے ہی شوکار نہ تھے) کے زیادہ تلخ ہونے کا ڈر تھا۔ اس لئے سرسید نے اس کتاب پر سخت مکتہ چینی کی اور ہنر کی خیال آرائی کی بدلائل تروید کی۔ یہ ریویو پہلے پائونیر میں اور پھر اردو ترجمہ سوسائٹی اخبار کی ۲۴ نومبر ۱۸۷۷ء سے ۲۳ فروری ۱۸۷۷ء تک کی ۱۴ اشاعتوں میں شائع ہوا۔

۵۔ تفسیر القرآن۔ یہ تفسیر زمانہ حال کے مذاق کے مطابق ۱۸۷۷ء میں لکھنی شروع کی۔ جب تک تہذیب الاخلاق جاری رہا۔ اس میں بعض آیتوں کی تفسیر شائع کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ پرچہ پہلی بار بند ہو گیا۔ تو انہوں نے اس کی طرف باقاعدہ توجہ کی۔ اور آخر تک لکھتے رہے۔ جب انتقال ہوا۔ تو قریباً ۱/۲ حصہ باقی تھا۔

سید کی تصانیف | سرسید احمد خان کی زندگی میں مذہب اور سیاسیات کے کا استخراج۔ | علاوہ | کوی چیز نمایاں حیثیت نہیں رکھتی۔

انہوں نے مسلمانوں کے مذہبی افکار و خیالات میں تبدیلی کرنے کے لئے بہت سی معرکتہ آلا راکتائیں لکھیں۔ تہذیب الاخلاق اور سوسائٹی اخبار میں بھی بے شمار مضامین لکھ کر ملک بھر میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ چونکہ ان کی آواز ماحول کے مطابق نہ تھی۔

اس لئے اس کے خلاف مخالفت کا طوفان بھی اتنا ہی پر جوش تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس زمانے میں مذہبی تحریکوں کی اس درجہ کثرت ہو رہی تھی کہ کوئی زندہ دل صاحب فکر ان میں اپنے خیالات و عقاید کی صحت اور سچائی پر غور کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طرف عیسائی مبلغوں کی کوششیں تھیں جنہیں ہندوستان میں عیسائی سلطنت کے زیر سایہ عیسائی کلیسا کے قائم کرنے کے خواب شیریں مدھوش کر رہے تھے۔ انہوں

نے اسلام اور ہندویت دونوں لیکن زیادہ تر اسلام پر اپنی توجہ مبذول کی۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر نظام ہونے کے علاوہ عیسائیت کی طرح ہی سامی الاصل بھی تھا یہ اس قوم کا عزیز مذہب تھا۔ جس کے دل کے گوشے ابھی تک اکبر اور عالمگیر بننے کے سوا اسے کبھی کبھی گرم ہو جاتے تھے۔ پس مشن نے اسلام کو ہی اپنی قوتوں کے ٹھکانے کا بہترین مرکز قرار دیا۔

مشن کے ان ہنگاموں نے ہر طرف مذہبی مباحثوں کے دروازے کھول دیے۔ چنانچہ ہندوؤں میں بھی مذہب کے متعلق نئی جستجو اور کاوش کی ابتدا ہوئی۔ بنگال میں راجہ رام موہن رائے نے ہندو مذہب سے کسی قدر بغاوت کرتے ہوئے ایک نئی سوسائٹی اور ایک نئے سلسلے کی بنیادیں رکھیں۔ جس میں سب مذاہب کی اصولی وحدت کا خیال بطور عقیدہ ہر کریم کے سامنے رکھا۔

پنجاب میں سوامی دیانند نے ہندو جماعت اور ہندو نظام کو نئے اصولوں پر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ ان کا یہ نیا ضابطہ قوانین حقیقت میں ایک دودھلا نظارہ سے مشابہ تھا جس کے ذریعے ایک طرف ہندوؤں کو یہ بتایا گیا کہ دنیا کی بہترین تعلیم ہندو مذہب ہی دیتا ہے۔ اور دوسری طرف غیر ہندو مذاہب پر تنقید کے ذریعے ہندوؤں کے دل میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں ہندومت کی برتری کا احساس پیدا کیا۔ آریہ سماج نے بھی زیادہ تر اس تنقید کا نشانہ اسلام کو بنایا۔

اگرچہ یہ سب قوتیں ملک میں مذاہب کے تقابل اور تنقید کا کام کر رہی تھیں لیکن شاید ان مباحثوں اور مناظروں میں اتنا اثر اور اتنی قوت نہ تھی کہ یہ مسلمانوں کے دل میں اسلام کے متعلق بدظنی پیدا کر سکیں۔ کیونکہ اسلام ان تمام عقاید کو ہزار برس تک مقابلہ و امتحان کی کسوٹی پر پرکھ چکا تھا۔ اور ایک فاتح قوم کا مذہب ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو بہ حیثیت ایک نظام مذہبی کے خاطر میں نہ لاتا تھا۔ لیکن

جب انیسویں صدی میں مغربی تعلیم کے ساتھ مغربی افکار کا موج خیز سسند اسلامی معا
کی طرف بڑھا۔ تو اسلام کے محققوں نے اس کا مقابلہ کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ ان خیالات
کی بنیاد عمد و کنوریہ کے آزاد خیال نقادوں کے اقوال و افکار پر تھی۔ جو اسلام اور
عیسائیت بلکہ کسی الہامی مذہب کو تنقید سے بالا نہ سمجھتے تھے۔ انگلستان میں مذہب کے
علمبرداروں کو اس مذہبی بے فکری (Free thought) کا مقابلہ کرنے میں بہت
مکالمات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اسلام کے نمائندوں کو اس معاملے میں کچھ کم تکالیف کا
سامنا کرنا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انگلستان اور یورپ میں چونکہ سائنس کی رفتار
ترقی کے کمال پر پہنچ رہی تھی۔ وہاں مذہب کے پرستاروں نے بہت جلد ہتھیار
پھینک دیے اور جنگ ختم ہو گئی۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ اسلام کے اصل اور سادہ
عقائد کی صورت بھی خارجی اثرات سے منجھو چکی تھی۔ اس نے ایک طرف تو خود مسلمانوں
کی فتنہ جنگ کرنی تھی اور دوسری طرف اس دشمن کا مقابلہ کرنا تھا۔ جس کے پاس مقابلہ
کے لئے تیر و کمان کی بجائے سائنس کے میگزین سے نکلے ہوئے نئے اسلحہ تھے۔ مذہب
کے ہر اصول کو عقل کی کزدور کسوٹی پر پرکھا جائے لگا۔ اور دین و ایمان کا تمدن اور سائنس
سے عداوت پیش آگیا۔

اگرچہ مذہب کی اندرونی اصلاح کا کام حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے
رفقاء سلسلہ اسماعیل شہید اور مولوی کریمت علی صاحب جو نہرو نے شروع کر رکھا
تھا۔ تاہم مغرب سے آئی ہوئی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئے طریق کار کی
ضرورت تھی۔ جس کی بدولت مذہب کے علمبردار کو ہر دو محاذ پر جنگ کرنی لازمی تھی۔
چنانچہ سر سید احمد خاں نے اسی اصول پر ایک ایسی مذہبی لڑائی کا آغاز کیا جو ایک طرف
تو مسلمانوں کے عقائد میں تبدیلی چاہتے تھے۔ اور دوسری طرف اسلام کی مدافعت کا
نعرہ بلند کر رہے تھے۔

تفسیر القرآن | تفسیر القرآن اگرچہ سب سے آخری کتاب ہے لیکن اہمیت کے اعتبار سے سب سے مقدم سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ سید کے مذہبی خیالات کو پختہ اور پوری ترقی یافتہ شکل میں پیش کرتی ہے۔ جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ سید کے افکار اکثر ارتقا کی منازل میں سے گذرتے رہے۔ مذہبی خیالات بھی اسی عمل کے تابع وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہے۔ یعنی عام قدیم مروج اصول و کلمات سے انکا انحراف زیادہ سے زیادہ ہوتا گیا۔ پس تفسیر القرآن میں ہیں ان کے ان مخصوص خیالات کی جستجو کرنی چاہئے جنہیں ایک عمر عزیز کی آزاد تحقیق کا ثمرہ کہیں تو بجا ہے۔

سید کے ارادہ افکار مذہبی کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے۔ اول یہ کہ سارا دین صرف قرآن مجید میں ہے۔ اور وہی یقینی ہے۔ اور ان کے نہ ماننے والا دین سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے۔ ظنی ہے۔ اور اس کو نہ ماننے والا دین سے خارج نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا مسلمہ اصول کہ دین عبارت ہے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے سید کے نزدیک شرک فی النبوة کا درجہ رکھتا تھا۔

دوم۔ اسلام کا کوئی مشن (یعنی قرآن کا کوئی اصول) فطرت، عقل اور اصول مذہب کے مخالف نہیں ہو سکتا بظاہر جو چیزیں ایسی نظر آتی ہیں۔ وہ دراصل ہمارا تصور فہم ہے۔ ان میں عقل اور نیچر سے تطبیق دینی ضروری ہے۔ سید نے اپنی تفسیر اسی اصول پر لکھی اور اس میں قدیم تفسیروں کی طرف بہت کم مراجعت کی۔ وہ ہر آیت کی تفسیر از خود دیکھتے جاتے تھے اس کے بعد اس کے موافق یا مخالف جو کچھ مل گیا اسے درج کر دیتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اکثر ان مباحث سے قطع نظر کیا ہے۔ جبکہ آج کل ضرورت نہ تھی البتہ ان مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو ان کے نزدیک آج کل بہت ضروری

تھے تصفیۃ العقائد میں سید نے ایک خط کے دوران میں اپنے عقاید مختصر بیان کئے ہیں۔ یہ خط مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام تھا۔ جو ایک صاحب پر جی محمد عارف کی وساطت سے نہیں بھیجا گیا تھا۔

اور صل طلب تھے۔ پرانی تفسیروں میں حدیثوں کا بہت بڑا عنصر شامل تھا جن میں معتصبہ معمول حدیثوں کا تھا۔ انہوں نے اس عنصر کی طرف بالکل توجہ نہیں کی قدیم متکلمین اور مفسرین نے اپنے زمانے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن میں منطق فلسفہ، صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت کا جزو کثیر داخل کر دیا ہے۔ جو شاید آجکل بے ضرورت تھا۔ سرسید نے ان کی بجائے ان تاریخی اور جغرافیائی واقعات و مقامات کی تحقیق کی ہے۔ جو قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔

مسلمانوں کے معتقدات مثلاً حج، روزہ، سود، اور جہاد کے متعلق طویل بحثیں لکھ کر ان پر عقلی دلائل دیں۔ علی الخصوص جہاد اور سود کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے میں بہت محنت کو کام میں لائے۔ مثلاً معراج پر تفسیر کے ۱۲۰ صفحات صرف کئے۔ ابطال غلامی کے اثبات میں سجدہ تحقیق کی۔ غرض خاص مسلمانوں کے عقائد کی چھان بین اس انداز میں کی کہ ان میں سے اکثر مسائل کو موجودہ تمدن اور عمرانی معیار پر پورا اٹانا۔

تفسیر کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جانے لگی۔ کہ سرسید کی یہ تفسیر بہت حد تک امن آرا اور خیالات پر مشتمل ہے۔ جو خود ان کے اپنے ذہن میں پیدا ہوئے۔ وہ اکثر معاملات میں مسلمانوں کے تیرہ سو سال کے مذہبی لٹریچر سے کامل بے تعلقی اختیار کرتے ہیں۔ اور بلا خوف کہہ دیتے ہیں کہ اسلام صرف حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سکھاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی نبوت میں اوروں کو شریک ٹھہرانا ہے۔ علمائے سلف میں سے وہ صرف معتزلہ کے ان خیالات سے اتفاق کرتے ہیں جن میں وہ سرسید کے خیالات سے متفق ہیں۔

سرسید کے نزدیک قرآن مجید کی کوئی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ قرآن میں کوئی کمی یا زیادتی ممکن نہیں۔ شیطان یا ابلیس ملائک اور جنات کوئی علیحدہ وجود نہیں رکھتے۔ بلکہ مختلف قوتوں کے نام ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان اور موجودات

میں پیدا کی ہیں۔ معراج خواب کی حالت میں واقع ہوا۔ آدم اور ملائکہ اور شیطان کا قہر بطور ایک کمائی اور تمثیل کے بیان ہوا ہے۔ سود کی حرمت جو قرآن میں مذکور ہے۔ اس سے مراد وہ سود ہے جو عرب میں قبل اسلام جاری تھا۔ موجودہ متمدن طریقے مثلاً بنکنک وغیرہ سود میں شامل نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں۔

حضرت عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا قرآن میں مذکور نہیں۔ قرآن مجید میں جہاد اس جنگ سے عبادت سے۔ جو مدافعت میں لڑی جائے وہ قومیں جو کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت رہتی ہیں۔ ان کا اپنے بادشاہ کے خلاف جہاد کرنا شرعی گناہ کا درجہ رکھتا ہے عقیقی اور معاد کے متعلق جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ بطور مجاز کے ہے انبیاء پر وحی خاص فرشتوں کے ذریعے نہیں آتی بلکہ خدا ان کے دل میں ایک بات پیدا کر دیتا ہے۔

ان مسائل میں سے بعض ایسے ہیں کہ گو وہ مسلمانوں کے کانوں کے لئے کافی نامانوس ہیں۔ تاہم پرانے علماء میں کوئی نہ کوئی بزرگ ان میں سید کے ساتھ متفق الحیال بھی ہیں لیکن اکثر میلایے ہیں جن میں غالباً سید منفرد نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کی مذہبی اور فکری تاریخ میں ابتداء اسلام سے جو ہجرت اور انقلاب آتے رہے ان میں سرسید کے افکار کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مذہب کی تنقید کا وہ طریقہ جو یورپ میں لومٹھ کے نالے سے چلا آتا ہے اور انگلستان میں ڈارون کے نظریہ ارتقا اور جبرہ للبقا کے اصول کے عام ہونے کے بعد رائج ہوا۔ مشرق میں شاید نظریہ آئے سرسید جو بظاہر بہت آزاد نظر آتے ہیں۔ وہ بھی اپنے آپ کو ماضی سے اتنا منقطع نہیں کر سکتے کہ اہل یورپ کی طرح خود قرآن مجید کو بھی تنقید کا تختہ مشق بنائیں۔ تاہم ان کی وقتاً

لے سر احمد حیدر نے Notes on islam میں مذہب کی تنقید کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کا رواج یورپ میں عہد وکٹوریہ کے بعد عام ہو گیا۔ ملاح الدین خدا بخش خان بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

کے بعد جو ذہنی بغاوت مسلمانوں کے جدید گروہ نے کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس کے نزدیک سرسید کی یہ آزاد خیالی اتنی خوش آئند نہیں تھی جتنی کہ یورپ میں سمجھی گئی۔ اگرچہ بہت سے مسائل میں مسلمانوں نے اسی زاویہ نگاہ کو عملاً قبول کر لیا ہے۔ جو سرسید کا اختیار کردہ تھا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں۔ کہ مسلمانوں کے زندہ اور باشعور گروہ نے جو اسلام کو ہمیشہ اسلام کے ماحول میں دیکھنا چاہتا تھا۔ سرسید کے اس اقدام کو کبھی تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ سید غالباً اس مغالطہ نفس میں مبتلا تھے کہ یورپ کا مروجہ ذہنی معیار دیر پا اور مستقل ہے حالانکہ ان کے بعد پچاس سال کے اندر اندر سائنس اور شایستگی نے اپنے نظریات اور اصول اتنی بار تبدیل کئے ہیں کہ اگر اتنی ہی دفعہ مسلمات مغرب کے مطابق اسلام کی تجدید کی جاتی تو مذہب باز یچہ بن کر رہ جاتا۔

بعد ازیں یونانی علوم و فلسفہ کے عام ہونے سے جس طرح مسلمانوں کو ایک نئی علم کلام کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اسی طرح یورپ کے فلسفہ و سائنس کے عام رواج سے اسلام کے متعلق جو شکوک و شبہات پھیل رہے تھے۔ ان کو رفع کرنے کے لئے دنیائے اسلام کو ایسے متکلمین کی ضرورت تھی۔ جو مذہب کی حفاظت کر سکیں۔

یہ حقیقت میں محض سرسید احمد خاں کا واحد احساس نہ تھا۔ بلکہ تبریلی اور انقلاب کا تقاضا اور تعبیر و توجیہ کی خواہش ہوا اور فضا تک میں موجود تھی۔ اگرچہ بظاہر محمول پسند سینوں کے اندر دبی ہوئی تھی۔ تاہم کبھی کبھی اور کہیں کہیں ابھراتی تھی۔ علی الخصوص نوجوانوں کے دل و دماغ کا مسموم و متاثر ہونا تو ضروری تھا۔ اور مذہب کی کامیاب حفاظت کا تقاضا تھا کہ دلوں کے شبہات دور کئے جائیں اور ان لوگوں کی تسکین کی جائے۔ جو مذہب کی صداقت کے معاملے میں شک میں پڑ رہے تھے۔ اس ضرورت کو سرسید احمد خاں نے سب سے زیادہ محسوس کیا۔ کیونکہ ان کو اس جدید جماعت سے غلط کے زیادہ مواقع تھے۔ بلکہ ان شبہات کے اصلی سرچشمہ تک رسائی تھی۔ سید اس اس

میں تنہا نہ تھے۔ بلکہ ان کے رفقا مولوی چراغ علی، مولوی شبلی، مولوی حالی سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ علی الخصوص شبلی جنہوں نے اس موضوع پر دو کتابیں علم الکلام اور الکلام لکھ کر اس ضرورت کا عملی اقرار کیا۔

سرسید کے علم کلام اور شبلی کے علم الکلام میں بہت بڑا فرق یہ ہے۔ کہ سرسید اپنے آپ کو علمائے سلف سے بالکل قطع کر لیتے ہیں اور اپنے عقل کو وہ درجہ دیتے ہیں۔ جو شاید کمزور انسان کے حصے میں نہیں آیا۔ یورپ جدید کے ایک بڑے اور کامیاب فلسفی برگسان نے عقل انسانی کی عنکبوتی کمزوریوں کی جو دھجیاں کھینچی ہیں۔ وہ یقیناً مذہب یا الہام کو عقل کے مقابلے میں بہت بلند ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ اس کے تتبع میں ہمارے فلسفی اقبال نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ وہ حقیقت میں ماضی سے ایک محکم واسطہ اور تعلق رکھتا ہے۔ اور کسی شخص کا مذہب کے علوم کے معاملے میں اپنے آپ کو صرف حاضر سے محدود کر لینا شاید مذہب کو گزشتہ چودہ سو سال پہلے کی بجائے صرف زمانہ حاضر کے تمدنی اصولوں پر قائم کرنے کے مترادف ہے۔

شبلی نے علم الکلام کے ذریعے قدیم و جدید میں جو بے نظیر امتزاج پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے سرسید کے علم کلام سے بہت زیادہ اسلامی اور بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید مغرب کے معقول دلائل سے حد درجہ مرعوب ہو رہے ہیں۔ اور اس خوف اور مرعوبیت کی وجہ سے مقابلہ و جواب میں اپنے آپ کو کمزور رہے ہیں۔

تاہم شبلی کو آزادی گفتار کس نے دی؟ اسی سرسید احمد خان نے جس کی دلیلی ادبے خونی نے شبلی کو اس جامد اور قدامت پسند گروہ کے درمیان آزاد بات کرنے کی اجازت دی۔ سرسید نے مذہبیات میں جو زبردست تنقید کا طریقہ اختیار

کیا۔ اگرچہ اس سے کچھ نقصانات بھی ہوئے تاہم جائز تنقید کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔ اور وہی خیالات جو سرسید نے زیادہ بے لاگ طریق پر ادا کئے۔ وہ دوسرے علما و فضلاء نے اسلامی رنگ میں ادا کر دئے۔ ذیل کے بعض مسائل جن کی بنا پر سرسید کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے شاید آج تمام مسلمانوں کے مسلمات کا درجہ رکھتے ہیں وہی باتیں جن کی وجہ سے سرسید کو دین سے برگشتہ کہا جاتا ہے۔ آج علما کی زیب تحریر تقریر بن رہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مذہب کو فطرت انسانی کے مطابق ہونا چاہئے اور اسلام اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ نبی کی عظمت معجزات پر قائم نہیں۔ قرآن کا اعجاز اس کا فطرت انسانی کے مطابق ہونا ہے۔ اسلام مسلمانوں کے اعمال کا جوابدہ نہیں۔ اسلام دنیوی ترقی کا مانع نہیں۔ جہاد اور غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدافعت تھے۔ اسلام میں جبر نہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون منع نہیں۔ اسلام نے غلامی کا انسداد کر دیا ہے تعداد ازواج عملاً ممنوع ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ عجیب بات ہے۔ کہ سرسید کے خیالات اگرچہ مسلمانوں کے عام گردہ نے تسلیم نہیں کئے۔ مگر ان کا نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان کے بہت سے خیالات احمدیت میں موجود ہیں۔ علی الخصوص وہ جن کا تعلق مناظرہ عیسائیت و مذاہب سے ہے۔ قرآن مجید کا قطعی ہونا اور باقی اصول دین کا واجب الاتباع نہ ہونا کسی نہ کسی رنگ میں اہل القرآن کی جماعت نے جذب کر لیا ہے۔ جن فرشتہ دوزخ، معجزات کا مطلب و مفہوم متفرق طور پر ملک کی انگریزی ہوان جماعت کے عقائد میں شامل ہے۔ جس کو بجا طور پر ”مذہبی بے فکروں“ کی جماعت کہا گیا ہے۔ لیکن سید کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں معقول پسندی کی طرف عام رجحان اور نئے اعتراضات کا نئے علم کلام کے ساتھ جواب دینے کا خیال انہیں کا پیدا کر رہا ہے۔ جس کے موجدین میں کوئی دوسرا

شخص ان کا شریک نہیں -

سرسید کے یہ افکار اگرچہ تہذیب الاخلاق اور بعض دوسری تالیفات میں متفرق طور پر درج ہیں۔ تاہم تفسیر القرآن جو ان کے عقاید اور خیالات کی پختہ ترین تصویر ہے۔ ان مسائل کی بحث و تحیص کے اعتبار سے ان کی مکمل ترین کتاب ہے۔ اس کی زبان سادہ اور سُرِ معنی ہے۔ اس میں اصطلاحات مذہبی و علمی کی وہ بھرمار نہیں جو عام طور پر تفاسیر میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے مخاطب عالم لوگ نہ تھے۔ بلکہ وہ عوام تھے۔ یا وہ انگریزی دان لوگ تھے۔ جو منطق و فلسفہ کی اصطلاحات میں گم ہو کر مطلب کو پانے میں وقت محسوس کرتے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے مسائل کو سمجھانے میں پُرانے حوالوں سے حتی الوسع اجتناب کیا ہے۔ وہ تمثیل کے ذریعے مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ اور عقلی دلائل کو کام میں لاتے ہیں۔ بائبل کا استعمال بھی عام ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ بائبل کو من عند اللہ سمجھتے ہوئے قرآن اور بائبل کو ایک دوسرے کا موید خیال کرتے تھے۔ وہ اشکال جو قرآن سے حل نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بائبل سے حل کرتے تھے۔

تفسیر القرآن مسلمانوں کے کسی گروہ میں مقبول نہیں ہوئی۔ جس کے اسباب ظاہر ہیں سرسید نے علمائے سلف اور قدیم مفسرین سے اختلاف کا جو اصول اختیار کیا ہے وہ بہت حد تک اشتعال انگیز تھا۔ اصلاح کے انتہا پسندانہ جوش میں انہوں نے سمات کو پس پشت پھینک دیا۔ اور سجدہ اور اختراع کو مذہب کے مقدس ماحول میں آزایا۔ تاہم اگر تفسیر القرآن سے کوئی خاص مثبت اثر نہیں پڑا۔ تو کم از کم اتنا تو ہوا۔ کہ تفسیر القرآن کے اختیار کردہ راستے کے خطرات سے بعض اور مفکر آگاہ ہوئے اور انہوں نے اس افراط و تفریط کے درمیان ایک معتدل شاہراہ تلاش کی۔ جو قدیم و جدید کا مجموعہ تھی۔ (باقی آئندہ)

سید محمد عبداللہ

فرخی سیستانی

رسالہ کیلئے یہی میگزین باہر ماہ نومبر ۱۳۶۷ء دیکھئے

شکار میں قرغہ کا طریقہ ایک مدت سے رائج تھا یعنی جس جنگل میں شکار کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اوسیں ہر چار طرف سے گھیر ڈالتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ اوس حلقہ کو چھوٹا کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام شکار کے جانور سمٹ کے نشانہ کی زد پر آ جاتے تھے۔ پھر ہر طرف سے ان پر حمل ہوتے تھے۔ بہت سے مارے جلتے تھے۔ اور بہت سے زندہ پکڑے جاتے تھے۔ سلطان محمود بھی ایسا شکار کھیلا کرتا تھا فرخی نے اس شکار جگہ کی تصور اپنے قصیدہ میں یوں کھینچی ہے۔

| | |
|---|--|
| لے ز جنگ آمدہ و روے نہادہ بر شکار | تیغ و تیرے تو ہی سیر نگہ دید ز کار |
| گاہ تیغ تو بر آرد سر دشمن گرد | گاہ تیر تو بر آرد ز بر شیر دمار ^{جنگ} |
| روز صید تو بچشم تو چہ رو باہ و شیر | روز رزم تو بر تو چہ ہیادہ چہ سوار ^{ہلاکت} |
| ہر چہ در صحرا و زندہ و دام و دود بود | ہمہ را گرد ہم کردی در یک دیوار |
| گرد ایشان پرہ بستی تائند عقاب | زان برون رفت ندانستیم از تیغ کنا |
| وز سر بالا چون ژالہ روان کردی تیر | ہر کہ را گشتی بردیدہ بر م تیر لیکار |
| چون در خشاں گشتن بودند از دوتیر | بقتا وند بد انسان کہ فتد میوہ ز دوار ^{درخت} |
| باد اوں ہمہ کسار ^{۱۱} پر از وحشی بود | نہام گاہ از ہمہ پر داختہ بودی کہ سار |
| در زمنے ہمہ دشت ز خون دود و دام | لعل کردی چو گلستانے ہنکام بہا |
| نہ کرانت مر آنکہ تو اس کرد قیاس | نہ کنار است مر آنکہ تو اس کرد شمار |

ظن بر من کہ چنین بود ہانا دشمن کشتہ و پیش تو افگندہ سر و جلنے نوار
 خواہے من کہ بجایستہ ہرام امروز تابدیدے و سیا موختہ از شاہ شکار
 واقعہ نگاری کا انداز فرخی پر اس قدر غالب ہے کہ جب قصائد کی تشبیہ تغزل
 سے کرتا ہے تو اس میں بھی انداز واقعہ نگاری کو نہیں چھوڑتا۔ ذیل کے قصیدہ کی شیب
 تغزلی میں یوں واقعہ نگاری کرتا ہے۔

تن دوش متوار یک بوقت سحر اندر آمد بہ خیمہ آن دلبر
 ترجمہ رات کو چھپ چھپا کے پچھلے پہر میرے خیمہ میں آیا وہ دلبر
 تن چنگ در برگرفت خوش بنواخت وازدوبستد فروفتشاند لشکر
 ترجمہ گود میں لیکے چنگ کو چھیڑا سرخ دولب سے گلے نغمہ تر
 تن پنج شش جام خورد و پیر گل گشت روئے آن روئے نیکوان یک سر
 ترجمہ پانچ چھ جام پیکیے سرخ ہوا افسر دلبران کا منہ یکسر
 تن مت گشت وز ہر خفتن ساخت غوشتن را کنار من بستر
 ترجمہ مست جب ہو گیا تو سونے کو میرے پہلو میں لیٹا وہ آکر
 تن زلف مشکین بروے در پوشید دست من زیر کرد و زلف زبر
 ترجمہ زلف مشکیں سے چہرہ ڈھانک لیا ہاتھ میرا تھا اوس کے زیر سر
 تن زلف اورا بدست بگر فتم زرخ گروا و بدست دگر
 ترجمہ اوسکی زلف ایک ہاتھ میں تھی مے دوسرا ہاتھ گول ٹھڈی پر
 تن راست گفتی گرفتہ بد چاکر گوے و چوگان شہ بدست اند
 ترجمہ گیند بلا شہ مظفر کا ٹھیک جیسے لئے ہوئے چاکر
 دیکھو تشبیہ سے مدح کی طرف گریزی کیسی مربوط ہے۔

۷ فرخی سے پہلے بھی واقعہ نگاری شعراء ایران میں پائی جاتی ہے۔ واقعہ

نگاری عرب کی شاعری کا خاص جوہر سمجھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک سب سے سہل صنف شاعری واقعہ نگاری ہی ہے۔ کیونکہ قوت تخیل و فکر پر زور دینا نہیں پڑتا۔ واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ شاعر کو صرف قوت نظم سے کام لینا ہوتا ہے۔ ہاں اگر زبان اور روزمرہ کی چاشنی ہو اور کچھ رنگینی بھی پیدا کی جائے تو اس میں لطف بڑھ جاتا ہے۔ اگر سادہ نظم ہو تو اس میں کیا مزہ ہے۔ بلکہ وہ اس شعر کی مصداق ہوگی

چشمان تو زیر ابرو اند وندان تو جملہ درد بانند

میر تقی نے اپنے گھر کی ویرانگی بیان کرنے میں محاورت و روزمرہ کو دخل دیکر اسے پر لطف بنایا ہے چونکہ سب سے سہل قسم واقعہ نگاری ہے۔ اس لئے اس کا ابتداء شاعری میں پایا جانا۔ بعید از عقل نہیں۔

تاہم فرخی نے مختلف واقعات کو بے تکلفی اور بہتگی سے نظم کر کے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کر دی اور آئندہ نسلوں کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اکثر قصیدہ نویس فتوحات سلطان محمود کے حالات لکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مورخ بے کم و کاست ٹھیک ٹھیک واقعات لکھتا چلا جاتا ہے۔ سومنات کی فتح میں جو قصیدہ لکھا ہے۔ اس میں ایک ایک مقام کا نام اور اس کا حال بیان کرتا ہے۔

گمان کہ برد کہ ہرگز کسے زراہ طراز بہ سومنات برو لشکر و چینیں لشکر
ہولے آن وژم و باد آن چود و حجیم زمین آن سیہ و خاک آن چو خاکستر
ہمہ درخت و میان درخت خار گشن نہ خار بلکہ سناں خلندہ و خنجر
نہ مرد را سراں کاہد راں نہادے پے نہ مرغ رادل آن کاہد راں کشادے پے
عجب ترانیکہ ملک را ہی چینیں گفتند کہ اندرین رہ مار و دوسر بود ہیمر
بہ شب چو خفتہ بود مرد سر بر آرد مار ہی کشد نفس خفتہ تا بر آید خور
چو خور بر آید و گرمی بمرد خفتہ رسد سبک نگر دو ازان خواب تا گم محشر

بدیں درشتی و زشتی رہے کہ کرم یاد گذشت شاہ توفیق خالق اکبر
 کیا عجب ہے کہ اس محل پر "خالق" سے "ہادی" کا لفظ مناسب محل ہو یا میرزاور
 بزور بہر ز پس ماندگان و گمشدگان میان باد یہ ہا حوضہاے چون کوثر
 بدان رہ اندر چندیں حصار و شہر بزرگ خراب کرد و بکند اصل ہر یک از بن و بر
 سخت لارہ کردے برج دبارہ او چوکہ کوہ فرو سخت آہن و مرمر
 چہند ہم کہ در مند ہیر حوضے بود چنانکہ خیرہ شدے اندر و د چشم فکر
 فراخ پہنا حوضے بصد ہزار عمل ہزار بنگدہ خرد گرد حوض اندر
 یکے حصار قوی بر کران شہر و درو زبت پرستال گرد آمدہ یکے محشر
 فریضہ ہر روز آن سنگ را بشستند باب گنگ دبہ شیر و بز عرفان و شکر
 واقعہ نگاری سہی لیکن نظر تحقق سے دیکھا جائے تو ایک سادہ نظم ہے۔
 فرخی نے بعض قصائد ایسے بچور میں بھی کہتے ہیں۔ جو ہم ہندوستانیوں کے
 طبائع پر موزوں نہیں۔ گو قواعد عروض سے موزوں ہیں۔ مثلاً مدح سلطان محبوب
 سلطان محمود میں کہتا ہے۔

عشق خوش است از مساعدت بود از یار یار مساعد نہ اندکست و نہ بسیار
 یہ قصیدہ بحر منسرح مثنوی عروض و ضرب اصلم مقصور یا مخروف باقی ارکان مطوی
 ہیں۔ بروزن مفتعلن فاعلات مفتعلن فاع یافع۔ ہر مستفعلن مطوی مفتعلن۔ اور
 مفعولات اول مطوی مفعلات بروزن فاعلات اور مفعولات ثانی جب اصلم ہو
 تو مفعو ہوتا ہے۔ اور مفعو میں جب قصر کو دخل دیا جائے تو فاع اور حذف کیا جائے
 توفع ہوتا ہے۔ وزن سالم اس بحر کا مستفعلن مفعولات مستفعلن مفعولات ہے۔
 بحر مغل مجنون اصل میں فاعلاتن فعلاتن فعلن ہے۔ مگر رکن اول کو سالم لانا
 جائز ہے۔ اور بس۔ مگر فرخی نے شعر ذیل میں رکن سوم کو مجنون میں سالم رکھا جو

میرے علم سے باہر ہے ۷

سائلہ نراز تو سیم و زائر نراز تو زور دوست نراز تو تخت و دشمن نراز تو دار
بر وزن فاعلاتن فعلن تن فاعلاتن - فعلن - تیسرا رکن مخبون مسکن بروزن
مفعولن تو دیکھا گیا۔ مگر سالم میری نظر سے نہیں گذرا۔ فرخی سے پہلے مرثیہ کے
اشعار فارسی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جو طے ہیں اونکو کوئی درجہ نہیں دیا
جاسکتا لیکن فرخی نے جو مرثیہ سلطان محمود کی وفات پر لکھا وہ نہ صرف پردرد اور
پرتاثر ہے بلکہ اس سے مرثیہ گوئی کے تمام اصول اور آئین قائم ہو سکتے ہیں۔
مرثیہ گوئی کے تین بڑے اصول یہ ہیں۔

۱۔ مدوح کی غفلت کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ اوس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ
اس مرتبہ کا شخص اوٹھ گیا۔

۲۔ اوسکے مرنے سے ملک میں جو رنج و ماتم برپا ہے اوسکا ذکر کیا جائے
تاکہ پڑھنے اور سننے والوں کو معلوم ہو کہ متوفی کس قدر مفید و مطبوع خلعت تھا۔

۳۔ اوسکو مخاطب کر کے ایسے خیالات ظاہر کئے جائیں جس سے یہ ثابت
ہو کہ اہم و اہم و اہم اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ گو کو اوسکے مرنے کی بھی خبر نہیں۔
اور وہ اب تک اسکو اسی طرح مخاطب کر کے باتیں کرتا تھا۔ (از شبلی) (اضافہ از شادان)
۴۔ اوسکے فضائل و کمالات کا ذکر مرثیہ میں ہو۔

۵۔ بیان حزن انگیز ہو اور الفاظ پردرد اور پرتاثر ہوں (از شادان)
فرخی کے مرثیہ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے الفاظ
بندش۔ طرز ادا اس قدر موثر ہے کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے۔

تن شہر غزنین نہ ہانست کہ سن دیدم پاد چہ قدا دست کہ امسال دگر گون شد کار
مرتبہ پہلا ساب نہیں پاتا ہوں میں غزنین کا کیا ہوا اسکی جو امسال ہے حالت یوں

| | | |
|---|--|---------------------------------------|
| م | کوہا بینم پر شورش و سرتاسر کوہ | ہمہ پر جوش و ہمہ شوش خیل و ہوار |
| ت | ایک ہنگامہ ہے گلیونین تو سب گلیونین | پایا جاتا ہے جوم سپہ و خیل و سوار |
| م | ہمترانِ نیم ہمدے زنان ہچو زنان | چشمہ کردہ ز خون نابہ برنگ گلزار |
| ت | عورتوں کی طرح منھ بیٹ رہے ہیں فہر | اشک خونیں سے ہیں آنکھیں بھی بگنکار |
| م | ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا | دشمنے روئے نہلاست دیریں شہر و دیار |
| ت | شاہ اس سال غزا سے نہ پلٹ کر آیا | اُگیا چڑھ کے عدو پایا جو خالی یہ دیار |
| م | سیرے غورہ مگر دی کہ بختہ ست امروز | دیر تر خاست مگر سنج رسیدش ز خمار |
| ت | خوب پی رات کو سونامہ بھی تو اب تک | دیر میں اسلئے اٹھ گیا کہ ہے سنج خار |
| م | خیز شاہاں کہ رسولاں شہاں آندہ | ہدیہا دارند آوردہ فراواں و نثار |
| ت | اٹھو اے شاہ کہ شاہوں کے رسول آئیں | پیشکش کیلئے لائے ہیں ہدایا و نثار |
| م | کہ تو اند کہ برا نگیزد ازین خواب ترا | خفتنی سختنی کہ خواب نگر دی بیدار |
| ت | کلی طاق ہے جگائے تجھے اس بندے | ایسا سویا ہے کہ تاحشر نہوگا بیدار |
| م | خوے تو خفتن بسیار بُد اے خواجہ | بیج کس خفتہ ندیدست ترازین کردار |
| ت | اس طرح سوتے ہوئے کس تجھے دیکھا | میرے آقا تری عادت نہ تھی سونا پلدا |
| م | یکدیک بارے درخاندہ بایست نشست | تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار |
| ت | بیٹھنا آکے ذرا دید اگر تو گھر میں | دیکھ لیتے تیرے عزیزان و تبار |
| م | بھمار از فزع و بیم تو رفتند شہاں | تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بھمار |
| ت | چھپتے پھرتے تھے ترے خوفنے قلعوں ملک | کسکے ڈر سے ہوا تو قلعہ میں پنہاں اکہل |
| م | شعرا تو بازار برافروختہ بود | رفتی و باتو بیکبارہ بر رفت آن بازار |
| ت | گرم بازاری اشعار تھی تیرے دم | ہو گئی سرد ترے جلے اب وہ بازار |
| | فرخی نے صنائع بدائع شعری میں ایک کتاب لکھی جس کا نام | |

”ترجمان البلاغہ“ ہے۔ رشید الدین وطواط نے اپنی کتاب ”حداائق السحریں اسکا ذکر کیا ہے۔ اور اس کتاب کو لغو بتاتا ہے۔

گو او نے صنائع بدائع میں کتاب لکھی۔ اور شعراء ایران صنائع بدائع کی طرف ابتدا ہی سے راغب ہو چکے تھے۔ کیونکہ شاعری کا نمونہ جو شعراء ایران کے سامنے تھا وہ عرب کی شاعری تھی۔ عرب میں خود اس زمانہ میں صنائع و بدائع کا ایراد کلام میں عام ہو چکا تھا۔ اور عبداللہ ابن معتر کی کتاب البدیع جو اس فن کی پہلی کتاب ہے گھر گھر پھیل چکی تھی۔ تاہم فرخی کی یہ سلامت طبع ہے کہ ان تکلفات سے بہت کم کام لیتا ہے اسیں شک نہیں کہ جب شعر صنائع کا لحاظ کر کے کہا جاتا ہے تو معنوی خوبی شعر کی بہت کم ہو جاتی ہے یا جاتی ہی رہتی ہے۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ابوبکر نے صنعت قلب کا لحاظ کر کے یہ شعر ذیل کہا تو مضے سے معری ہو گیا۔

شکر ترازوے وزارت برکش شوہرہ ببل بلب ہر مہوش
لیکن جب یہ صنائع بے تکلف صرف ہوں تو حسن کلام بڑھ جاتا ہے۔
دیکھئے یہی صنعت قلب کیسی بے تکلفی اور عدم تصنع سے ذیل کی حکایت میں صرف ہوئی ہے۔

ایک غریب نے امیر سے کہا۔ ”مراوے دارم“۔ اوس امیر نے جواب دیا ”برآید یارب“ فرخی نے بھی کہیں کہیں صنائع و بدائع سے کام لیا ہے۔ تبلیغ بھی ایک صنعت ہے۔ یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا۔ فرخی نے ذیل کے اشعار میں اس صنعت کو کس خوبی سے صرف کیا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت میں گہیوں کھائے تو ان کے

رشید الدین وطواط محمد بن محمد نے سن ۵۷۵ یا ۵۸۰ء میں وفات پائی۔ ابوالفرس عارث بن العلام سن ۳۵۷ میں قتل ہوا۔

ہدن سے اونکے کپڑے خود بخود اتر پڑے۔ اور وہ برہنہ ہو گئے۔ فرخی نے اس واقعہ سے خزان کی تعریف میں مضمون پیدا کیا۔

مگر درخت شگوفہ گناہ آدم کرد کہ از لباس جو آدم ہی شود عریا
نوشیرواں نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی زنجیر کا ایک سرا ایوان شاہی میں تھا۔ اور دوسرا مچھانک پر جس کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو وہ اس زنجیر کو آکر ہلا دیتا زنجیر ہلتے ہی نوشیرواں کسی حالت میں ہوتا فوراً باہر نکل آتا۔ اسی سے محاورہ سلسلہ جنہانی بنا ہے۔ فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

من چو مظلوماں از سلسلہ نوشیرواں اندر آویختہ زان سلسلہ زلف دراز
مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا اور سلیمان اس پر بیٹھ کے سیر کیا کرتے تھے۔ فرخی نے اس واقعہ سے تشبیہ کا کام لیا۔

پے بازی گوے شد خسرو بریکے تازی اسپ کہ پیکر
راست گفتی بہ باد بر۔ جم بود گر بود باد استام ز زر
حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے نکل جانے کے خیال سے کنارہ رود نیل پر پہنچے تو نیل کا پانی پھٹ کر ایک راستہ نکل آیا۔ اور بنی اسرائیل بے زحمت پار ہو گئے۔ فرخی اس راستہ سے کمکشاں کو تشبیہ دیتا
مجرہ چون بدریا راہ موسیٰ کہ اندر قعر او بگذشت لشکر
فارسی میں دریا بمعنی سحر ہے مگر فرخی نے بمعنی رود استعمال کیا۔ یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مبالغہ سحر کہا ہو۔

اشعار ذیل میں فرخی صنعت جمع و تقیم کو صرف کرتا ہے۔

عشق تو باچار حیزم یاد داند ہشت چیز مر مر ہر سکتے زین غم جگر گرد و کباب
با زخم ندوزد ریزد با دلم اندوہ و غم باد و چشم آب و خون و با تم سنج و غذاب

دین عجائب ترکہ جون این ہشت بہن یار کرد
راحت و آرام روح و رامش و تسکین دل
دورگہ داند رتن داند دل و اندر دہشتم
رنج دار دجلے خون و درد دار دجلے روح
روے او بشرد و بر بود و بیفکند و ببرد
خرمی از نو بہار و تازگی از سرخ گل
چار چیز تو مانند سال و مہ بے ہشت چیز
چشم تو بخواب و سحر و روے تو بے سیم و گل
دیکھو گریز مدح کی طرف کس خوش اسلوبی اور ربط کے ساتھ کرتا ہے۔

تاب جعدیں و خم زلف تو نشا سم ہی
ہرگز او در چار وقت از چار چیز اندر نہ ماند
وقت کہ دار از تو ان و وقت پیکار از عدو
ہشت چیز اور ابجد از ہشت مایہ ہشت چیز
حلم او سنگ زمین و طبع او لطف ہوا
رسم او حسن بہار و لفظ او قدر لشکر
ہشت چیز را برابر یا فتم با ہشت چیز
تیمغ اورا با قضا و تیر اورا با قدر
حزم اورا با امان و عزم اورا با ظفر
صنعت سوال و جواب میں اشعار ذیل ہیں ہلکاس قصیدہ کے بہت سے

اشعار اسی صنعت میں ہیں۔ تعریف خزاں میں اس کی تشبیہ ہے۔ اور

لہ اگلے زمانہ میں خشت ہاری اور نگاری سے بھی جنگ میں کام لیا جاتا تھا ۱۲

بعد ازاں مدح امیر یوسف برادر سلطان محمود ہے۔

چو زرشدن در زان از چہ؟ از نہیں خزان یکینہ گشت خزاں باکہ؟ با سپاہ روان
ہوا گست گست از چہ؟ برگست از ابر رجیت ابر؟ ندانی توا ز بخارود خان
گزندہ گشت چہ چیز؟ آب چون چہ؟ چون گزوم خندہ گشت ہی باد۔ چون چہ؟ چون پیکان
بر سخت کہ؟ گل سوری چہ ریخت برگ چرا؟ ز ہجر لالہ۔ کجارت لالہ؟ شد پنہاں
امیر یوسف برادر سلطان محمود کی مدح پھر اسی صنعت میں کرتا ہے۔

چہ گویم اورا؟ بزو چہ خوانم اورا؟ مدح چہ بوسم اورا؟ خاک و۔ چہ نیم اورا؟ جان
ز دل چہ خواہد؟ فصل و۔ ز کف چہ خواہد وجود دلش چہ آمد؟ بحر و کفش چہ آمد؟ کان
بعض الفاظ غریب اور غیر مانوس بھی استعمال کرتا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ
قافیہ کی تنگی کی وجہ سے ہوں۔ یا ہم ہندوستانیوں کو غریب معلوم ہوتے ہیں۔
اور اہل زبان کے نزدیک معمولی ہوں یا مدت گزرنے کی وجہ سے غیر مانوس ہو گئے ہوں
خانہ بے طاعتاں انشیخ تو گر دو خراب گنجماے مغربی از دست تو گرد و ضرب
علی (عبدالرسولی) ایرانی جامع و مصحح دیوان فرخی نے غرب کے معنی
فٹ لوٹ میں برکنده از وطن بتائے ہیں۔ اور نسخہ خراب بھی لکھا ہے۔

در بر این سوے دگر فرمان دشمنی تو فرد گرداند ز خالی تاکہ صحن از قرب
جامع مذکور نے لفظ قرب پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ کذا فی جمیع النسخ۔ میں نے
مصرع ثانی کی تصحیح یوں کی ہے فرد گرداند حالی از کہ چین تا عرب
چشمہ روشن نہ بیند دیدہ از گرد سپاہ بانگ تند نشنود گوش از غوکس و چلب
چلب جھانج کوکتے ہیں۔

سراو باغ چو بے کہ خدایے خواہد ماند گل و بنفشہ مرست و سراو باغ مرست
مرست بمعنی ماناد۔ و نر دید۔ ممکن ہے قدیم زبان ہو۔

دل بردو مرا نیز بمرم نشمرد گفتا کہ چہ سو است کہ درغ آید برد
 درغ وہ پشتہ اور بندہ جو لکڑی۔ خاک۔ گھاس اور گارے سے دریا
 کا پانی روکنے کے لئے باندھتے ہیں۔

نمود چوں ہمارے فرخ گر گس ہنچو نباشد شبہ باز خشین پند
 خشین بمعنی سفید۔ و ہند بمعنی زغن و غلیو از و خاد
 کہ بستہ اند ہمہ پر زغ بر تبریند کہ کردہ اند ہمہ خون زغ بر منتقار
 تبریز شاخ جامہ

آیم چون بخ بگوشہ بنشینم پوست بیکرہ برون کنم ز ستغفار
 بخ بضم باء موحده صورتے مہیب کہ برائے ترساندن اطفال سازندار و بچا
 گر نگیرد بطش اندر جاے کمتر آید ہمارے از ور کاک
 ور کاک کنجشک و بعضے مردار خوار (گدھ) گفتہ اند۔

کاروانے بیسراکم داد جملہ بارکش کاروانے دیگیم بخشید سختی جملہ رنگ
 بیسراک شتر۔ سختی شتر۔ صفہانی۔ رنگ شترے کہ برائے ستاج نگاہدارند۔
 بر شاد گو نہ خفت ملک شاد و شاکم دولت رہی و سخت مطیع و ملک غلام
 شاد گو نہ۔ تو شک و نہالی۔

دو فرگن ست روان از دو دیدہ بردو غم رخم ز رفتن فرگن بجملگی فرغن
 فرگن۔ فرغن۔ فرغر ہر سہ بمعنی جوے (از فرہنگ اسدی طوسی)
 دست و زباں بد و نرسد کس را آرے بہاہ بر نرسد لا تو
 لا تو بمعنی نزد بان۔

بر فضل او گو اگنداند دل گر چہ گوا سخا ہند از خستو
 خستو مقرر و معترف۔

صد اسپ تازی و سیصد تجارہ زگوہر سمجھو گروں پر ستارہ
 تجارہ کرۂ اسپے کہ برآں زین نگذاشته باشند (ناکندہ پھیڑا)
 در تنور ویل بادا دشمنیت از بلسک ^{سیچ} خیتنور او بیختہ
 بلسک بکسرتین سیخ آہنی کہ سرآن پہن باشد و آتش تنور را بدان بگویند
 خیتنور۔ پل صراط و آئرا۔ زراط و مسراط نیز گفته اند (فرہنگ انجمن آلس نامری)
 ویل۔ درکۂ از جہنم۔
 سید اولاد حسین شادان بلگرامی
 (باقی دارد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

علم کلام اور نظریہ استطاعت

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء)

بدانکہ ارادہ شرعی فرع ارادہ تکوینی است۔ ہاں معنی کہ خدا در ازل الازل دانست کہ مصلحت آں است کہ در فلاں زماں اشخاص کذا و کذا موجود شوند۔ و در فلاں وقت اشخاص کذا و کذا۔ و مصلحت در حق جماعت اولی آنست کہ چنین و چنین کنند و مصلحت در حق جماعت آخری آں است کہ چنان و چنان کنند۔ پس ارادہ فرمود خلق آنہا را در ازمنہ معہودہ و تعیین فرمود تعلیق اثابت و تغذیب را بر افعال مختصہ بحسب ہر زمانہ۔ پس این ہمہ در ازل الازل متحقق شد۔ بعد ازاں ہوں آں وقت یا رسید نازل کرد قضا را در ملاء اعلیٰ۔ و بہ سبب این قضا در حظیرۃ القدس کہ عبارت از مدارک ملاء اعلیٰ است یا چیزے دیگر قریب آں۔ آنہم تعلیقات مثبت گشت۔ و این امر متجدد است بحسب تجدد ازمنہ کہ در شرائع الہیہ تعبیر از آں بکَتَبَ اللّٰهُ واقع شد۔ قال اللہ تعالیٰ کتب اللہ لا غلبن انا و رسولی۔ و قال کتب علیکم الصیام۔ و این جا استعداد اشخاص و حوادثے کہ خلق آں مقدر شدہ است۔ مقدم است بریں تعلیقات تقدماً ذاتیاً۔ و ہمیں است سبب اختلاف شرائع۔

پس تعلیق نہ کرد ثواب و عقاب را بر تعظیم سبت و ہتک حرمت آں در شریعت موسویہ الا بہجت مصلحتی کہ ناشیہ است از استعداد آں جماعت۔

و تربیتے کہ بایں جماعت مناسب است۔ و تعلیق نہ کرد ثواب و عذاب را بہ اجتماع روز جمعہ و ترک آں در شریعت مصطفویہ الایہ بجمت مصلحتی کہ ناشیہ است از استعداد این جماعت و تربیتی کہ بایں جماعت مناسب است۔ مانند طیبیہ کہ مریض محروم را دوائے بار و میدہد، و مریض مبرود را دوائے حار، بعد از ان نازل فرمود بر السنۃ انبیاء آں تعلیقات را۔

و تعبیر از ان تعلیقات بطرق مختلفہ واقع مے شود۔ گاہے بہ اعتبار کتب الد علیکم کذا و کذا۔ و گاہے بامر و نہی۔ افعلو کذا۔ لا تفعلو کذا۔ و تعیین این تعلیقات اولاً۔ و ظہور آں در ملاء اعلیٰ ثانیاً ہماں است کلام نفسی و لہذا اشاعرہ جازم اند بآنکہ کلام نفسی در اصل یکے است۔ بامر و نہی و اخبار تکثرے در حقیقتش راہ نمے یابد۔ و بہ عربی و سریانی و صف آں نتواں کرد۔

قال الامام الرازی ان کلام اللہ تعالیٰ واحد۔ و مع کونہ واحد فہو امر و نہی و خبر۔ و تحقیق الکلام یرجع الی حرف واحد و ہو ان الکلام کلمۃ خبر لان الامر عبارة عن تعریف الغیر انہ لفضل لصار مستحقاً للمدح، و لو ترک صار مستحقاً للذم۔ و کذا القول فی النہی۔ و اذا کان المرجع للکل الی شئ واحد۔ و ہو الخبر۔ صحّ قولنا ان کلام اللہ شئ واحد۔ انتہی (قلت و ہو طور غیر ما ذکرنا۔ و کل وجہ)

و این کلام نفسی باعتبار اول قدیم و ازلی است۔ و باعتبار کتابت در ملاء اعلیٰ محدث متقدم از بعثت پیغمبر۔ نہ عربی، نہ سریانی۔ و باعتبار ظہور او بواسطہ جبریل بر قلب پیغامبر ثالثاً محدث متاخر از بعثت پیغامبر بلسان عربی کما قال و انہ لتنزیل رب العلمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذین بلسان عربی مبین۔ و این کلام نفسی در افادہ ایجاب و تحریم اقویٰ جمیع

انواع احکام است ۴ بقدر الضرورة ۲۵۶- ۲۵۷

نکتہ تفسیر فی الاشاعرة | امام ولی اللہ دہلوی قرۃ العینین میں فرماتے ہیں۔
بدانکہ اشاعره دو قسم اند، (۱) متکلمین۔ کہ در مناظرہ و محاصمہ سہم اعلیٰ نصیب
ایشان است۔ اما در حدیث تبصرے و توسع ندارند۔ مثل ابو بکر با قلا فی
امام مازنی قاضی بیضاوی، قاضی عضد، ملا سعد (۲) و محدثین کہ در حدیث
و توسع روایات قدح او فی یافتہ اند۔ اما در مناظرہ و محاصمہ و مراجعہ غور نہ
نمودہ اند۔ مثل آجڑی و بہیقی۔

و بعد ازیں ماہمہ مردم از ریزہ ہر دو خوان تناول نمودہ ایم۔ و کاسہ
ہر دو فریق لیسیدہ ایم۔ عجب نیست کہ در صورت اجتماع امرے ظاہر شود
کہ در ہر واحد تنہا موجود نہ بود ۵

ازین افیوں کہ ساقی در می افکند حریفان را نہ سرماند نہ دستار
۲۲۰ ص ۲۵۳

اشعری اور حسن و قبح افعال | راقم تحقیر کو جس طرح مسئلہ کلام الہی میں
امام اشعری کا مسلک نہایت اوق، بالانتر از عقل، یا بعید از طبع معلوم ہوتا تھا۔
اسی طرح حسن و قبح افعال میں اشعری کا مسلک موجب حیرت ہے۔ اسی وجہ
میں بسر ہوتی ہے۔ کہ کوئی ایسی تصنیف ملے۔ جس سے اس مسئلہ کو بھی اسی طرح
حل کیا جاسکے۔ جس طرح مسئلہ کلام الہی میں قرۃ العینین سے تشفی ہوئی۔
سیر دست میرے دماغ میں وہی مسلک پوری قوت اور استحکام سے مرکب ہے۔
جو حافظ ابن القیم حنبلی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”مفتاح دار السعاده“ میں بڑی
شد و مد سے پیش کیا ہے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ قلم توڑ دیا ہے۔ دلیں در اعبادان قرۃ
غائب کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

احکام کے حق و قبح سمجھنے میں آیا عقل انسانی مستقل ہے یا نہ ؟
 (۱) معتزلہ کہتے ہیں کہ ہاں مستقل ہے۔ عقل سمجھ سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم میں فلاں فعل کا کرنا ممنوع ہے۔ نیز سمجھ سکتی ہے کہ خدا کے حکم میں فلاں فعل کرنا واجب ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کے ہاں افعال کے لئے حق و قبح صفات ذاتیہ سے ہے۔ الغرض عقل حاکم ہے۔ اور شرع مبین ہے۔
 (۲) اشاعرہ تمام مذاہب کے افعال کی ذات میں مطلقاً حق و قبح نہیں۔ یہ سب شریعت کی کار فرمائیاں ہیں۔ شریعت نے جس کا حکم دیا وہ حق ہو گیا۔ اور جس سے روکا وہ قبیح ہوا۔ ورنہ اگر شریعت اس کے خلاف حکم دیتی تو حق قبیح اور قبیح حق ہو سکتا تھا۔ بالفاظ دیگر شرع ہی حاکم اور مبین ہے (۳) تمام ترماتریدیہ (خفیہ) کہتے ہیں کہ گو حق و قبح افعال کے لئے ذاتی ہے۔ جیسے معتزلہ نے کہا۔ مگر عقل حاکم نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اور شرع شریف ہے۔ اسی کی تصریح سے کوئی فعل واجب یا ممنوع ہوتا ہے عقل حق و قبح معلوم کرنے کا فقط ذریعہ اور آلہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرع حاکم اور عقل مبین ہے۔ حافظ ابن القيم فرماتے ہیں۔ والشرع جاء بتقرير ما هو مستقر في الفطر والعقول من تحيين الحن والامر به وتقيح القبيح والنهي عنه۔ وانه لم يبحى بما يخالف العقل والفطرة وان جاء بما يعجز العقول عن احواله والاستقلال به۔ فالشرائع جاءت بمجازات العقول ودون محالاتها۔ و فرق بين ما لا تدرک العقول حنہ و بین ما تشہد بقبحہ فالاول مایاتی بہ الرسل دون انسانی۔ و اخطاء المعتزلہ فی ترتیب العذاب علی هذا القبیح عقلاً كما تقدم واصابوا فی اثبات الحکمة لدوانہ لا یفعل فعلاً خالیاً عن الحکمة۔ بل کل افعاله مقصودة لغواقبها الحمیة وغایاتها المحبوبة لہ ص ۳۶۔ مفتاح۔ قال

بعض الصحابہ و قدسٹل عما اوجب اسلامہ - فقال ما امر بشئ فقال العقل
 لیتہ نہی عنہ ولا نہی عن شئ فقال العقل لیتہ امر بہ - فلو کان الحسن القبح
 لم یکن مرکوزاً فی الفطر والعقول لم یکن ما امر بہ الرسول ونہی عنہ علماً من اعلام
 صدقہ ومعلوم ان شرعہ و دینہ عند الخاصۃ من اکرام اعلام صدقہ و شواہد نبوتہ
 کما تقدم مفتاح ص ۱۰۰ حتی انہ لو قدر انہ لم یرسل رسلہ ولم ینزل کتبہ
 لکان فی الفطرۃ والعقل ما یقتضی شکرہ وافراده بالعبادۃ مفتاح ص ۹۳
 فاتعفت شریعتہ وفطرنتہ وتطابقا وتوافقا ظہرا انہما من مشکاة واحدة ص ۹۴
 امام ابو منصور ماتریدی | امام ابو الحسن علی بن اسمعیل اشعری ص ۲۰ اور
 اور اشعری میں موازنہ | بقول بعض ص ۲۰ کو بصرہ میں پیدا ہوئے
 اور تمام عمر بغداد میں رہے۔ ص ۲۳ میں بغداد میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے
 اختلاف مذاہب اور | اشعری کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی بصرہ
 اشعری کا ماحول | مذاہب مختلفہ اور آراء متناقضہ کا مرکز
 بن چکا تھا۔

قدریہ | معبد بن خالد جنہی قدری نے بصرہ سے ہی انکار تقدیر کی دعوت
 شروع کی۔ اور علی الاعلان کہا۔ ”لا قدر والامر انف“ یہ قدریہ کی ابتدا ہے
 یہ لوگ اپنے غلو میں یہاں تک کہہ گئے۔ کہ خیر کا خالق خدا تعالیٰ اور شر
 کا خالق بندہ خود ہے۔ جیسے مجوسیوں نے نور کا خالق یزدان کو اور ظلمت
 کا خالق ابومن کو ٹھہرایا۔

غیلان بن مسلم دمشقی نے (جس کو خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے قتل
 کرایا تھا) دمشق میں معبد قدری کے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔
 جبریمہ | ادھر خراسان میں جہم بن صفوان نے معبد قدری کی ترویج شروع

کی۔ مگر اثبات تقدیر پر اس قدر زور دیا۔ کہ خود جبر کی دلدل میں پھنس گیا۔ یہیں سے جبریہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

معتزلہ | امام حسن بصری بصرہ کے جلیل القدر تابعی بصرہ میں تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہتے تھے۔ واصل بن عطاء غزال معتزلی بعد اس کے کہ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ سے اعتزال سیکھ چکا تھا۔ امام حسن بصری کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا تھا۔ عاصی مرتکب کبیرہ کے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ کہ آیا مومن ہے یا کافر۔ واصل نے بڑھ کر کہا۔ نہ مومن ہے جیسے سنی کہتے ہیں اور نہ کافر جیسے خوارج کا مذہب ہے۔ مگر ہے مخلد فی النار۔ یعنی واصل نے فقط نام میں اختلاف کیا۔ حکم میں خوارج سے پوری طرح متفق ہے۔ اس پر امام حسن بصری نے فرمایا۔ ”اعتزل عنا“ یہیں سے واصل نے مذہب اعتزال کا اعلان کیا۔ اور عمرو بن عبید سے مل کر اپنے اصول خمسہ مذکورہ بالا کی تبلیغ شروع کی۔ جس سے اکابر معتزلہ۔ مثلاً بشر بن معتمر، ابو الہذیل علاف، ابوبکر بن کیسان اصم۔ نظام، ہشام فوطی، شحام، جاثظ، قاضی ابن ابی دواد، ابو موسیٰ بن صبیح مردار، جعفر بن اسکانی، جبائی، ابو ہاشم وغیرہ۔ بروئے کار آئے۔ جنہوں نے بغداد اور بصرہ کو اعتزال کا مرکز اعظم بنادیا۔

حشویہ | علیٰ ہذا القیاس امام حسن بصری کی مجلس میں ایک دفعہ کہیں عقل سے بیر رکھنے والے، ظاہر پرست رواۃ حدیث آنکے۔ انہوں نے کچھ خارج از عقل باتیں کہیں۔ جن کو سن کر حسن برہم ہوئے۔ اور فرمایا۔ ”ردوہم الیٰ حشا الحلقۃ اسی جانہا“ یہاں سے دشمنان عقل، منکران دانش، حشویہ کی ابتدا ہوئی۔ جو معتزلہ کی نقیض صریح، اور مقابل جانب پر کھڑے ہیں۔

حشویہ کی اصلی عداوت علوم عقلیہ، فنون نظریہ سے ہے۔ جو فرقہ بھی اس طرف جھکا وہ اس سے دست و گریبان ہوئے۔ معتزلہ کی ٹوٹگافیوں نے اہل کو ہر چیز کی نہ تک پہنچنے کا عادی بنا دیا تھا۔ نیز وہ جمود سے جہاد کرنے کے لئے گویا عالم میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تمام ان خیالات فاسدہ کو باطل کرتے تھے۔ جو خلاف اسلام مذاہب سے اسلام میں آگھٹتے تھے اس سلسلہ میں ان کی خدمات بہت ہی وقیع ہیں۔

لطیفۃ فی جمل الرواۃ | حافظ ابوالحسن دارقطنی، جو اپنی ہمہ دانی کے زعم میں امام الائمہ قاضی قضاۃ العالم ابو یوسف پر ”اعور فی العمیان“ کی بھتی کتے ہیں۔ آپ احمد بن یوسف بن خلاد عطار کے تلمیذ ہیں۔ اور احمد بن یوسف باوجود پکا راوی ہونے کے صاع اور مد کے معنوں سے قطعاً بے خبر ہیں۔ خطیب بغداد اس عبرت انگیز واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

قال الحسن بن شہاب العکبری حضرت (ترجمہ) حسن بن شہاب کہتے ہیں۔ کہ مع ابی الحسن المدار قطنی عند احمد بن یوسف میں ابوالحسن دارقطنی کی معیت میں احمد بن یوسف عطار کے حلقہ درس میں فجری ذکر الصاع والمد، فقال احمد لابن الحسن ایما اکبر الصاع او المد؟ فقال لنا ابوالحسن انظروا الی شیخکم الذی تسمعون منہ والی ما سألت عنہ قلت کان ابن خلاد لا یعرف شیئاً من العلم غیر الّٰہ سماعہ کان صحیحاً خطیب ص ۲۲۱ ہے یا مد؟ اس پر دارقطنی نے ازراہ تعجب دوسرے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ سنا شیخ صاحب (جس سے حدیث پڑھ رہے ہو) کیسا محقول سوال کر رہے ہیں؟ خطیب کہتے ہیں۔

احمد بن یوسف علم کا ایک حرف بھی نہ جانتے تھے۔ مگر ان کا سماع صحیح تھا۔ عقلمندوں نے کہا ہے۔ ”یک من علم را وہ من عقل باید“ مگر یہاں تو عقل ہی ندارد۔ صرف طوطے کی طرح الفاظ رٹ لئے ہیں۔ اور بس۔ انہیں ظاہر پرستوں کے دم قدم سے حدیث غرائق کی توثیق ہوئی۔ ابن حجر شیخ الاسلام کا مطبوع مستقل رسالہ موجود ہے۔ زن اور یا، امرأة العزیز، فسانہ ہائے مکمل حضرت زینب کی تصدیق ہوئی۔ حتیٰ کہ ایسی ایسی روایات سامنے آئیں جن کے تسلیم کر لینے پر نہ عصمت انبیاء رہتی ہے اور نہ تحفظ قرآن۔ رہا حدیث روایات کا وہ حصہ جو قرآن کریم کی شرح اور اسوۂ حسنہ کی تعبیر ہو۔ اس کے تسلیم کرنے کے سوا چارہ ہی کہاں ہے۔ ان حالات میں خطیب کے اس قول کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ جو اس نے ازراہ تعصب محمد بن شجاع شلمی حنفی کے متعلق لکھا ہے۔

احتمال فی ابطال الحدیث عن رسول اللہ (ترجمہ) حنفی مذہب کی پاسداری میں صلی اللہ علیہ وسلم وردہ نصرة لابی شلمی نے حدیث رسول کو باطل قرار دیا حنیفہ و رأیہ ۳۵۱ خطیب ص ۳۵۱

کوئی مسلم کلمہ گو حدیث کو اس لئے باطل قرار نہیں دے سکتا کہ وہ مذہب کے مخالف ہے۔ شلمی کا تو رتبہ ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ تو فی وہو فی صلاة العصر ساجد ۳۵۱ خطیب ص ۳۵۱ البتہ اصول روایت و درایت کے رو سے انہوں نے بھی کچھ قطع و برید کی ہوگی۔ اور دوسرے محدثین کو بھی کرتے ہی بنتی ہے۔

فرقہ ہائے سیاسی

شیعہ جس طرح بصرہ و بغداد مذکورہ بالا مذہبی فرقوں کا مرکز تھے۔ اسی طرح

سیاسی مختلف امیال و عواطف کی جماعتیں بھی یہیں لنگہ انداز تھیں اور یہی خاک سے اٹھیں۔ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں جب مختلف سیاسی فتنے کھڑے ہوئے۔ اور خلیفہ نے ان کے سدباب کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی۔ تو عبد اللہ بن سبا یہودی کو اہل بیت کے نام پر مزید اختلاف بڑھانے اور اپنی تحریکات سیاسیہ کو مذہبی رنگ دینے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک غلو کیا کہ ابو عمر و کشتی رافضی کو بھی کتاب الرجال میں یہ لکھنا پڑا۔

ذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یہودیاً فاسم ووالی علیاً وکان یقول وھو علی یہودیۃ فی یوشع بن نون وصی موسی بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفاتہ صلعم فی علی مثل ذلک وکان اول من اشتهر بالقول بفرض امامۃ علی و اظهر البراءۃ من اعدائہ واکفر ہم فمن ہنا قال من خالف الشیعۃ ان اهل الرافض ماخوذ من الیہودیتۃ ھ کتاب الرجال ص ۱ کان یدعی النبوتۃ ویرزم ان علیاً ھو اللہ تعالیٰ فاحرقہ علی ھ ص ۲ و قال الامام جعفر الصادق انا اہل بیت صدیقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا عند الناس ھ جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ہم اہل بیت صدیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے خلاف

(ترجمہ) علما کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا در اصل یہودی تھا۔ وہ مذہب یہودیت کے وقت یوشع بن نون وصی موسیٰ میں غلو کا قائل تھا۔ جب اسلام لایا۔ تو حضرت مرتضیٰ میں غلو کیا۔ ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے مسئلہ امامت کی فرضیت کا عقیدہ گھڑا۔ پھر صحابہ پر تبرّ اغوئی اور ان کی تکفیر کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین مذہب شیعہ کہا کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ در اصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔ عبد اللہ بن سبا خود مدعی نبوت تھا۔ اور حضرت مرتضیٰ کو الہ کہتا تھا۔ آپ نے اس کو آگ میں جلا دیا تھا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ہم اہل بیت صدیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے خلاف

ہموارہ کوئی نہ کوئی کذاب جھوٹ کے طومار باندھتا رہتا ہے۔“
مقصدِ رفض | امام فضل اللہ تورپشتی حنفی (معاصر شیخ سعدی) کتاب المقصد
 باب سوم فصل چہارم میں لکھتے ہیں۔ ”در خلافت ابو بکر سخن گفتند چہ آل
 مفضی می شود بہ طعن در جملہ صحابہ و طعن در ایشان مفضی مے شود بہ طعن
 در دین، زیرا کہ قرآن و حدیث و احکامیکہ ازاں مستفاد است از صحابہ
 بہار سیدہ است، و چون حال ایشان براں وجہ اعتقاد کنند کہ متبدعان
 میگویند، بر نقل ایشان بیچ اعتماد نہ ماند۔ پس شریعت ثابت نشود۔
 خطیب بغداد لکھتے ہیں۔ ولما جاء المرشد بشا کر راس الزنادقة لیضرب
 عنقه قال اخبرنی لم تعلمون المتعم منکم اول ما تعلمونه، الرض والقدرة۔ قال
 اما قبلنا بالرفض فاننا نريد الطعن على النافلة۔ فاذا بطلت النافلة او شك
 ان یبطل المنقول ھ ص ۳۰۰۔

امام شعرانی نے کتاب الیواقیت و الجواهر ص ۲۲۶ میں بعینہ اسی قسم کی

تصریحات ذکر کی ہیں۔

خوارج و معتزلہ | صفین میں واقع تحکیم کے بعد حضرت علی کے قلعین کی
 ایک جماعت آپ سے کٹ کر علیحدہ ہو گئی۔ ان میں سے ایک جماعت
 نہایت غالی تھی جس نے علی مرتضیٰ کی ہر مرتکب کبیرہ کی صریح تکفیر کو رکن
 مذہب قرار دیا۔ خوارج رفض کا رد عمل تھے۔ مگر خوارج کے بروئے کار
 آنے سے رفض کو محبت اہل بیت کی آڑ میں پاؤں پھیلانے کا بڑا موقع ملا۔
 دوسری جماعت نے بقول ابو الحسن طرابلسی شافعی متوفی ۳۷۷ھ اپنا

نام معتزلہ رکھا۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ امام حسن نے حضرت معاویہ سے
 بیعت کر لی تھی۔ یہ جماعت ہر دو فرقہ سے ہٹ کر حجروں اور مسجدوں میں

گھس گئی۔ اور سیاسیات کو مطلقاً خیر باد کہہ کر عبادت الہی میں مشغول ہو گئی۔“
اس جماعت کے پہلے داعی ابو ہاشم عبد اللہ اور اُن کے بھائی حسن (فرزند ابن
محمد بن حنفیہ) ہیں۔

مرجئہ | حسن بن محمد بن حنفیہ پہلا شخص ہے جس نے خوارج کے غلو کے
مقابلہ میں یہ کہا۔ کہ ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا۔ اعمال حقیقت ایمان
سے خارج ہیں۔ اس لئے مرتکب کبیرہ کا فر اور مخلد فی النار نہیں۔ اس پر
حسن اور اُن کی جماعت کو مرجئہ کہا گیا۔ کیونکہ اُنہوں نے اعمال کو ایمان
کی حقیقت سے پیچھے ہٹا دیا۔ ارجا کے معنی پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ قال
تعالیٰ تزجی من تشاء یہ لوگ مرجئہ السنۃ کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد ایک
دوسرا گروہ پیدا ہوا۔ جس نے کہا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت
خواہ کتنی بڑی ہو ضرر نہیں دیتی۔ یہ مرجئہ البدعۃ کہلاتے ہیں۔

معانی الارجاء | ارجاء کے دو معنی گزر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ علما نے
ارجا کے بعض اور معنی بھی لکھے ہیں۔ حسن بن محمد مذکور کی طرف دراصل
انہیں معنوں کو منسوب کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر تہذیب التہذیب
میں فرماتے ہیں :-

قال ایوب انا اتبرء من الارجاء ان اول
من تکلم فیہ رجل من اهل المدينۃ یقال
لہ الحسن بن محمد قلت انا وقفت علی کتاب
الحسن بن محمد قال فیہ ونوالی ابابکر وعمر
ونجاء فیہما لانہما لم یقتل علیہما الامۃ
ولم تشک فی امرہما وثرجی من بعدہما

(ترجمہ) ایوب کہتے ہیں کہ میں مذہب
ارجا سے بیزار ہوں۔ سب سے
پہلے اس مذہب پر حسن بن محمد مدنی
نے کتاب لکھی۔ میں کہتا ہوں کہ میں
نے حسن بن محمد کی کتاب مذکور دیکھی۔
جس میں کہتے ہیں کہ ہم شیخین کی مولا

من دخل فی الفتنة ففعل امرہم الی اللہ
 فمعنی الذی تکلم فیہ الحسن انہ یری
 عدم القطع علی احدی الطائفتین
 المقتتلین فی الفتنة بكونها مخطئاً او
 مصیباً وکان یری انہ یری جی الامر
 فیہما - واما الارجاء الذی یتعلق بالایمان
 فلم یرج علیہ، فلا یحقہ بذلک عاب
 ۳۲ ص ۳۲۱

کا دم بھرتے ہیں۔ اور اُن کے لئے
 ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں۔ کیونکہ
 ان کے متعلق امت نے جنگ نہیں
 کی۔ اور نہ کسی قسم کا شبہ ہی کیا ہے
 شیخن کے بعد مشاجرات میں پڑنے
 والے صحابہ کرام کا معاملہ خدا تعالیٰ
 کے حوالہ کرتے ہیں۔ خلاصۃ المرام
 اینکہ۔ جن جس ارجاء کے قائل ہیں۔

اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ مشاجرات صحابہ میں ہم کسی ایک فریق کو غلط کار
 اور دوسرے کو راہ راست پر نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ہم اُن کا معاملہ خدا کے
 سپرد کرتے ہیں۔ رہے ارجاء کے وہ معنی جو ایمان سے متعلق ہیں۔ یعنی اعمال
 صالحہ سے ایمان بڑھتا نہیں اور بد سے گھٹتا نہیں۔ سو یہ معنی نہ اُس
 کی مراد ہیں اور نہ اُس کو کوئی ملامت کیجا سکتی ہے۔

امام اعظم اور ارجاء امام ابو حنیفہ پر ارجاء کا حملہ سب سے پہلے مصنفین
 سے غالباً ابو محمد بن قتیبہ متوفی ۲۷۷ھ نے کتاب "المعارف" میں کیا۔
 ابن ختیبہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔ المرجۃ منہم ابو حنیفہ صاحب الرائے
 و ابو یوسف صاحب الرائے و محمد بن الحسن ھ طبع مصر ۲۰۷

ہمارا یقین ہے کہ امام نے ارجاء کے وہ معنی نہیں لئے جو مرجۃ الہیۃ
 کے ہاں مراد ہیں۔ بلکہ وہی معنی مراد لئے ہیں۔ جو ہم ابھی حسن بن محمد سے
 بحوالہ تہذیب التہذیب نقل کر آئے ہیں۔ خود امام الائمہ نے کتاب
 العالم و المتعلم ص ۱۹ ص ۲۱ پر ارجاء کے معنوں پر مبسوط بحث کی ہے۔

وہاں ملاحظہ ہو۔ آخری جملے حسب ذیل ہیں۔ ومن الارجاء ان ترجی لاہل
الذنوب ولا تقول انہم من اہل النار ومن اہل الجنة فان الناس عندنا علی
ثلاثة منازل، الانبیاء انہم من اہل الجنة ومن قالت لہ الانبیاء انہ من اہل
الجنة فہو من اہل الجنة۔ و^۱ المنزلة الأخری المشرکون نشد علیہم انہم
من اہل النار۔ والمنزلة^۲ الثالثة ہم الموحدون، نقف علیہم لانشد علیہم
انہم من اہل النار ولا من اہل الجنة وکننا نرجو لہم ونخاف علیہم کما قال اللہ
عز وجل خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً۔ عسی اللہ ان یتوب علیہم فنرجو انہم
لان اللہ قال ان اللہ لا یغفران لیشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء
ونخاف علیہم بذنوبہم وخطایاہم ۵

خطیب بغداد، ابراہیم بن طہمان (شیخ امام اعظم و عبد اللہ بن مبارک
و عبد الرحمان بن مہدی و سفیان بن عیینہ وغیرہ اکابر) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں
و ابراہیم بن طہمان کان مرحباً۔ قال ابوالصلت لم یکن ارجائہم ہذا المذہب
النجیث۔ ان الایمان قول بلا عمل، وان ترک العمل لا یضر بالایمان۔ بل کان
ارجائہم انہم یرجون لاہل الکبائر الغفران، رداً علی الخوارج وغیرہم الذین
یکفرون بالذنوب، فکانوا یرجون ولا یکفرون بالذنوب، ونحن کذلک سمعت الکلیج
بن الجراح یقول سمعت سفیان الثوری فی آخر امرہ یقول نحن نرجو بجمع اہل الذنوب
والکبائر الذین یدینون وینتہوا ویصلون صلاتنا وان علموا انی علی ۵ ص ۱۹۱

شہرستانی نے الملل والنحل ص ۱۸۱ طبع مصر میں بھی اس بحث پر قلم اٹھایا
ہے۔ بیز شاہ ولی اللہ دہلوی نے تفسیلات البیہ جلد اول میں اس کو حل کیا ہے
من شاء فلیرجع الیہما۔ ولکنکف بهذا القدر والا فللقول بحال وسیع۔

ملاحظہ یہاں تک ان اسلامی فرقوں سے بحث تھی جن کا تعلق بصرہ سے

ہے خواہ سیاسی ہوں۔ خواہ خالص مذہبی۔ ان تمام کے بعد زنادقہ اور ملاحدہ کی دعوت و تبلیغ ہے۔ حماد بن عمار، عبدالمعین بن ابی العوجا، صالح بن عبدالقدوس حصیری، ابن راوندی جیسے محدثوں نے مجوسیوں اور دوسرے بزمیوں کی کتابوں کے ترجمے کر کے سادہ لوح افراد کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ملاحدہ اور ظاہر پرست | جب یہ فتنہ حد اعتدال سے گزر گیا۔ تو خلیفہ مہدی محدث و معتزلہ | کو سب سے پہلے خیال آیا۔ اور اُس نے متکلمین

و مناظرین کو محدثوں کی تردید کا حکم دیا۔ اس وقت تین جماعتیں میدان میں تھیں۔ محدثین۔ داعیان کتاب و سنت۔ داعیان اعتزال۔ ظاہر ہے۔ کہ ظاہر کتاب و سنت پر جمنے والے ملاحدہ کے مقابلہ میں ایک گھڑی بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ کیونکہ اُن کے پاس وہ ہتھیار ہی نہیں جن سے اُن کے غنیمت سلج ہیں۔

احمد بن یحییٰ بن مرتضیٰ زیدی یعنی متوفی ۳۴۰ھ (اعلام زر کلی ص ۵۷)

کتاب المینۃ والامل طبع حیدرآباد ص ۳۲-۳۳ پر لکھتے ہیں۔ قال القاضي ولما منع الرشيد من الجدل في الدين وحس اهل علم الكلام، كتب اليه ملك السند ائمة رئيس قوم لا ينصفون ولا يقدرون الرجال ويغلبون بالسيف، فان كنت على ثقة من دينك فوجه الى من اناظره، فان كان الحق معك اتبعنا وان لا نتبعي۔ فوجه اليه قاضياً وكان عند الملك رجل من السمنية وهو الذي حمل على هذه المكاتبة۔ فلما وصل القاضي اليه اكرمه ورفع مجلساً فسأله السمني، فقال اخبرني عن معبودك هل هو القادر؟ قال نعم قال افهو قادر على ان يخلق مثله؟ فقال القاضى بذه المسئلة من علم الكلام وهو بدعة۔ فقال السمني من اصحابك فقال فلان وفلان وعد جماعة

من الفقهاء، فقال السمنی للملک قد کنت اعلمتک بحکلم و اخبرتک بتقلیدہم۔
 قال فامر ذلک القاضي بالانصراف و کتب معہ الی الرشید انی کنت بدءتک
 بالکتاب و انا علی غیر یقین محاکلی لی منکم، فالآن قد تيقنت ذلک بحضور القاضی۔
 وحکی له فی الکتاب ما جرى۔ فلما ورد الکتاب علی الرشید قامت قیامته و ضاق
 صدره، و قال ایس لهذا الدین من یناصل عنه قالوبلی یا امیر المؤمنین ہم
 الذین نہیتهم عن الجدل فی الدین و جماعۃ منهم فی الحبس فقال احضروہم فلما
 حضروا قال ما تقولون فی ہذہ المسئلہ فقال صبی من بینہم ہذا السؤال محال،
 لان المخلوق لا یکون الا محدثا و المحدث لا یکون مثل القديم۔ فقد استحال ان
 یقال یقدر علی ان یخلق مثله او لا یقدر، کما استحال ان یقال یقدر ان یکون
 عاجزا او جاهلا۔ فقال الرشید وجہوا ہذا الصبی الی السند حتی ینظر ہم فقالوا
 انه لا یومن ان یسلوہ عن غیر ہذا فیجب ان توجہ من ینفی بالمناظرہ فی کل العلم۔
 فقال الرشید فمن ہم؟ فوقع اختیارہم علی محمد بن عباد السملی فلما قرب
 من السند بلغ خبرہ ملک السند فخاف السمنی ان یقتضخ علی یدیه وقد کان
 عرفہ من قبل، فذس من سمہ فی الطریق فقتلہ ھ

یہی وجہ ہے کہ اس کام کے لئے معتزلہ ہی کو میدان میں اُترنا پڑا۔
 اور انہوں نے اس میدان میں وہ وہ کام کئے جن کا انکار روز روشن کا
 انکار ہے۔ علی الخصوص ملاحہ کے استیصال میں وہ پامردی دکھائی، جو
 رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ دہریہ، منکرین نبوت، نصاریٰ، یہود، آتش پرست
 وغیرہ کفار کے مقابلہ میں معتزلہ کے احسانات کو فراموش کرنا پرلے درجے
 کی ناحق شناسی اور احسان فراموشی ہے۔ کیا عبد الرحیم خیل کی کتاب الانتصاف
 ردو براہین راوندی ملحد کا کوئی جواب ہے؟ حافظ ذہبی جیسا شہید ناقد

”سیر النبلاء میں جاخط پر رحمتیں بھیجتا ہے۔ کیونکہ اس کی تصنیف ”کتاب النبوة“ اپنے باب میں لاجواب ہے۔

تصانیف معجزہ | بنا برین معجزہ کی تصانیف سے مطلقاً سروکار نہ رکھنا
سے استفادہ | بھی گوئے جہالت ہے۔ قال الخطابی فی معالم السنن

كانت المعجزات في الزمان الاول على خلاف هذه الالهواء وانما احدها بعضهم في الزمان المتاخره

تفسیر کشاف پر تبصرہ | البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی کتابوں سے وہی لوگ سروکار رکھیں۔ جو ان کتابوں کے مفید اور مضرت حصوں میں فرق کر سکتے ہوں اعتزال کی خفیہ وسیعہ کاریوں میں پھنس جانے سے مطمئن ہوں۔ اس کے متعلق حافظ تاج الدین سبکی کی رائے ایک مشعل راہ کا کام دیتی ہے جو انہوں نے کتاب ”معبد النعم“ میں تفسیر کشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھی۔

واعلم ان الکشاف کتاب عظیم فی بابہ وصنفہ امام فی فنہ۔ الا انه رجل مبتدع متجاهر ببدعته یضع من قدر النبوة کثیراً ولیس فی ادبہ علی اہل السنۃ والجماعۃ۔ والواجب کشط ما فی الکشاف من ذلک کلہ۔ ولقد کان الشیخ الامام (تقی الدین السبکی والد التاج السبکی) یقرئہ، فاذا انتہی الی کلامہ فی قولہ تعالیٰ فی سورۃ التکویر انہ لقول رسول کریم الآیۃ، اعرض عنہ صفحاً وکتب ورقۃ حسۃ، سماہا ”سبب الکفاف عن اقراء الکشاف“ وقال فیہا رایت کلامہ علی قولہ تعالیٰ عفا اللہ عنک، وکلامہ فی سورۃ التحریم وغیر ذلک من الاماکن التی اساء ادبہ فیہا علی خیر خلق اللہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعرضت عن اقراء کتابہ حیاء من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مع ما فی کتابہ من الغوائد والکتب البدیۃ۔ فانظر الی کلام الشیخ الامام الذی برزنی جمیع العلوم وجمع

الموافق والمخالف علی انه بحر الجار منقولاً ومقولاً۔ فی هذا الكتاب الذی اتخذت
ان عاجم دراسته فی هذا الزمان دیدنها۔ والقول عند ما فيه انه لا ينبغي ان يسمح
بالنظر فيه الا لمن صار علی منهاج السنه، لا تترحمه شبهات القدرينته
ص ۱۰۴، ص ۱۰۵

الغرض اسلام پر بیرونی حلوں کا جواب جس خوبی اور فیصلہ کن صورت
سے معتزلہ نے دیا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ یہی وہ وجہ تھے۔ جن کے
ماتحت معتزلہ نے خوب ترقی کی۔ حکومتِ وقت کو اپنا گرویدہ بنا کر
اس میں خوب اقتدار حاصل کیا۔ اور مامون اعظم جیسے جبار شہنشاہ کو
خلقِ قرآن کا متوالا بنا کر سلطنت کی طرف سے اس عقیدہ کی تبلیغ شروع کرائی۔
رجع الحدیث | غرض امام ابوالحسن اشعری نے اس ماحول میں تربیت
پائی جس کا ادنیٰ نمونہ ہم اوپر دکھا آئے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام تفصیل سے
ہمارا مقصد یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے جس فضائیں نشوونما حاصل
کی اس میں کیا کیا جراثیم حملہ موجود تھے۔ وہ معتزلہ کے حلقہٴ درس میں
پڑھے اور تادم واپس ایسے مرکزوں سے وابستہ رہے جو اسلامی اور
غیر اسلامی فرقوں کے لئے معدن کا حکم رکھتے تھے۔ پھر یہ بھی مدنظر ہے
کہ اشعری نے بعد از توبہ ان فرقوں سے الگ تھک رہ کر بھی زندگی بسر
نہیں کی۔ بلکہ ان سے جدال و مناظرہ ان کی بقیہ زندگی کا نصب العین رہا۔
ان حالات میں ذرہ بھر تعجب کی بات نہیں اگر اشعری کے کلام میں
بعد از توبہ بھی بعض امور خلاف عقل یا نقل پائے جائیں۔ کیونکہ جو شخص کسی جماعت
کے زیر اثر تربیت پائے، پھر اس سے اور اُس جیسی دوسری جماعتوں سے اسکی
پیکار علمی رہے تو ضروری ہے کہ اس کے کلام میں خوردہ گیر دلی اور نکتہ چینوں

کو موقع مل سکتا ہے۔ جیسے ہم حسن و قبح کے متعلق لکھ آئے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ کی کتابیں اشعری پر خوردہ گیر یوں سے بھری پڑی ہیں۔ لوہیں موضع تفصیلاً امام ابو منصور ماتریدی آپ کے معاصر امام ماتریدی کا ماحول اشعری سے بالکل مختلف ہے۔ امام مذکور کا نام محمد بن محمد بن منصور ہے شیخ السنۃ امام المکملین لقب ۳۲۷ میں فوت ہو کر سمرقند میں دفن ہوئے۔ آپ کی تبلیغ کا مرکز ”ما وراء النہر“ (جیچون پار) تھا۔ ماتریدی نے بھی فرق باطلہ کی تردید میں زور بیان اور طاقتِ قلم کو صرف کیا۔ چنانچہ کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب اوہام المعتزلہ، کتاب رد اہل الادلۃ للکلبی، کتاب رد الماصول الخمسة، کتاب رد الامة لبعض الروافض، کتاب الرد علی القرامطہ، کتاب تاویلات القرآن وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

کتاب تاویلات القرآن، یعنی تفسیر قرآن از ماتریدی (جس کا ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں بھی محفوظ ہے) کے متعلق حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں۔
لابوزیہ فیہ کتاب بل لا یدانیہ شیء من تصانیف من سبقہ فی ذلک الفن
جواہر مضیہ ص ۱۳۲

مگر ماحول و فضا کے خلاف و موافق ہونے کی وجہ سے ماتریدی کا کلام مذکورہ بالا تمام خوردہ گیریوں سے بالاتر ہے۔ کیونکہ وہاں سنت بدعت پر غالب تھی۔ جیسے ہم اوپر حافظ ابن تیمیہ سے نقل کر آئے ہیں کہ فقہا کلام علماء کلام کی نسبت قرآن و سنت کے زیادہ متبع ہوتے ہیں۔ اور ان کے کلام پر بہت کم خوردہ گیری ہو سکتی ہے۔ بنا برین چونکہ متبدع و ملاحدہ کا شغوب وہاں کم تھا۔ اس لئے ان کے علمی نظریے، عقلی ہوں یا نقلی، صراط مستقیم اور راہ اعتدال سے نہیں ہٹے۔

آئمہ خفییہ کا احسانِ سوم | آئمہ خفییہ کا علمِ کلام پر یہ تیسرا احسان ہے۔
 پہلا احسان حضرت امام اعظمؒ کا وجودِ باجود۔ دوم عقیدہ طحاویؒ جو ہمیشہ
 تمام آئمہ کے لئے شمعِ راہ رہا۔ سوم امام ابو منصور ماتریدیؒ شیخِ ائمہ
 بماء النہر تارخ اپنے اسباق دہراتی ہے۔ اس لئے حضرت امام شافعیؒ
 رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ذیل ایک بار پھر صادق آیا۔ قال الشافعی الناس عیال
 علی ثلاثۃ علی مقاتل فی التفسیر و علی زہیر فی الشعر و علی ابی حنیفۃ فی الکلام
 خطیب ص ۱۶۱

موازنہ اشاعرہ و ماتریدیہ | اشاعرہ کو چونکہ دو گروہوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ اس
 لئے وہ معتزلہ اور حشویہ کے عین وسط میں کھڑے ہیں۔ نہ تو نقلیات
 سے اتنے دور بھاگے کہ انکارِ احادیث صحیحہ کریں۔ جس طرح معتزلہ نے انکار
 احادیث صحیحہ کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور نہ عقل کو ایسا کورا اور نقد
 جواب دیا۔ جس کا مظاہرہ حشویہ کے کلام میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ بلکہ
 پوری احتیاط اور دیانت سے کتاب و سنت کا دامن نہٹا۔ اور ہر فرقہ
 کے ابتداء کو دور سے سلام کیا۔ پھر تمام عالم کو اپنے علوم و فنون سے
 مالا مال کر دیا۔

رہے ماتریدیہ، وہ اشاعرہ اور معتزلہ کے حاق و وسط میں واقع ہیں۔
 جیسے مسئلہ حسن و قبح افعال میں حال ہی میں گندا۔ و انما غرضنا التلویح و منع
 من الاخبار دون التفصیل۔ و باسمہ التوفیق۔

ما اختلاف فیہ الاشاعرۃ و الماتریدیۃ | علمِ کلام کا یہ گوشہ بھی عجیب حوصلہ شکن
 ہے۔ بمطابق تصریحات گزشتہ و آئندہ (از تاج سبکی وغیرہ) چونکہ عقیدہ اشعریؒ
 عقیدہ طحاویؒ کا عکس اور ظل ہے۔ پھر ماتریدیہ اور اشاعرہ میں اختلاف کس

طرح ہو سکتا ہے۔ قال السبکی فی الطبقات ثم ہذہ المسائل الثلثة عشر المتنفقة
بین الاشاعرة والماتریدیة لم یثبت جمیعاً عن الشیخ الاشعری ولا عن ابی حنیفۃ
ص ۲۶۱۔ وہی تخریجات در تخریجات کا شاخسانہ ہے۔ جو متبعین ماتریدی
اور اشعری کی علمی طبائع نے کھڑا کیا ہے۔

تاہم اختلاف مدون کو اختلاف نہ تسلیم کرنا بھی مشکل ہے۔ اسی لئے
متقدمین و متاخرین نے اس فن میں بھی تصنیفات لکھیں۔ اور مسائل مختلفہ
کی تعداد معین کی۔ یہاں ہم تفصیلات کو چھوڑ کر صرف چند اشارات پر اکتفا
کریں گے۔

(۱) حافظ عبد الوہاب سبکی طبقات میں فرماتے ہیں۔ قال ابو العباس المعروف
بقاضی العسکر (وکان من ائمتہ اصحاب ابی حنیفۃ ومن المتقدمین فی علم الکلام)
قد اخذ عامة اصحاب الشافعی بما استقر علیہ مذہب ابی الحسن الاشعری یصف اصحاب
الشافعی کتاباً کثیرة علی وفق ما ذہب الیہ الاشعری۔ الا ان بعض اصحابنا من اہل السنۃ والجماعۃ
قد خطا اباحسن فی بعض المسائل مثل قولہ التکوین والمکون واحد ونحوہا۔

فمن وقف علی المسائل التي خطا فیہا ابواحسن وعرف خطاہ فلا باس لہ
بالنظر فی کتبہ۔ فقد امسک کتبہ کثیر من اصحابنا من اہل السنۃ والجماعۃ ونظروا
فیہا۔ ذکر البحث عن تحقیق ذلک۔ سمعت الشیخ الامام (الوالد رحمہ اللہ)
یقول بالتضمنہ عقیدۃ الطحاوی ہو ما یعتقدہ الاشعری لایخالفہ الا فی ثلاث مسائل۔

(قلت) انا اعلم ان الماکیۃ کلہم اشاعرة لا استثنیٰ احد۔ والشافعیۃ غالبہم
اشاعرة لا استثنیٰ الا من یحق منہم بتجسیم او اعتزال والحقیۃ اکثرہم اشاعرة
اعنی یمتقدون عقد الاشعری۔ الا من یحق بالاعتزال۔ والحنابلہ اکثر فضلہ
متقدمیم اشاعرة ما یخرج منہم من عقیدہ الاشعری الا من یحق باہل التجسیم

بابل التجیم، دہم فی ہذہ الفرقة من الحنبلة اکثر من غیرہم۔

وقد تأملت عقیدة ابی جعفر الطحاوی فوجدت الامر علی ما قال الشیخ الامام وعقیدة الطحاوی یزعم انها الذی علیہ ابو حنیفة وابو یوسف ومحمد۔ ولقد جود فیہا۔ ثم تصفحت کتب الحنفیة فوجدت جمیع المسائل التي بیننا وبين الحنفیة خلاف فیہا ثلثة عشر مسئلة۔ منها معنوی ست مسائل۔ والہا فی لفظی۔ وتلك الستة المعنویة لا تقتضی مخالفتهم لنا ولا مخالفتنا لهم تکفیراً ولا تبديلاً صرح بذلك الاستاذ ابو منصور البغدادی وغیرہ من ائمتنا وائمتهم۔ ثم ہذہ المسائل الثلاثہ عشر لم یثبت جمیعہا من الشیخ والاعن ابی حنیفة طبعات ص ۲۶۱ بعد۔

(۲) مذکورہ بالا تیرہ مسائل پر مفصل بحث ابو عذبہ حسن بن عبد المحسن نے اپنی کتاب ”الروضۃ البیتہ فیما بین الاشعریۃ والما تریدیۃ“ میں دی ہے یہ کتاب مولف نے مکہ معظمہ زادہ الاسد شرفا، ۱۲۵۸ھ میں تصنیف کی ابو عذبہ نے بھی سبکی کی طرح مسائل مختلفہ کو پہلے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ قسم اول وہ مسائل جن میں اختلاف محض لفظی ہے۔ درحقیقت اختلاف ہے نہیں۔ انکی تعداد سات بتائی پھر ہر ایک مسئلہ پر مبسوط بحث کی۔ قسم دوم وہ مسائل جن میں اختلاف لفظی نہیں۔ بلکہ اختلاف حقیقی اور معنوی ہے۔ مگر وہ اختلاف کسی فریق کی تکفیر یا تبديل یا تفسیق کا ہرگز ہرگز موجب نہیں۔ بلکہ تدقیق فلسفی کے پیش نظر محض عقلی موٹکافیاں ہیں۔ اور بس۔ ایسے مسائل کی تعداد چھ ہے۔ بعدہ ہر مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ بہر حال اختلافی مسائل کا مجموعہ تیرہ ہی رہا۔ کچھ عجب نہیں کہ غائر نظر اور نکتہ رس شخص آخر الذکر چھ مسئلوں میں غور کرتے کرتے، ان کی تعداد چھ

سے تین تک پہنچا دے۔ جیسے ابن سبکی اپنے والد ماجد، تقی سبکی سے نقل فرما چکے ہیں۔ وَلَعَلَّنَا نَفْرَغَ لَذَلِكَ بِعَصِيٍّ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔ تقدیرات رسل ربنا بائحتی۔

تبصرہ علی حقیقۃ الفقہ الحنفی وفضلہ و تفصیل احسان چہام

دقت رائے، اصابت فہم اور ائمہ حنفیہ | مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ اکابر ائمہ کی تصریحات کے مطابق علم کلام اور علم فقہ امام اعظم کی یادگار ہیں۔ آپ ہی کے طفیل یہ ہر دوفن منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ اور آپ ہی کی تربیت اور آبیاری سے پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اور اس تمام تفصیل سے ہمارا نصب العین ایک اور صرف ایک تھا۔ ہم بظاہر فقہ اور علم کلام کا دونوں حضرت امام کو قرار دے رہے تھے۔ مگر درحقیقت یہ کہہ رہے تھے۔ کہ دقت رائے، اصابت فہم، نصوص شرعیہ کے علل و اسباب میں غور و غرض، روایت سے روایت کو پرکھنا، اور روایت کے اصول و فروع کا انضباط، مذہب فطرت (اسلام) کو فطرت صحیحہ کے مطابق کر دکھانا، ان تمام تر اصولوں کا سنگ بنیاد سب سے پہلے حضرت امام نے رکھا۔ اور روایت پرستی کے بحر مواج، اور الفاظ کی طوطا گمانی کے سیلاب کو سب سے اول جس شخص نے روایت کی سدسکندری کھڑی کر کے روکا وہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ مذکورہ بالا اصولوں کی طرف آپ نے عملاً اور قولاً دعوت دی۔ اور مفکرین کی ایسی زبردست جماعت پیدا کی جنکی نظیر بعد الصحابہ شاید ہی چشم فلک نے دیکھی ہو۔

حنفی مجلس شوری کے ارکان | حنفی مجلس وضع قوانین کے اراکین کو

اوں نے نظر سے دیکھ لینا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ فقہ حنفی کے مدونین نے وضع قوانین کے وقت پورے غور و خوض سے کام لیا۔ نیز وہ ہر قسم کے ضروری علوم و فنون سے آراستہ تھے۔ جن کی روشنی میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ حنفی مجلس وضع قوانین کے متعلق خطیب بغداد کی تصریحات ذیل نہایت ہی کارآمد ہیں۔

قال ابن کرامۃ کنا عند وکیع یوماً (ترجمہ) ابن کرامۃ کہتے ہیں کہ ہم ایک فقال رجل اخطأ ابو حنیفۃ، فقل وکیع یقدر ابو حنیفۃ یخطئ و معہ مثل ابی یوسف وزفر فی قیاسہما، و مثل یحییٰ بن ابی زائدۃ و حفص بن غیاث و حبان و مندل فی حفظہم للاحدیث، و القاسم بن معن فی معرفتہم باللغۃ و العربیۃ، و داؤد الطائی و فضیل بن عیاض فی زہد ہما و درعہما، و من کان صولاء جلساءہ لم یکد یخطئ لانه ان خطا ردہ ھ ص ۲۴۱

روز امام حافظ وکیع بن جراح حنفی کے پاس تھے [وکان وکیع یفتی بقول ابی حنیفۃ و کذا یحییٰ بن سعید القطان] خطیب ص ۲۴۳، سمع الراۃ قیاساً من الامام و ابی یوسف و زفرہ مفتاح السعاده ص ۱۱۴] کہ ایک شخص نے طنزاً کہا کہ امام ابو حنیفہ غلط کہتے ہیں۔ اس پر وکیع نے چمک کر فرمایا ابو حنیفہ سے غلطی کا ہونا کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ آپ کی مجلس شوری

کے اراکین کی صف میں ابو یوسف اور زفر جیسے زبردست اہل قیاس اور اصحاب دانش موجود ہوں۔

[کان ابو یوسف یحفظ التفسیر و الحدیث و ایام العرب و کان الفقہ اقل علومہ ھ مفتاح ص ۱۰۴، قال احمد و ابن معین و علی بن المدینی ثقۃ ھ ہواہر مضیہ از عبد القادر القرشی الحافظ و تاج التراجم از حافظ قاسم بن قطلوبغا

مصری تلمیذ ابن ہمام وابن حجر۔ ولقد قال ما قلت قولاً خالفت فیہ ابا حنیفۃ الا
 وہو قول قالہ ثم رغب عنہ ۳۲۱ جواہر ص ۲۱۱ و تاج التراجم ص ۵۵ و اما زفر فکان
 الامام یفضلہ و یقول ہوا قیس اصحابی و قال ابو حنیفۃ فی خطبۃ نکاح زفر
 زفر امام من ائمتہ المسلمین و علم من اعلامہم فی شرفہ و حسبہ و علمہ ۳۲۲ جواہر
 تاج۔ و قال زفر ما خالفت ابا حنیفۃ فی قول الا و قد کان یقول بہ ۳۲۳ تاج
 ۳۲۴ قال ابن معین ثقۃ مامون۔ و قال ابن حبان کان فقیہاً حافظاً قلیل
 الخطاء۔ قال ابو نعیم کان ثقۃ ماموناً۔ قبل لو کعب تختلف الی زفر؟ فقال
 غر قمونا بابی حنیفۃ حتی مات۔ تریدون ان تغرونا عن زفر۔ قال ابو عمر
 [ابن عبد البر تلمیذ ابی الحسن الکرخی۔ لور] کان زفر ذا عقل و دین و فہم و ورع
 و کان ثقۃ فی الحدیث ۳۲۵ تاج و جواہر، عن ابن المبارک قال سمعت زفر
 یقول نحن لاناخذ بالرأی مادام الاثر و اذا جاء الاثر ترکنا الرأی ۳۲۶ فوائدہ بیہت
 پھر ابو حنیفہ کیونکہ غلطی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اُن کے یہاں یحییٰ بن زکریا بن
 ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث، حبان بن علی، مندل بن علی جیسے حافظ
 حدیث موجود ہوں [یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، اول من صنف الکتاب بالکوفۃ
 کان قاضیاً للرشد علی المدائن، قدم بغداد و حدث بہا ۳۲۷ مفتاح ص ۱۲۔
 قال ابن معین انتہی العلم الی ابن عباس فی زمانہ، والی الشعی فی زمانہ، والی
 الثوری فی زمانہ، ثم الی یحییٰ فی زمانہ و کان احفظ اہل زمانہ للحدیث، و اقہم
 مع دین و ورع ۳۲۸ جواہر و مفتاح ص ۱۲۔ و اما حفص بن غیاث فروی عنہ
 احمد و ابن معین و علی بن المدینی و اسحق بن راہویہ و عامۃ الکوفیین، روی
 الفقہ عن الامام۔ و لاء الرشید علی قضاء بغداد ۳۲۹ مفتاح ص ۱۱۹، احد من قال
 الامام فیہ فی جماعۃ انتم مسار قلبی و جلاء حزنی، قال الذہبی فی المیزان احد الشقاۃ

ۛ جواہر۔ واما حبان ومندل انہا علیٰ نکان الامام یقر بہما وتبیلطف بہما وکانا
من الزعم الناس للجلسہ ، وکان مندل اشہر من حبان ۛ مفتاح ص ۱۲۲
وقال ابن معین حبان انہل من اخیه مندل ولیس بہما باس ، وروی
لحبان ابن ماجہ ۛ جواہر ومندل روى له ابو داؤد وابن ماجہ ۛ جواہر
پھر تعجب بالائے تعجب ہے کہ ابو حنیفہ غلطی کریں جبکہ اُن کی محض
علمی میں قاسم بن معن مسعودی (از اولاد ابن مسعود) جیسے ادیب اور لغوی
موجود ہوں۔ [صحب الامام وتفقه علیہ وروی عنہ۔ ولی قضاء الکوفہ ،
کان اماماً فی الفقه بحرآ فی العربیۃ ۛ مفتاح ص ۱۲۳ ، و ہواحد من قال
ابو حنیفۃ فی نفر انتم مسارقہی و جلاء حزنی ، قال ابن ابی حاتم صدوق
ثقة۔ وکان اردی الناس للحديث والشعر واعلمہم بالعربیۃ والفقه ، وثقة احمد
وروى له اصحب السنن ۛ جواہر] نیز امام ابو حنیفہ سے غلطی کس طرح
ہو سکتی ہے۔ جبکہ اُن کی صحبت میں داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض
جیسے زاہد و متقی ، اصحب باطن حاضر رہتے ہوں۔ [کان داؤد من
اجلۃ اصحاب الامام ، لو وزن بابل الارض لوزنہم فضلاً و صلاحاً ۛ مفتاح
ص ۱۲۴] الامام الربانی وکان ممن درس الفقه وغیرہ من العلوم ، وثقة یحییٰ
بن معین ، وروی له النسائی ۛ جواہر۔ واطال الخطیب فی ترجمتہ۔ واما فضیل
بن عیاض فہواحد من اخذ الفقه عن الامام ، اوی عنہ الامام الشافعی ، فردی
عن امام عظیم وروی عنہ امام عظیم ، و ہوا امام عظیم ، روى عنہ الامامان عظیمان
البخاری وسلم و اصحب السنن ۛ جواہر] الغرض جس ہستی کی بارگاہ قدس میں
ایسے جامع کمالات افراد ہر وقت موجود رہتے ہوں۔ اس سے غلطی کا سرزد
ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اگر بالفرض کہیں لغزش ہوگی تو ہمیشہ

اس کو متنبہ کر دیں گے۔

احتیاط! احتیاط!! (۲) خطیب بغداد دوسرے پر موقع پر لکھتے ہیں۔

کان اصحاب ابی حنیفۃ الذہبی
یذاکرونہ ابو یوسف وزفر و داؤد الطائی
واسد بن عمرو عافیۃ الاودی القاسم
بن معن و علی بن مسہر و مندل و
حبان انبا علی۔ و کانوا یخوضون
فی المسئلۃ۔ فانہم یحضر عافیۃ قال
ابو حنیفۃ لا ترفعوا المسئلۃ حتی یحضر
عافیۃ، فاذا حضر عافیۃ فان وافقتم
قال ابو حنیفۃ اثبتوا وانہم یوافقتم
قال ابو حنیفۃ لا تثبتوا ھ ص ۳۱۲

(ترجمہ) قانون سازی میں احتیاط کا
وہ عالم تھا جس کو خطیب بغداد نے
بالفاظ ذیل بیان کیا۔ ”امام ابو حنیفہ
کی مجلس شوری کے ارکان حسب ذیل
تھے۔ ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد
بن عمرو، قاسم بن معن، علی بن مسہر،
مندل و حبان [اسد بن عمرو صاحب
الامام واحد الاعلام، سہ ابا حنیفہ و ثقہ
علیہ، روی عنہ الامام احمد و ناہیک
بہ وثقہ یحییٰ بن معین و لا یلتفت الی
من ضعف و ہوا اول من کتب کتب ابی حنیفہ ھ جواہر۔ قال عبد اللہ بن احمد ست
ابی احمد بن حنبل عن اسد بن عمرو قال صالح الحدیث و کان من اصحاب الرئ
و کان صدوقاً و ابو یوسف صدوق لکن اصحاب ابی حنیفہ ینبغی ان لا یروی
عنہم شیء ھ خطیب ص ۶ و اما عافیۃ الاودی فذکرہ النسائی فی الثقات، من
اصحاب ابی حنیفہ ھ جواہر و اما علی بن مسہر فہو الذی اخذ عنہ سفیان الثوری
علم ابی حنیفہ و نسخ منہ کتبہ، روی عنہ الشیخان، وثقہ ابن معین و اثنی علیہ احمد
و کان من جمع بین الفقہ و الحدیث ھ جواہر] قانون سازی کے سلسلہ میں
ذکورہ بالا حضرات کسی مسئلہ پر بحث کرتے تھے۔ اگر عافیہ اودی موجود نہ
ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ مسئلہ کو طے نہ کرو۔ جب تک عافیہ نہ آئیں

بعدو جب عافیہ آتے اور ان کی رائے موافق ہوتی تو مسئلہ کو طے کر کے ”کتاب آئین“ میں لکھ لیا جاتا۔ ورنہ امام صاحب فرماتے کہ مسئلہ مذکور کو روی کی ٹوکری میں ڈال دو۔“

نقد اور اراکین مجلس شوریٰ | (۳) خطیب بغداد ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفۃ یوماً اصحابنا ہولاء ستۃ وثلثون رجلاً منہم ثمانینۃ وعشرون یصلحون للقضاء ومنہم ستۃ یصلحون للفتویٰ، ومنہم اثنان یصلحان یشرفان القضاء واصحاب الفتویٰ و اشار الی ابی یوسف وزفرہ ص ۲۴۸
(ترجمہ) امام ابو حنیفہ نے ایک روز کہا۔ کہ ہماری مجلس شوریٰ کے اراکین (۳۶) میں۔ اُن میں سے (۲۶) محکمہ قضا کے لئے موزوں ہیں۔ اور (۶) محکمہ افتا کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ رہے دو۔ وہ ایسے ہیں جو قاضیوں اور مفتیوں کو آداب قضا اور آداب فتوے کی تعلیم دے سکیں۔

مراد امام ابو یوسف اور زفر سے ہے۔“

(۴) حافظ عبد القادر قرشی حنفی، تلمیذ حافظ قطب الدین جلی حنفی، و ابو الحسن المارینی حنفی المعروف بابن الترمکانی، و مولف ”جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ“ متوفی ۵۷۷ھ، جن کی خوشہ چینی کو حافظ بدر الدین عینی شرح معانی الآثار میں فخر سمجھتے ہیں۔ جواہر مضیہ میں لکھتے ہیں۔

کان اصحاب ابی حنیفۃ الذین دونوا الکتب اربعین رجلاً وکان فی العشرۃ المتقدمین ابو یوسف و زفر و داؤد الطائی و اسد بن عمرو و یوسف بن خالد السننی و یحییٰ بن زکریا
(ترجمہ) شاگردان امام جنہوں نے کتب فقہ حنفی کی تدوین کی۔ چالیس اشخاص تھے۔ اُن میں سے دس افراد ان سب کے مقتدا تھے۔ منجملہ اُن کے ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی

بن ابی زائدہ، وہوالذی کان یکتبنا اسد بن عمرو، یوسف بن خالد شقی،
 لم یثبثین سنتہ ص ۱۴۱ ص ۲۱۲ یحییٰ بن ابی زائدہ ہیں۔ یحییٰ ہی اس
 مجلس کے فیصلوں کے کاتب خاص تھے۔ انہوں نے اس خدمت کو تیس
 سال تک انجام دیا [یوسف بن خالد کان قدیم الصبۃ لابی حنیفۃ کثیر
 الاخذ عنہ جواہر، وقیل لہ الشقی لہیئۃ۔ وکان الناس یتقون حدیثہ
 لرأیہ تہذیب التہذیب]

(۵) امام ابوالموید موفی بن احمد، خطیب خوارزم تلمیذ زمخشری و
 ابی سعد سمعانی متوفی ۶۹۰ھ کتاب المناقب میں لکھتے ہیں۔

قال ابو یوسف اجتمعنا عند حنیفۃ فی یوم مطر فی نفر من اصحابہ
 منہم داؤد الطائی و عافیۃ الاودی والقاسم بن معن و حفص بن غیاث
 و وکیع بن الجراح و مالک بن مغول و زفر بن المذیل و غیرہم، فاقبل
 علینا فقال انتم مسارقلبی و جلاء حزنی، قد اسرحت لکم الفقۃ و الحجۃ
 فاذا شئتم فارکبوا، و قد ترکت لکم الناس یطئون اعقابکم و یمتسون الفاظکم
 (ترجمہ) ابو یوسف نے کہا کہ ایک روز ابراہم کے دن ہم ایک جماعت
 کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے پاس گئے۔ جس میں حسب ذیل حضرات
 تھے۔ داؤد طائی، عافیہ اودی، قاسم، حفص بن غیاث، وکیع بن جراح،
 مالک بن مغول و زفر وغیرہ [مالک بن مغول البجلی احد من قال الامام
 فیہم انتم مسارقلبی و جلاء حزنی، حجۃ امام، روی لہ الشیخان، و اصحاب السنن

ص ۱۰ جواہر] حضرت امام نے ہمارے

طرف دیکھ کر فرمایا۔ تم میرے دل کے خوش کرنے والے۔ اور میرے غموں کو دور کرنے والے ہو۔ میں نے فقہ کو تمہارے لئے رام کر دیا ہے۔ جب

چاہو اس پر سوار ہو جاؤ۔ نیز میں نے اس فن میں تم کو تمام عالم کا مقتدا بنادیا ہے۔ آنے والی علمی نسلیں تمہارے نقوش پا کا اتباع کریں گی۔ اور تمہارے ہی الفاظ کو روٹیں گی۔“

(۶) امام حافظ الدین کمرہ دری مولف ہزارہ (وقدم) اور موفق کتاب المناقب میں لکھے ہیں۔

کان ابو حنیفۃ اذا جلس جلس
حولہ القاسم وعافیتہ الادوی وداود الطائی
وزفر و اشکالم فیطار عون مسئلۃ ویرتفع
اصواتہم، فاذا اخذہو فی الکلام سکتوا
اجمع حتی یفرغ عن الکلام، فاذا فرغ
اشتغلوا بحفظ ما تکلم، فاذا احکموہ اخذوا
فی مسئلۃ اخری ۱۵ ص ۱۶
تقریر کرتے۔ اس وقت تمام اراکین ساکت ہو جاتے، جب آپ کی تقریر ختم ہو جاتی تو اراکین آپ کی تقریر کو ازبر کرنے شروع ہو جاتے۔ جب پوری طرح یاد کر چکے تو دوسرے مسئلہ میں شروع ہو جاتے تھے۔

قانون، مدت بحث اور | موفق بن احمد کی، خطیب خوارزم۔ المناقب میں مضامین بالا تر از فہم لکھتے ہیں۔

قال عبداللہ بن المبارک کنت
احضر مجلس ابی حنیفۃ بالغداۃ والعشی
فاتبدوا فی مسئلۃ من الحیض فحاضوا
فیہا ثلثۃ ایام بالغداۃ والعشی کنت
(ترجمہ) امام عبداللہ بن مبارک حنفی
[الامام الربانی الزہد، جمع بین الفقہ
والحدیث والادب والنحو واللغۃ
والزہد والشعر والفصاحتہ والورع و

لا اقم من مسئلتکم قلیلاً ولا کثیراً۔ فلما کان
 الیوم الثالث بالعثی کبروا جمیعاً،
 قالوا اللہ اکبر فعملت ان مسئلتکم قد
 خرجت ۵۴

قیام اللیل والعبادۃ والسلامۃ فی رایہ وغیرہ راوی العجمۃ
 حجتہ ثقتہ مامون۔ قال ابن عبدالبر لا علم احد من الفقہاء
 سئل ان یقال فی شیء الا عبد اللہ بن المبارک ہوا ہر
 صاحب الامام و اخذ عنہ علمہ ہوا ہر

فرماتے ہیں کہ ہر روز صبح و شام میں امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں جایا
 کرتا تھا۔ ایک روز ابواب حیض میں سے کسی مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور
 پورے تین روز صبح سے شام تک مباحثہ برابر جاری رہا۔ کلام اس درجہ
 دقیق اور گفتگو اتنی گہری ہو گئی تھی کہ مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا تھا۔ تیسرے
 روز شام کے وقت سب نے مارے خوشی کے زور سے نعرۂ تکبیر (اللہ اکبر)
 بلند کیا جس سے میں نے سمجھا کہ اُن کا مسئلہ حل ہو گیا ہے “
 (۲) موثق دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

وضع ابو حنیفۃ مذہبہ شوریٰ بینہم
 لم یستبد فیہ بنفسہ و نہم۔ اجتہاداً
 منہ فی الدین و مبالغۃ فی النصیحتۃ للہ
 و لرسولہ و للمؤمنین۔ فكان یلقی المسئلۃ
 یقلبہم و یسمع ما عندہم ویقول ما عندہ
 و یناظرہم شہراً و اکثر من ذلک حتی
 لیستفراحد الاقوال فیہا ثم یشبتہا التقاضی
 ابو یوسف فی الاصول حتی اثبتت الاسول
 کلاماً۔ فاذا کان کلک کان المذہب الذی
 وضع شوریٰ بین ہولاء الائمة اولی و

(ترجمہ) امام ابو حنیفہ نے اپنی فقہ اور
 اپنے مذہب کو شوریٰ بنایا۔ فقط اُن کی
 اپنی ذاتی رائے نہیں۔ دینی خدمت
 اور اللہ و رسول اور مسلمانوں کی خیر خواہی
 اور بہبودی کے لئے آپ نے فقط
 اپنی رائے کو مستقل نہیں بنایا۔ بلکہ
 قاعدہ یہ تھا۔ کہ آپ کسی مسئلہ کی طرح
 دیتے جس سے اراکین مجلس کی ترمیم
 منظور ہوتی۔ آپ اُن کے خیالات سنتے
 اور اپنا عندیہ ظاہر فرماتے تھے۔ ایک

اصوب والی طریق الحق اقرب، من مذہب ایک مسئلہ پر پورا مہینہ کبھی اس سے
 من الفرو فوضع مذہبہ وتفرو فیہ برایہ۔ بھی زیادہ صرف ہو جاتا تھا۔ تا آنکہ
 ثم لم یجاءلہ المینۃ حتی بلغ مذہبہ الامنیۃ ایک جانب محقق ہو جاتی۔ پھر کہیں
 حتی تصفح ما وضعہ من الذہب وتأملہ، امام ابو یوسف اس کو ”اصول کتب“
 فمذہبہ ونخصہ، ولم یجحدہ ذالاقوال ولا ذالاجواب بل تحرری فیہ الصواب وقطع فیہ
 وجہ، بل تحرری فیہ الصواب وقطع فیہ مدون ہوا۔

الجواب ص ۱۳۴ جب حالت یہ ہے۔ تو یقینی بات
 ہے کہ جو مذہب اور جو فقہی قوانین مذکورہ بالا مجلس شوری نے مستنبط
 اور منضبط کئے ہیں (جس کے اراکین کے علم و فضل کا ادنیٰ گوشہ ہم بے نقاب
 کر آئے ہیں) تو وہ مذہب بہر صورت زیادہ صحیح اور زیادہ شستہ ہوگا۔ اُن
 مذاہب اور اصول فقہیہ سے جو صرف ایک ہی دماغ کی پیداوار ہیں۔ پھر
 یہ خیال رہے کہ حضرت امام کے انتقال سے پیشتر ہی آپ کے فقہی
 قوانین تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔ عقلمندوں کو اُن پر نقد و نظر کا موقع
 ملا۔ خود امام کو بار بار غور و خوض کرنے کی فرصت ملتی رہی۔ بنا بریں وہ قوانین نہایت
 شستہ اور صاف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بخلاف دوسرے فقہاء کے
 امام کے اقوال مختلف نہیں اور نہ حنفی مذہب میں قول قدیم اور قول جدید
 کی کوئی اصطلاح ہے۔ اور نہ ”لاحد فیہ خستہ اقوال“ کا جملہ کہیں نظر پڑتا ہے
 بلکہ صرف ایک صحیح اور حتمی رائے کو قطعی طور پر پیش کر دیا گیا ہے اور بس۔
 عُدنا والعود احمد ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ دیانات اسلامیہ میں غور و خوض
 و تنقیح المسبث کرنے کی تعلیم سب سے پہلے ائمہ مجتہدین میں سے امام
 ابو حنیفہ نے دی۔ لہذا آپ امام درایت و روایت ہیں اور آپ اس فن

کے معلم اولین اور موسس نخستین ہیں۔ جس کو کبھی درایت سے اور کبھی یار لوگ راے سے تعبیر کرتے ہیں۔ بنا برین امام اہل الراءے اور امام اہل الدرایت بظاہر دو لفظ ہیں۔ جن کا معنوں ایک اور محض ایک ہے۔ ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کہ مفکرین کی اس جماعت نے اسلام کی تبلیغ کا راز سمجھا۔ غیر مسلم عرب قانون اسلام سے اپنی سادگی فطرت اور قانون کی عربی ساخت کی وجہ سے بہت قریب تھے۔ وہ عجمی مذاہب کی کج بحثیوں سے مطلقاً خالی الذہن تھے۔ مگر غیر مسلم عجم اُن سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں عجم لہو اور تھا مذاہب مختلفہ کا۔ روم کی نصرانیت اور ایران کی مجوسیت کے دقیق مسائل ثنویت اور تثلیث سے انکے اذہان غیر مامون تھے۔ بنا برین غیر مسلم عجمیوں کو تبلیغ کرنے کے لئے ایسے وسائل کی ضرورت ہوئی جو عرب میں تبلیغ کے لئے چنداں ضروری نہ تھے۔ اس لئے مفکرین کی مذکورہ بالا جماعت نے نقل کو عقل پر ڈھالنے کی سعی کی۔

لطیفہ | حافظ ابن القیم حبلی کتاب مفتاح دار السعادة ص ۶۰ میں لکھتے ہیں۔
 شل بعض الاعراب بمعرفت انہ (ترجمہ) ایک بدوی سے کسی نے دیا
 رسول اللہ۔ فقال ما امر بشئ فقال کیا کہ تم نے یہ کیونکر یقین کر لیا کہ
 العقل لیتہ تھی عنہ، والا نہی عن شئ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا
 فقال لیتہ امر بہ کہ فرتا دہ ہیں۔ کہنے لگا۔ کہ آپ
 نے کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیا۔ جس کے متعلق عقل کہے کہ کاش اس سے تو
 روکا ہوتا۔ اور نہ کسی ایسی چیز سے روکا ہے جس کے بعد عقل کہے کہ کاش اس
 کا تو حکم دیا ہوتا۔ حسن و قبح کو محض شرعی کہنے والے اس اعرابی سے سبق لیں۔
 بہر حال عراق میں بیٹھ کر تبلیغ کرنا اور رنگ رکھتا ہے اور مکہ اور مدینہ

شرفِ ما اللہ کی تبلیغ دوسرے رنگ کی ہے۔ فقہ عراق اور فقہ حجاز کا ماہِ الانبیاء بھی یہی ایک نکتہِ ماسکہ ہے۔ فقہ عراق (اصطلاحی فقہ ہو یا علمِ کلام وغیرہ اصولِ درایت) کی بنیاد تبلیغ اور صرف تبلیغ پر ہے۔ یہ اس لئے کہ فقہ عراق کا تعلق عام طور پر اعاجم سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فقہ عراق میں پیدا ہوئی۔ اور اپنے ساتھ کچھ ایسی جاذبیت لائی۔ کہ دیوارِ چین سے لے کر مراکش تک تمام ممالک عجیبہ پر چھا گئی (ادھر فقہ حجاز اپنی ساخت کے رو سے عربی ممالک میں بڑھتی گئی۔ ہاں وہ عربی اندلس میں بھی قاضی اسد بن فرات (فاتحِ عقلیہ) اور یحییٰ بن یحییٰ جیسے قدسی نفوسِ ائمہ مالکیہ کے دمِ قدم سے پھیلی)

لطیفۃ فی القراءة بالفارسیہ | بالفاظِ دیگر فقہ عراق میں ماحول کے پیش نظر عجمی مذاق کا لحاظ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ قراءۃ بالفارسیہ کے مسئلہ کو اسی پر حل کیا جاسکتا ہے فرض کرو کہ ایک عربی اور ایک ایرانی یا ہندی مکہ معظمہ میں حضرت امام شافعی یا امام احمد حنبل کے دستِ حقِ پرست پر اسلام لاتے ہیں۔ ان ہردو بزرگوں کا فتویٰ ہے کہ تارکِ الصلوٰۃ کی سزا قتل ہے (دیکھو کتاب الصلوٰۃ از امام احمد و کتاب الصلوٰۃ از ابن القیم) اور یہ کہ نماز سورہ فاتحہ کے بغیر باطل اور محض باطل ہے۔ بعد از اسلام نماز عصر کا ادا کرنا ہردو پر لازم ہے۔ عربی النسل کے لئے اپنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ لینا چنداں دشمن نہیں۔ لیکن عجمی کے لئے اب دو مشکلیں درپیش ہیں۔ یا تو کسی اعجازی طریقہ سے کم از کم سورہ فاتحہ کو از بر کرے جس کے بغیر ان ہردو ائمہ کے یہاں نماز باطل محض ہے۔ یا پھر تارکِ صلوٰۃ ہو کر قتل ہونے کے آمادہ

ہو جائے۔ کما قال المحتاج ۷

القاء فی الیم مکتوناً فقال لہ ایاک ایاک ان تبش بالماء۔ وکما قیل
در بیان قہر و ریاستختہ بندم کردہ اند باز میگویند دامن ترکمن ہشیار باش
برعکس اس کے اگر سیہ ایرانی مثلاً کوفہ میں امام اعظمؒ کے ہاتھ پر مشرف
بالاسلام ہونو آپ فرمائینگے۔ کہ سر دست فریضہ نماز کو اپنی مادری زبان
میں ادا کرلو۔ لیکن اس کو وحی کی زبان میں ادا کرنے کی سعی پیہم جاری
رکھنا بھی فرض و لازم سمجھو۔ خواجہ شیراز نے شاید کسی ایسے ہی محل میں
فرمایا ہے ۷

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی طہیدن دل مرغان رشتہ برہارا
ہمیں یہ بھی علم ہے کہ موافقین اور مخالفین نے مسئلہ قراءۃ بالفارسیہ
کو اپنی اپنی میلان طبع سے عجیب و غریب اندازوں سے پیش کیا ہے۔
لیکن ان کی تمام تر سعی نکتہ بعد الوقوع کا حکم رکھتی ہے۔ ہم قاصر ہیں۔ اس
تمام خود ساختہ طومار کو مجتہد اعظم کے ذمے تھوپتے پھریں۔ فلیقل ماشاء
من شاء۔ خواجہ نیشاپور نے خوب فرمایا ۷

حدیث طور از من پرس از محل چہ میرسی کہ من سر بر پیئ مجنون صحرائے دگر دارم
ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ۷
داستان عمد گل را از نظیری بشنوبید عندلیب آشفته تر گفت است این افسانہ
الغرض غیر عربی ملل و اقوام کو اسلام کے اصول سے روشناس کرنے کا
ذریعہ فقط یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے الہامی احکام اور فطری اصول کو قہراً
اور عقل سے مطابق کر کے دکھایا جائے۔ اور تمام ان شبہات کا قلع و قمع کیا
جائے۔ جو عجمی مذاہب نے اس راہ میں پیدا کئے ہوئے ہیں۔

مدینہ یونیورسٹی اور کوفہ یونیورسٹی | فقہ عراق اور فقہ حجاز کے سلسلہ میں ہم چند اور اشارے کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ان ہر دو فقہوں کی حقیقت واضح ہو۔ نیز اس دعوے کی بھی مزید توضیح ہو جائے کہ فقہ عراق میں عجمی مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور اس فقہ کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ روایت کو روایت کے مطابق کر دکھایا جائے۔

سقوط دمشق اور فتح قادسیہ کے بعد حضرت فاروق اعظم کو [جنہیں ابراہیم نخعی اول قاضی الاسلام کہتے ہیں۔ ھ ازالۃ الخفاء ص ۵۶] تعلیم اسلام کی عام اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ یونیورسٹی کی بنیادیں مزید استوار کیں۔ اور اس کی زمام انتظام خود اپنے ہاتھ مبارک میں لی۔ اس یونیورسٹی کے چیدہ علمائیں سے (جن کا اہر فیض دور دور تک برسا) عبداللہ بن عمر حبیبی فنا فی السنۃ ہیں۔ عبداللہ بن عمر سے نافع اور سالم نے علوم حاصل کئے۔ ان ہر دو سے سعید ابن المسیب اور امام دارالہجۃ مالک بن انس نے تعلیم حاصل کی۔ بالفاظ دیگر مدینہ یونیورسٹی کا عرش اعظم امام مالک ہیں۔ ان سے امام شافعی نے اور شافعی سے امام احمد نے تحصیل علوم کی۔ اصول و قوانین کا یہ سلسلہ الذہب اصطلاح میں فقہ حجاز کہلاتا ہے۔ جس کا صدر مقام مدینہ طیبہ ہے۔

مولوی نور الحق

(باقی آئندہ)

مثنوی مفتاح الفتوح

از حضرت امیر خسرو دہلوی

(سلسلہ پچھلے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء)

گدا را برد فتح ساز گارش
 بخن بست کیشاں سخت کوشاں
 چو شد ز آب کنوار آن سود و فرنگ
 گمراهی یافت از ره دور مانده
 دران باغ خزاں نادیده زد و بست
 سوارش برده چندان کرده غارت
 چوپر شد خیل و غارت گاه خالی
 ز جهلین بود سلطان کوچ کرده
 دران منزل ز نصرت نزل بردست
 وز انجا نامزد شد بر دگر سوی
 روان شد همچو خرشید فروزان
 دران ساعت که عزم افتاد او را
 کشیده زین پشت بادپاتنگ
 بگرد آن نواحی تا ختن برد
 دگر سوراند تا لشکر کند سیر
 فرو مالید مرد از کوه و لوره
 چنان شد لشکر شاه از گرانی
 بروزی رفت یک میلی بتعجیل
 ۹۳۰ ملک جاندار بک احمد چپ شیر
 چو صف مور در سرحد موره
 که چون دریا فرو ماند از روانی
 بطن العین رفتی گرچه ده میل

له د: کوره، پ در ره، ده دیدگز. ده زلود: صدکان، ب و پ: راسی، ۱:

را، قیاس می کنیم که درین نسخه را، یا را و ات باشد چرا که اگر چنین نباشد وزن شعر اضطراب دارد

ده د: آن ده لوره: زمین نامهور و سیلاب زده، پ: کوره -

۶۴۴ ب شششسته میل آهسته می راند زمین از بار لشکر خسته می ماند
چنان تازان محیط بی کرانه در آمد سیل در کوه بیانه
بزرگان را اجازت کرد انبش که هر کس جانبی گیرد سرخوش
تصرف در عنان خلق بگذشت که راه از آب و گد و شورایی داشت
چو لشکر فوج فوج افتاد در راه روان شد از عقب ساکن تری شاه
باوج دولت آمد شاد و فیروز پس از ده روز ماه چهارده روز

گفتار در در آمدن شه بدله ملک و آراستن بهرج شرف منزل قمر

۶۵۰

بدولت روز شنبه چاشنگاهان درون دار ملک آمد چو شاهان
سیوم روز جماد آخر از فال همان روز جلوس از اولین سال
بخود ازهره و مرغ و خورشید هما بخاتیر در برجیس و ناهید
بسرطان مشتری گشته مهیا زحل در ثور نزدیک ثریا
ذنب در دلو و اندر سنبه راس کمین اخترانرا داشته پاس
اسد در طالع و هم در اسد ماه که بر برج شرف شد منزل شاه
ز سیری راند بالشکر گه سیر صف شیران شکن در بیشه شیر
روان شد پره پیلان سمرت سفال خاک در ته خرد و شکست

۶۵۵

له ۱: اجابت له ۲: ترین له ۳: شاه: شاهراه: د: راه له ۴: و ۵: این بیت را
تیر در نامکمل دارد له ۶: برجاس له ۷: دختران را دهنده پاس له ۸: زده -

اَیْمُ الحِشْرِ سَیْرَتِ الْجِبَالِ اَیْرُ الْفِیْلِ وَالنَّظَّارِ قَالُوا
 روان شد پوششی باییل پایه تن پیلان که از جل داشت سله
 سرخرطوم بینی ساره کوه بهیکل هر یکی چون پاره کوه
 بسیری شد قطاری از دختان ز صفت رایت فیروز بختان
 چنانک آتش کشد از فی زبانه همی لرزید بر چوبی زبانه
 زهریک آسمان را سرهمی گشت (۴۵) فروغ چارچتر از ماه بگشت
 چو نور صبحدم در آخر شب بزیر چتر شاو چرخ موکب
 چو پروین جمع و چو جزازده صف بنجوم کوکبه زان مه مشرف
 نمی آمد قیامت در حسابش ازان محشر که بود اندر رکابش
 اگر چه خاک فرشی داشت از خشت ز ژوپین خاک برگ میدی گشت
 که بند سیری از سیراب شد پین بصحرای موج خنجر انجمنال حبش
 همه بر روی آب آمد سوارش همان دلی که دریا شد کنارش
 زمین در موج دریا از سواران علم ابرو حشم بی حد چو باران
 سواد شهر در هر تنخه خاک حسابی داشت زان صف ظفر ناک
 شکم پرده کرد خاک از کاسه سم ز سم و کاسه شد صحن زمین گم
 ز پری دامن کوه پهاپور در دیده در ز پیدا کرد تا دور

له: چون شکیل پایه استونی که از گج سنگ سازند بآن پایهای طاق بنند
 سه سازه: شال دفته است که او را در هندی سازی می گویند که این بیت
 در موضع دیگر وارده است بهنری له دانشانه له کند سه و پ هشتم
 ز حشر کیه له: است له و و ز که بندی از شراب عشق شد پست له
 و و ز را ندارد له و و ز: هم -

- ہمہ رہ تا بقصر دولت شاہ زورچیدن نبود آئندہ را راہ
چنان فرش زمین جو ہر نشین گشت کہ خشت پختہ لعل آئین گشت ۴۹۵
- فرود آمدشہ اندر قصر شادان چومہ در برج ثابت بامدادان
بزرگان باشکوہ خلعت خاص نطق بندگی بنہ باخلاص
برج خویش رجعت ساز گشتند رسانیدندشہ را، باز گشتند
ہمہ نہ گانہ شادی نوازان بدہ جانب روان کہ دند تازان
- زنہ گانہ چنان دہ سو مداجت کہ پشت نہ فلک دہ جای بگشت ۵۰۰
- بہر در نوبتی زد نوبتی عام بہر خانہ دہل بردند بر بام
بنوبت گاہ خود ہر چیز می رفت بشارستان علمہا نیز می رفت
(۱۲۶-۱۵) جدا افتادگان از ہم پس نہ دیر ہی دیدند روی یک دگر سیر
نہ چشم از رو جدا تا دیر می شد نہ دل از دیر دیدن سیری شد
- حلاوت وصل را بعد از جدلیست کہ شب رونق فزای روشنائیت ۵۰۵
- چو آمیزش نباشد از پس دیر بزودی دل شود از دوستان سیر
ہمان نانی کہ در پڑی خورد مرد نباشد لذت کامی ازان خورد
بود ناتشہ از کوثر عنان تاب کہ مستقی شناسد لذت آب
خلاب از تشنگی در خاک جویند بسیری ز آب حیوان دست ثونید
- شہنشہ کاب حیوانش بجام است ز وصل دولتش ہادہ بکام است ۵۱۰
- ز بکر بخت بادش خانہ معمور غم دوری ز نزدیکان او دور
گفتار در تمہ این حال و حال خویش
گفتن بہ سمع فرخ خاقان نامور

لعلہ سیری شدہ خواب

ستاره لشکر خورشید رایا بشمشیر ظفر کشور کشایا
 خدایت داد با فیروزی فال دو جانب فتح و فیروزی یکسال
 چمن در درفشانی گشته ام خاص ز مدح شه بدریا گشته عواص
 در یغ آمد مرا کین نکته پاک نهان ماند بسان گنج در خاک
 بران شد خاطر کمز طبع زیبا درین دیباچه بندم نقش دیبا
 سخن را از هنر آوازه دادم قلم را نسبتی هم تازه دادم
 طرازی بستم این نقش مهین را که نو کرد آفرینش آفرین را
 ز دل پروردم این بلغ و طبخیز سواد باغ را کردم گل انگیز
 (۱۳۶۱-ب) بی تاریخ پیشین دایم پیش در آنجا پیش و کم دیدم ز حد پیش
 چمن این نامه را کردم سر آغاز گلوی خامه را کردم گره باز
 زیادت زیوری بستم بکارش گزین نبود گریزی در گذارش
 ولی چون در دروغ اندیشه بستم در آمد راستی بگرفت دستم
 دلم را هم نشد رغبت درین خواست که رود کز زخم در پرده راست
 دروغ نظم اگر چه زیب حرفست ولیکن راستی کار شکر هست
 بین آیینہ را با آن دو رویی که چون شد روشناس از راست
 درین صورت که نقش دیکته است نمودارش بچشم من گذشته است
 به پیش و کم ندادم خامه را رنج خیال دیده را کردم ورق سنج
 ازل گنجی که بود از راستی پُر درین درج نو آیین ریختیم دُر
 عروسی کردمش سر برده بر ماه سنزای دستبوس حضرت شاه
 زوۀ فتوح می اندر جام کردم که مفتاح الفتوح نام کردم

له را؛ پر آواز له و ب و پ و ج؛ جتم سه را؛ دو

| | |
|----------------------------------|--------------------------------|
| دوم عشر جہاد آخرینش | بر آوردم چو فردوس برینش |
| ز ہجرت سال ہشتصد نود بود | بتاریخ انج در سلک عدد بود |
| ۴۲۵ کہ مقبول آید آنجا این معانی | امیدی دارم از حضرت نہانی |
| کزان ہر سہ شوم بانہ فلک جفت | سہ چیزم بود مقصود اندرین گفت |
| بجا آرم سپاس نعمت شاہ | نخت آنک از شاہ گویہی درین راہ |
| بیاید برقرار این نکتہ باری | دوم چون نیست عالم را قزاری |
| مرا ہم زندگی باشد سر انجام | سہ دیگر زندہ شد چون شاہ را نام |
| ۴۴۰ کہ اززدان درویش بود رخت | جہان را نیست بنیادی چنان سخت |
| کہ آنرا تند بادی در کین نیست | ۱۴۷-۱۴۸ گیاہی در ہمہ روی نیست |
| بہاید ماند این جایاد گاری | چو بیرون زین ورق دارم شمای |
| سخن شدکان بہاند جاودانہ | نکو تر یاد گاری در زمانہ |
| ازان بستم بقرآک جلالش | من این نامہ کہ نو کردم جہانش |
| ۴۴۵ خراہ تا ابد تارک تبارک | کہ تا از خطبہ نام مبارک |
| دہد صد گنج زر سر بر دہ برماہ | بہاداش چنین خدمت گرم شاہ |
| چو مردم ہرگز نم ناید بد نہال | ازان در زندگی میمون بود فال |
| تنہ بر جلوہ جاوید بستہ است | ولی آن بکر من کز پردہ حبست |
| بود زین نامہ نامت جاودانی | تو باقی مان کہ در دوران فانی |
| ۴۵۰ بقا نو باشدت ہر روز ازین حرف | نہ صد سال ار مثل پانصد شود حرف |
| بداناییل باری صلہ فرمود | نخواندی کز پستی شہ نامہ محمود |

۱۴۷ د: سال ششصد ۱۴۸ د: ہماند ۱۴۹ د: ۱۵۰ د: عام

۱۵۱ د: بود این درویش و پوہ ماندن

| | |
|-------------------------------|-----------------------------|
| برفت آن پیل د گنج پیل ہارش | بہیں شہ نامہ آنک یادگار ش |
| حقیقت شد کہ یک حرف سخن سنج | بنزدیک خرد بہتر ز صد گنج |
| مراد من نہ آنست اندرین راز | کہ برگ خویش را سازم نو ساز |
| چو من از پر تو دولت نہ ام دور | کجا ماند چراغ بخت بی نور |
| ولی زان کردم آن گوہر فشانی | کہ قدر خدمت خسرو بدانی |
| مبارک بادت آن فرخندہ پرکار | مبارک تر از ان فتحیت بر کار |
| بہر سو کاوری رو تیغ در مشت | ظفر را روی باد و خشم را پشت |
| زمانہ بر مسراد و بخت یارت | مسراد ہر دو عالم در کنار ت |
| سعادت باشکوہیت ہم نشین باد | دعا اینست و یارب ہمچنین باد |

۷۵۵

۷۶۰

امام موفق نیشاپوری

امام موفق نیشاپوری اُن اکابر اسلام ہیں سے جنہوں نے اپنی پُر زور شخصیت سے اپنے زمانے کی سوسائٹی پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ لیکن باوجود اس کے امنوس ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی بالکل تاریکی میں ہیں۔ مسلمانوں نے تاریخ و رجال کے فن کو جس بسط و کمال پر پہنچایا۔ اس سے بڑھ کر آج کل کا ترقی یافتہ زمانہ بھی کچھ کر کے نہیں دکھا سکا۔ لیکن اس شومی قسمت کا کیا علاج کہ وہ صدیوں کی کمائی حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئی، آج بھی (جبکہ حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے حالات سے بے اعتنائی ہے) فن رجال و سیرت کی جو کچھ کچی کتابیں طبع ہو کر ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن باکمالوں کی فہرست کس قدر نامتناہی ہے۔ جن کے حالات کو سوانح نگاروں نے ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے، لیکن جب ہم علوم کے اُس سرمائے کا تصور کرتے ہیں جس کو آفاتِ زمانہ، حوادثِ فتن اور خانہ جنگیوں نے تباہی کی نذر کر دیا۔ تو ہمیں ایک صدمہ آمیز حیرت ہوتی ہے کہ لٹ لٹا کر جو کچھ بچ رہا وہ بھی جب ایک خزانہ بے بہا ہے تو متاعِ بُردہ کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

ممالک اسلام میں ہمارے نزدیک جس جگہ سب سے زیادہ تعداد میں علومِ فنون کے ذخیرے تباہ ہوئے وہ خراسان ہے، سلطانِ سخر کے عہد میں غزنویوں کا وحشیانہ حملہ ایک ایسی بے پناہ آفت تھا کہ جس نے مرو اور نیشاپور کو برباد کر کے فرشِ زمین کے برابر کر دیا۔ لیکن یہ حملہ بھی اپنی بربریت اور تباہ کاری میں اس

طوفان وحشت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ جو اس کے ستر برس بعد اسی بد نصیب خراسان بلکہ سارے ایران کو ”سیل تاتار“ بن کر بہا لے گیا، ان حملہ آوروں کا ایران میں پہلا قدم چونکہ خراسان میں پڑا۔ اس لئے ان کے غیظ و غضب کا بیشتر حصہ نہیں صرف ہوا۔ اور ایران کے دوسرے حصوں کی نسبت مصیبت کا حصہ اس کو زیادہ ملا۔ یہی باعث ہے کہ اہل خراسان کی محنتوں کے ذخیرے بہ نسبت اوروں کے زیادہ برباد ہوئے۔ فضلاء خراسان کی تصانیف اور شعراء خراسان کے دواوین کو انہی ناگہانی آفتوں نے ناپید کیا۔ ورنہ آج رودکی و انوری، فردوسی و خیام، غزالی و عطار کے متعلق ہمارا سرمایہ معلومات بالکل دگرگوں ہوتا،

امام موفقی بھی اسی بد نصیب خطے کی پیداوار ہیں، تاریخی شہادات جو آج ہمارے سامنے ہیں سب متفق ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں علماء کے پیشوا تھے، قیاس میں نہیں آتا کہ ایسا شخص صاحب تصانیف نہ ہوا ہو۔ لیکن تصانیف تو درکنار ان کا ذکر بھی کسی کتاب میں نہیں ملتا، اور چند ادھر ادھر کی باتیں جو معلوم ہوئی بھی ہیں وہ بھی سب یقینی نہیں۔ امام موصوف جیسے جامع کمالات کے سوانح زندگی میں یوں تو ہر اس شخص کو دلچسپی ہونی چاہئے جو تاریخ اسلام سے ذوق رکھتا ہو لیکن ان کی شخصیت ہمارے زمانے میں ایک خاص سبب سے جاذب توجہ ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ان کے مکتب درس میں ایک مشہور روایت کی رو سے (خواجہ نظام الملک، عمر خیام اور حسن صباح ہم سبق تھے۔ اور ان تینوں نے اس زمانے میں باہم یہ عہد کیا تھا کہ ہم میں سے جو بڑا ہو کر کسی اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہو وہ باقی دونوں ساتھیوں کو جاہ و ثروت میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ اس روایت پر خیام کے سوانح نگار اس قدر بحث و تمحیص کر چکے ہیں کہ اب اس پر گفتگو کرنا

مولانا عتیق ندوی اپنی جامع تصنیف ”خیام“ میں امام موفقی کے متعلق معلومات کے بیشتر حصے کو کام

لچھی سے بالکل خالی ہے۔ اول اول نقادانِ مغرب نے اس داستان کی صحت کو شبہ کی نظر سے دیکھا۔ اس لئے کہ اس کو صحیح تسلیم کرنے میں واقعات و سنیں کی بعض ایسی مشکلات پیش آتی تھیں کہ ان کو حل کرنا دشوار تھا۔ بااں ہمہ یہ داستان مقبول رہی اور اب بھی ہے۔ اور بہت لوگ ہیں جو نہیں چاہتے کہ اس کو غلط ثابت کیا جائے لیکن حقیقت کا تقاضا کچھ اور ہے اور نئے معلومات کی روشنی میں ہم مجبور ہو چکے ہیں کہ اس کو ایک افسانے سے زیادہ وقت نہ دیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی جدید تصنیف خیاام میں اس داستان پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور آخر میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ فرضی قصہ ہے، انہوں نے استدلال کے ساتھ خیاام کی ولادت کا تقریبی سال ۱۳۷۷ھ معین کیا ہے۔ جو بہمہ وجوہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ امام موفق کی وفات کا سال بھی یہی ہے۔ لہذا خیاام کا ان کی مجلس درس میں شریک ہونا ناممکن ہے، ہمارے نزدیک داستان مذکور کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہ قوی ترین دلیل ہے جس کے بعد کوئی اختلاف رائے باقی نہ رہنا چاہئے۔

لیکن یہ قصہ اگر فرضی ثابت ہو گیا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ امام موفق کی ذات سے ہمیں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی، ہم نے اس مضمون کے شروع میں کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زبردست شخصیت سے اپنے وقت کے حالات پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے اور سیاسی اور مذہبی معاملات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ ایسے شخص کے حالات تاریخ دان کے لئے یقیناً بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہی بات پھر دہرائی پڑتی ہے کہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں

۱۷ تفصیل کے لئے دیکھو میرا مضمون "عمر خیاام" (رسالہ اردو ۱۹۲۶ء ص ۴۷۷-۴۷۸) ص ۱۸

بجوز ۱۷ ص ۵۷-۶۰، ۱۷ ایضاً ص ۳۲ بحوالہ طبقات الشافعیہ للسیکی

جو ہمارے سامنے ہیں ان کا بالتفصیل کہیں ذکر نہیں ملتا۔

امام موفق کا نام ہبۃ اللہ بن محمد ہے۔ موفق اور جمال الاسلام لقب ہیں۔ تعجب ہے کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ان کے والد قاضی محمد بن الحسین البسطامی اور ان کے صاحبزادے امام ابوسل کے ترجمے دئے ہیں لیکن خود ان کا ذکر نہیں کیا۔ قاضی محمد بن الحسین بن محمد بن الیثم بن القاسم بن مالک القاضی ابو عمر اصلاً بسطامی تھے۔ علم و فضل کا کمال بغداد و اصفہان و اہواز اور دیگر شہروں میں رہ کر حاصل کیا، ۳۸۹ھ میں نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے۔ فقہ و کلام و وعظ میں ان کی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی۔ اس لئے اہل نیشاپور ان کے مسند قضا پر آنے سے بے انتہا خوش ہوئے۔ اور سلطان کو شکریہ اور دعا کا خط لکھا، قاضی موصوف متعدد بار سلطان کی طرف سے خلیفہ القادر باللہ کے دربار میں سفیر ہو کر گئے۔ اور اپنی طلاقت لسان اور حن بیان سے اس عہدے کے نازک فرائض کو اس خوبی اور کامیابی سے انجام دیا کہ دربار خلافت کے وزراء نے ان کے کمال اور لیاقت کی شہادت دی کہ ایسے پر عظمت دربار میں ایک اقبالند سلطان کا قاصد ایسا ہی ہونا چاہئے، ان کی سحرالبیانی اور تصدیق فتویٰ میں بڑا قی ذہن مشہور عالم تھی۔

قاضی ابو عمر کی شادی امام ابو الطیب الصعلوکی کی بیٹی سے ہوئی جو ۳۶۹ھ میں اپنے والد امام ابوسل صعلوکی کی وفات پر نیشاپور میں فقہ حنفی کے مفتی

۱۷ سمعانی میں محمد کے والد کا نام ابراہیم بجائے الیثم دیا ہے اور ابراہیم سے اوپر کا حسب

کا نہیں دیا کہ کتاب الانساب بذیل البسطامی

۱۸ سلطان محمود غزنوی سے مراد ہے۔

اور اصحاب حدیث کے رئیس مقرر ہوئے تھے۔ علم و فضل کے دو ممتاز خاواں کی اس مواصلت کا جو نتیجہ ہونا چاہئے وہ ظاہر ہے، اس مبارک نسل سے علماء و ائمہ کی ایک جماعت پیدا ہوئی جن کے پیشرو امام موفق نیشاپوری ہیں۔

امام موصوف کے سن ولادت کا کسی ترجمہ نگار نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ بتحقیق معلوم ہے کہ ۷۸۰ھ میں وہ اپنے والد کی جگہ پر مسند تدریس پر جاگزیں ہوئے۔ اور رئیس شوافع تسلیم کئے گئے۔ اس وقت سے لیکر ۸۴۷ھ تک رجوان کی وفات کا سال (ہے) نیشاپور میں ان کی مجلس درس برابر جاری رہی جس میں علماء و ائمہ زمانہ تک شریک ہوتے تھے۔

نیشاپور میں امام موفق نے اپنے زمانے میں بہت بڑا سیاسی انقلاب دیکھا، وہ یہ کہ ۸۲۹ھ میں غزنویوں کا دور ختم ہو کر سلجوقی حکومت قائم ہوئی۔ اس سال ماہ ذیقعد میں جب ابراہیم ابنال طغرل کی طرف سے فوج لے کر نیشاپور آیا اور اہل شہر سے اطاعت قبول کرنے کو کہا۔ تو انبیان و اکابر نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا، امام موفق بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ اطاعت قبول کر لینی چاہئے۔ ورنہ شہر غارت ہو جائیگا۔ غزنوی حکومت کی طرف سے مدافعت کے لئے ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے ان کی رائے

لے سماعتی ذکر مصلوکی، یہ معین کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ شادی قاضی ابو عمر کے نیشاپور آنے کے بعد ہوئی یا پہلے ہو چکی تھی۔ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ بعد ہوئی ہوگی۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس تقریب سعید کی تاریخ ۸۸۰ھ یا اس کے بعد کا کوئی سال ہے کیونکہ اسی سال وہ نیشاپور آئے ہیں (دیکھو اوپر) اس لحاظ سے امام موفق رجوان کی اولاد اکبر تھے (۸۸۹ھ یا ۸۹۰ھ سے پہلے پیدا نہیں ہوئے ہونگے۔ لیکن میں معلوم ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات پر ۸۸۰ھ میں ان کی جگہ پر رئیس الشافعیہ ہو گئے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سترہ اٹھارہ برس کی قلیل عمر میں وہ اس جلیل القدر منصب پر سرفراز ہوئے ہوں؟

۸۸۰ھ سلطان طغرل کا سوتیلا بھائی۔

پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے اطاعت قبول کی اور اعیان شہر جمع ہو کر (جن میں امام موفق بھی تھے) ابراہیم کے استقبال کے لئے گئے۔ اور اس کو لاکھ بارغ خرمک میں اتارا جس کو خاص اس موقع کے لئے سجایا گیا تھا۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں طغرل کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ کئی ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور خطرہ تھا کہ چونکہ لوگوں کی ہمدردی غزنویوں کے ساتھ ہے۔ کہیں اس نئے خطبے پر ہنگامہ برپا نہ ہو جائے۔ لیکن امام موصوف اور ان کے ساتھ دیگر اعیان کے اثر کی وجہ سے لوگ خاموش رہے۔ گویا سب نے طغرل کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد خود سلطان طغرل نیشاپور آیا، اس موقع پر بھی امام موفق دیگر اکابر شہر کو ساتھ لے کر اس کے استقبال کو گئے وہ تین ہزار مسلح سواروں کے ساتھ شہر میں وارد ہوا۔ اور بارغ شادیاخ میں اُترا۔ شہر کے لوگوں نے اس کی اور اس کے لشکریوں کی مہمانداری کا بڑا اہتمام کیا۔ اہل نیشاپور اور طغرل کے درمیان رابطہ گفت و شنید امام موصوف ہی کے ذریعے سے ہوتا رہا، طغرل نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ کہ امام صاحب کا لوگوں پر کتنا اثر ہے۔ اور وہ کس کمال اور قابلیت کے آدمی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سلجوقیوں کو نیشاپور میں حکومت قائم کرنے میں جو امداد دی طغرل اس پر جتنا بھی ان کا ممنون احسان ہوتا کم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے ان کا مرید بنا رہا۔ اور ان کے اشارے پر چلتا رہا۔ شکمہ میں جب ناصر خسرو اپنے دوران سفر میں نیشاپور سے نکلا ہے تو امام موفق وہاں سے قوس تک اتر کے ہم سفر ہوئے۔ ان کا نام لیتے وقت وہ ان کو ”خواجہ سلطان (یعنی سلطان طغرل کے مرشد) کہتا ہے :-

لے دیکھو تاریخ بیہقی طبع کلکتہ ص ۶۸۷ - ۶۹۱، بیہقی ان کو ہر جگہ ”موفق امام صاحب

”مدیشان“ لکھتا ہے،

”دوم ذیقعد از نیشاپور بیرون رفتم در صحبت خواجہ موفق کہ خواجہ سلطان بود“
اب چونکہ فضل و کمال کے ساتھ ساتھ بادشاہ وقت کے پیر و مرشد بھی ہو گئے۔
اس لئے لوگوں کا رجحان ان کی طرف اور بڑھا، مجلس تدریس کے ساتھ ساتھ ارباب
غرض کا محب بھی رہنے لگا۔ علماء، فضلاء، وزراء، ارباب حکومت، غرض ہر طبقے کے لوگ
ان کے ہاں آتے تھے اور ہر قسم کا افادہ اور استفادہ ہوتا رہتا تھا۔ مشاہیر وقت
کی باہمی شناسائیاں اور ملاقاتیں ان کے ہاں ہوا کرتی تھیں۔ جن میں ایک قابل ذکر
عمید الملک کندری (وزیر طغرل) اور باخرزی (صاحب دیمتہ القصر) کی باہمی ملاقات
ہے جو سب سے پہلے اسی مجلس میں ہوئی۔ یہ ۳۴۷ھ کی بات ہے، شدہ شدہ
دونو آپس میں بے تکلف ہو گئے۔ یہاں تک کہ باخرزی نے مذاقیہ طور پر
عمید الملک کی ہجو کی ہے

أقبل من کندر مسخرة للنفس في وجه علامات
يسخردور الأمير و هو فتى موضع امثال الخرابات
فهو جحيم کجنتہ عرضہا السماوات

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سلطان طغرل جب نیشاپور آیا تو اس کو ایک
عربی دان کا تب کی ضرورت ہوئی۔ امام موفق نے عمید الملک کی سفارش کی سلطان
نے اس کو اپنا کا تب بنا لیا۔ وہاں سے وہ ترقی کر کے وزارت کے عہدے تک
پہنچا، مجمع الادباء میں ہے کہ باخرزی اس کی وزارت کے زمانے میں بغداد میں
۱۷ سفرنامہ طبع پیرس ص ۳، موسیو شیفر نے اپنے فرانسیسی ترجمے میں ’خواجہ‘ کا ترجمہ دیر
یا کا تب یعنی سیکرٹری کیا ہے، اس کو ہم غلط نہیں کہہ سکتے اور عجب نہیں کہ امام موفق منصب وزارت
کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہوں،

۱۷ مجمع الادباء ج ۵ ص ۱۲۷-۱۲۵، خود باخرزی نے دیمتہ القصر ص ۱۴۰ بجز پر یہ قصہ تفصیل سے کہا ہے۔

اس کے پاس گیا اور قصیدہ سنایا جس پر اس نے خلعت اور ہزار دینار انعام
دلوائے۔

امام موفق کی سفارش سے عمید الملک کے علاوہ اور خدا جانے کون کون ترقی
کے زینے پر چڑھا ہوگا۔ اسی سے عوام میں یہ چرچا پھیلا ہوگا۔ کہ ان کی مجلس میں جو
کوئی شریک ہوتا ہے اعلیٰ عہدے پر پہنچتا ہے۔ نظام الملک، عمر خیام اور جن صباح
کی ہمدردی کی داستان میں بھی ہمیں لوگوں کا یہ اعتقاد واضح طور سے نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ
ان تینوں کا وہ مشہور عہد اسی اعتقاد پر مبنی تھا۔

ہم اُوپر کہہ آئے ہیں کہ ہمدردی کی اس داستان کو سب سے پہلے فضلایہ یورپ
نے شبہ کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ سنین و واقعات کی مشکلات کو حل کرنا مشکل تھا۔
ان مشکلات کا حل تجویز کرتے ہوئے لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہولٹسمانے اپنا وہ
مشہور نظریہ پیش کیا کہ یہ نظام الملک نہیں بلکہ سلجوقیوں کا ایک اور وزیر اوشیروان
بن خالد تھا جو جن صباح اور خیام کا ہمدرد تھا، پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات

لے بحم الادباء کی اصل عبارت یہ ہے: وصار وزیر تحمداً فرد علیہ السج علی بن الحسن وهو بغدادی فی صدر
الوزارة فی دیوان السلطان فلما رآه الوزير قال له انت صاحب "أقبل" فقال له نعم فقال الوزير مرحبا
وأهلاً فأتی قد تغافل بقولك "أقبل" ثم خلق عليه قبل الشاوه... فلما فرغ من الشاوه هذه القصيدة
قال عید الملک لأمرأء العرب لنا مثله فی النجم فعل کم مثله فی العرب ثم امر له بالاف دینار مغربیة
مکرمه و باخرزی نے صرف یہ لکھا ہے۔ کہ فضرب الدهر ضرباً نه حتی صار الیعب... مکانہ (یعنی مکان
الکندر)۔۔۔ و تصرفت بی احوال اتنی الی دیوان الرسائل بالعراق فدخل الديوان يوماً وانا قریب عہد
بالانظام فیہ فلما وقع بصره علی اثبت صورتی وقرأه "مذکر العہد القدیم سورتی فاقبل علی وقال انت
صاحب اقبل... نقلت نعم اید اللہ سیدنا فقال قد تغافلت بابیاً تک اذ کانت مفتحةً بلفظ الاقبال
وقلت فیہ قصیدة رگزلعلت وانعام کا کوئی ذکر نہیں)

ایران میں اس نظریہ کی تحسین و تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ منجملہ اور مثالوں کے یہ بھی ایک مثال اس امر کی ہے کہ اہل ایران عموماً گمنام لوگوں کے واقعات کو مشہور و معروف اشخاص کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں، پروفیسر ہولٹسما کا نظریہ اگرچہ اب قطعی طور پر ناممکن ثابت ہوا ہے۔ لیکن براؤن کے اس بیان میں صداقت ضرور ہے، کچھ عجب نہیں اگر یہ داستان عمید الملک کندری اور باخزری کے قتلے سے پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اس کے بہت سے خط و خال اس قتلے میں موجود ہیں۔ جس طرح عمید الملک اور باخزری امام موفق کی مجلس میں شریک تھے۔ اسی طرح نظام الملک اور خیام شریک بنائے گئے ہیں، دونو جگہ ایک وزیر ہے اور دوسرا شاعر، جس طرح عمید الملک کے وزیر ہونے پر باخزری اس کے پاس جا کر خلعت و انعام پاتا ہے اسی طرح خیام بھی نظام الملک کے وزیر ہونے کے بعد اس کے پاس جا کر وظیفہ و انعام سے سرفراز ہوتا ہے، عمید الملک اور نظام الملک دونو ایک ہی شاہی خاندان کے وزیر ہیں اور دونو کی اصل دہاقین میں سے ہے، عمید کے متعلق اخبار الدولۃ السلجوقیہ میں ہے کہ ”کان من اولاد دہاقین کندر“ (صفحہ ۲۳) اور نظام الملک کے بارے میں ابن خلکان لکھتا ہے:-

قیل ان نظام الملک کان من نواجیہا (ای نواجی طوس) و کان من اولاد الدہاقین،

خیام کی طرح باخزری بھی نیشاپور ہی کا رہنے والا ہے، ان دونو قصوں میں سب سے بڑی غیر مشابہ بات یہ ہے کہ اُس فرضی داستان میں ایک تیسرا شخص حسن صبح بھی موجود ہے، ہمارے خیال میں اس کی موجودگی اس داستان

۱۔ دیکھو خیام، ص ۴۳-۴۴،

۲۔ باخزری ناصیۃ من نواجی نیشاپور (ابن خلکان ترجمہ باخزری)

کی وجہ تصنیف سے سمجھ میں آسکتی ہے جس کی توضیح خیام کے فاضل مصنف نے کر دی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

”اس سے ظاہر ہے کہ یہ داستان قلعة الموت یا قلعة اصفهان میں گھڑی گئی ہے اور اس کا منشا صرف اتنا تھا تا کہ نظام الملک سے حسن بن صباح کی مخالفت کا راز ظاہر کیا جائے“ (ص ۴۱)

امام موفقؒ ۴۴۰ھ میں (غالباً پچاس برس کی عمر میں) فوت ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے امام ابوسل محمد بن ہبۃ اللہ ان کی جگہ مسند افادہ پر جاگزین ہوئے سبکی ان کے ترجمے میں لکھتا ہے :-

توفی ابوہ سنۃ اربعین فاخف بہ
ان کے والد کا انتقال ۴۴۰ھ میں ہوا
الأصحاب وراعا فیہ حق والدہ وقد موہ
جس کے بعد ان کے رفقا ان کے گرد
للریاستہ وقام الاستاد ابو القاسم القشیری
جمع ہوئے۔ اور ان کے حقوق کی وہی
فی تہیئۃ اسبابہ واستدعی الکل الی
رعایتہ لم یحظ رکھی جو ان کے والد کی
متابعۃ وطلب من السلطان ذلک
رکھی تھی۔ اور ان کو ریاست کے لئے
فاجیب وارسل الیہ الخلع ولقب بلقب
آگے بڑھایا اور استاد ابو القاسم قشیری نے
ابیہ جمال الاسلامؒ
ان کے رواج کار کا بیڑا اٹھایا اور سب

کو ان کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ اور سلطان طغرل سے بھی ان کی ریاست کو تسلیم کرنے کی درخواست کی۔ جس کو اس نے منظور کیا۔ اور ان کے لئے خلعت بھیجا۔ اور جمال الاسلام کا لقب (جو ان کے والد کا لقب تھا) عطا کیا۔

اگرچہ امام ابواسل آگے چل کر بڑی قابلیت اور پایہ کے بزرگ ہوئے۔ لیکن اس وقت ان کی جو عزت اور تعظیم ہوئی وہ محض ان کے والد کی رعایت حقوق تھی۔

ورنہ خود ان کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی، یہ ہر دلعزیزی اتنی چھوٹی عمر میں حاصل کر سکا مشکل ہے۔ امام موفق کے ایک چھوٹے بھائی امام مؤید (عمر بن محمد ابو المعالی) تھے۔ ان کی مجالس تدریس بھی جاری تھیں ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے (سبکی ج ۳ ص ۷)

امام موفق عربی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کا ترجمہ ہم کو تاریخ و تذکرہ کی متداول کتابوں میں صرف ایک جگہ ملا ہے یعنی ثعالی کی تتمۃ الیتیمہ میں لیکن افسوس کہ باوجود معاصرت اور ہم وطنی کے علامہ ثعالی نے ان کے حالات سے ہم کو تشنہ رکھا ہے۔ صرف تعریف کے چند جملے لکھ کر چپ ہو گئے ہیں۔ اور عذر پیش کیا ہے کہ ”اجل وارفع من ان یذکر بالشعر الذی ہوا فی فضائلہ واصغر خصایصہ“ اس کے بعد سات شعر نمونے کے طور پر دئے ہیں۔ جن میں سے ذیل کا قطعہ جو ان کے بچپن کا کلام ہے ہمارے نزدیک حسن تخیل کی عمدہ مثال ہے۔

سمحت بروحی فی ہوا بالانسی
میں نے اس کی محبت میں اپنی جان دے
أری الموت فی حب الحسان سیرا
ڈالی کیونکہ حسینوں کے عشق میں میں موت کو
أسیر وقلبی فی حواھا مقید
آسان سمجھتا ہوں میں چلتا پھرتا ہوں حالانکہ
فأعجب بانسان یسیر اسیرا
میرا دل اسکی الفت میں مقید ہے، کیسی عجیب
حالت اس شخص کی ہے جو بحالت اسیری چلتا پھرتا ہے۔

ذیل کے دو شعر امام موفق کی تعریف میں ایک شخص ابو الیجا علی بن حمدان الخوافی نے کہے ہیں۔ جن کو ثعالی نے تتمہ میں نقل کیا ہے۔

ان الموفق لو کانت اُمانلہ
اگر موفق کا ہاتھ سمندر ہوتا تو دنیا بھر کے لوگ اس
بحراً لأذن اهل الارض بالفرق
میں ڈوب جانے پر آمادہ ہوتے اگر تو اسکی خوبی کو
ولو نشرت علی الدنیا محاسنہ
روئے زمین پر بکھیر دے تو بجز حسن خلق اور
ما ابلست غیر حسن الخلق والخلق
حسن خلق کے زمین سے کچھ نہ اُگے۔
(تتمہ الیتیمہ ج ۲ ص ۳۵)
(محمد اقبال)

شہرِ قصو کے متعلق اقتباسات

۱۔ اقتباس

از عبت نامہ

(مصنف مفتی خیر الدین مرحوم)

دیباچہ کتاب میں مفتی علی الدین خلیف مفتی خیر الدین مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں وہ اپنے والد کے ہمراہ لاہور سے بولسے آئے اور والد کا وطن اور اس کی زاد بوم تھا۔ بسبب ظلم سنگھان، بھاگ کر لوہانہ پہنچا۔ اور تب سے تادم سحر پڑی ۱۲۵۴ھ (مطابق ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۱۱ء) تک وہ مختلف انگریز حاکموں کی خدمت میں حاضر رہا۔ اور علاقہ ہائے فیروز پور، لوہانہ، بہاولپور، سندھ، مارواڑ، ملتان، ڈیرہ جات و پنجاب و ہزارہ و کشمیر و پشاور و درہ خیبر و کابل تاحد و غزنی و بامیان میں ختم الامکان خدمات فرماتے رہا۔ تاہم مراد دلی اس کو حاصل نہ ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی عالمی یادگار دنیا میں چھوڑے۔ مگر اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ آخر وہ مسٹر چارلس پیکس رکن ام صاحب بہادر کشن و پرنٹنگ کمپنی لاہور کی خدمت میں پہنچا اور اپنی خدمت طرۃ العین میں اپنی مراد کو پہنچا۔ اور اسے ارادہ کر لیا کہ اپنے باپ کی تصنیف عبرت نامہ کو بطور پیشکش موصوف کی خدمت میں پیش کرے اس کے بعد مصنف نے تالیف کتاب کا جو حال دیا ہے وہ اسی کے لفظوں میں درج کیا جاتا ہے :-

اگرچہ ساتھ چندین از مؤلفان سخندان کتاب تو ادبِ سخندان پر موجب رسائی فکر خود تصنیف نمودہ مثلاً لالہ سہن لعل نامی سکنت لاہور کتابے درین ضمن نوشتہ کہ بتطویل انجامید و بسبب عدم مذہبی در اکثر مقامات رعایت نمودہ از نفس الامر برکنار ماندہ و دران سوای ایجاد

ذکر ملک گیری سنگھان دیگر چیز سے مندرج نموده وہم دیوان امر ناتھ پنڈت کشمیری دہلوی کتابی نوشتہ کہ آن مثل قالیہ رکلا سالیانہ عبارت مختصر مغلقت بودہ کہ مطالعہ اش در بر آوردن مطالب شایق را بدقت می اندازد و نیز بوٹہ شاہ نامی آواں سکندہ لودہ بانہ کتابی نوشتہ کہ باوصف تمامت رنگین فقرات بسبب تطویل اکثر مطلب در آن ہل ماندہ و سامع اجز سمع خراشی ازان حاصلی نیست پس ازین چیز سے بہتر نخواہد بود کہ کتاب عبرت نامہ را کہ والد ماجد مرحوم عبارت مائل و دل ۶ بلفظ اندک و معنی بسیار

در کوائف اربعہ حدود ممالک فہمت آباد پنجاب و منہج دریا یا یعنی تنج و بیاسا و راوی و چناب و جہلم و دریائے ہندسی (کذا) و بائین کہ آواں سکندہ و دیائے سندھ می گویند و دیگر انہار کہ از کوہ سازی محققہ می آریند و چشمہ زار ہا کہ درین سرزمین میخیزند و تعداد اقامہ مزروعات ربیع و خریف و حدیثات و نباتات و وحوش و طیور پیداوار این ملک و رسومات اہل اسلام و ہند و سنگھان و فقرائے ہر سہ گروہ و بنامی قصبہ جات مشہورہ و بلکہ ہا سی محمودہ و تصرف بادشاہان اسلام و آغاز راج سنگھان و احوال ملک گیری ایشان حسب مایش کرنل سی ایم وید صاحب دہلی کل ایکٹ لودہ بانہ بطریق مسودہ الیغ تصنیف نمودہ و آن کتاب بچندین وجوہ نامتام و اوراق پرآگندہ افتادہ بود بنام نامی و ہم را کمی سرصاحبہا و مدوح ترتیب قالیہ نامی اسی سلسلے میں مفتی علی الدین نے ہم کو بتایا ہے کہ یہ کتاب مسودہ ہی کی صورت میں یوں رہی کہ صاحب ممدوح ان دنوں ہم افغانستان پر مامور ہوئے۔ اور فتح کابل کے بعد جلدی ہی اندور چلے گئے۔ دوسرے مفتی خبیب الدین مصنف کتاب شاہ شجاع الملک کے حرم محترم کو کابل پہنچانے گئے اور سکھوں کا راج ابھی تک تمام نہ ہوا تھا کہ کابل ہی میں فوت ہو گئے تیسرے مفتی علی الدین دیباچہ نگار کے لئے گردش زمانہ سے کسی ایک جگہ قیام کی صورت پیدا نہ ہوئی چوتھے اس بضاعت سنگین کا کوئی ایسا فریڈ نہ ملا جس کے نام کتاب مضمون کی جاتی چنانچہ کتاب نامتام اور اس کے اوراق پر آگندہ پڑے رہے تا آنکہ اس نے فیصلہ

کیا کہ کشتہ صاحب موصوف کے نام پر کتاب کو ترتیب و تالیف کرے۔ غرض اس طرح یہ کتاب مکمل ہوئی۔ عبرت نامہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے۔ اسی نسخہ سے اقتباس ذیل قصور کے متعلق لیا گیا ہے۔

قصور

ورق ۱۴۶۔۔۔ آغاز معموری اس مورخان اہل اسلام از وقت سلطان محمود غزنوی می شریف (نوشتہ اند) چنانچہ موراز سر نو ملک ایاز آباد کردہ و شہر قصور را افغانان عیسی زئی کے مع بادشاہ موصوف دین سرزمین رسیدہ قطعہ زمین را پسندیدہ آباد کردند و افغانان دولت زئی اول در موضع متا متصل رکھا و الہ انتقامت و زیدہ بن بعد ان قصور رفتہ آباد شدہ اند تا زعمد [نواب عبداللہ خان کہ حسین خان خلف زئی ریاست قصور داشت خوب آباد بود چون حسین در جنگ نواب ممدوح از دست سید حسین علی خان اغتا و البضر تیرکیان جان بحق تسلیم نمود شہر قصور بسبب افتادہ و جریمانہ خراب گردید من بعد آن سردار ہری سنگھ و گنداسنگھ و جھنڈاسنگھ یورش آوردہ تمام شہر مذکور غارت کرد [و] سوزانیدند من بعد آن ناچار نہ بصورت اختیار افغانان صاحب ثروت و صاحب داعیہ کہ بودند ہر یک جدا گانہ بنام خود با قلعہ ہا انداختہ و تیسیرہ ہر چیز ہا نمودہ انداختند و رعایای ذیل خود را و راغجا آوردند و افغانان از جنگ سنگھان وغیرہ ۱۴۶ ب ماملون و مصئون و دلیر گردیدند سنگھان مقابلہ پسندناشتہ (۱۴۶ ب) مشار الیہاں را مطلق العنان گذاشتہ قلعہ ہا می افغانان قصور کہ حال آباد اند مشار الیہا بعضی از موضع متا و بعضی از ساکن رکند) اصل قصور اند

اول قلعہ جات افغانان ساکن رکند (شہر قصور۔

از قدیم الایام و از روز تملک سنگھان سکونت در قلعہ ہا داشتند۔

ایضا کوٹ بودیخان نزدیکی الدین پورہ۔

کوٹ بودیخان

قلعہ دہدہ مہینہ نواب حسین خان خلع زئی، کوٹ پیر گڑھی عورت اللہ خان اکی زئی،
 قلعہ ممخان عیسیٰ زئی، قلعہ بنگ زئی، کوٹ مراد خان،
 قلعہ ہای افغانان کہ از موضع متاسن پرگنہ رکھال والہ درقصور رفتہ آباد شدند نیست:-
 کوٹ خواجہ حسین خان دولت زئی کوٹ غلام محی الدین خان پسر حسین خان
 کوٹ بدر الدین خان پسر حسین خان کوٹ عثمان خان پسر حسین خان
 کوٹ رکن الدین خان پسر حسین خان کوٹ اعظم خان
 کوٹ جلی خان دولت زئی، کوٹ صدر خان، کوٹ فتح الدین خان پسر نظام الدین خان،
 کوٹ محمد خان فرزند جلی خان عرف مشہور محی الدین پور،
 کوٹ عبدالرسول خان از قصور سہ کر وہ فاصلہ دارد، قلعہ لطیف خان مشہور کھڈیاں مہینہ
 مشارالیه (و) دامادش نذر بہ بان خان و این ہمتہ قلعہ و کوٹ ہار اسر دار و مالک ہر یک جدا گانہ
 بودند اما سرزمین این قطعہ قصور مردوخیز از ہل حرفہ ساکن (کذا) آنجا تہر شعار و شجاعت آتار اند،
(۲) اقتباس از تاریخ لاہور مصنفہ مفتی تاج الدین
 عبرت نامہ کی تصنیف سے چند سال بعد یعنی ۱۰۷۷ھ میں میجر جان کلارک صاحب
 ڈپٹی کمشنر لاہور نے مفتی تاج الدین بن مفتی امام الدین کو جو مفتیان لاہور کے قدیمی خاندان سے تھا
 تاریخ ضلع لاہور لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کتاب میں ورق ۷۹ بعد پتر قصور کا حال حسب
 ذیل دیا ہے:-

منجملہ قصبات کلان دیرینہ و مشہورہ قصور

بھاری قصبہ اور پرانی بستی اور نامور مکان ہے۔ چونکہ آبادی اسکی منتشر اور منحصر بہند
 کوٹ ہے۔ اس لئے اہل طبائع نام اس کا قصور جمع قصریان کرتے ہیں اور ہنود بیان کرتے ہیں کہ
 اصلی نام اس کا کشور ہے۔ اور کشور اختصار کشور پور ہے علی نحو لاہور اختصار لوہور اور کہتے ہیں کہ کشور

اور لوڈو دو نو بیٹے راچند کے تھے جس زمانہ میں لوڈو نے کوہ پور المعروف لاہور آباد کیا۔ اسی زمانہ میں کشو نے کشو بعد المعروف کشور کی بنیاد رکھی۔ اگر یہ بات حقیقت میں درست بھی جائے۔ تو پھر قصور کہنا قصور ذہن ہے۔ ۸۶۱ھ میں بابر شاہ نے یہی بنی کہ ہیئت دیہہ خام آباد تھی پٹھانوں کو حکم ہر کاہ شاہ مدوح ولایت مغربی سے آئے تھے بطور معافی مرحمت کی۔ انہوں نے بڑے شوق سے اس کی آبادی کو بڑھایا اور مکانات پختہ بنا کر موضع کو صورت قصبہ بنایا۔ بعد کچھ مدت کے ہر ایک سردار اور رئیس پٹھان نے علیحدہ علیحدہ اپنی نام پر آباد کر لی اور چند پشت تک رونق بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ طول آبادی کا تین میل تک اور عرض دو میل تک پہنچا۔ چنانچہ ہنوز کھنڈریا موجود اور اس دعویٰ پر یقین کافی ہیں۔ بعد انتقال جلال الدین اکبر کے پٹھان مٹھل ہو گئے۔ اس لئے رونق اور آرائش نے بھی تنزل پایا۔ عہد شاہ جہان و عالمگیری میں پھر پٹھانوں کی بن آئی اور سستی نے بھی رونق پائی۔ ہر ایک رئیس نے اپنا آرام گاہ اور مجلس راسی علیحدہ تیار کر لیا۔ اور عمارات دیرینہ اور قصور منہ مدہ کی تعمیر از سر نو عمل میں آئی۔ حتیٰ کہ نادور ان خاتمہ ریاست محمد شاہ مرحوم بتدریج چند کھٹ پختہ تیار ہو گئے۔ بدیں تفصیل:

کوٹ خواجہ حسین مہنبیہ ۱۷۹۲ء بکریا جیتی کوٹ قلعہ پختہ مہنبیہ ۱۸۰۳ء

کوٹ غلام محی الدین مہنبیہ ۱۸۰۵ء کوٹ مراد خان ۱۸۰۵ء

کوٹ بدر الدین مہنبیہ ۱۸۰۶ء کوٹ رکن الدین ۱۸۱۲ء

۱۸۱۴ء میں نواب خواجہ حسین خان رئیس اعلیٰ و جاگیر دار قصور کی صوبہ لاہور سے ناموافقت ہو گئی۔ جس کی تاویب کے لئے لاہور سے فوج جبراً بھیجی گئی۔ خنے کہ ہنگام نہر چرکی لڑائی ہوئی۔ جس میں حسین خان نے شکست پائی۔ آخر حسین خان بیہ دخل اور اس کی جگہ پر برہان الدین اور جلع خان پٹھانان انخوان ہم جلسہ میں خان معزوز اور مامور ہوئے اور کچھ مدت تک سرداری ان کے خاندان میں رہی۔ بدورن حکومت نواب خان بہادر ناظم پنجاب نیا انتظام عمل میں آیا اور تعلقہ قصور و حصہ پٹنقسم ہوا جس میں سے ایک حصہ پر حیم داود خان پٹھان اور دوسرا حصہ کمال الدین پٹھان کو محضرت
۱۔ یہ تاریخ غلط ہے۔

ہوا۔ تھوڑے دنوں تک تو انہوں نے امن و چین سے حکومت کی بعد اُس کے تزلزل ریاست اہل اسلام اور تزلزل حکومت لاہور تفرقہ پڑ گیا۔ جب جا بجا لوٹ مار شروع ہو گئی۔ تو ان پٹھانوں میں بھی آپس میں اختلاف اور بے اعتدالی وقوع میں آئی۔ جو کوئی غالب اور قومی بازو ہوتا رہا۔ لوگ اسی کی متابعت اختیار کرتے رہے اور سکھوں نے بھی قصوریوں پر پے بہ پے کئی حملے کئے کبھی مغلوب ہوتے رہے اور کبھی غالب حتیٰ کہ نوبت سرداری نظام الدین خان پٹھان ابن لے پہنچی۔ یہ شخص بڑا بہادر اور اہل تدبیر تھا۔ اس لئے اس قدر اور تعدادی سکھوں میں اس نے قصوریوں کو اپنا ہمراہ اور مددگار اور ملازم یا مصاحب یا شریک ریاست بنا کر اپنی ریاست اور لوہائی کو فروغ دیا۔ اس کے عہد میں اور کئی کوٹ اور قصور مہم ہوئے چنانچہ درمیان بستی قصبہ قصور کے کوٹ حلیم خان۔ کوٹ فتحین۔ کوٹ سرائے والہ۔ کوٹ عبد الغنی اور اور کئی پختہ مکانات تیار ہوئے۔ سکھوں نے بھی اس پر کئی حملے کئے اور اکثر غالب ہوتا رہا مگر ایک دو بار سرداران بھنگیاں نے اس کو لاچار کیا۔ پہلی جرأت اس نے کی کہ ۱۸۶۱ء میں ان کا ڈیرہ راہ گزر لوٹ لیا جس کی پاداش میں سردار جھنڈا سنگھ و گنڈا سنگھ بھنگیاں نے بکیمیت کثیر اس پر حملہ کیا اور بہت خونریزی ہوئی۔ آخر بھنگی غالب ہو کر قصور پر منصرف ہوئے اور پٹھان اپنے اپنے کوٹوں میں محصور و دین روز تک نشانہ بازی ہوتی رہی اور سکھوں نے آبادیہائے بیرونی کوٹ ہاں محصورہ میں دست غارت دراز رکھا اور مکانات خاتین گرا دیئے بلکہ بہت آدمیوں کو قتل کیا۔ مگر کان محصورین کو گرفتار نہ کر سکے۔ کیونکہ لڑائی بند وقف بازی کی تھی۔ سوائے اس کے اور کوئی تدبیر یاد نہ تھی اور نہ سامان حرب موجود۔ ناچار بعد تھوڑے دنوں کے ماحصل کو غنیمت منقسم سمجھ کر امیر سر کوٹ گئے۔ ۱۸۶۶ء ہجری جلیبی میں پھر بگاڑ ہوا اور تھوڑے دنوں تک لڑائی ہو کر آخر بھنگیوں نے فتح پائی۔ بہت پٹھان ارکان حکومت اور بہت رعیت بیکناہ ماری گئی۔ خصوص قلعہ غلام نبی خان میں نہ خون کی چلی۔ بعد اس کے نظام الدین خان نے لاکھ روپیہ دے کر اطاعت محکومی اختیار کی۔ پھر تو چند سال تک امان رہا۔ جب تک رنجیت سنگھ نے لاہور نہ لیا۔ سکھوں سے کوئی مزاحم قصور نہ ہوا۔ ہمارا جہ رنجیت سنگھ نے بعد کامیابی فتح لاہور قصور پر تین حملے چند

سال میں کئے۔ مگر نظام الدین خان نے بزورِ جبر و نفردی اس کو نزدیک تک نہ آنے دیا۔ چونکہ ارادہ لم یزلی حامی روزگار ہمارا جہ موصوف تھا۔ اس لئے بعد تیسرے حملے کے ایسا اتفاق ہوا کہ مقربوں سے دو آدمیوں نے نجات و اشارہ ہمارا جہ صاحب نظام الدین خان کو مار دیا اور قطب الدین خان سہیم و شریک نظام الدین خان نے سوائے اطاعت اور کوئی چارہ نہ دیکھا۔ ختمی کہ قصور بڑا تکلف ہمارا جہ کے قبضہ میں آیا۔ اگرچہ ہمارا جہ نے اس خدمت کے عوض میں سرداری قطب الدین خان کی زیرِ حکم سردار نہال سنگھ اٹاری بناتے رکھی۔ لیکن وہ خود اختیار سی اور آب و تاب نہ رہی۔ باہم آغازِ عمل سرکارِ انگریزی قطب الدین خان بھی مر گیا اور نوابی ختم ہوئی۔ اب قصور میں اس کے قارب کے واسطے خانگی خانی ہے سرکار سے کچھ مقرر نہیں۔ جب سے تقیم اضلاع ہو کر قصور متعلق ضلع لاہور ہوا۔ تب سے یہاں کچھری تحصیل اور ایک محکمہ اسٹنٹی رہتا ہے۔ نوابانِ ممدوٹ نظام الدین خان کے بھتیجے ہیں۔

ایڈیٹر

۱۔ قصور کا حال تفصیل سے رسالہ اسلامک کچھر بلیٹ جولائی ۱۹۲۹ء میں ص ۵۲ بجو دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھا جائے
 اوپر کے دو اقتباسات بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ ناظرین معلوم کر سکیں کہ ساٹھ ستر برس پہلے قصور کی
 آبادی کے متعلق پنجاب کے اہل علم میں کس قسم کی اطلاعات شائع تھیں۔

پر تھی راج راسا

سلسلہ کیلئے دیکھو اورنٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء

سلطان معز الدین محمد بن سام

راسا میں سلطان معز الدین محمد بن سام کو جن مختلف ناموں اور نسبتوں سے یاد کیا

گیلے ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

- (۱) ساہاب دین سمرتان (شہاب الدین سلطان) - (۲) ساہ ساہاب (شاہ شہاب)
- (۳) ساہاب (شہاب) (۴) ساہاب ساہ (شہاب شاہ) (۵) سمرتان دین ساہاب (سلطان شہاب) - (۶) سہب (شہاب) (۷) ساہاب دین (شہاب الدین) (۸) کھورسان ساہاب
- (۹) ساہب دین سلطان (شہاب الدین سلطان) (۱۰) ساہب دین -
- (شہاب الدین) (۱۱) سہاب گوری (شہاب غوری) (۱۲) گوری سہاب (غوری شہاب) - (۱۳)
- گوری ساہ (غوری شاہ) ساہ سمرتان گوری (شاہ سلطان غوری) (۱۴) سمرتان گوری (سلطان غوری) - (۱۵) گنجین گوری (غزین غوری) - (۱۶) ساہ گوری (شاہ غوری) (۱۷) گوری (غوری)
- (۱۸) گوری سمرتان (غوری سلطان) (۱۹) پاتساہ (پادشاہ) (۲۰) پتی ساہ (پادشاہ) - (۲۱)
- سمرتان (سلطان) (۲۲) شاہ سمرتان (شاہ سلطان) (۲۳) ساہ سہب (شاہ شہاب) (۲۴)
- ساہ کھورسان (شاہ خورسان) (۲۵) کھندھار پتی -

مذکورہ بالا ناموں میں ایسے نام بھی پائے جاتے ہیں جو غوری کیساتھ ترکیب پاتے

ہیں۔ اس لئے بے موقع نہیں ہوگا اگر وہ قصہ جو سلطان کے گوری کے لئے جانے کی

وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور راسا میں مذکور ہے میں اپنے سامعین کی دلچسپی کے خیال سے

یہاں نقل کر دوں۔

دھن کتھا چوبیسوں داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج نے سلطان کے وزیر
تتارغاں کے ایلچی سے جو سلطان کی رہائی کے لئے غزنین سے چل کر دہلی آیا تھا۔ اٹنائے
گفتگو میں ایک روز دریافت کیا کہ میں تم یہ تو بتاؤ کہ تمہارا پادشاہ شہاب الدین گوری گہوں
کھلتا ہے۔ ایلچی نے جس کا نام لورک راہی کھتری تھا عرض کی کہ شہاب الدین سے پہلے
غزنین کے تخت پر مسلمانوں کا پادشاہ شاہ جلال تھا۔

بیٹھے پاٹ اسورن ساہ جلال پرمان چھند ۲۱۴ ص ۲۵
اس کی حرم میں پانسو دس عورتیں تھیں۔ جب اسے کسی حرم کے حاملہ ہونے کی
اطلاع ملتی اس اندیشہ سے کہ مبادا فرزند فریاد پیدا ہو اور بالغ ہو کر اسے قتل کر کے سلطنت
پر قبضہ کر لے وہ فوراً اس سیکم کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالتا۔ اس قدر ظالم ہونے کے
باوجود وہ ایک درویش شیخ نظام نامی سے بہت عقیدت رکھتا اور اس کی خدمتگداری
میں مصروف رہتا اس کی خدمات سے خوش ہو کر ایک دن درویش نے یہ بشارت
دی کہ تمہارے ایک بلند اقبال وارث تخت پیدا ہوگا۔ جو مسلمانوں (اسوروں) کی سلطنت
کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیگا۔ شاہ کو یہ بشارت گراں گزری اور تشویش کے
عالم میں تھر شاہی کی طرف لوٹا۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلی خبر جو اس نے سنی یہ تھی
کہ اس کی ایک حرم حاملہ ہے۔ شاہ جلال نے حسب معمول اسے موت کے گھاٹ اتارنا
چاہا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ ارادہ عمل میں آتا۔ سیکم اپنی پیاری جان لیکر محل سے غائب
ہو گئی۔ اس واقعہ سے پانچ سال بعد شاہ جلال نے وفات پائی۔ اس وقت امراء سلطنت
کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ بغیر وارث ملک کے سلطنت کا انتظام کیونکر کیا جائے؟ اس غرض
کے لئے ایک مجلس مشورت منعقد ہوئی اس موقع پر ایک شیخ نے جو شہر کے باہر ایک
گورستان میں رہا کرتا تھا آکر کہا کہ اے امراء دولت میں تمہیں قدرت باری کا ایک سچا
قصہ سناتا ہوں اگر جھوٹ نکلے تو مجھے سزا دینا اور اگر سچ ثابت ہو تو انعام دینا۔ امراء

شاہی کے استفسار پر شیخ نے کہا۔ آپ خدے پاک کی قدرت ملاحظہ کیجئے۔ فتح بی بی نے جو بادشاہ کی حرم تھی شاہی محل سے فرار ہو کر ایک گور کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اسی گور میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو شکل و صورت میں چندے افتاب چندے متاب ہے اور درحقیقت یہی بچہ وارث ملک ہے۔ یہ فقہ منکر عمائدین ملک بہت خوش ہوئے اور اسی وقت شیخ کے ہمراہ ہوئے۔ شیخ نے گورستان میں پہنچ کر دور سے انہیں بچے کو انگلی سے بتا دیا۔

| | |
|-------------------------|--------------------------|
| جھوٹی ہوئے تو سجا لیجے | سچی ہوئے نوا جس کیجے |
| بے خان مل پوچھے بتن | کہوے سیکھ سو کیا کد رتن |
| بی بی فتنے شاہ کی گھرنی | کد رت گور مڈتی اک دھرنی |
| گور مڈتی اک چیک و اسن | دیکھ سروپ کوئی ردی بھاسن |
| ہے کھان مدھی گور سدھائے | کرانگری تہی سیکھ دکھائے |

چھند ۳۲ تا ۳۲۲ ص ۲۶

امراے ملک اس بچہ کی رعب دار صورت اور ہونہار قیاد دیکھ کر سجد خوش ہوئے اور عرت و احترام کے ساتھ اسے شاہی محل میں لے آئے۔ خان جہان نے فوراً بخوبی کو بلایا۔ انہوں نے بچہ کا زائچہ دیکھا اور بولے کہ یہ بچہ ایک اوالہزم اور جلیل القدر بادشاہ ہوگا۔ اور ہندوستان میں مسلمانی سلطنت کی بنیاد ڈالے گا۔ اور جو شخص اسے باربد قید و اسیر کرے گا۔ انجام میں یہ اس کو بھی تباہی کے گھاٹ پہنچا کر رہیگا۔

گویا شہاب الدین کے گوری (غوری) اکملائے جاتیکی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک گور میں ولادت اور پرورش پائی تھی نہ وہ وجہ جو مسلمان مورخین بیان کرتے ہیں کہ ملک غور اس کا وطن تھا۔ ایسی نکتہ سنجیاں راسل کے مصنف کی بہالت اور تاریخ سے اس کی بے خبری کا پردہ فاش کرتی ہیں اور ہماری سنجیدہ توجہ کی مستحق نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا قصبہ جو سلطان کے باپ کو اپنی بیویوں کا قاتل بیان کرتا ہے۔ انگریزی کے اس قصبہ سے جو بلو بیڑ ڈرہیلی ڈارھی والا کے نام سے مشہور ہے ملتا جلتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ بلو بیڑ ڈکو قضاویر میں مسلمانی لباس میں دکھایا گیا ہے اور اس کی بیوی کا نام فاطمہ بتایا ہے۔ ہیں چند کوی کے اس قصبہ کو بلو بیڑ ڈکی کہانی سے زیادہ وقعت نہیں دینا چاہئے۔ مگر ان بزرگوں کی بدگمانی رفع کرنے کے لئے جو پنڈت موہن لال و شنو لال پنڈیا کی طرح ہر ایسے قصبے میں جو مسلمانوں کے خلاف جاتا ہو صداقت کا عنصر نمایاں دیکھتے ہیں۔ اور مسلمان مورخین کو ان کی قومی تاریخ کے تاریک پہلوؤں سے پرودہ دارانہ غماض کا مجرم بیان کرتے ہیں۔ اس قدر کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند کوی نے بسم اللہ ہی غلط کر دی جب اس نے شہاب الدین کے باپ کا نام شاہ جلال بتایا۔ یہاں وہ شاہ جلال بیان کرتا ہے لیکن بڑی لڑائی رو پرستاؤ میں سلطان جلال سکندر بتایا ہے۔

سلطان جلال سکندر جایا سلطان شاہب دین الہ آبادی

چھند ۱۷۰ ص ۲۱۲ چھپا سٹھویں داستان

جس سے مقصد یا جلال الدین سکندر ہے یا جلال بن سکندر ہے مگر باجماع مورخین اسلام شہاب الدین کے باپ کا نام سلطان بہاء الدین سام بن ملک اعز الدین حسین ہے۔ ملک اعز الدین حسین کو سلطان مسعود ثالث بن ابراہیم غزنوی ۶۹۳ھ میں ایالت غور پر سرافراز کرتا ہے۔ اس کے سات فرزند تھے۔ (۱) ملک فخر الدین مسعود امیر بامیان و طخارستان (۲) سلطان بہاء الدین سام امیر غور و فیروز کوہ جو شہاب الدین کا باپ ہے (۳) ملک الجبال قطب الدین محمد جو فیروز کوہ آباد کرتا ہے (۴) سلطان سیف الدین سوئی شاہ غور (۵) سلطان علاء الدین حسین بادشاہ غور و غزنین و بامیان (۶) ملک شہاب الدین محمد خرنک ملک ماوین (۷) ملک شجاع الدین علی امیر جراس غور

باپ کی وفات پر بھائیوں نے تمام علاقہ کو آپس میں تقسیم کر لیا لیکن قطب الدین

محمد ملک الجبال کسی بنا پر بھائیوں سے خفا ہو کر غزنین چلا گیا۔ بہرام شاہ غزنوی نے اپنے دربار میں اسے عزت کی جگہ دی اور شرف دامادی بخشا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسے اسباب پیدا ہو گئے۔ کہ بہرام ملک الجبال سے بدظن ہو گیا اور کہتے ہیں کہ زہر دلوادیا۔ اسپر غوریوں اور غزنویوں میں عداوت قائم ہو گئی اور سیف الدین نے بھائی کا انتقام لینے کے لئے غزنین پر چڑھائی کر دی۔ اور بہرام شاہ کو شکست دے کر غزنین پر قبضہ کر لیا۔ بہرام شاہ بھاگ کر کرمان چلا گیا۔ اہل غزنین نے بظاہر نئے بادشاہ کو قبول تو کر لیا۔ لیکن جب موسم سرد آیا۔ بر فباری شروع ہو گئی اور غور اور غزنین کا راستہ بند ہو گیا۔ اہل غزنین کے اشارہ سے بہرام نے یکا یک شہر پر حملہ کر دیا۔ سیف الدین آسانی کے ساتھ گرفتار ہو گیا اور بڑی ذلت اور تشہیر کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اور غزنین پر دوبارہ بہرام شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کے لئے بہاء الدین سام نے غور جروم اور غرستان سے ایک لشکر عظیم جمع کر کے غزنین کا رخ کیا۔ لیکن بھائی کا صمد اسپر اسفند غالب آچکا تھا کہ جب وہ کیدان پہنچا بیمار پڑا اور چند روز کے بعد انتقال کر گیا۔ باقی مہم کو علاء الدین حسین جو غزنین کو تباہ کر کے جہاننوز کے خطاب سے شہرت پاتا ہے انجام کو پہنچاتا ہے جس سے بہن کوئی سروکار نہیں کومی نے سلطان کی ماں کا نام بی بی فتح بیان کیا ہے۔ لیکن جو شخص کہ خود سلطان اور سلطان کے باپ کے نام سے ناواقف ہے وہ بدرجہ اولیٰ اس کی ماں کے نام سے بے خبر مانا جاسکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں میں مستورات کے ذکر سے عام طور پر احتراز بھی کیا جاتا ہے بالخصوص شاہی بیگمات کے ناموں سے۔ بی بی فتح ہندی طرز کا نام ہے۔ چنانچہ فیروز شاہ تغلق (متوفی ۶۹۲ھ) کی ماں کا نام اس کے میکے میں بی بی نائمہ اور سرال لہ یہ کرمان ایران کے صوبہ کرمان سے بالکل مختلف ہے اور افغانستان کے جنوب میں غزنین اور لامور کے راستہ پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا علاقہ ہے جو مختلف دروں پر شامل ہے کرمہ اور اس کی باج گزار ندیاں اسکو سیراب کرتی ہیں۔

ہیں بی بی کدبانو تھا۔ شمس سراج عقیف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ بہادر سلطان فیوڑا رائزل بی بی نامہ دلاہ نام داشتہ بود۔ چون در خانہ پہ سالار رجب آمد سلطان تغلق بی بی کدبانو نام کرد۔ اسی طرح بی بی راجی سلطان حسین شرقی والی جو پور ۹۵۰ھ کی ماں کا نام تھا سلطان معز الدین محمد بن سام کی ماں کا اصلی نام تو شاید کسی کو بھی معلوم نہیں۔ وہ اپنے سسرال میں اپنے وطن کی نسبت سے 'ملکہ کیدان' کہلاتی تھی۔ چنانچہ طبقات ناصری میں وہ اسی عرف سے یاد کی گئی ہے۔ 'ملکہ کیدان' ملک بدر الدین والی کیدان کی دختر تھی۔ یہ خاندان بھی ملوک غور کی طرح شنبی ہے۔ بہاء الدین سام اور ملکہ کیدان کے دولہے کے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) سلطان غیاث الدین محمد پادشاہ غور (۲) سلطان معز الدین محمد پادشاہ غزنین و فلاتح ہندوستان پر تھی راج کا حریف جس کا ایام شہزادگی میں شہاب الدین نام تھا (۳) ملکہ جہاں ملک تلج الدین زنگی کی ماں (۴) حرہ جلالی جو سلطان شمس الدین محمد ابن ملک فخر الدین غور والی بامیان سے بیابھی گئی (۵) ملکہ خراسان جو سلطان سنجر کے بھتیجے ملک قزل ارسلان سے بیابھی گئی۔

مختصر یہ ہے کہ چند کوئی جس طرح سلطان معز الدین کے صحیح نام سے بے خبر ہے اسی طرح سلطان کے باپ اس کی ماں اور اس کے وزیر کے اصلی ناموں سے بھی ناواقف ہے۔ اور جو مورخ اپنی تاریخ کے اہم افراد اور اشخاص کے ناموں سے اپنی جہالت کا اس قدر ثبوت دیتا ہے اس کے بیان کردہ دیگر واقعات و روایات سے بھی اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ میرا یہ قول چند کے حق میں تو بالکل صادق آتا ہے۔ شہاب الدین کے متعلق اس کے بیانات قطعاً بے بنیاد اور غیر تاریخی ہیں مثلاً شاہ گوہ ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کا مالک ظاہر کرتا ہے جس میں بیشمار جنگجو اقوام آباد ہیں۔ وہ اس کی ایک چٹھی کے آنے پر اپنے اپنے دستے لے کر

اس کے علم کے نیچے اکڑ جمع ہو جاتی ہیں۔ اس کی آمدنی کے ذرائع غیر محدود ہیں۔ کہ وہ شکستوں پر شکستیں کھاتا ہے مگر اس کے خزانے اور فوج میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ میں یہاں ان بعض موقعوں کا ذکر کرتا ہوں۔ جس میں اس کی افواج کی تعداد مذکور ہے۔ مثلاً مادھو بھاٹ کتھا میں وہ دو لاکھ فوج کے ساتھ پر تھی راج سے جنگ کرتا ہے۔ گھگھر کی جنگ میں اس کے لشکر کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ کیماں جدھ میں اس کے ساتھ تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ پھون پاتساہ جدھ میں تین لاکھ سپاہ لے کر آیا تھا۔ ریوٹ سمیو میں اٹھارہ لاکھ فوج اور آٹھ ہزار ہاتھی لے کر آتا ہے۔ اور چونکہ ہائیں مرتبہ پر تھی راج سے شکستیں کھاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان حملوں اور جنگوں میں اس کا کس قدر رویہ صرف ہوا ہوگا۔ اور کس قدر ناسا دل کی قربانی اسے دینی پڑی ہوگی۔

کوی نے اس تمام علاقہ کی جو سلطان کے زیر نگین ہے کوئی تفصیل تو دی نہیں ہے جس سے ہم اس کے طول و عرض کا اندازہ لگا سکیں لیکن ۲۹ دیں داستان میں اتفاقہ اگر تمام مقبوضات کا نہیں تو بعض حصوں کا ضرور ذکر آگیا ہے۔ موقعہ یہ ہے کہ گھگھر کی جنگ میں جب کہ جس کی آنکھ پر ہمیشہ پٹی بندھی رہتی ہے شہاب الدین کو گرفتار کر کے لے آتا ہے اور اجیر میں قید رکھتا ہے۔ اس وقت پر تھی راج کے سامنت دربار میں مشورہ دیتے ہیں کہ اس مرتبہ شاہ کو قتل کر دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ بار بار یورش کر کے آتا ہے اور سرکشی سے باز نہیں آتا۔ اس پر کہنے کتا ہے کہ کم از کم ایک موقعہ اسے اور دینا چاہئے اگر اب بھی شرارت سے باز نہیں آیا تو میں آپ لوگوں کو یقین دلانا ہوں کہ میں خود اپنے ہاتھ سے شاہ کا سر کاٹ لوں گا۔ اس پر سامنت خاموش

ہو جلتے ہیں اور یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ قندھار مع تمام مغربی علاقہ کے اور کشمیر اور کیلاس مع تمام پہاڑی علاقہ کے شاہ سے ضبط کر لیا جائے اور صرف غزنین کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیا جائے۔ کنہ نے پھر غزداروں کی اور کہا کہ اس مرتبہ تو اسے معافی دینی چاہئے۔ اور اگر ایسے ہی آپ لوگ مصر ہیں تو پنجاب اس سے لے لیا جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور کنہ شاہ کو لینے کے لئے اجمیر چلا گیا۔ شہاب الدین اپنی جاں بخشی کی خبر سنکر بہت خوش ہوا۔ کنہ کو اس نے ایک قیمتی جواہر ہدیہ میں دیا۔ اب کنہ شاہ کو لے کر دہلی آیا۔ یہاں پہنچ کر شاہ نے اپنی شمشیر خاص اور دو گھوڑے پر بقی راج کے نذر کئے۔ اور قرآن بیچ میں لے کر قسم کھائی۔ کہ میں آئندہ ہندوستان کی طرف منہ بھی نہیں کرونگا۔ اور اگر ایسا کروں تو آپ کو میری جان لینے کا اختیار ہوگا بلکہ اگر میں اٹک سے بھی پار اُتروں تو مجھے مسلمان نہ کہنا۔

پینگی دھرسیم | بیچ پوران قران || جاتگوں تم اے | تب تم کڈھیو پوران
اتروں اٹک تو ہیں اور | مسلمان ناہی دھروں || ج ۶۶ ص ۹۵۵
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک شہاب الدین کی سلطنت

ایران کے علاوہ موجودہ افغانستان۔ پنجاب کشمیر اور کیلاس یعنی ہمالیہ کے علاقہ پر شامل تھی۔ مگر تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے پاس ان ایام میں صرف غزنویں اور پنجاب کا علاقہ تھا۔ نہ کشمیر اس کے قبضہ میں تھا اور نہ اس وقت تک کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ تھا بلکہ وہاں ہندو راج قائم تھا۔ مگر مصنف نے کشمیر کو جو سلطانی قبضہ میں دکھایا اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ مصنف کے اپنے عہد میں کشمیر پر مسلمان قابض تھے۔ اس لئے قدرتاً اس کو گمان ہوا کہ پر بختی راج کے عہد میں بھی اس پر مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔

شاعر کا یہ قول کہ گھگھر کی جنگ کے بعد پنجاب سلطان سے چھین لی گئی بنجیدہ تاریخ کی رو سے بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ محمود کے عہد سے پنجاب پر مسلمان قبضہ مسلم ہے۔ ۵۸۲ھ میں سلطان معز الدین خسرو ملک غزنوی کو قید کر کے لاہور پر متصرف ہوتا ہے۔ اور مدۃ العمر پنجاب پر قابض رہتا ہے۔

کیلاس ہمالیہ پہاڑ میں ایک فرضی علاقہ کا نام ہے۔ ہندو اساطیری روایات کی رو سے وہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی کا نام ہے جو کویرا کا مسکن ہے۔ اور شیو کی سیرگاہ ہے۔ بہر حال کیلاس دیس جو دیوتاؤں کا مسکن ہے سلطان معز الدین کی قلمرو میں شامل نہیں تھا۔

اب تک میں نے شہاب الدین کے جزوی علاقہ کا ذکر کیا ہے۔ اگر مصنف اس کے ان متفرق اشارات کو یکجا فراہم کیا جائے جو کتاب کے مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ہیں تو ان سے پایا جائیگا کہ شاہ کی حکومت نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ افریقہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ایسی اقوام پر حکومت کرتا معلوم ہوتا ہے جو ان تین بڑے عظموں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

بڑی لڑائی چھپا سٹھویں داستان میں شہاب الدین سات ہزار فرمان لکھ کر دیس دیس بھیجتا ہے اور فوجیں طلب کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کے یہ نام ہیں:-
کد لواس۔ کیلاس دیس۔ روہ۔ قندھار۔ گکھڑ۔ گردان۔ خورسان (خراسان۔ ایران)
مستان۔ بھٹنیر۔ بھکرہ دان وغیرہ (چھند ۱۳۱ ص ۲۱۲۴)

گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان میں شاہ کے زیر علم یہ اقوام ہیں:- دولاکھ
گدزبرد۔ گکھڑ۔ خورسانی (خراسانی)۔ بلخی۔ جلبانی۔ لوہانی۔ حبشی۔ اوزبک۔ ہمسیر۔
کلبانی۔ رومی۔ سریانی۔ عراقی۔

ہانسی پود پر تھم جدہ ۵۱ ویں داستان میں شاہی سپاہ میں یہ اقوام شامل ہیں:-

کھندھاری۔ حبشی۔ رومی خلعی الچی۔ قریش۔ بخاری۔ سید۔ سیلانی۔ شیخ۔ بھٹی۔ میدانی۔ چوگتا
(چغتائ) پیرزادہ۔ لوبانی۔ ترکام۔ بلوچ وغیرہ۔

سلکھ جدہ تیرھویں داستان میں لشکر شاہی میں یہ قویں بہ تعداد ذیل حاضر تھیں۔
کشمیری ۳۷ ہزار۔ حبشی ۵۳ ہزار۔ رومی ۳۵ ہزار۔ فرنگی ۳۷ ہزار۔ پٹھان ۷۷ ہزار
پاسوان (پاسبان) پندرہ ہزار۔ شاگرد پیشہ ۲۵ ہزار۔

پدماوتی سے بیسویں داستان میں یہ اقوام مذکور ہیں :- خراسانی۔ ملتانی۔ کھنگھار۔
بلخی۔ رومنگی۔ فرنگی۔ ہلنبی۔ سمانی (سامانی)۔ بلوچ۔ منجاری۔ ہزاری۔

ان اسماء میں بعض نے سہو کتابت یا دیگر اسباب کی بنا پر ممکن ہے کہ مصنوعی
ہستی اختیار کر لی ہو۔ مثلاً کلیانی۔ میدانی۔ ہمیر۔ کسند۔ سریانی۔ گروان۔ کوہلی کور
منجاری۔ الچی۔ رومنگی۔ ہلنبی۔

ہمیر اگرچہ امیر کی بگڑی شکل ہے۔ مگر مسلمانوں میں کسی قوم کا نام نہیں کھنگھا
تو ہندوؤں کی ایک نیچ ذات کا نام ہے۔ اس کا مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ الچی
میرے خیال میں کسی قوم کا نام نہیں۔ بلکہ خلعی (خلجی) کے تابع مہل کے طور پر لایا گیا
ہے۔ اسی طرح فرنگی کا تابع مہل رومنگی اور تابع دوم ہلنبی معلوم ہوتا ہے۔ تو ابیات
کا کثرت کے ساتھ استعمال چند کوی کی ایک مقبولہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً
گکھر کے واسطے پکھڑ اور پیدل کے واسطے ہیدل آتا ہے۔

رہے باقی نام بلوچ۔ گکھر۔ ملتان۔ بھٹنیر۔ بھکر وان۔ بھٹی۔ ہزاری۔ قریش۔
بخاری۔ سید۔ پیرزادہ۔ شیخ۔ پٹھان۔ شاگرد پیشہ۔ پاسوان (پاسبان)
روہ۔ قندھار۔ جہلانی (جلوانی)۔ لوبانی۔ بلخ۔ بلخی۔ خورسان (خراسان)۔ مکران۔ عراق۔
کدلواس۔ اوزبک۔ کھونکار۔ چوگتا۔ ترکام۔ فرنگی اور حبشی وغیرہ۔ ان میں سے
بعض ایسے ناموں کی نسبت جو راسا کی تصنیف کے لئے ایک خاص زمانہ متعین کرنے

میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ میں یہاں چند الفاظ علیحدہ علیحدہ عنوان کی ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

گلکھڑ

راسا میں گلکھڑوں کا کثرت کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ سکھ جدہ ۱۳ویں داستان میں ایک خان گلکھڑ کا نام ملتا ہے :-

۵۳۳
ج ۵
۵ خان جلال خاں لال ا خان خلجی خان گلکھڑ ۱۱ چھند ۱۱ ص ۵
چوہبیسویں داستان دھن کتھا میں شہاب الدین کی فوج کے دو ہزار گلکھڑ لڑائی میں مارے جاتے ہیں۔ اٹھائیسویں داستان انگ پال سے میں گلکھڑ مہی پال مالوے کے راجا کے ساتھ مل کر پرتھی راج کے باپ سومیشور سے جنگ کرتے ہیں۔ ۴۳ ویں داستان کیماں جدہ میں شہاب الدین کے ایک سردار گلکھڑ خاں کا نام آتا ہے۔ دھیر پٹیر چونسٹھویں داستان میں یقین فرماں شاہی ساٹھ ہزار گلکھڑ بسر کر دی آتش خان کا ٹکڑے پہنچکر دھیر کو گرفتار کر کے غزنیں لیجاتے ہیں۔ بڑی لڑائی چھپا سٹھویں داستان میں جب پٹیر بنسی میدان جنگ میں ہمیر پر نرغہ کرتے ہیں اس کی حفاظت کے لئے تین ہزار گلکھڑ شہاب الدین کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں۔ ان مقامات کے علاوہ اور موقع بھی ہیں۔ جن میں گلکھڑوں کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ شہاب الدین کے وفادار اور اطاعت شعار تابعین سے ہیں۔ اور اس کی جنگوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں راسا کے بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ مگر سلطان معز الدین کی تاریخ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گلکھڑ سیاسی اعتبار سے بالکل نامعلوم کیت ہیں۔ نہ وہ اس سے کبھی تعلق میں آئے اور نہ اس عہد کی نہ اس عہد سے بعد کی تاریخ میں ان کا تذکرہ آتا۔ بلکہ یہ کھوکھر ہیں جو سلطان موصوف کے عہد میں پنجاب میں نہایت طاقتور تھے۔ اور سلطان کی آخری ہم انہی کھوکھروں کے خلاف تھی۔ وہ ہر زمانہ میں

فتنہ و شورش برپا کرتے رہے ہیں۔ اور دیگر سلاطین نے بھی ان کی سرکوبی کا اقدام کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کھوکھر کس عہد میں اسلام لائے۔ لیکن اس قدر صاف پایا جاتا ہے کہ نویں صدی سے قبل وہ دائرہ اسلام میں آچکے تھے۔ اسی صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں وہ اپنی حکومت کا ڈول ڈال رہے ہیں۔ اور لاہور پر قبضہ کی بار بار کوشش میں مصروف ہیں۔ کھوکھروں میں سب سے مقدم شیخا کھوکھر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں سب سے پہلے محمد شاہ تغلق بن فیروز شاہ $۶۹۲ھ$ $۱۳۸۹ء$ کے عہد میں اس کا مذکور آتا ہے۔ جب وہ باغی ہو کر حصار لاہور پر قابض ہو گیا ہے۔ شیخا ناصر الدین محمود بن محمد شاہ $۸۱۵ھ$ $۱۴۱۲ء$ - $۸۹۵ھ$ کے عہد میں سارنگ خاں حاکم دیپالپور سے شکست کھا کر مع اہل و عیال کو ہستان جٹوں میں پناہ لیتا ہے۔ جب امیر تیمور ہندوستان پہنچتا ہے۔ شیخا اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تیمور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے۔ مگر شیخا موقعہ پا کر لاہور پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور تیمور کے حکم سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ شیخا سے زیادہ طاقتور اس کا فرزند جسرت ہے جو $۸۲۳ھ$ میں سلطان علی پاو شاہ کشمیر کو جب وہ ٹھٹھہ کے سفر سے واپس کشمیر جا رہا تھا۔ گرفتار کر کے اس کا مال و اسباب لوٹ لیتا ہے۔ اس فتح پر وہ دہلی کی فتح کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ اور پنجاب میں تو اس نے واقعی طوفان مچا دیا ہے۔ رے فیروز کو شکست دیتا ہے۔ جالندھر پر زبردستی متصرف ہو جاتا ہے اور درباے ستلج تک کے تمام علاقہ کو تاراج کر دیتا ہے۔ بالآخر اس کی فوجوں نے سرہند کو محصور کر لیا۔ جب سلطان مبارک شاہ $۸۳۳ھ$ $۱۴۳۳ء$ اس کی سرکوبی کو پنجاب آیا اس نے مقابلہ سے گریز کر کے اپنے کو ہستانی مامن تیکھر میں پناہ لی۔ پادشاہ کی واپسی کے بعد لاہور پر قبضہ کے لئے اس نے متواتر کوششیں کیں۔ اور ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا۔ جب سلطانی فوجوں نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ اپنے تمام قبائل کو لے کر پہاڑوں میں گھس گیا۔ راوہلیم

والے جنوں سے اس کی دو مرتبہ جنگیں ہوئیں۔ پہلی جنگ میں فریقین برابر رہے۔ دوسری میں رائے ہلیم مارا گیا۔ اس فتح سے اس کی مردہ امیدوں میں پھر جان پڑ جاتی ہے۔ اور تقدیر آزمائی کے لئے ایک مرتبہ اور کمر بستہ ہو کر اپنے پہاڑی مامن سے نکلتا ہے۔ لاہور اور دیپالپور کے علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کر دیتا ہے۔ ۸۳۱ھ میں وہ کلا نوری کو گھیر لیتا ہے۔ ملک الشرق ملک سکندر تختہ کو شکست دیتا ہے۔ مگر کلا نوری میں رائے غالب کلا نوری اور ملک تختہ کی فوجوں سے ہزیمت پاتا ہے۔ ۸۳۵ھ میں جالندھر کے قریب عین معرکہ میں ملک سکندر تختہ کو گرفتار کر لیتا ہے۔ اب پھر وہ لاہور پر قبضہ کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر بدستور ناکامی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ جب پادشاہ اقطاع لاہور و جالندھر پر ملک کا کلا نوری کو مقرر کرتا ہے۔ جسرت حدود بجاڑہ میں ملک موصوف کو شکست فاش دیتا ہے۔ محمد شاہ بن فرید ۸۳۶ھ میں بھی ایک مہم جسرت کے خلاف بھیجتا ہے۔ شاہی فوج اس کا علاقہ تاراج کر کے واپس آ جاتی ہے۔ مگر عنقریب بعد بادشاہ سے اس کی صلح ہو جاتی ہے۔ اور لودھیوں کی مہم میں وہ شاہی افواج کا شریک کار رہتا ہے۔ اس کے بعد جسرت کا ذکر تاریخ میں نہیں آتا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ کھوکھر اس کے بعد بھی دیر تک مقامی اہمیت کے مالک رہے ہیں۔

گھکڑوں کا سیاسی عروج اور تاریخ میں ان کی شہرت مغلوں کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ جب ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ اپنی پہلی مہم ہندوستان میں، جنجھوں کی حمایت میں 'پرائے' کے گھکڑ سردار ہاتھی خاں کو شکست دیتا ہے۔ لیکن یہ معاندت بہت جلد بعد دوستی میں بدل جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ گھکڑوں کا ایک دستہ دوسری مہم ہند میں بابر کا شریک کار ہے۔ جب ہمایوں شیر شاہ سے ہزیمت پا کر فرار ہوتا ہے۔ گھکڑ اس کے حامی رہتے ہیں۔ اور شیر شاہ ان کو قابو میں رکھنے کے لئے قلعہ رہتاس تعمیر کرتا ہے۔ اور ان کی بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ ہمایوں

کی دلہی کے بعد گھڑوں کو ان کی وفاداری کا صلہ ملتا ہے۔ اور مغلوں کی حمایت میں وہ بہت ترقی کرتے ہیں۔ بیسیوں گھڑ سلطنت کے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ محمد شاہ کے عہد میں سلطان مقرب خاں اٹک اور چناب کے درمیانی علاقہ پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی کوشش دیرپا ثابت نہ ہوئی۔

کوی چند کا اپنی تالیف میں گھڑوں کو سلطان شہاب الدین کی ملازمت میں دکھانا حقیقت میں ایک تاریخی غلطی ہے لیکن اس سہو کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ خود مغلیہ عہد کے مؤرخین میں سے بعض کو یہ مغالطہ پیش آیا ہے کہ وہ کھوکھروں کو گھڑ سمجھ بیٹھے۔ چنانچہ مشہور مورخ ابوالقاسم فرشتہ اسی غلطی کا شکار ہے۔ فرشتہ ہر جگہ کھوکھروں کو گھڑ کی شکل میں لکھتا ہے۔ اسی طرح کھوکھروں کے تمام کارنامے گھڑوں کی طرف منتقل ہو گئے حتیٰ کہ فرشتہ نے سلطان معز الدین محمد کا قتل بھی گھڑوں کے سرحدوپ دیا۔ یہ غلطی دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ پرتھی راج راسا میں بھی مغلیہ عہد کی اس غلطی کی صداۓ بازگشت ملتی ہے اور مصنف اپنے عہد کے حالات کے بد نظر گھڑوں کو مغلیہ سرکار میں سربرآوردہ دیکھ کر تصور کرتا ہے کہ شہاب الدین کے ہاں بھی وہ اسی طرح معزز و ممتاز ہونگے۔

بلوچ

مصنف راسا کئی موقعوں پر بلوچوں کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً پداوتی سے بیسویں داستان اور ہانسی پور پر تھم جدہ ۵۱ ویں اور دوتیہ جدہ ۵۲ ویں داستان میں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچی شہاب الدین کے ماتحت ہیں۔

بلوچ اصلاً ایرانی النسل ہیں اور سلطان معز الدین محمد کے عہد تک غالباً ایران ہی میں تھے۔ مسعودی کے قول کے مطابق بلوس (بلوچ) چوتھی صدی ہجری میں کرمان

کے علاقہ میں آباد تھے۔ اور صحراے لوط پر ان کا تصرف تھا۔ اصطخری کے زمانہ میں (چوتھی صدی) وہ خراسان اور سیستان کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور سیستان کے دو پرگنہ ان کی طرف منسوب ہیں۔ فردوسی کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ جب نوشیروان ان کی مفسدہ پر دازی کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اس کا مشیر کہتا ہے کہ بلوچیوں کا انتظام تو اردشیر سے بھی نہیں ہو سکا ہے

زکار بلوچ ارجمند اردشیر بکوشید با کار دانان پیر
نہ بد سود مندی با فوں و رنگ نہ از بند و رنج و نہ پیکار و جنگ
مگر نوشیروان اس مشورہ کو منظور نہ کر کے بلوچیوں پر لشکر کشی کرتا ہے۔ اور
قرار واقعی سزا دیتا ہے

بشدایمن از رنج ایشان جهان بلوچی نماند آشکار و نهان

بلوچیوں کا کوچ سندھ و ہندوستان کی سرحد کی طرف اس علاقہ میں جس کو عرب جغرافیہ نگار توران کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعد میں بلوچستان کے نام سے مشہور ہوا۔ چنگیزیوں کے خروج کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال سلطان معز الدین اگرچہ سندھ پر قابض ہے مگر وہ نہ ہندوستان کی سرحد پر اور نہ خراسان میں بلوچیوں کے ساتھ تعلق میں آیا۔ اور نہ اس کی تاریخ میں بلوچیوں کا تذکرہ ملتا۔ مصنف راسا اپنے عہد کے حالات کو زیر نظر رکھتے ہوئے جب مغلوں کے ہاں دیگر اقوام کی طرح بلوچی بھی ملازم تھے۔ ان کو اپنے افسانہ میں شہاب الدین کی فوجوں میں شامل بناتا ہے۔

مغل اور چغتائ

پرتھی راج راسا میں مغل اور چغتائ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ جس سے راسا کو ایک ایک قدیم تالیف ماننے کا عقیدہ ہمارے لئے ناقابل یقین ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اس کتا کو عام طور پر پرتھی راج کی زندگی یا اس کی وفات سے جو ۷۷۷ھ میں ہوتی ہے عین

بعد کی تالیف مانا جاتا ہے۔ لیکن مغلوں کا خروج ممالک اسلام میں ^{۱۱۶۲ھ} ۱۱۶۲ء میں یعنی پرتھی راج سے تیس انتیس سال بعد کا واقعہ ہے جب وہ مسلمان سلطنتوں کا چراغ گل کرتے ہوتے روم و روس بلکہ یورپ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اگرچہ ان کے حملے برابر ہوتے رہے خصوصاً صوبہ پنجاب میں مگر ^{۱۵۲۲ھ} ۱۵۲۲ء تک ان کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ جب ظہیر الدین محمد بابر پانی پت کے میدان میں لودھیوں کی طاقت توڑ کر ہندوستان کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ مگر چند کوی کا دعوے ہے کہ پرتھی راج اور اس کے باپ سویشور کے زمانہ میں ایک مغل بادشاہ سرزمین میوات میں حکومت کرتا تھا۔ یہ مغل راجہ راسا کی دو داستانوں منگل کتھا (۸ ویں) اور منگل جدھ (۵ ویں) کا موضوع ہے۔ اس کا نام منگل رائے ہے۔ اور مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اس کے فرزند اور دیگر سرداران فوج کے نام بھی مسلمان ہیں۔

یہاں قدر تا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مغلوں کا مغولستان کے سوا ہندوستان درکنار ممالک اسلام میں بھی قدم نہیں آیا تھا۔ یہ لوگ میوات میں حکومت کرنے اور سویشور اور اس کے فرزند پرتھی راج کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے لئے کہاں سے آگئے۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ راسا پر ہمیں تاریخی دستاویز کی حیثیت سے نظر نہیں ڈالنی چاہئے۔ بلکہ ایک افسانہ کی حیثیت سے یہ رزمیہ پرتھی راج کو ہندو شجائے اور جوا فریدی کے مشالہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اسی لئے چند کوی اپنے ہیرو کے زور و طاقت اور جلال و شان دکھانے کے لئے اس کی شہرت و ناموری کے تاج میں ہرم کی خیالی فتوحات اور فرضی ظفر یا بیوں کے چکدار نگینے جڑ رہا ہے۔ مصنف کو ان خوفناک مغلوں کی بابت جنہوں نے دنیا کی ایک تہائی آبادی کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اگر ذرا بھی صحیح اندازہ ہوتا تو ہم یقین ہے کہ وہ ان کے متعلق کبھی ایسی بے سرو پا داستانیں تراشنے کی جرات نہیں کرتا۔ لیکن جہاں اس نے دیگر حکمرانوں کو ان خیالی جنگوں میں جن

کے لمبے چوڑے بیانات اس کے رزمیہ میں محفوظ ہیں۔ اپنے ہیرو کے ہاتھ سے تباہ و شکست خوردہ دکھایا ہے۔ ان مغلوں کو بھی جو اس کے عہد میں تمام ہندوستان پر اپنا شاہی اقتدار قائم کر چکے ہیں پرتھی راج کا کنوٹا نظر آتا ہے۔

فرنگی اور رومی

تیرھویں و سترھویں صدیوں میں پرتھی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج میں سینتیس ہزار فرنگیوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

۵۴۱ھ سینتیس سہ سبے فرنگ | تن لب جھول ٹوپی سرنگ چھند ۱۸ ص ۵۲۱
اسی طرح بیسویں و سترھویں صدیوں میں پرتھی راج کا ذکر آتا ہے جن کو شاعر لال بانات کے لباس میں بلوس بتا رہا ہے

روہنگی فرنگی ہلنبی سمانی ٹھٹی ٹھٹ بلوچ ڈھال نسانی

تین پکھرن پیٹھ ہے جن سالن فرنگی کتی پاس سگلات لال

چھند ۵۵-۵۶ ص ۶۳۹ بانات سترھویں صدی عیسوی سے لے کر تقریباً
اب تک فرنگیوں بالخصوص فوجیوں کی ایک خصوصی شان رہی ہے۔ دقائع کوہستان
میں فضل عظیم بھی انہیں سقرلات پوش لکھ رہا ہے چنانچہ

تامی یلان سقرلات پوش نبرد آزما یان جنگ مرکوش

(۹ مطبع مصطفائی صادق الاخبار شاہجہان آباد ۱۲۶۹ھ)

ہندوستان میں فرنگیوں میں سب سے پہلے پرتگالی ہیں جو غالباً سولہویں صدی
عیسوی کی ابتدا سے موجود ہیں۔ فوج میں بھی ملازم رکھے جاتے ہیں۔ خصوصاً توپخانہ
میں۔ ناڈ صاحب کا یہ اندر کہ ان فرنگیوں سے مراد حروب صلیبی کے فرنگی ہیں۔ واقف
معلومہ کے سامنے اندر لنگ سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ فرنگی ہندوستان
میں صرف دسویں صدی ہجری کے آغاز سے ملنے لگے ہیں اس صدی سے قبل ان کا

پتہ نہیں ملتا۔ ابتدا میں صرف گجرات اور دکن میں نظر آتے ہیں۔ بعد میں ہندوستان خاص میں بھی آنے لگے۔

بہر حال جس دور میں پرتھی راج راسا لکھا جا رہا تھا اس دور میں فرنگیوں کو ملائش میں رکھنے کا عام دستور موجود تھا۔ اسی لئے مصنف اپنے عہد کے واقعات سے آنکھ بند نہیں کر سکتا تھا۔

جو رائے کہ فرنگیوں کے لئے ہے وہی رومیوں کے لئے بھی جاسکتی ہے ان میں فرق اتنا ہی تھا کہ فرنگی مذہباً عیسائی تھے اور رومی مسلمان۔

مسلمانی اقوام اور ممالک سے مصنف کی بے خبری کا یہ حال ہے کہ وہ کندلواس جبک اور کھونکار کو ملک اور علاقے تصور کر رہا ہے۔ باونویں داستان ہانسی دوتیہ جدہ میں کوی لکھتا ہے کہ جب سلطان کو یہ علم ہوا کہ تتار کی فوج کو جو والدہ شاہ کے لئے جانے کی توہین کے ازالہ کے لئے بھیجی گئی تھی شکست مل گئی۔ نہایت برہم ہوا اور اس نے ہانسی کے خلاف ایک اور مہم بھیجنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ فرامین بھیج کر روم۔ ہریو (ہرات)۔ بھنبر۔ بھگڑ۔ سمرقند۔ کشقند۔ بلخ۔ بلوچ۔ مکران۔ کندلواس۔ اُجبک۔ کھونکار۔ ارلک۔ کھندھار سے تازہ فوجیں منگوائیں۔ اس کے نزدیک گویا روم۔ سمرقند۔ کشقند۔ بلوچ۔ قندلواس۔ ازبک۔ خونکار اور عراق وغیرہ مقامات سلطان کے زیر نگین تھے۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تمام مقامات غزنین کے قرب و جوار میں واقع ہیں اور ان علاقوں کے حاکم شہاب الدین کے یا ملازم ہیں یا اس کے باجگذار ہیں۔ جن کو بوقت ضرورت فوج کے ساتھ سلطان کی امداد کرنا ضروری ہے۔

اگر ممالک اسلام اور شہاب الدین کے قلمرو سے وہ واقف ہوتا تو ہرگز ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا کہ سمرقند سے لیکر روم تک کے سارے علاقہ میں جس پر ان ایام میں کئی تاجدار حکومت کر رہے تھے۔ شہاب الدین کی قلمرو میں شامل کر لیتا۔ مثلاً

سمرقند و بخارا پر بلوک افراسیابی جو ایک خانی بھی کہلاتے ہیں حکمران تھے۔ ایران پر خوارزم شاہی اور اتابک قابض تھے۔ عراق پر خلفائے عباسیہ کا تصرف تھا۔ روم سلجوق اور عیسائی سلاطین باز نطینہ میں منقسم تھا۔

اوزبک (اوزبک)

اوزبک اقوام ترک مغول کی ایک شاخ ہے جو سائبیریا میں آباد تھی چھٹی صدی عیسوی میں سائبیریا سے ترک سکونت کر کے ترکستان میں آجاتا ہے اور تیموری شاہزادوں کا زور توڑ کر تمام ترکستان اور خوراسان پر قابض ہو جاتا ہے۔ جہاں اس کا خاندان گزشتہ صدی تک حکومت کرتا رہا۔ ہندوستان میں اوزبکوں کی شہرت مغول کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اکبر سلاطین اوزبک کے ساتھ برابر سفارتی تعلقات قائم رکھتا رہا۔ اور اسی دور سے ان کی شہرت ہندوستان میں جہاں وہ ملازمتیں حاصل کرنے بھی آنے لگے ہیں عام ہونے لگی ہے۔

کندلواس یا کدلواس (قزلباش)

یہ لفظ دراصل ترکی قزلباش (سرخ سر) ہے۔ یہ اصطلاح ایران میں بعد اسمعیل صفوی ۹۰۶ھ تا ۹۳۴ھ رواج میں آتی ہے۔ جس سے مراد شیخ فرج ہے۔ اسمعیل نے یہ جدت کی کہ اپنی فوج کو بارہ ترک والی ٹوپی وردی کے طور پر دی۔ بارہ ترک رمز ہے بارہ ائمہ معصوم کی طرف۔ رفتہ رفتہ اس کے معنی ایرانی شیخ سپاہی ہو گئے۔ ہندوستان میں اس لفظ کو اکبر کے عہد سے قبل تلاش کرنا فضول ہے۔

کھونکار (خونکار)

یہ لفظ فارسی میں خونکار اور خوندگار کی شکل میں ملتا ہے جو خداوندگار کا مخفف ہے۔ رشیدی میں اس کے معنی صاحب امر و صاحب فرمان دئے ہیں۔ اصل میں

سلاطین مغل سلاطین عثمانیہ کو اس لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مغلیہ عہد کے اہل قلم نے بھی یہ اصطلاح اختیار کر لی جو اکبر سے قبل بہت کم استعمال میں آتی ہے۔

حصار

مصنف کو چونکہ تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں اس لئے پرتھی راج کے عہد میں حصار فیروزہ کا ذکر کر رہا ہے حالانکہ اس زمانہ سے دو صدی بعد فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۷ھ اس کو آباد کرتا ہے۔ حسین کتھانویں داستان میں مرقوم ہے کہ جب حسین پرتھی راج کے دربار میں پہنچا اس نے پانچ ترکش ایک خوراسانی کمان۔ سنگدھپ کا ایک مست ہاتھی۔ پانچ عراقی گھوڑے۔ ایک بیش قیمت الماس اور دو لعل راجہ کی نذر گزارنے۔ پرتھی راج بہت محظوظ ہوا اور کیتھل۔ ہانسی اور حصار کے پرگنوں اس نے حسین کی جاگیر میں دیدئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے نام پر اس کا نام حصار فیروزہ رکھ کر آباد کیا۔ چونکہ اس علاقہ میں پانی کی کمی تھی اس لئے دریاے ستلج سے ایک نہر کاٹ کر وہ حصار لے جاتا ہے۔ برٹمی لڑائی میں پادوس پنڈیر کو حصار کا جاگیر دار دکھایا گیا ہے۔

راہِ مکہ

مصنف سلطان معزالدین محمد بن سام کے زمانہ میں سفر مکہ اور اس کی راہوں سے اس قدر ناواقف ہے کہ سلطان کی والدہ کو غزنین سے حج بیت اللہ کے لئے ہندوستان کے راستہ سے بھیج رہا ہے۔ والدہ شاہ ہانسی تک بخیریت پہنچ جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیگم تھانہ یا سورت سے جہاز میں سوار ہوتیں۔ مگر سفر ملتوی رہتا ہے۔ کیونکہ پرتھی راج کے سادھنوں نے موقع پا کر ان کو لوٹ لیا بیگم کی حفاظت میں جو فوج بھیجی گئی تھی بھاگ گئی اور وہ لٹ لٹا کر واپس غزنیں چل دیں۔ جہاں پہنچا۔

اُنہوں نے اپنی داستان غم اپنے فرزند شہاب الدین کو سنائی۔ پادشاہ کو طیش آتا ہے اور اس توہین کے انتقام کے لئے فوجیں بھیجتا ہے۔ چنانچہ ہانسی پر پہلی جنگ لڑی اور داستان اور ہانسی کی دوسری جنگ ۵۲ ویں داستان اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ لیکن مصنف کو شاید یہ علم نہیں تھا کہ ان ایام میں غزنین اور اسکے علاقہ کے لوگ براہ ہند مکہ نہیں جاتے تھے۔ بلکہ براہ ایران و بغداد۔ ہندوستان کا راستہ حاجیوں کے لئے بالکل غیر محفوظ تھا۔ چور اور ڈاکو کثرت سے تھے۔ جگہ جگہ مختلف راجاؤں کی عملداریاں تھیں جنہیں ویسے بھی مسلمانوں سے نفرت تھی۔ والدہ شاہ کو ہانسی تک لانے سے مصنف کا منشا یہ ہے کہ بیگم براہ گجرات مکہ معظمہ جاتیں لیکن یہ وہ راستہ ہے جو مسلمانوں نے گجرات فتح کرنے کے بعد اپنے لئے کھولا ہے اور جو اب تک جاری ہے۔ بہر حال مصنف اس راستہ کو لینے میں اپنے عہد کے قاعدہ اور رواج پر عمل درآمد کر رہا ہے۔

محمود شیرانی

(باقی آئندہ)

فہرست

مطبوعہ انجمن انیسویں صدی اور نئی سلیبکیشنز فٹ

بہرہ عربی و فارسی و اردو !

۱۔ اقلید الخزانہ یعنی ان کتابوں کی فہرست جو علامہ عبدالقادر راجپوت کی مشہور کتاب خزائنہ الادب میں مذکور ہیں۔ مع حواشی مفیدہ و فہرست مصنفین مرتبہ مولوی عبدالعزیز مینمن، الیکچر مسلمان یونیورسٹی، علیگڑھ، طبع لاہور ۱۳۹۲ھ۔
تقدیر صفحہ ۱۹۔ ۱۳۱ قیمت غیر مجلد عبر، مجلد عبر ۴

۲۔ مجموعہ غفر یعنی تذکرہ شعراء اردو (بر زبان فارسی) مصنف میر قدرت اللہ تہا، دہلی، خانقاہ محمود شیرانی اردو کچھ ریاض البیہر شری، جس نسخہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ دو غالباً مصنف کاغذ کا ششہ نسخہ ہے۔ دو جلد، طبع سنگی، نفیس، قیمت جلد ہے، بغیر جلد ہے،

دو جلدیں ہیں۔ ایک جلد ہے امیر جلد ہے، دوسری جلد ہے زید البیہقی (المتوفی ۷۶۸ھ) مرتبہ نرسپل محمد بن علی کے
 اسم شتمہ صوان الحکمة یعنی تاریخ علماء اسلام صفحہ علمی بن زید البیہقی (المتوفی ۷۶۸ھ) مرتبہ نرسپل محمد بن علی کے
 رکنب اور نیل کالج لاہور اس موضوع پر عربی زبان میں یہ بہت قدیم و مفید کتاب ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ
 ابجانیوں کے وزیر غیاث الدین محمد بن وزیر رشید الدین فضل اللہ کے نام پر درۃ الاحبار کے نام سے کیا گیا
 اس ایڈیشن میں حصہ اول میں متن عربی ہے اور حصہ دوم میں درۃ الانباء میں عربی برن اور استنبول کے چار
 نسخوں پر مبنی ہے۔ ادرتن فارسی ایک قدیم نسخہ سے لیا گیا ہے جو تاجخانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے اور
 منحصر ہفر وہے۔ یہ کتاب بہت سے حواشی اور مکمل فارس کیساتھ تکمل ۳۹۶ + ۱۳۴۷ = ۵۰۳۰ صفحات پر مشتمل صرف
 میں لاہور میں طبع ہوئی قیمت ستر روپیہ وغیرہ (جلد نگیار روپے) -

۴- اخبار الدولۃ المملوکۃ: مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے بی۔ ایچ۔ ڈی (کاتب) پروفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور تین بخش یوزمیں ہے نسخہ جدید برقی ہے۔ طبع لاہور بحروف سری ۱۳۳۵ء تعداد صفحات ۸ + ۳۳۸ = ۳۳۹، مجلد چار رولے ۷ غیر مجلد تین رولے بارہ آنے۔

۵۔ **خمارس کتاب عقد الفریہ** لایحمد بن محمد بن عبد ربہ المالیدی المتوفی ۹۴۸ھ مرتبہ نسیب محمد بن علی۔
اور نیش کا ج لاہور۔ اس میں فہارس ذیل شامل ہیں۔ جو عقد کے قیمتی مواد کی مراجعت کے لئے غایت درجہ
سہولت دہنمائی ہیں۔ اور ان مواضع کے شعلق متن کی تصحیح بھی کرتی ہیں۔

سہولت بہرہ منی ہیں۔ اور ان کو مائع کے مصلیٰ میں کی ریج کی مری ہیں۔

۱) اسماء اللعراق (۲۴) فرست القزانی (۳) فرست اسماء الرجال والنساء والقبائل وغیرہ (۴) فرست اسماء الملکۃ والجمال وغیرہ یہ فرستیں العقد المجمع قاسمہ ۱۳۲۱ء پر مبنی ہیں۔ مگر ادبلیشنز کی کتب کی صفحات کی فرست بھی دی گئی ہے۔ تاکہ مزید ادبلیشن کے ساتھ ان فرستوں کو استعمال کیا جاسکے۔ تعداد صفحات ۶۳ + ۴۴ = اربع ملکتہ

۶۔ امیر خسروؒ کے سوانح زندگی اور ان کے مصنفات پر ایک نظر (زبان انگریزی) مصنف
ڈاکٹر محمد وحید مزارا (ایم۔ اے۔ پنجاب) پی۔ ایچ۔ ڈی (لنڈن) پروفیسر عربی کتبہ یونیورسٹی قیمت
چار روپے یا ۶ خدنگ

کتب بالذمیلے مایہ
موتی لال بناری داس کتاب فروشان میٹھالاہو

فہرست مضامین

| جلد ۱۴ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۳۸ء | مسلل ۵۴ |
|----------------|------------------------------------|---------------------------------------|
| نمبر شمار | مضمون | مضمون نگار |
| ۱ | آتشیں اسلحہ | پروفیسر حافظ محمد محمود صاحب شیرانی |
| ۲ | نذیر احمد کے قصے | سید محمد عبدالرشید ایم اے ڈی۔ لیٹ |
| ۳ | کلمات عوامانہ فارسی | پروفیسر عبدالباقی صاحب عباسی |
| ۴ | بابا فرید گنج شکر شیخ ابراہیم | ڈاکٹر مہربن گنگوہی صاحب دیوانہ ایم اے |
| | اور سرید ثانی | |
| ۵ | تنقید و تبصرہ | ادارہ |
| ۶ | اسماء الشعرا | مولوی عبدالقیوم ایم اے، میکلوڈ |
| | (جن کا کلام سال العرب میں درج ہوا) | عربک لیسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی |
| | | ۱۳۷ تا ۱۸۰ |

نوٹ :- منیر صرف عربک اینڈ پشین سوسائٹی کے ممبروں میں تقسیم ہوتا ہے

میلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھاپا اور بابو محمد صدیق احمد خاں اور منشی کمال لاہور سے شائع کیا

اوڈنٹل کالج میگزین

عرضِ جب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج معلوم شرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ اُن طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دینی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں +

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں

ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور خدمت کے بعض مفید رسالے بھی باقتضا شائع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی پنجابی (بجروں

فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بجروں) گورکھی، بہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے

وقت اشاعت | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا

قیمت اشتراک | سالانہ چند حصہ اردو کے لئے ہم اوڈنٹل کالج کے طلبہ سے چند اہلہ کے وقت

و معمول ہوگا۔ کسی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت سالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے

اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری،

مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے +

خط و کتابت و سبیل زر | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور سبیل زر صاحب پریس اوڈنٹل

کالج کے نام ہونی چاہیئے مضامین کے متعلق جملہ اصلاحات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت | یہ رسالہ اوڈنٹل کالج کے دفتر سے خریدایا جاسکتا ہے +

قلم تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پریس محمد شفیع ایم اے اوڈنٹل کالج سے متعلق ہیں

اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

لے چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے +

آتشیں اسلحہ

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی میگزین بات نامہ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷)

راسا کو جدید تصنیف ماننے کے لئے ایک دلیل ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر قوب و تنگ گولوں گولیوں گولندازوں زنبوروں اور ہتھالہ وغیرہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تالیف ایک ایسے زمانہ کی یادگار ہے جب آتشیں آلات ہندوستان میں عام استعمال میں آ رہے تھے ۔

پیشتر اس کے کہ میں اہل کتاب سے ان آلات کی مثالیں یہاں مذکور کروں ایلٹ کا ایک بیان جو اسی سلسلہ میں ہے، یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ کہتا ہے ”اگر ہم معاصر ہندو بھاٹ چند پر یچین کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ توپ کے گولے ان ایام میں مستعمل تھے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ متاخرین کے مذاق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے کسی نے ان عبارتوں میں تحریف و الحاق کر دیئے۔ تنوج کھنڈ کے ایک سو پچاسویں چھند میں تانا را خاں شہاب الدین کو مسلح ہونے اور آتشیں اسلحہ کے تیار رکھنے کے واسطے کہتا ہے۔“ اس چھند میں ایلٹ کو فارسی لفظ آتش پر شبہ ہوتا ہے ورنہ باقی عبارت اس کے نزدیک پُرانی ہے ،

دو سوتا و نوں چھند میں توپوں اور ان کی آواز کا بیان ملتا ہے جو دُور دُور تک سنائی دیتی ہے۔ ایلٹ اس عبارت کو زمانہ حال کی تحریف تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں توپ کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔

چار سو سو اسیوں چھند میں رے گووند کا قتل ایک زنبورک کے ذریعے سے ہوتا ہے

المیٹ کا بیان اساکے کسی مخطوطے پر مبنی ہے۔ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ بمیز کی نگاہ سے بچ گئی ہوں۔ المیٹ کے زمانہ کے بعد اسانبارس میں طبع ہوا ہے اور بمیز کے علی الرغم یہ عبارت اسامیں موجود ہے ۛ

راسا میں کافی مقامات پر توپ و بندوق وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ ایلٹ کا خیال
 کہ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ الحاقی ہوں ہماری سنجیدہ توجہ کا مستحق نہیں۔ ذیل میں راسا
 کی داستانوں سے بعض ایسی مثالیں منقول ہیں جن میں آتشیں اسلحہ کا ذکر موجود ہے۔
 راہبیاوتی منغل کھٹا داستان شہتم سہ ہتھناری دھاری آکر انت ۱ سوررور انغر اوڈے ۱۱
 ۳۲ ۳۵
 چھند ۳۲

(۶) " " " " " حَتّٰی تَبْكُ تَرَوٰی اِتَّخَذَ كُرْعًا وُرْدًا ۱۱

چند ۳۵
 $\frac{۳۶۶}{۲۲}$

(۳) ننگ پال سے ۲۸ ویں استان یعنی ناری گوری آتس ۱ کوٹ پارس بھر گھائیے ۱۱

چند ۶۰
۹۲۵

(۴) حسین کھٹانویں داستان سے چلے ہریان سو سو ڈوے وٹھٹھا اگلیں تہہ ناری بھول گرتھا

چھند ۱۰۲ ص ۲۰۴ حصہ چہارم

(۵) "جہیپ خاں گج گھسی ڈنمرا ہفتخاری گربان اسنبرا"

چهند ۱۲۵ ص ۲۰۸ حصہ چہارم

(۶) بھولارا ہی سے بارہویں داستان ہے اگنان کمان ستر این ۱ سر ستر کما ہے بتر این ۱۱

چند ۱۵۱ ۱۵۲ حصہ پنجم

(۱۸) " " " " تن پٹم ہزاراوت چلے اچھرت جھرت کری تیلے ۱۱
چھند ۱۶ ۹۴۸ حصہ نہم

(۱۹) کانگرہ جہد پر شاوہ ۳ ویں داستان - ہے گے رتہ چترنگ اگوری جنیور تارہ سرا
چھندہ ۱۰۴ حصہ ہم

(۲۰) درگاهیدار ۵۸ ویں داستان - چھٹیں ہفتناری دو عول گوم ویو مہ گجیں ا
اوڈیں آتس جھار جھارہ دھوم دھونڈ سہجین ا اچند ۱۳۷ ۱۳۷۲

(۲۱) جنگم کھٹا ۶۰ ویں داستان ۷ دھری چھتی وڈھ تک نٹپ اکیہیہ ویا وہی وراہ ۱۱
چھند ۵۵ ۱۵۶۲ حصہ چہارم

(۲۲) قنوج سے ۶ ویں داستان سے لکھ گولنداج (گولہ انداز) لکھ اک نال بھر جئے ۱۱
چند ۴۵۲ ۱۶۲۳ حصہ چہارم

(۲۳) " " " تیر تک سر پہنت ۱ گہنت زندگیاں ۱
 بردائی تہاں لرن کول احکم مانگے چوآن ۱ چھند ۱۸۵۲ ۱۸۵۳ ۱۸۵۴ ۱۸۵۵ ۱۸۵۶ ۱۸۵۷ ۱۸۵۸ ۱۸۵۹ ۱۸۶۰ ۱۸۶۱ ۱۸۶۲ ۱۸۶۳ ۱۸۶۴ ۱۸۶۵ ۱۸۶۶ ۱۸۶۷ ۱۸۶۸ ۱۸۶۹ ۱۸۷۰ ۱۸۷۱ ۱۸۷۲ ۱۸۷۳ ۱۸۷۴ ۱۸۷۵ ۱۸۷۶ ۱۸۷۷ ۱۸۷۸ ۱۸۷۹ ۱۸۸۰ ۱۸۸۱ ۱۸۸۲ ۱۸۸۳ ۱۸۸۴ ۱۸۸۵ ۱۸۸۶ ۱۸۸۷ ۱۸۸۸ ۱۸۸۹ ۱۸۹۰ ۱۸۹۱ ۱۸۹۲ ۱۸۹۳ ۱۸۹۴ ۱۸۹۵ ۱۸۹۶ ۱۸۹۷ ۱۸۹۸ ۱۸۹۹ ۱۹۰۰ ۱۹۰۱ ۱۹۰۲ ۱۹۰۳ ۱۹۰۴ ۱۹۰۵ ۱۹۰۶ ۱۹۰۷ ۱۹۰۸ ۱۹۰۹ ۱۹۱۰ ۱۹۱۱ ۱۹۱۲ ۱۹۱۳ ۱۹۱۴ ۱۹۱۵ ۱۹۱۶ ۱۹۱۷ ۱۹۱۸ ۱۹۱۹ ۱۹۲۰ ۱۹۲۱ ۱۹۲۲ ۱۹۲۳ ۱۹۲۴ ۱۹۲۵ ۱۹۲۶ ۱۹۲۷ ۱۹۲۸ ۱۹۲۹ ۱۹۳۰ ۱۹۳۱ ۱۹۳۲ ۱۹۳۳ ۱۹۳۴ ۱۹۳۵ ۱۹۳۶ ۱۹۳۷ ۱۹۳۸ ۱۹۳۹ ۱۹۴۰ ۱۹۴۱ ۱۹۴۲ ۱۹۴۳ ۱۹۴۴ ۱۹۴۵ ۱۹۴۶ ۱۹۴۷ ۱۹۴۸ ۱۹۴۹ ۱۹۵۰ ۱۹۵۱ ۱۹۵۲ ۱۹۵۳ ۱۹۵۴ ۱۹۵۵ ۱۹۵۶ ۱۹۵۷ ۱۹۵۸ ۱۹۵۹ ۱۹۶۰ ۱۹۶۱ ۱۹۶۲ ۱۹۶۳ ۱۹۶۴ ۱۹۶۵ ۱۹۶۶ ۱۹۶۷ ۱۹۶۸ ۱۹۶۹ ۱۹۷۰ ۱۹۷۱ ۱۹۷۲ ۱۹۷۳ ۱۹۷۴ ۱۹۷۵ ۱۹۷۶ ۱۹۷۷ ۱۹۷۸ ۱۹۷۹ ۱۹۸۰ ۱۹۸۱ ۱۹۸۲ ۱۹۸۳ ۱۹۸۴ ۱۹۸۵ ۱۹۸۶ ۱۹۸۷ ۱۹۸۸ ۱۹۸۹ ۱۹۹۰ ۱۹۹۱ ۱۹۹۲ ۱۹۹۳ ۱۹۹۴ ۱۹۹۵ ۱۹۹۶ ۱۹۹۷ ۱۹۹۸ ۱۹۹۹ ۲۰۰۰ ۲۰۰۱ ۲۰۰۲ ۲۰۰۳ ۲۰۰۴ ۲۰۰۵ ۲۰۰۶ ۲۰۰۷ ۲۰۰۸ ۲۰۰۹ ۲۰۱۰ ۲۰۱۱ ۲۰۱۲ ۲۰۱۳ ۲۰۱۴ ۲۰۱۵ ۲۰۱۶ ۲۰۱۷ ۲۰۱۸ ۲۰۱۹ ۲۰۲۰ ۲۰۲۱ ۲۰۲۲ ۲۰۲۳ ۲۰۲۴ ۲۰۲۵ ۲۰۲۶ ۲۰۲۷ ۲۰۲۸ ۲۰۲۹ ۲۰۳۰ ۲۰۳۱ ۲۰۳۲ ۲۰۳۳ ۲۰۳۴ ۲۰۳۵ ۲۰۳۶ ۲۰۳۷ ۲۰۳۸ ۲۰۳۹ ۲۰۴۰ ۲۰۴۱ ۲۰۴۲ ۲۰۴۳ ۲۰۴۴ ۲۰۴۵ ۲۰۴۶ ۲۰۴۷ ۲۰۴۸ ۲۰۴۹ ۲۰۵۰ ۲۰۵۱ ۲۰۵۲ ۲۰۵۳ ۲۰۵۴ ۲۰۵۵ ۲۰۵۶ ۲۰۵۷ ۲۰۵۸ ۲۰۵۹ ۲۰۶۰ ۲۰۶۱ ۲۰۶۲ ۲۰۶۳ ۲۰۶۴ ۲۰۶۵ ۲۰۶۶ ۲۰۶۷ ۲۰۶۸ ۲۰۶۹ ۲۰۷۰ ۲۰۷۱ ۲۰۷۲ ۲۰۷۳ ۲۰۷۴ ۲۰۷۵ ۲۰۷۶ ۲۰۷۷ ۲۰۷۸ ۲۰۷۹ ۲۰۸۰ ۲۰۸۱ ۲۰۸۲ ۲۰۸۳ ۲۰۸۴ ۲۰۸۵ ۲۰۸۶ ۲۰۸۷ ۲۰۸۸ ۲۰۸۹ ۲۰۹۰ ۲۰۹۱ ۲۰۹۲ ۲۰۹۳ ۲۰۹۴ ۲۰۹۵ ۲۰۹۶ ۲۰۹۷ ۲۰۹۸ ۲۰۹۹ ۲۱۰۰ ۲۱۰۱ ۲۱۰۲ ۲۱۰۳ ۲۱۰۴ ۲۱۰۵ ۲۱۰۶ ۲۱۰۷ ۲۱۰۸ ۲۱۰۹ ۲۱۱۰ ۲۱۱۱ ۲۱۱۲ ۲۱۱۳ ۲۱۱۴ ۲۱۱۵ ۲۱۱۶ ۲۱۱۷ ۲۱۱۸ ۲۱۱۹ ۲۱۲۰ ۲۱۲۱ ۲۱۲۲ ۲۱۲۳ ۲۱۲۴ ۲۱۲۵ ۲۱۲۶ ۲۱۲۷ ۲۱۲۸ ۲۱۲۹ ۲۱۳۰ ۲۱۳۱ ۲۱۳۲ ۲۱۳۳ ۲۱۳۴ ۲۱۳۵ ۲۱۳۶ ۲۱۳۷ ۲۱۳۸ ۲۱۳۹ ۲۱۴۰ ۲۱۴۱ ۲۱۴۲ ۲۱۴۳ ۲۱۴۴ ۲۱۴۵ ۲۱۴۶ ۲۱۴۷ ۲۱۴۸ ۲۱۴۹ ۲۱۵۰ ۲۱۵۱ ۲۱۵۲ ۲۱۵۳ ۲۱۵۴ ۲۱۵۵ ۲۱۵۶ ۲۱۵۷ ۲۱۵۸ ۲۱۵۹ ۲۱۶۰ ۲۱۶۱ ۲۱۶۲ ۲۱۶۳ ۲۱۶۴ ۲۱۶۵ ۲۱۶۶ ۲۱۶۷ ۲۱۶۸ ۲۱۶۹ ۲۱۷۰ ۲۱۷۱ ۲۱۷۲ ۲۱۷۳ ۲۱۷۴ ۲۱۷۵ ۲۱۷۶ ۲۱۷۷ ۲۱۷۸ ۲۱۷۹ ۲۱۸۰ ۲۱۸۱ ۲۱۸۲ ۲۱۸۳ ۲۱۸۴ ۲۱۸۵ ۲۱۸۶ ۲۱۸۷ ۲۱۸۸ ۲۱۸۹ ۲۱۹۰ ۲۱۹۱ ۲۱۹۲ ۲۱۹۳ ۲۱۹۴ ۲۱۹۵ ۲۱۹۶ ۲۱۹۷ ۲۱۹۸ ۲۱۹۹ ۲۲۰۰ ۲۲۰۱ ۲۲۰۲ ۲۲۰۳ ۲۲۰۴ ۲۲۰۵ ۲۲۰۶ ۲۲۰۷ ۲۲۰۸ ۲۲۰۹ ۲۲۱۰ ۲۲۱۱ ۲۲۱۲ ۲۲۱۳ ۲۲۱۴ ۲۲۱۵ ۲۲۱۶ ۲۲۱۷ ۲۲۱۸ ۲۲۱۹ ۲۲۲۰ ۲۲۲۱ ۲۲۲۲ ۲۲۲۳ ۲۲۲۴ ۲۲۲۵ ۲۲۲۶ ۲۲۲۷ ۲۲۲۸ ۲۲۲۹ ۲۲۳۰ ۲۲۳۱ ۲۲۳۲ ۲۲۳۳ ۲۲۳۴ ۲۲۳۵ ۲۲۳۶ ۲۲۳۷ ۲۲۳۸ ۲۲۳۹ ۲۲۴۰ ۲۲۴۱ ۲۲۴۲ ۲۲۴۳ ۲۲۴۴ ۲۲۴۵ ۲۲۴۶ ۲۲۴۷ ۲۲۴۸ ۲۲۴۹ ۲۲۵۰ ۲۲۵۱ ۲۲۵۲ ۲۲۵۳ ۲۲۵۴ ۲۲۵۵ ۲۲۵۶ ۲۲۵۷ ۲۲۵۸ ۲۲۵۹ ۲۲۶۰ ۲۲۶۱ ۲۲۶۲ ۲۲۶۳ ۲۲۶۴ ۲۲۶۵ ۲۲۶۶ ۲۲۶۷ ۲۲۶۸ ۲۲۶۹ ۲۲۷۰ ۲۲۷۱ ۲۲۷۲ ۲۲۷۳ ۲۲۷۴ ۲۲۷۵ ۲۲۷۶ ۲۲۷۷ ۲۲۷۸ ۲۲۷۹ ۲۲۸۰ ۲۲۸۱ ۲۲۸۲ ۲۲۸۳ ۲۲۸۴ ۲۲۸۵ ۲۲۸۶ ۲۲۸۷ ۲۲۸۸ ۲۲۸۹ ۲۲۹۰ ۲۲۹۱ ۲۲۹۲ ۲۲۹۳ ۲۲۹۴ ۲۲۹۵ ۲۲۹۶ ۲۲۹۷ ۲۲۹۸ ۲۲۹۹ ۲۳۰

(۲۴) دھیر پندیر ۶ ویں واسٹان سے پرے بھگینی نئی جیت تھی اس پر بزرگ مہین بننا چھٹی ۱۱
چند ۲۵۲ تا ۲۰۶ حصہ سیز دہم

(۲۵) ٹیسی لڑائی ۶۶ ویں داستان سے مخبور مخبر تہ ناری بھار آتش آتش اجڑت ادھوت پار ۱۱
چند ۹۲۳ ۲۲۶۳ حصہ زوہم

میں بخوف طوالت صرف انہی مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔ ایلیٹ نے صرف قنوج سمے میں ان آلات کے ذکر سے یہ خیال کر لیا کہ کسی نے مذاق حال کے ساتھ تطابق دینے کے لئے ان بعض مقالات میں یہ تبدیلی کر دی لیکن اگر اس کو یہ معلوم تھا

تمام کتب میں آتش فشاں آلات کا مذکور آتا ہے۔ تو ہمیں یقین ہے کہ وہ کسی اور نتیجے پر پہنچتا ۔

اس موقع پر قدرتا ہمارا ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آلات آتشبازی کا کس عہد سے رواج ہوتا ہے۔ یہ سوال اگرچہ مختصر ہے۔ مگر حقیقت میں اس کا جواب بغیر ایک لمبی تحقیقات کے جو کتب توارخ و لغات کی ورق گردانی سے تعلق رکھتی ہے، نہیں دیا جاسکتا۔ صفات ذیل اسی تحقیقات پر مبنی ہیں ۔

سفر فی مورخین بارود کی ایجاد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قدیم اہل یونان و ہندو چین و روما غالباً اس مصالحہ سے واقف تھے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات سے کسی ایسے مصالحہ کا پتہ چلتا ہے۔ ورجل کی کتاب اینیڈ کا اقتباس جس میں ہیں کے بادشاہ کو جو پیٹر نے برق و رعد کی تقلید کے جرم میں مار ڈالا ہے۔ اس عقیدہ کی تائید میں نقل کیا گیا ہے۔ ڈاین کیسیس اپنی تاریخ روم میں کالیگلا کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ اس نے ایسی ایجاد کی تھی جس میں برق و رعد کی خاصیت تھی اور جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ فلاسٹر لیس دوسری صدی عیسوی کا مصنف ہندوستان کے دو آبے میں رہنے والی کسی قوم کے ذکر میں گویا ہے کہ اگر اسکندر اعظم ان کے ملک پر فوج کشی کرتا تو کبھی فتح نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ میدان جنگ میں آکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ بلکہ شہر کی دیواروں پر سے طوفان اور صاعقہ باری کے ذریعے سے ان کو برباد کر دیتے ہیں۔ بقول الیفنٹن منوجی نے آتشیں تیروں کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔ آئین جٹو میں مرقوم ہے کہ رئیس کو کسی مدد امیر آلہ یازہری الملعہ یا توپ اور بندوق یا کسی اور قسم کے آتشیں حربوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ اس فقرہ میں آتشیں حربہ سنکرت لفظ

’گنتی استر کا اور توپ’ شت گنتی’ کا بقول ہالہیڈ ترجمہ ہے۔ یہ ایسا صرب تھا جس سے سو سو آؤنی دفعہ ہلاک کئے جاسکتے تھے +

کینیسس کا بیان ہے کہ دریائے سندھ کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ ایسا تیل تیار کرتے تھے جو گھڑوں میں بھر کر لکڑی کی عمارت پر پھینکا جاتا تھا۔ جس سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور صرف مٹی ہی سے بچھ سکتا تھا۔ وہ صرف پادشاہ کے لئے طیار کیا جاتا تھا اور دوسرے آدمیوں کو اس کے رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایمین، ایک اور مصنف اس آتش سیال کے متعلق مزید معلومات دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس تیل سے نہ صرف لکڑی جلتی ہے بلکہ حیوان و انسان بھی جل جاتے تھے اور ہندوستان کا پادشاہ اس کی مدد سے شہر اور قلعے فتح کرتا تھا۔ مشکوں میں بھر کر غنیم کے قلعے کے دروازوں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ دروازے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے تھے۔ فلاسٹرس اس تیل کے متعلق کہتا ہے۔ کہ وہ کسی جانور سے نکالا جاتا تھا اور یہ جانور صرف پادشاہ ہی رکھ سکتا تھا۔ یہ جانور غالباً گر مچھ ہے۔ ہم ہندوستان میں ایک آتش بست تیر کے استعمال کا بھی مذکور پڑھتے ہیں جو بانس کی نال سے پھینکا جاتا تھا۔ محل التواریخ میں جو کسی سنسکرت کتاب سے ۱۱۲۶ء میں عربی میں ترجمہ ہوئی ہے۔ راجہ ہال کے قصہ میں لکھا ہے کہ برہمنوں نے راجہ کو جب کشمیر کی فوجیں چڑھائیں یہ مشورہ دیا کہ مٹی کا ایک ہاتھی بنا کر اپنی فوج کی ہراول میں رکھے۔ الغرض جب کشمیر کی فوج آئی ہاتھی پٹا اور اس کے شعلوں سے کشمیری فوج کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔ چینیل کے بیانات سے بھی پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ایسے گھوڑوں کا بھی لڑائی میں جب زمین موافق ہوتی استعمال تھا۔ ایرانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان متحرک گھوڑوں سے سکندر اعظم نے فور ہندی سے جنگ کے وقت کام لیا ہے فردوسی نے شاہنامہ میں یہ قصہ یوں

لکھا ہے کہ جب فورہندی کو سکندر کی لشکر کشی کی اطلاع ملی وہ فوج لے کر مقابلہ کے واسطے نکلا۔ جس میں سب سے پہلی صف ہاتھیوں کی تھی۔ سکندر سے کہا گیا کہ ہاتھیوں کی جنگ بڑا کمٹن کام ہے۔ مگر چڑھے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاتھی گھوڑے کو سوار سمیت سوئڈ سے اٹھا کر دوڑ چھینک دیتا ہے۔ اس پر سکندر نے اس جانور کی شکل دریا کی۔ لوگوں نے اس کی تصویر کاغذ پر اتار کر بنائی۔ اس نے حکم دیا کہ موم کا ایک ہاتھی بنایا جائے جب اس کو ہاتھی کا اندازہ ہو گیا اس نے مجلس مشورت منعقد کی۔ رومی ایرانی، اور مصری لوہار پلوائے گئے۔ انہوں نے حسب ہدایت ایک عجوف گھوڑا اور سوار لوہے کا طیار کیا۔ خول کی درزیں میخوں سے بند کیں اور گاڑی کے ذریعے سے چلایا۔ خول میں نفث سیاہ بھر دی گئی۔ سکندر نے یہ آلہ پسند کیا اور حکم دیا کہ اس نمونے کے ایک ہزار گھوڑے طیار کئے جائیں۔ ایک ماہ کے اندر یہ گھوڑے طیار ہو گئے۔ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ آہنی گھوڑوں کو غنیم کے ہاتھیوں کے مقابل لکھا گیا۔ ان میں آگ لگا دی گئی۔ جب گھوڑے بڑھائے گئے اور ہاتھیوں تک پہنچے ان کی سونڈیں آگ سے جلنے لگیں۔ ہاتھی واپس بھاگے۔ ادھر سے سکندر کی فوج نے حملہ کر دیا۔ فور کو شکست ہو گئی۔ یہاں فردوسی کے اشعار بھی نقل کر دیے جاتے ہیں

| | |
|------------------------------|---------------------------------|
| چو آگاہ شد فور کا مدد پاہ | گزین کر جب از در رزم گاہ |
| بدشت اندرون لشکر انوہ گشت | زمین از پی ہیل چون کوہ گشت |
| سپاہی کشیدند بر چار میل | پس پشت گردان و در پیش پیل |
| زمیندوستان نیز کار آگمان | رفتند نزدیک شاہ جہان |
| بگفتند اور ابسی رزم پیل | کہ او اسپ را بقند برد و میل |
| سواری نیار در بر ارشدن | نہ چون شد بود روی باز آمدن |
| کہ خضر طوم او از ہوا بر راست | ز گردون مر او را ز جل یا و راست |

بقراطس بزیل بگماشتند
 بفرمود تا فیلسوفان روم
 چنین گفت کاکنون بپاکیزه
 نشستند وانش پژوهان بهم
 یکی انجن کرد از آهنگران
 ز رومی و مصری و از پارسی
 یکی بارگی ساختند آهنین
 ببنخ و بس در ز باد و خسته
 بگردون همی راند پیش سپاه
 سکندر بدید آن پسند آمدش
 بفرمود تا زان فزون از هزار
 ازان ابرش و بور و خنک و بیا
 سر را بر کار شد ساخت
 از آهن سپاهی گردون براند
 چو اسکندر آمد بنزدیک فور
 خروش آمد و گرد زرم از دور
 با سپ و بنفت اندر آتش زدند
 از آتش برافروخت لفت بیا
 چو پیلان بدیدند از ایشان گریز
 ز لشکر برآمد سرسرخ و زش
 چو خرمو هاشان بر آتش گرفت
 بجایم هماخوی بگذاشتند
 یکی پیل کردند پیش ز موم
 که آرد یکی چاره این بجای
 همی چاره بستند از بیش و کم
 هر آنکس که بودند از ایشان ملان
 فزون بود مردان چهل باری
 سواری ز آهن ز آهینش زین
 سوار و تن و باره افروخته
 دروش بیگند لفت سپاه
 خردمند را سودمند آمدش
 ز آهن بگردند اسپ و سوار
 که دیده است هرگز ز آهن سپاه
 وزو چاره گر گشت پر دخته
 که جگر با سواران جنگی نماند
 بدید این سپه آن سپه را ز دور
 برفتند گردان پر خاشخ جو
 همه لشکر فور بر سر زدند
 بجنبید ازان کا نهین بد سپاه
 برفتند بالشکر از جانی تیز
 بزخم آوردند پیلان بجوش
 بماندند از آن پیلانان گفت

ہمہ لشکر ہند گشتند باز ہماں زندہ پیلان گردن فراز
سکندر پس لشکر بگدگان ہمی تاخت برسان باودمان

(شاہنامہ جلد سوم ۶۵، مہلبی ۱۲۵۵ء)

مغربی محققین کو پورا پورا شبہ ہے کہ سکندر اعظم کو ہندوستان میں کسی نہ کسی آتشیں حربے سے ضرور سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ کونٹس کریٹس مؤرخ کے ایک فقرے سے اس قسم کا مطلب مفہوم ہوتا ہے بعض مصنفین اس رائے پر مصر ہیں کہ قدیم ہمنوں کے پاس گرجنے والی اور چکنے والی کلیں ضرور تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مہاجرات، بہری و نس اور سری بھاگوت وغیرہ تصنیفات میں آتشیں حربوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

میں اس موقع پر پروفیسر ولسن کی رائے بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سوال کہ آیا قدیم ہندو بارود یا اس قسم کے کس بھڑک اٹھنے والے مصالحہ سے واقف تھے تاریخی لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔ ان کی طبی تصنیفات سے ثابت ہے کہ وہ بارود کے منفردہ اجزاء سے ضرور واقف تھے کیونکہ یہ اشیاء ان کے ہاں کثرت سے پائی جاتی ہیں مگر ہم صرف اس بنا پر کہ اس کے متعلق کسی واضح بیان سے دوچار نہیں ہو سکے ہیں اس کے وجود سے انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا علم ان کے ادبیات کے متعلق ابھی تک ناقص حالت میں ہے۔

ادھر ایلیٹ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا آتشیں حربہ ہند قدیم میں ضرور رائج تھا جو بھڑک اٹھنے والا تھا اور اس کی آشگیری کا وقت اور طریقہ استعمال کرنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ قصہ مختصر ایسے متحرک آلے استعمال ہوتے تھے جو دروازوں عمارتوں اور دیگر آلات سے پیست ہو کر فاصلے سے ان میں آگ لگائی جاسکتی تھی۔ ظن غالب ہے کہ شورہ جو باروت کا جزو اعظم اور اس کے بھڑکنے کا موجب

اس ترکیب میں شامل تھا۔ بہر حال یہ تاہی کا آلہ صحیح تاریخی دور کی آمد سے قبل ہی راج سے جا چکا ہے اور یہ تسلیم کرنے کے واسطے ہمارے پاس کافی وجوہ ہیں کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت صرف ایسے محرق آئے معلوم تھے جو سادہ ہونے کے علاوہ چھوٹیت کے ساتھ رال یا نفط کے اجزاء سے مرکب تھے ۛ

یہ بعض اور اسی قسم کے دیگر سیانات جو ٹائمز انسائیکلو پیڈیا اور ایلیٹ کے مذکورہ بالا مضمون میں محفوظ ہیں۔ ہمیں اس عقیدے پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ ہندو قدیم میں باروت کا رواج تھا یا اس کی نفوذی طاقت سے اہل ہندو تھے۔ اگر ان کے پاس کوئی آتشیں آلہ تھا تو وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ضائع ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ مسلمان فوجیات کے دوران میں جس میں ہندو اور مسلمان فوجیں ہندوستان میں باہم معرکہ آرا ہوئی ہیں۔ کسی ایسے غیر معمولی آلے کا ذکر نہیں ملتا جس سے ملنا نا آشنا تھے۔ ہندو اگر کسی مصالحہ سے واقف تھے تو کیا ضروری ہے کہ وہ بارود ہو۔ ظن اغلب ہے کہ وہ نفط ہو جس کے چشے ہندوستان کے مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں ۛ

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمان عہد کا جائزہ لیں جس کے متعلق ہماری معلومات زیادہ یقینی اور قطعی ہے ۛ

مسلمانوں نے اپنی جنگوں میں انہی آلات سے کام لیا جو ان ایام میں عام طور پر رائج تھے۔ جنگ کی تاریخ میں حصار کشائی ہر زمانہ میں ایک مشکل مسئلہ رہا ہے جس کی عقدہ کشائی کی ہر عہد میں کوشش کی گئی ہے۔ بیسیدوں کے اوکھیں ایسا ہوئیں۔ بمخلہ ان کے منجنیق۔ دبابہ۔ کیش۔ عراوہ۔ چرخ۔ خرک اور رعد تھے۔ نفط کا عام رواج تھا اور جب تک توپ بندوق نے اگر دستور جنگ میں انقلاب پیدا نہ کر دیا۔ یہی آلات مسلمان عہد میں برابر استعمال میں آتے رہے منجنیق کے

علاوہ پچھلی چاروں اصطلاحیں فارسی میں رائج ہیں :

آلاتِ قلعہ کشائی میں منجیق کا استعمال نہایت قدیم ہے۔ قدیم فنیقی اسے استعمال میں لائے ہیں۔ ان سے یونانیوں اور اسرائیلیوں نے اخذ کی اور پھر دنیا کی دیگر اقوام میں پھیل گئی۔ عرب اس کی ایجاد عمرو کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مسند قی - م میں حمزہ پادشاہ حمیرہ نے اس سے کام لیا ہے جب رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ طفیل ابن محمد دوسی تبخانی ذی الکفین کے انہدام کی غرض سے بھیجا گیا۔ چار دن بعد اپنے چار سو آدمیوں کے ساتھ واپس آکر مع منجیق و دبابہ رسول خدا سے ملحق ہو گیا۔ ۳۷۷ھ میں جب یزید کی فوجوں نے کئے کا محاصرہ کیا تاریخ طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر دو منجیقین نصب کی گئی تھیں۔ پہلی خانہ کعبہ پر اور دوسری صفا و مروہ پر۔ منجیق انداز ملک حبش کا رہنے والا ایک حبشی تھا۔ ماہ صفر میں تمام ہینے سنگ اندازی جاری رہی۔ ۳ ربیع الاول کو آگ لائی گئی۔ جس کو روٹی کی گھنٹریوں میں رکھا گیا اور گندھک بھی رکھ دی گئی۔ اب یہ گھنٹریاں منجیق سے کعبہ میں پھینکی گئیں۔ غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی اور جل گیا دیوار سیاہ ہو گئی اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگ کو بجھا سکتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب روٹی کے پندے میں آگ لگا کر پھینکا جا رہا تھا تو کل بگڑ گئی اور پلندہ منجیق پر ہی جلنے لگا۔ محاصرین نے بہت کوشش کی کہ آگ بجھا دیں مگر ممکن نہ ہوا۔ یہ اسی روز کا واقعہ ہے جس روز شام میں یزید کا انتقال ہوا محمد بن قاسم نے جب ۹۳ھ میں دیبل پر حملہ کیا۔ اس کے پاس ایک منجیق تھی جس کا نام عروس تھا۔ اسے کام میں لانے کے واسطے پانسو آدمی درکار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس قسم کی منجیقوں کا نام عروس رکھ دیا گیا ۔

الپ ارسلان سلجوقی ۵۵۵ھ و ۵۶۵ھ اور ارمانوس قیصر روم کی جنگ میں جبین

قیصر گرفتار ہوتا ہے رومیوں کے پاس ایک عظیم الشان منجیق تھی جس پر بارہ سو آدمی کام کرتے تھے۔ وہ آٹھ حصوں میں منقسم تھی اور بار برداری کے لئے ایک سو جانور درکار تھے۔ اس منجیق سے ایک من سے زائد وزن کا پتھر پھینکا جاتا تھا۔

چنگیز کی اولاد میں منگو قاآن ۶۴۶ھ (۱۲۵۸ء) اپنے عہد سلطنت میں ملحدہ کی طرف ہلاگو کی پیشقدمی کے وقت چین میں اپنا آدمی بھیج کر وہاں سے منجیق اسٹا اور نفط انداز بلواتا ہے۔ چنانچہ اس کی خدمت میں ایک ہزار چینی خاندان منجیق سازوں کے پہنچتے ہیں جو ہلاگو کے ساتھ جاتے ہیں۔ عطا ملک جوینی اپنی تاریخ میں رقم پر دراز ہیں :-

”و بجانب ختای بلجی را طلب استادان منجیقی و نفط اندازان روان کردند از خطای یک ہزار خانہ ختائی منجیقی آوردند کہ بزخم سنگ سوراخ سوزن را منفذ جل می ساختند و تیر ہای منجیق با حکام بی و سرشیم استوار کردہ چنانک چون از حیض غم اوج کند راجع نکرد (ص ۳۷) جہانگشا جوینی، جلد سوم

جب قوبلای خان ۱۲۵۶ء و ۱۲۹۴ء کی فوجوں نے چین کے شہر سالیان فو کا محاصرہ کیا۔ لشکر کی تمام کوشش شہر کی تسخیر میں ناکام رہی۔ اس موقع پر بھاری منجیقوں کی ضرورت تھی۔ جو منولی لشکر میں ناپید تھیں۔ اس وقت ملک طالب منجیق ساز نے جو دمشق اور بعلبک سے آیا تھا اپنے فرزندوں ابو بکر و ابراہیم و محمد کے ساتھ بڑی منجیقیں تیار کیں۔ رشید الدین فضل اللہ کا بیان ہے :-

”و پیش ازان درختای منجیق فرنگہ بزرگ نبود و این ملک طالب منجیق ساز کہ از بعلبک و دمشق آجما رفتہ بود و فرزندان او ابو بکر و ابراہیم و محمد متعلقان او ہفت منجیق بزرگ ترتیب کردند و روی لفتح آن شہر نہادند“؛

(ص ۵۱۳ جامع التواریخ، طبع بلوٹے)

ہلاگو ۶۵۳ھ و ۶۶۳ھ نے جب ایران کی طرف پیش قدمی کی اس کے لشکر میں ہزار خانہ و ازمنیق سازوں اور لفظ اندازوں کے مٹے۔ میا فارقین کا جب اس کی فوجوں نے محاصرہ کیا تو کہا جاتا ہے۔ کہ ملک کمال والی میا فارقین کے پاس ایک ماہر کمال منجینی تھا۔ جس کی نشانہ بازی سے معمولی فوجوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ مجبور ہو کر انہوں نے بدر الدین لؤلؤ کے منجینی کو جو اپنے فن میں کیتا مانا گیا تھا بلویا اس نے قلعے کی منجینی کے مقابلہ میں اپنی منجینی نصب کر دی۔ دونوں متادوں نے بیک وقت پتھر چلائے جو ہوا میں آکر ٹکرائے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مورخ مشہور خاند امیر کے الفاظ ہیں :-

”ملک کمال را منجینی بود کہ از زخم سنگ اور خنہ در بہاد زندگانی سپاہ ایلمخان می افتاد و مولان در دفع او چارہ جوی گشتہ منجینی بدر الدین لؤلؤ را کہ او نیز مہارت کمال حاصل داشت طلب نمودند و چون آن شخص بار دومی شہوت رسید منجینی در برابر منجینی شہر نصب کرد و آن دو استاد و میکبار سنگما از منجینی کشاد وادہ ہر دو سنگ در فضا ہوا ہم باز خوردہ ریز ریز شد۔ مردم اندرون و بیرون از صداقت آن دو ہنرمند متعجب گشتند“

(حبیب الہیر ۵۷۵ جزو اول از جلد بیوم طبع بہی ۸۵۷ء)
غازان خان نے ۶۹۹ھ میں فتح کرمان کے وقت مصل سے منجینی استاد بلوائے جنہوں نے شہر میں تین زبردست منجینیں لمبا کر لیں۔ منجینیں لے جا کر قلعہ کرمان کے گرد لگا دی گئیں اور برج شاہ ملک کے گرنے سے قلعہ بچ رہا۔ اس کی تفصیل تاریخ و صاف میں جس کی عبارت سے بعض فقرے حذف کر دیئے گئے ہیں حسبِ ہذا ہے :-

”حکم یرینغ شد تا از مصل استادان منجینی را کہ صاحب مہارت و

قلعہ کشا بودند تعیین کردند و بشیر از آمدن دوسہ عدد مخنقیق بروج بیدت جواز کفہ شہاب لبنان . . . ترتیب دادند و عازم کرمان شد۔ پس مدت دو روز بمجلس مجلس کارزار بفلاخن مخنقیق . . . اہل کرمان را عیش سنگ اندازد و صورت انداز تعلیم کردند۔ بہرنگی کوہ فرسای کلمہ قلعہ قلعہ رامی شگافتند و اجزای حصار را در زلزلہ می آورد و دلولہ چون خروشیدن رعد در نہاد سکان می انداخت . . . تاجرج شاہ ملک را کہ بارج محل خیال مسامتہ می بست باقرارہ زمین موادی گردانیدند

۴۳۳

غازان خان کے افسر قتلغ شاہ نوین نے جب قلعہ دمشق کا محاصرہ کیا غازی لشکر میں ایک مشہور مخنقیقی تھا جس کا نام حصر اوی تھا۔ حاکم دمشق نے جو حصر اوی کے کمال سے واقف تھا اس کے سر کے لئے ایک ہزار دینار کے انعام کا اشتہار دے دیا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے اہل قلعہ میں سے ایک شخص قلعہ سے نکل کر بہ تبدیل لباس مغلوں کے لشکر میں داخل ہوتا ہے اور ایک رات موقع پاکر حصر اوی کے گھر میں گھس جاتا ہے۔ جیسے ہی حصر اوی گھر میں قدم کھتا ہے اس کا سر کاٹ کر اور لے کر قلعہ میں پہنچ جاتا ہے اور انعام موعود حاصل کر لیتا ہے۔ وصاف کی عبارت یہ ہے :-

”استادی مخنقیقی حصر اوی نام در علم جبر الثقیل کامل و ماہر شدہ التزام نمود کہ از چوب صورتی مہی از معنی والقت با فیما و تخلت، کہ در عرف لغت مخنقیقی خوانند بر کار کند و قلعہ را باسانی مستغنی و مستخلص گرداند بتحصیل و ترتیب اشباب و آلات مشغول گشت و نزدیک شد کہ عمل با تمام رسد۔ حافظ قلعہ مردی زیرک جہان دیدہ بود و وقت صنعت و حداقت آن شخص درین حرفت معلوم داشت با قوم خود مشاورت پیوست کہ احوال برین منوال است کہ اگر اوستیز نہاید اجزای کوہ بصائبات سنگ

منجینق زیروز بیل ریز ریز کند و این قضیہ ہنگنان را محقق است ہر کس کہ برای استنباقی ناموس محصنہ اسلام و استیفای مشوبات در عرصات یوم العیام شر اورا مندفع گرداند صرہ زر کہ محشواست ہزار دینار اورا باشد از زرہ اشیاغ شخصی صاحب شطارت بود از بالای قلعہ بشیب آمد و متفحص کار و منتہر زمان اقتدار شد۔ شبی مفاقتہ خود را مجہول وارد درخانہ او انداخت و در گوشہ مخفی بود۔ اتاد کہ اسناد اہل برعل کردہ بود بخانہ معاودت میکند۔ پاسی درخانہ نہادن همان بود و زخم بر مقتل خوردن همان۔ چنانچہ تقضی تہو رو بیباکی باشد سر اورا بر میدارد و عورات و اطفال غلغلہ و نفیر کنان او با کار و سلول قصد فرار میکند باد و سرکی سرخویش بسلامت یافتہ بردوش و یکی سر دشمن بریدہ از گوش تا گوش بقلعہ مراجعت میکند۔ ساکنان قلعہ غلغلہ بقلعہ افلاک میرسانند و در بہای سری ہزار دینار با ہزار آفرین نثار کردند و سر اورا بر سر نیزہ از سر تن نیزہ برافراشتند۔“ ص ۳۸۱

حصہ دومی کی موت نے قلعہ دمشق کو منہلوں کی دست برد سے بچا لیا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک ماہر منجیق اپنے کمال فن کی بنا پر ان آیام میں قلعوں کی تباہی و بربادی کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
 ۱۹۱۷ء میں ملک اشرف والی مصر نے فرنگیوں سے طرابلس فتح کر کے عکہ کا رخ کیا۔ یہ شہر بھی فرنگیوں کے قبضے میں تھا۔ اہل قلعہ کو اپنی فوج اور جنگی ذخائر پر بڑا ناز تھا۔ فصیل پر سے ملک اشرف اور مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور مذہبی پیشواؤں کی تبریک کے بعد منجیقوں سے گولہ باری۔ ناوک اندازی اور تیر بارال کرنے لگے۔ آگ اور نفط کے قارورے پھینکے۔ چنانچہ وصاف ۱۔

”برفع در جمع دعاء جاثیق و نصب عماد منجیق و رشتن ناوک و پلارک و چرخ دور پرتاب و قذف قوارین نفط و آتش پرتاب موجب و مرتاب شدند۔“

ایک دن فرنگیوں نے جنگ کے دوران میں انتہائی قساوت سے کام لیکر ایک مسلمان قیدی کو جو مدت سے ان کے ہاں قید تھا۔ پتھر کی جگہ منجنیق میں رکھ کر محاصرہ میں پھینک دیا۔ اس کی لاش جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے مسلمانوں کی فوج کے درمیان گری۔ ملک اشرف کو قلعہ والوں کی اس وحشیانہ حرکت پر سخت طیش آیا اور اس نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ فتح نہ کر لے گا وہ نہ گئے گا۔

”ناگاہ روزی در اثنا سے محاربت آن مدایر اسیری را از مسلمانان کہ در حبس ابد سیداشتند بعض سنگ و منجنیق نہادہ پرتاب کردند۔ ہنوز ورفضاء ہوا بود کہ اباض او کا بعض المنفوش، متلاشی گشت۔ بعد ازاں ملک اشرف را از مشاہدہ آن حالت وقوف بر استخفاف و جبارت ایشان ناثرہ حفاظت بباد عصیت دین افرختہ شد۔ بمؤکلات ایمان و شداد موثیق تسک جست کہ تا خاک مکہ برباد قنادہد و باب تیغ آتش قہر در ایشان نرزد دست از محاربت و پامی از مشاہرت کشیدہ ندارد“ (ص ۳۵۱ و صاف)

چنانچہ اس نے نقب زنوں کو حکم دیا کہ کئی موقعوں پر نقب لگائیں جو خندق سے گذر کر فصیل کے پائین تک پہنچ جائے حضور شدہ مقام میں ستون کھڑے کر دیں۔ اور لکڑیاں بھر دیں۔ ادھر اس نے حکم دیا کہ لکڑی کے مرنج مستطیل گھریا خانے تیار کریں۔ ان کے پیسے لگا دیں اور سیڑھیاں چاروں طرف جمادیں اور چھت کی گائے کی کھالوں سے پوشش کر دیں تاکہ تیر اور پتھر اس پر کارگر نہ ہو۔ ان خسانوں میں تیر اندازوں اور نطف اندازوں کو بٹھا دیا اور کشتیوں کی طرح وکیل کر آگے بڑھایا۔ اس کے بعد حکم ملا کہ ہر فوجی ایک ایک توہرہ ریت بھر کر لائے۔ توہروں کی گنتی دولا ہوئی۔ ان کی ریت سے خندق پاٹ دی گئی۔ ان امور کو سر انجام دینے میں باون دن لگے۔ اس وقت تک نقب زن بھی اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ جمعہ کی

شب کو نقبوں میں آگ دی۔ قلعہ کی دیوار اور برج زمین پر گر پڑے۔ مصری فوجوں نے دھاوا کیا اور قلعہ فتح ہو گیا (صفحہ ۳۵۲ و صاف)

قلعہ ہستی کے محاصرے کے وقت امیر تیمور اپنے خیمے سے نکل کر بغرض تسخیر قلعہ کا معائنہ کرنے لگا۔ قلعہ میں ایک گھوٹنے والی منجیق نصب تھی۔ جیسے ہی امیر باہر آیا۔ اس منجیق سے ایک پتھر امیر پر پھینکا گیا۔ پتھر اگر شاہی خیمے کے بالکل قریب گرا اور لڑھک کر خیمے میں چلا گیا۔ امیر کو مصورین کی اس بیدیا کی پختہ طیش آیا۔ اسی وقت قلعہ کو امر اپر تقسیم کر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ بیس منجیقیں قلعہ کے چاروں طرف لگا دی گئیں۔ ان میں سے ایک اس مقام پر لگائی۔ جہاں پتھر اگر گرا تھا۔ اس منجیق سے جب پہلا پتھر پھینکا گیا سیدھا جا کر قلعہ کی منجیق کے لگا۔ جس سے وہ ٹوٹ گئی۔ شرف الدین یزدی نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ”و دوران حال صاحبقران بے ہمال احتیاط قلعہ می فرمود منجیق گردان کہ درین آن ساخته بودند و برا فراختہ سنگی گران از ہوا می بغی و طغیان بجانب آن حضرت انداختند و آن سنگ بنزدیک خیمہ خاص بر زمین خورد و ازان جا لغریہ باندرون خیمہ افتاد شعلہ خشم خسرانہ ازان جرات و بیباکی برافروخت و برینق قضا مضاصد و ریافت کہ اطراف قلعہ را بر امر انجش کردہ حصار را مرکز وارد ریان گیرند بہادران ممالک ستان قلعہ کشای با متثال امر مبادرت نمودہ بہست منجیق از جوانب آن حصار نصب کردند ازان جلدہ کی درہمان موضع کہ سنگ ایشان فرود آمدہ بود و اول سنگی کہ ازان انداختند بہ نیروی دولت قاہرہ بر منجیق اندرون آمد و آزار بہیم شکست و امثال چنین اتفاقات از اہم الملمات نصر عزیز و فتح مبین تواند بود۔“ (صفحہ ۲۸۳ جلد دوم۔ طغر نامہ۔ طبع کلکتہ)

منجیقوں کا ذکر اگرچہ تاریخ میں کثرت سے ملتا ہے۔ مگر ان کا مفصل بیان یہی نظر سے نہیں گذرا جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ ان کی شکل و شباہت کیا تھی۔ اور

کس طرح کام کرتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے کوئی ایسا بیان نہ مل سکا۔ ہم اس عہد سے اس قدر دور نکل آئے ہیں کہ اس زمانے کی اونٹنی اونٹنی شے ہمارے لئے ایک معینے کا حکم رکھتی ہے۔ لاہور کے شاعر ابو عبد اللہ روز بہ ابن عبد اللہ النکتی نے جو سلطان سعود شہید غزنوی ۷۱۱ھ و ۷۱۲ھ کے عہد کے شاعر ہیں چند آیات معنیق کی چیتان میں جس کا ان ایام میں کافی رواج تھا اور القلم کئے ہیں۔ ان اشارے سے اس کل کے بعض خط و خال معلوم ہوتے ہیں اور پورا حلیہ ذہن میں نہیں آتا۔ النکتی کا بیان ہے کہ ایک طرف سے زردبان ہے دوسری طرف سے شیطان کے پانوں کی طرح چھلی ہے۔ زانو فرج کمان کی طرح کشادہ ہے۔ جس میں ہانگی کی سی سونڈ لٹک رہی ہے۔ دو آہنی دانت ہیں جو دیو کے پاؤں میں جڑے ہیں۔ سونڈ میں سینکڑوں رسیاں لٹک رہی ہیں۔ لوگ جمع ہو کر ان رسیوں میں سے ایک ایک رسی پکڑ لیتے ہیں۔ گویا رسیوں کے کھینچنے سے لیبی دبائی جاتی ہے اور پتھر پھینکا جاتا ہے۔ اور ہر شخص دہشت سے کانپنے لگتا ہے۔ چیتان یہ ہے :-

| | |
|-----------------------------|-----------------------------|
| چہ چیز است آن کہ یک زربانست | دگر سوارست همچون پای شیطان |
| سبز زانو زبان فرضہ تیر | از و آو بخیت خرطوم پیلان |
| دو نیک آہنیں مینی مراورا | زده آن شیک رابر پای دیوان |
| بر آن خرطوم صد زلف مینی | ہمی بر تافتہ چون زلف جانان |
| چو عشاقش بد و انہوہ گردند | بگیرد ہر یکی یک زلف رازان |
| بمیزاد و کی سندان محکم | شود ہر کس ز بیم و ہول لرزان |

(الباب الاول باب جلد دوم ص ۵۵)

شاد بصادق میں محمد صادق اصنہانی جو شاہجہان کے عہد کا مصنف ہے۔

منجیق کا ایک مختصر سا بیان حسب ذیل دیتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ زمانہ سابق میں منجیق آلات حصار گیری میں سب سے اہم آلہ تھا۔ اس کی شکل ترازو کی طرح ہوتی ہے۔ ایک پڑے کو بہت بھاری کر لیا جاتا ہے۔ ہلکے پڑے میں پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور رسیوں کے ذریعے سے زمین کی برابر قائم رکھا جاتا ہے تاکہ بھاری پلڑا اونچا چلا جائے۔ اب رسیاں ایک دم کاٹ دی جاتی ہیں جس سے بھاری پلڑا زمین پر آ رہتا ہے اور ہلکا پلڑا اونچا ہو جاتا ہے اور جو پتھر اس میں رکھا ہوتا ہے دُور جا کر گرتا ہے۔

یہ دونوں بیان میں سمجھتا ہوں مختلف ساخت کی منجیقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ایک بیان تاریخ تمدن اسلام جزئی زیدان سے منقول ہے جو غالباً مغربی ذرائع سے ماخوذ ہے۔

”یہ ایک لکڑی کا سیدھا پتھر ہے جس کے سرے پر ایک گوبھن ناچیز لٹک رہی ہے۔ اس میں پتھر رکھ کر پتھر کو تسموں کے ذریعے پیچھے کی جانب کھینچتے ہیں۔ پتھر کے نیچے ایک مضبوط کمائی لگی ہے جس وقت کمائی پوری طرح دب جاتی ہے یکایک اسے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ پتھر زور کے ساتھ آگے کو جھکے ہوئے ایک سطح تختے پر جا کر گرتا ہے اور پتھر نکل کر دُور جا پڑتا ہے۔“

(تاریخ تمدن اسلام ص ۹۷ از حجاز مولوی محمد علیم - طبع روز بازار امرتسر)

کتاب آداب الحرب میں منجیق کی کئی قسمیں بیان ہوئی ہیں (۱) منجیق عروس، جو چاروں طرف مار کرتی ہے (۲) منجیق دیو، جو غالباً اپنے ڈیل ڈول کی کلانی کی بنا پر اس نام سے کہلاتی ہے (۳) منجیق غوری وار، (۴) منجیق روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو سکتی تھی۔ مصنف کا بیان ہے۔

”و منجیق بر انواع است منجیق عروس، و آن چهار سوی توان انداخت و

منجینق دیو و منجینق غوری وار و منجینق روان“ ۱۸۱

لفظ منجینق کو عام طور پر ایرانی الاصل مانا جاتا ہے مگر فردوسی کے اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داستانوں میں ان آلات پر کام کرنے والے بالعموم رومی اور عیسائی ہوتے تھے۔ منجینق کا قافیہ تمام شاہنامہ میں بالالتزام جاثلیق لایا گیا ہے۔ جاثلیق موجودہ انگریزی لفظ کبیتولاک کا ہم اصل ہے۔ فردوسی اس کا استعمال بمعنی ترسا و منجینقی کرتا ہے۔ ہماری فرنگیں اس کے معنی پیشوا یا ترسایا بتاتی ہیں۔ جو معنی شاہنامہ میں نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ میں بعض مثالیں شاہنامہ سے نقل کرتا ہوں۔ ۱۔

| | | |
|----------------------------|-----------------------------|-----|
| نگہبان بنایدورا جاثلیق | نرسد ز عسرادوہ و منجینق | ۵۶ |
| زافسون تورودم جاثلیق | نیسا د برین بارہ و منجینق | ۱۹۶ |
| نہاوا ز برش ہر سوسی جاثلیق | دو صد پارہ عسرادوہ و منجینق | ۲۵۴ |
| بران بارہ عسرادوہ و منجینق | برآورد و بیاد دل جاثلیق | ۲۵۵ |
| بیاندارا بہ و منجینق | سکندر بفرمود تا جاثلیق | ۶۴۶ |
| بپای آں بارہ جاثلیق | بدو ساخت از چارسو منجینق | ۷۴ |
| زگردان روم آنکہ بد جاثلیق | بیاراست بر ہر سوسی منجینق | ۱۲۴ |

اب میں باقی اصطلاحات پر نظر مارتا ہوں۔ دبا بہ ایک متحرک آلہ تھا جسے پتوں کے ذریعے سے چلاتے تھے۔ اس کی چھت کھالوں یا سرکہ میں ترشہ ہندوں سے ملے ہوئی تاکہ آگ سے محفوظ رہے۔ کچھ لوگ اس کے اندر بیٹھ جاتے اور کچھ اسے دھکیل لے چلتے۔ بعض وقت اس سے فضیلول پر دھاوا کرتے اور بعض وقت قلعہ کی دیواروں کے انہدام میں کام لیتے۔ اس کا سرانوک دار ہوتا تاکہ دیواروں میں شگاف کر سکے۔ محصورین مدافعت میں آگ پھینکتے اور جلتی لکڑیوں یا سرکنڈوں کے پشمارے اس پر ڈالتے تاکہ

دبابہ اور اس کے پناہ گزین جل جائیں۔ دبابہ کو فارسی میں خرک کہتے ہیں بعض وقت اسی وضع کی کشتیاں طیار کی باتیں جن سے دریائی جنگوں میں کام لیا جاتا ہے۔
 نجنہد پر حبیب چنگیزی فوجوں نے یورش کی ہے۔ وہاں کا افسر تیمور ملک دریائے جیچوں کے اس حصہ میں جہاں دریا دو شاخ ہو کر بہتا ہے مقابلہ کرتا ہے۔ امیر موصوفہ ہر روز کشتیوں میں بیٹھ کر غنیم کے حلوں کا جواب دیتا۔ کشتیاں جو اس کے پاس تھیں خاص قسم کی ساخت کی تھیں۔ ان کی چھت اور بازوؤں کی پوشش نمبرے کی تھی جس پر سرکہ میں گندمی مٹی کا غلاف چڑھا دیا گیا تھا۔ کشتیوں کے بازوؤں میں کھڑکیاں تھیں۔ ان کشتیوں پر تیرنقط اور آگ کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ تیمور ملک ایک عرصہ تک دشمن کے مقابل ڈٹتا رہا۔ عطا ملک کی عبارت حسب ذیل ہے۔

”واود وازدہ زورق ساخته بود سر پوشیدہ و بر بند ترنگ بسر کرمچون اندودہ و در بچیا در گذاشته ہر روز بامداد جانبی شش روان می شد و جنگلے سخت میگردند و زخم تیر بران کارگر نمود آتش و لفظ و سنگما کہ در آب می ریختند و فر آب میداد و شب شب بخون می برد۔ خواستند تا مضرت آن دفع کنند دست نداد“ (ملک جہانکشاں جوینی جلد اول)
 کبش۔ یہ دبابہ سے ملتا جلتا آلہ ہے۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کا سر مینڈے کے سر کے مشابہ اور آگے کو نکلا ہوتا۔ مینڈے کا سر لکڑی یا لوہے کی موٹی لٹی میں لگا ہوتا اور لٹی دو رسیوں میں جو دبابہ کی چھت میں جڑی ہوئی چرخوں پر کھنچا کرتی تھیں لٹکا کرتی تاکہ اس کے کھینچنے میں آسانی ہو۔

عراوہ۔ یہ چھوٹی قسم کی منجیق ہے اور فارسی ادبیات میں منجیق کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتی ہے۔ فرہنگ بحر الفضائل تالیف ۱۰۳۳ھ میں لکھا ہے۔ ”عراوہ چومغزنی کہ بدان سنگ از حصار اندازند“ اور شرفنامہ احمد میری مؤلفہ ۱۰۳۵ھ میں مرقوم ہے ”عراوہ منجیق خور“ اور موجودہ لغتوں میں مذکور ہے ”عراوہ آلہ جنگ خورد تر از منجیق“

اس آلہ کا استعمال بھی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ آداب الحرب میں اس کی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی عرادرہ یک روئی جس سے صرف ایک ہی سمت میں سنگ اندازی کی جائے دوسری عرادرہ گردان جو گھوم سکے۔ تیسری عرادرہ خفۃ جو صرف ایک جگہ قائم ہو۔ چوتھی عرادرہ روان جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے۔ فردوسی - اسدی اور نظامی کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے :-

فردوسی :- سکندر بفرمود تا بانیق + بیارند عرادرہ و منجیق
اسدی لہوی :- بہر گوشہ عرادرہ بر ساختند + ہمہ دیگ رخشدہ انداختند
نظامی گنجوی :- نہ عرادرہ برگرداوردہ شناس + نہ از گردش منجیقش ہراس
چرخ بہ سخت کمان کو کستے ہیں۔ مثال میں فردوسی کا یہ شعر :-
شفا و آمد آن چرخ را بر کشید بزہ کرد کیبارہ اندر کشید

اس کے علاوہ تیر اندازی کا بھی آلہ ہے۔ تاریخوں میں تیر دست اور تیر چرخ بعض موقول پر ساتھ ساتھ ملتے ہیں جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ چرخ کمان سے علیحدہ آلہ ہے محض ترین محاصرین دونوں اس سے کام لیتے ہیں۔ عطا ملک جوینی کے یہ فقرے قابل غور ہیں :-
(دور ذکر فتح نیشاپور بردست مغول) روز سیم از برج قرقوش جنگ سخت میکردند و از بارہ و دیوار تیر چرخ و تیر دست می رختند :- (مکۃ ۱۲) جہانگشاہ جوینی جلد اول طبع یورپ)
(دور ذکر فتح اخلاط بردست جلال الدین منکبرنی) و مجاہد و آلات دیگر از تیر چرخ و لفظ ترتیب دادند و از اندرون شہر ہم بکار ساختن حرب مشغول شدند۔ از جانبین منجیق بر کار کردند و تیر دست و تیر چرخ چون تگرگ ریزان گشت :- (مکۃ ۱۳) جہانگشاہ)
چرخ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے پیچے یا چرخ سے چلنے والی کمان ہے اور جنگوں میں قابل قدر آلہ ہے۔ تاریخوں میں بے شمار موقول پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ جب چنگیزیوں نے نیشاپور پر حملہ کیا ہے۔ اس وقت تین ہزار چرخ اوڑھیں ہو

منجینق اور عزادے شہر کی دیواروں پر موجود تھے۔ مگر محسورین ہمت ہار چکے تھے۔ چنانچہ عطا ملک کا فقرہ ذیل :-

”اہالی نیشاپور چون دیدند کہ کار جد است و این قوم نہ آتد کہ دیدہ بودند باز نہ
سہ ہزار چرخ بردیوار بارہ بر کار داشتند و سید صد منجینق و عزادہ نصب کردہ و از آلہ
و لفظ و خوراین تعبیر دادہ تمامت را پامی گست شد و دل از دست رفت۔“
(م ۱۳۹ جلد اول جہانگشا)

بامیان کی یورش کے وقت چنگیز خان کا پوتا چغتائی کا فرزند تیر چرخ سے
مارا جاتا ہے :-

”ناگاہ از شست قضا کہ قضای کل آن قوم بود تیر چرخ کی مہلت نہاد از
شہر بیرون آمد و بیک پس چغتائی رسید کہ محبوب ترین احفاد چنگیز خان بود۔“
(م ۱۰۵ جلد اول - جہانگشا)

امیر تیمور کی جنگوں میں بھی تیر چرخ موجود ہے۔ چنانچہ شرف الدین قلعہ انیک
کی فتح کے وقت لکھتا ہے :-

”حضرت صاحبقران فرمود کہ امرای تو مان ہر کس بر سیدہ خود استادہ منجیقہ تہ ترتیب
کردند و سائر اسباب حصار از عزادہ و رعد و تیر چرخ آمادہ داشتہ کو رگہ و نقارہ فرو کوفتند
(م ۹۹ - ظفر نامہ جلد اول - طبع کلکتہ)

دقیقی کے ہاں شاہنامہ میں تیر چرخ مذکور ہے :-

پس انجاش آمد کی تیر چرخ چنیں آمدہ بودش از چرخ برخ

(م ۵ جلد سوم - شاہنامہ - طبع بدلی ۱۲۵۵ھ)

فردوسی نے چرخ اور کمان چرخ دونوں شکلوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ :-

پس منجینق اندرون رومیان - اما چرخ ماتنگ بستہ میان (م ۲۵۶ جلد دوم شاہنامہ)

شعر ذیل میں فردوسی اس کی آواز کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ صاف واضح نہیں کہ اسکا مقصد چرخ گھومنے کی معمولی آواز ہے یا ایسی آواز جو کسی آتشگیر مصالحہ کے بھٹکنے سے پیدا ہو :-

۷ زبائنگ کمانہای چرخ وزدودہ شدہ روی خورشید تابان کبود (مش ۲۵۵ جلد دوم)
چھٹی صدی کے منصف اول کے شاعر ازرقی کے شعروں سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ چرخ کوئی آتشبار آلہ ہے۔ اس کے مدد ورج طغان شاہ نے سیدستان کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب وہ قلعہ کے معائنہ کے واسطے میدان میں آیا۔ برج پر سے ایک چرخ انداز نے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً اپنے چرخ کو آگ سے بھر لیا اور طغان شاہ کے آہن پوش گھوڑے پر اس کا تیر چھوڑا جو ملک طغان کے پانوں سے ایک ہاتھ بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ پر لگا۔ وہ شعر یہ ہیں :-

| | |
|-----------------------------|---------------------------|
| ز شہ برجی قضا را چرخ داری | ملک را دید در میدان برابر |
| ز آتش چرخ را پر کرد و شتافت | کز آتش بیندا و پاداش کیفر |
| بزد بر بارہ گرتوان دار | خدا گراست رو بر گرتوان در |
| ز زخم تیر ناپای خداوند | بدستی ماندہ بدیانہ کمتر |

(انجمن آرای نامری)

مگر تاریخوں میں اس کے تعلق میں آتش باری کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا۔
فرہنگ شرفنامہ تالیف ۸۷۲ھ اور موبد الفضل میں چرخ کی یہ تشریح

دی گئی ہے :-

”چرخ کمان حکمت کہ از آلات جہا گیری است و تیر چرخ بدان اندازند“

کمان حکمت کو بہار عجم میں ایک قسم کی خنجر بتایا ہے +

فرہنگ جہا گیری میں چرخ کو بان یا خنجر آتشین کی مانند کہا گیا ہے۔ فرہنگ نگار کا

بیان ہے :-

”چیزی باشد مانند تیر موائی کہ از آہن بسازند و درون آن ہزار باروت کردہ آتش زند و بجانب دشمن سر دہند و بر ہر کس کہ خورد ہلاک سازد۔ انوری در صفت آسمان گفتہ :

نہ منجیق رسد بر سرش نہ کشکبخر نہ تیر چرخ نہ سامان بر شدن بوق

یہ بیان فرہنگ نگار کے زمانہ کے واسطے صحیح مانا جاسکتا ہے۔ مگر قدیم زمانہ کے تعلق میں البتہ صحیح نہیں کیونکہ بارود ان ایام میں موجود نہیں تھی۔ یہاں تک تو خیریت تھی مگر متاخرین نے اسے بندوق کے ساتھ شناخت کر کے ہمارے لئے راہ راست سے بھٹکنے اور غلط قیاسات قائم کرنے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ ان کا بیان ہے :-

”بمناسبت کمان و تیر تفنگ را نیز چرخ گویند و گلولہ آن را تیر گویند زیرا کہ چنگ کمان نیز بالقوت جسمانی بازوی کماندار بدشمن رساند تفنگ ہم بالقوت تیر موی آرومی آتشین کہ باروت باشد گلولہ را کہ بمنزلہ پیکان تیر است بخصم رساند حکیم ازرقی در مدح طغان شاہ در جنگ سیستان و تیر انداختن تفنگ داری از فرزند برج گفتہ :

(فرہنگ انجمن آرا می ناصری)

شعر میں اور نقل کر آیا ہوں۔ ازرقی کے زمانہ کے لئے یہ خیال کرنا کہ بندوق اور گولی موجود تھی روایت و روایت کے منافی ہے۔ ازرقی نے صرف اسی قدر کہا، ”ز آتش چرخ را پر کرد و بشتافت“ جس کی بدیہی توجیہ یہی ہے کہ آگ تیر کے ذریعہ سے پھینکی گئی۔ قلم سے محاصرین پر آگ اور تارور ہامی لفظ پھینکنے کا عام دستور رہا ہے اگر اس چرخ دار نے طغان شاہ پر تیر آتش بست پھینک دیا تو کیا ہرج ہے ؟

اگر ہم لغت نگاروں کے بیانات پر اعتبار کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ بندوق تو بندوق توپ بھی قدیم زمانہ میں موجود تھی اور رستم کا پر داوا زیمان توپ کے گولے سے

ہلاک ہوا تھا۔ دیگ کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں :-

”دیگ معروف است و بمعنی توپ بزرگ نیز آئندہ است کہ در قدیم الزمان ہر قلاع و حصار برای حفظ داشتہ و میگذاشتہ و با داروہای آتشین انپاشتہ بجانب خصم می افکندند و بعضی درازتر چنانکہ بہت و بعضی کوتاہ تر تیرکیمی کہ اکنون خم پارہ گویند و بہارہ خم ماند کہ زبراوشکستہ وزیر او قدری باقیست و گلولہ آزا سنگ میگردہ اند۔ حکیم علی اسدی در گرشاسپ نامہ

یکی دیگ منجر دران قلعہ بود کہ تیرش بداز سنگ حد من فزود
بدار و مرآن رعد اپناشتند ہمہ روز تا شب نگہداشتند
از ان برج آن سنگ آمد رہا بدان آتش و دود چون اژدہا
ز بارہ مرآن رعد انداختند جهان از زریان پرداختند
و آن دیگ را دیگ رخشندہ می گفتہ اند کہ از آتش می درخشید۔ اسدی ۷
بہر گوشہ عراوہ بر ساختند ہمہ دیگ رخشندہ انداختند
(فرہنگ انجمن آرای ناصر ی)

شاعر کا مقصد ہے کہ قلعہ میں ایک دیگ (منجر؟ تھی - جس کا تیر سون (فارسی میں) کے گولہ کا تھا۔ اس کو بارود سے بھر دیا۔ رات پڑے وہ گولہ اس دیگ سے آگ اور دھوئیں کے ساتھ چھوڑا گیا۔ بس جیسے ہی قلعہ سے توپ چھوٹی زریاں سے دنیا خالی ہو گئی۔ ان شعروں کا متن میرے نزدیک مشتبہ ہے۔ اسدی کا گرشاسپ نامہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ اگر متاخرین کے ہاتھوں ان اشعار کے متن میں قطع و ربط نہیں ہوئی۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان میں توپ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دارود بارود کے واسطے اور رعد توپ کے لئے متاخر زمانہ میں عام استعمال میں آئے ہیں۔ آتش و دود بھی اسی عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ایک بات کی کمی بھی

کہ توپ کی گرج کا مذکور نہیں آیا۔ چونکہ یہ تنہا بیان ہے اس لئے اس پر بغیر مزید ترمیم و تراشہاؤ کے بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ایک امر قابل گداز ہے کہ اسدی کی روایت کی رو سے زریان توپ کے گولے سے مارا جاتا ہے۔ شاہنامہ میں فردوسی نے بھی زریان کی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رستم جب پیل سفید کو ہلاک کر چکنا ہے۔ زال اسکی جرات پر بہت تحسین کرتا ہے اور زریان کا انتقام لینے کے واسطے کوہ سپندان روانہ کرتا ہے۔ اس موقع پر شاعر زریان کی ہلاکت کے متعلق لکھتا ہے۔

سراجام سنگی بنیداختند۔ جہاں راز پہلو سپرداختند (جلد اول شاہنامہ ۲۵۵ء)
جس سے ظاہر ہے کہ زریان کی موت ایک ہفتہ سے وقع ہوئی تھی۔ جو قلعہ سے اسے گرا یا گیا تھا۔

فرہنگ نگاروں نے یہی سلوک کشکجیر کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے معنے بھی بڑی توپ بیان کئے ہیں۔ فرہنگ جہانگیری میں اس کی تشریح یوں مرقوم ہے۔

"توپ کمان را گویند کہ بدان دیوار قلعہ بشکند و بیندازند۔ معنی ترکیبی آن کو شک سورخ کن ست چہ شک مخف کو شک بود و انجیر سورخ را گویند۔"

انجمن آرا می ناصری میں یہ تشریح ملتی ہے :-

"کشکجیر توپ کمال کہ پارس دیگ و دیگ زخندہ نیز گویند۔"

مگر فرہنگ بحر الفضائل میں جو ۸۳ء کی تالیف ہے اس کے معنے "نوعے از مینقین" دیئے ہیں اور نوروز نامہ سے جو حکیم عمر خیام کی تالیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کشکجیر ایک خاص قسم کی نہایت سخت اور طاقتور کمان ہے جس سے حصار شکنی میں کام لیا جاتا ہے۔ نوروز نامہ کی اصل عبارت حسب ذیل ہے :-

"دوزن کمان بلندترین شش صد من نہادہ اند و مرآن را کشکجیر خواندہ اند و آن مر قلعہ را بود۔ فردترین یک من بود و مرآز ابھر کو دکان خورد و سازند۔" (نوروز نامہ)

منوچہری کے شعر سے بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا سخت زدہ آلہ ہے۔ جسکے چلانے میں ایک سے زیادہ آدمی کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ہوندا :-

۵ داوڑن ہرگان اسپہبد عادل ہد اس کجا تنہا بہ کشکنجیر اندازد و خدنگ
ہندوستانی فرہنگ نگار قبل مغل اس کا مختلف بیان دیتے ہیں :-

شرف نامہ تالیف ۱۰۸۷ھ :-

”کشک انجیر کی ازالات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دواہای آتشین
روان کنند ہندش گولہ گویند و کشکنجیر ہوا و نیز نویند و معنی ترکیبی آن سوراخ کنند
کو شک است۔“

عماد السعادت مؤلف ۹۱۹ھ :-

”کشکنجیر و کبک انجیر کاٹ مضموم، کی ازالات جنگ آنکی است بقوت
دارو باروان کنند ہندش گولہ خوانند۔“

مؤید الفضل تصنیف ۹۲۵ھ :-

”کشک انجیر کی ازالات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دواہای
آتشین روان کنند۔“

میرے خیال میں یہ بیان ان فرہنگ نگاروں کے عہد کے واسطے بالکل قابل اعتبار
ہے۔ بارود اس وقت تک عام ہو چکی ہے جس کو یہ مصنفین دواہائی آتشین اور
داروہا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہندی نام گولہ دیتے ہیں۔ اور اس میں بھی
شک نہیں کہ بارود کی نفوذی طاقت معلوم ہونے کے بعد سب سے اول اس کا
استعمال گولے اور بان کی شکل میں کیا گیا ہے۔

فردوسی کے ہاں ایک شعر آتا ہے :-

۵ گرفتند گروان ایران زمین کما نہای زنبوری و چرخ کین

اس شعر میں کمان زنبوری قابل غور ہے۔ جس کی تشریح بہارِ عجم میں یوں دی گئی ہے:-
 ”کمان زنبوری - ف - کنایہ از تفنگ کہ بتازی بندوق و تبر کی ملتیق خوانند“
 اب کیا ہم یہ مان لیں کہ فردوسی کے عہد میں بندوق راج تھی۔

فرہنگوں میں جو بالفرض ہمارے واسطے موجود ہیں۔ ان میں تفنگ بھی شامل ہے
 اس کے متعلق مرقوم ہے :-

”تفنگ و تفنگ بالضم و فتح دوم ف - بندوق، و مرکب است از تفن بیدل
 تنپ ببای فارسی کہ مخفف توپ است و کاف و نگ ہر دو کلمہ نسبت یا تشبیہ
 چنانکہ در پوشنگ و دیرنگ و توشتنگ و آزاد ر ہندی تپک ببای فارسی خوانند و
 تفنق معرب است“

میں تفنگ کی بعض مثالیں بھی عرض کرتا ہوں :-

نظیری نیشاپوری :- یہ دمغر تفنگ زور کند آتش سودا ۛ آتش ز دہان جوش نہاد دمان
 از ہول صدای تفنگ و لغز گردون ۛ سکان ہنوات گذارند مکان
 آسن التواتر :- ۛ ز تیغ و تفکامی آہن ستیز ۛ ز ہر گوشہ بازار کین گرم خیز
 (دگیر) ۛ دران عرصہ از ہر مردان جنگ ۛ تفنگ نقل و خون بادہ لالہ نگ
 یلان از تفنگ دادہ دہما ز دست ۛ نقل چنان گشتہ بی بادہ مست

طالب آملی :- ۛ دم از وقوت تفنگ انگلیت نمی نم ۛ چہر اکہ حجت او گشتہ بیدل تمام
 یہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے۔ جس میں تفنگ بمعنی بندوق زیادہ رائج ہے۔ اس عہد
 کے بعد اس کا مراد و تفنگ عام ہو جاتا ہے اور تفنگ متروک ہو جاتا ہے ۛ
 متقدمین کے ہاں تفنگ بالکل مختلف چیز ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے
 کہ جو وجہ اشتقاق او پر مذکور ہے درست نہیں اس کی معرب شکل تفنق ہے۔

انوری :- نہ از فراز توان جست جیلہ سر کوب نہ از نشیب توان یافت جایگاہ تفنق

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی آلہ محصار شکنی ہے۔ لیکن قاضی خان بدر معروف
بدھاروال جو اپنی فرہنگ ادات الفضلا ۸۲۲ھ میں تصنیف کرتے ہیں۔ اس
لفظ کی یوں تشریح دیتے ہیں :-

"تفک نئے نیزہ کہ بدان غلولہ اندازند۔ مانند تیر [می رود]

شرف نامہ احمد نسیری میں ابراہیم بن قوام فاروقی کا بیان ہے :-

"تفک = نئے نیزہ خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

مولانا محمود ابن شیخ ضیاء تحفہ السعادت تالیف ۹۱۶ھ میں یوں نظر آ رہا ہے۔

"تفک = تاسی مضموم و فاسی مفتوح۔ نئے خالی یا چوڑی خالی کردہ کہ بدان

غلولہ اندازند۔"

یہ ان مصنفین کا بیان ہے جو مغلوں سے پہلے گزرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ہندو
کا حلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک نئے یا پورے بانس کا ٹکڑا ہے جس کے ذریعہ سے
مٹی کا خشک یا تر غلہ چلایا جاتا ہے۔ صاحب فرہنگ جہانگیری نے اس موقع
پر مزید تفصیل سے کام لے کر تمام گنجلک کو رفع کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"تفک چو بی بود میانہ تہی بدرازی نیزہ گلولہ از گل ساختہ در آن نہند و

پت کنند۔ بزور نفس گلولہ بر جانور کو چک اگر خورد اندازد و بندق را بمشا بہت
آن تفک خوانند"

ایک قلمی فرہنگ میں جس کے نام سے میں ناواقف ہوں یہ عبارت ملتی ہے۔

"تفک، بضم تا و فتح فابکات عربی زودہ، چو بی باشد میان تہی بدرازی نیزہ

کہ گلولہ در آن نہند و پت کنند تا بزور نفس آن گلولہ بیرون جہد جانور ان کو چک

مثل کج خشک بان بزند و بندق را بمشا بہت آن تفک نیز گویند۔"

گویا تفک دراصل اس بچوں کے کھلونے کا نام تھا جو غالباً گیلہ غلہ ڈال کر چلائی جاتی تھی

جس سے ننھے ننھے جانور شکار ہو سکتے تھے۔ انہی خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہریل س
لفظ کا استعمال کیا ہے :-

۵ مرغ محقر کہ مہمبہ دہ تنک طرفہ سوادیت ز خطماشی فلک
میں ایک اور مثال مثنوی طرفہ الفقہاء سے جو بعد فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ء و ۷۵۹ء
تصنیف ہوتی ہے نقل کرتا ہوں۔ یہ فقہی تالیف مولانا رکن الدین مرید شیخ نصیر الدین
محمود چراغ دہلی کی یادگار ہے۔ اس کے نامہ صد نوہ شتم میں بذیل سائل صید یہ
فقیہ موصوف لکھتے ہیں :-

صید را اگر تبہ گر ز بکشد آن حرام است ہیچ کس نچشد
بند قنبر ز مثل این داند در تنک مہمبہ زند بدین ماند و الف
تنک ان ابیات میں غالباً انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جو امیر خسرو کے ہاں لئے
گئے ہیں اور جس کی تشریح ہم اوپر دیکھ آئے ہیں یعنی نئے نیزہ۔ بند قنبر سے یہاں
مقصود بندوق نہیں ہے بلکہ وہی غلہ۔

بارود کی ترویج نے تنک میں اہم تبدیلی پیدا کر دی یعنی یہ کہ بجائے بانس
کی نے کے لوہے کی نال آگئی اور پت کرنے کا کام بارود نے لے لیا۔ گویا بندوق
تنک کی اصلاح یافتہ شکل ہے ۵

یہاں مجھے ایک اور آلے پتک کا ذکر کرنا چاہیئے جو تنک کے مشابہ ہے۔
یہ ایک نیزہ نما لکڑی ہے جسے طولاً دو حصوں میں جیر کر بندوق کی نال کی طرح اس
میں گاؤد م سوراخ کر لیا جاتا ہے اور ہموار کر کے دونوں نصفوں کو جوڑ لیتے ہیں
جوڑے منہ کی طرف سے گیلی گولی ڈال کر پتک کے ذریعہ سے پھینکی جاتی ہے۔
چھوٹے پرندے بلکہ کبوتر تک شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن مشق کی ضرورت ہے۔ خواجہ
امید کے یہ ابیات ملاحظہ ہوں ۱۔

یارب اگر چہ پیش ازین بود مرد اول و بگر خستہ لببت چکل بستہ دلبر بیک
 دست فشانده ام برین پاشی کشادہ الم زان جستہ زہر و دوا نگہ چون گل خارہ از نپک
 اسی کے قریب ناوک ہے۔ یہ ایک پولی لکڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر تیر کو
 ایک خاص طریق سے چلاتے تھے۔ اس کی کمان تختش کہلاتی تھی۔ کثرت استعمال سے
 تیر ناوک کھنکے لگے۔ ناوک کا تیر اور تیروں کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔
 صاحب مصطلحات الشعر کا قول ہے کہ ناوک ایک نے ہوتی ہے۔ جس میں چھوٹا تیر
 رکھ کر اور زہ کمان میں بند کر کے چلاتے ہیں کبھی یہ نے لوہے کی بنا لیتے ہیں۔ جسے
 نے ناوک کہتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی یہ ہے :-

"ناوک = مصغرا، وآں چوبی است میان تہی کہ تیر را دران گذاشتہ بوضعی
 مخصوص می اندازند و کمان این چوب را تختش گویند و کثرت استعمال تیر مذکور را تیر
 ناوک خوانند اند و این مجاز است و این تیر کو چک باشد نسبت بسائر تیر ہا و
 صاحب مصطلحات الشعر گویند ناوک فی کہ تیر کو چک معروف دران گذاشتہ و بزہ
 کمان بند کردہ کشادہ بند و گا ہی آرا از آہن سازند فی ناوک گویند،

میں نے نوٹ صرف بعض الفاظ پر قناعت کی ہے جن میں فرہنگ نگاروں
 نے نئے ہتھیاروں کو پرانے نام دے کر ہمارے لئے مغالطے کے اسباب ہتیا کر
 دیئے ہیں اور شبہ ہونے لگتا ہے کہ ممکن ہے توپ اور بندوق قدیم آیام سے موجود
 ہوں۔ اسلئے اس مسئلہ پر کسی قدر اور غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تلخیج
 کی ورق گردانی سے یہ امر یقین کی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ کہ انشی آلات میں
 سے اسلاف کے پاس آگ تیل اور نطف کے سوا اور کوئی مرکب یا مصالحہ موجود نہیں
 تھا۔ فردوسی کے زمانہ سے لے کر امیر تیمور کے عہد تک جس میں چنگیزیوں کے فروع
 کا زمانہ بھی شامل ہے اسباب قلعہ گیری میں کوئی جدید اضافہ نظر نہیں آتا بقولوں کی نقب زنی

جو طریقہ شاہنامہ کے صفحات میں دیکھا جاتا ہے وہی طریقہ ہم امیر تیمور کی قلعہ کشائیوں کی داستانوں میں پڑھتے ہیں۔ حصار گیری کی تاریخ میں تیمور کا نام سب سے مقدم آنا چاہیئے۔ اس کی فوج میں سفر مینا کا عملہ نہایت زبردست معلوم ہوتا ہے اور کوئی قلعہ نہیں جسے اس کی سپاہ نے چند روز میں نہ فتح کر لیا ہو مگر اس کے ہاں بھی کسی جدید آسے کا مذکور نہیں آتا۔ اب میں بعض قلعوں کی فتح کا ذکر کرتا ہوں :-

فردوسی نے شاہنامہ میں جو بعض قلعہ کشائیوں کے بیانات دیئے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ بڑی حد تک اس کے اپنے عہد کے ایسے واقعات کا صحیح مرقع ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ذیل کے بیانات ہمارے مطلوبہ سوال پر روشنی ڈالتے ہیں :-

جب رستم شہر بید افتخ کرنے جاتا ہے۔ اس کا قلعہ جو تور بن فریدوں نے تعمیر کیا تھا نہایت مضبوط تھا۔ رستم نے اپنی فوجیں قلعہ کے چاروں طرف متعین کر دیں اور قلعہ پر سخت سنگ باری اور تیر باری شروع کر دی۔ خود رستم نے کمان ہاتھ میں لے کر ہر اس شخص کو جس نے دیوار سے باہر سر نکالا جن چن کر مارنا شروع کیا اس پر قلعہ والے بہت سراپیمہ ہوئے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ کی تر میں نقب کھود دی گئی اور اس کے نیچے شہتیر لگا دیئے۔ ان پر لفظ ڈال دی جب نصف دیوار میں نقب لگ گئی شہتیروں میں آگ لگا دی گئی۔ جس سے دیوار گر گئی چنانچہ فردوسی کا بیان ہے :-

| | |
|----------------------------|---------------------------|
| پے بارہ زال پس بکندن گرفت | زدیوار مردم نمکندن گرفت |
| ستونہا ہند دند زیر اندر شش | بیالود لفظ سیاہ از بر شش |
| چونیمی زدیوار دژ کندہ شد | بچوب اندر آتش پر آگندہ شد |
| فرو د آند آں بارہ تور کرد | زہر سوپہ اندر آمد بگرد |
| بفرمود رستم کہ جنگ آورید | کمانہا و تیغ خدنگ آورید |

ایک اور مثال سینے۔ کنگ دثرا فرسیاب کا قلعہ خاص ہے جب کینسرو اس کی تسخیر کے لئے آیا۔ اس نے اپنی فوجیں قلعہ کے گرد جمادیں اور ان کے سامنے شبخون سے حفاظت کے خیال سے خندق کھدوادی۔ قلعہ کے گرد دوسو عراف اور منجیق اور دوسو چرخ لگا دیئے۔ منجیقوں کے پیچھے رومی اپنے اپنے چرخ کے ساتھ کھڑے تھے۔ پادشاہ نے حکم دیا کہ دوسو ہاتھی شہتیر جنہیں فردوسی ستون کے اصطلاحی نام سے یاد کرتا ہے لیتے جائیں۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے سرنگ کھودی اور شہتیر جمادیئے۔ ان پر نطف سیاہ چٹک دی۔ اب پادشاہ نے حکم دیا کہ قلعہ کے دروازوں پر یورش کی جائے۔ ادھر ان لکڑیوں اور نطف میں آگ لگا دی گئی نطف سیاہ کے بھرنے سے لکڑیوں نے آگ لے لی اور بل اٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کی دیوار گر گئی اور سنگاف میں سے ایرانی فوجیں اندر داخل ہو گئیں میں فردوسی کے طویل بیان سے صرف ضروری ضروری ابیات نقل کرتا ہوں :-

| | |
|----------------------------|---------------------------|
| بشکر بفرمود پس شہر یار | یکی کندہ کردن بگرد حصار |
| دو نیزہ بیالایکی کندہ کرد | سپہ را گردش پر آگندہ کرد |
| بدان تاشب تیسرہ پر دختن | نیار دوزن کان کسی تاختن |
| دو صد پارہ عراده و منجیق | نہاوازش ہر سوی جانیق |
| دو صد چرخ بر ہر سوی بیگمان | زد دیوار دژ چون سر بدگمان |
| پدید آمدی منجیق از برش | چو ژالہ ہی کو فتنی بر سرش |
| پس منجیق اندرون رویان | ابا چر خما تنگ بستہ میان |
| دو صد پیل فرمود پس شہر یار | کشیدن ستونہا بہ پیش حصار |
| یکی کندہ زیر بار و درون | بکندہ نہا و نذریش ستون |
| پر آگندہ بر چوب نطف سیاہ | براگونہ فرمود نیزنگ شاہ |

بند مود تا سخت برہد ری بجنک اندر آمد گران لشکری
بدان چوب و لفظ آتش اندر زوند ز برشان ہی سنگ بر سر زوند
دبانگ کمانہای چرخ و زد و دود شدہ روی نور شید روشن کبود
زعترادہ و منجینق و زگرد زمین نیلگون شد ہوا لا جورد
ز لفظ سیہ چو بہار فرخست بفرمان یزدان چو بہریم لبخست
نگون بارہ گفتی کہ برداشت پای بگردار کوہ اندر آمد ز جاسی
بر آمد خروشیدن کارزار بہر پیروزی لشکر شہر یار
سوی خستہ و ز نہادند روی بیامد دمان رستم جنگجوی ۲۵۸

چنگیزی افواج ۱۱۶ھ میں مغولستان سے نکل کر توران و ایران - افغانستان و عراق چین و روس میں پھیل جاتی ہیں۔ ان کے سیلاب کو نہ کوئی لشکر روک سکا اور نہ کوئی قلعہ۔ لیکن اقوام مغول اپنی طفر مندانہ پیش قدمی کے دوران میں نہ کہیں کسی آتش بار آگے سے دوچار ہوئیں اور نہ خود استعمال میں لار میں اگرچہ قابل حیرت سرعت کے ساتھ انہوں نے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا ہے۔ مغرب کی طرف ان کے کوچ کے وقت جند سب سے پہلا قلعہ ہے جو ان کے سراہ واقع تھا۔ انہوں نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر کے خرک اور منجینق لگا دیئے۔ لشکر یکس خندق و استعداد آں از خرک و زرد بان و غیر آں اشتغال نمودند (جہانگشاہ ۱۶ جلد اول) اہل قلعہ حیران ہوئے اور شہر کے دروازے بند کر کے فصیل کی دیواروں پر بیٹھ گئے اور چنگیزی افواج کا تماشہ دیکھنے لگے اور اچنبھا کرتے رہے کہ حملہ آور قلعہ کی بلند دیواروں پر کیونکر چڑھیں گے۔ مگر جب خندق کے پل لیار ہو گئے۔ اور سیڑھیاں قلعہ کی دیواروں کے ساتھ لگ گئیں تب ان کی آنکھیں کھلیں اور ایک منجینق لا کر لگا دی۔ ابھی منجینق سے پہلا ہی پتھر چلایا تھا کہ پتھر ہوا میں اٹھ کر اسی

منجیق پر اگر جس سے منجیق ٹوٹ گئی۔ اس اثنا میں حملہ آور سب طرف سے دیوار پر چڑھ آئے اور شہر بغیر کسی کی نسیر بھوٹے ان کے قبضہ میں آگیا ہ
 بخارا کی فتح میں بھی منجیقوں عرادوں اور قارورہا می نفظ سے کام لیا گیا ہے
 چنانچہ عطا ملک جوینی بالفاظ ذیل رقم کرتے ہیں :-

”مردمان بخارا را ب جنگ حصار راندند و از جانبین تنورہ جنگ بتغید از بیرون منجیقہا راست کردند و کمانہارا خم دادند و سنگ و تیر را پان شد و از اندرون عرادہا و قارورات نفظ روان شد“ (جلد اول جہانگشا)

جب خوارزم میں حملہ آور پہنچے وہاں پتھر نایاب تھا۔ اس لئے شہتوت کے درخت جن کی وہاں افراطی کاٹ کاٹ کر سمیڑ کی جگہ منجیقوں میں استعمال کئے۔ چنانچہ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں :-

”و بہ ترتیب آلات جنگ از چوب و منجیق مشغول گشت و چون در جوار خوارزم سنگ نبود از درختہای قوت سنگہا می ساختند۔“ (جلد اول جہانگشا)

مرو کی تباہی سے فارغ ہو کر جب فاتحین نے نیشاپور کا رخ کیا۔ ہراول میں بہت سی منجیقیں اور دیگر آلات قلعہ کشائی تھے۔ اگرچہ نیشاپور سنگستانی علاقہ ہے۔ مگر احتیاطاً کئی منزل سے وہ پتھر اپنے ساتھ لے کر آئے اور جگہ جگہ انبار لگا دیئے۔ حالانکہ ان کا دسواں حصہ ہی خرچ نہ ہوا۔ ”و در مقدمہ لشکر بسیار آلات مجاہد و اسلحہ بشاد بیاخ فرستاد و باز انک نیشاپور سنگلاخ بود از چند منزل سنگ بار کردہ بودند و با خود آوردہ چنانکہ ضرمنہا رنجتند و عشر آن سنگہا در کار نشند“ (جلد اول، ۱۳۹)

باوجودیکہ قلعہ کی دیواروں پر تین ہزار چرخ تھے اور تین سو منجیقیں اور عرادے نصب تھے۔ اسی قیاس پر دیگر اسلحہ اور نفظ کا سامان تھا۔ مگر نیشاپور میں ان کی

جنگ کا ڈھنگ دیکھ کر تہمت ہار بیٹھے ۔

ہلاگو خان نے ۶۵۴ھ میں قلعہ الموت کا محاصرہ کیا۔ چرخ و مجانبق کے علاوہ جن میں پتھر کی جگہ درخت کاٹ کاٹ کر پھینکے گئے۔ ہم ایک نئی چیز کمان گلو کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو چینی استادوں کی ایجاد بتائی گئی ہے۔ اس کا نشانہ اگر میں عطا ملک جوہنی کی عبارت کو صحیح سمجھا ہوں ڈھائی ہزار قدم جاتا تھا۔ ہمارے مؤرخ کا یہ بیان قابل غور ہے۔ وہ ہوندا۔

”و کمان گاؤرا کہ اساتذہ ختائی ساختہ بودند آماج آن مقدار دو ہزار گام ، بران . . . خزان چون جزآن در مان نہ داشت بر کار کوہند و شیاطین ملاحظہ بنصال شہب آسای متجنہ بسیار سوختہ گشتند“

(۱۲۰ جلد سوم۔ جہانگشاہی جوینی رگب میموریل)
میرے خیال میں ایک نشانہ کا بغیر بارود کی امداد کے ڈھائی ہزار قدم جانا نہایت دشوار ہے۔ کیا یہ کوئی آتشیں آلہ ہے؟ ہم کہہ نہیں سکتے۔ بد قسمتی سے مصنف کا بیان اس قدر مختصر ہے۔ کہ ہم کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتے۔ پچھلے فقرے میں شیاطین کی رعایت سے شہاب اور شہاب کی رعایت سے سوختہ گشتند لایا گیا ہے۔ اس فعل کا تعلق بظاہر کمان گاؤسے نہیں معلوم ہوتا۔

تیموری جنگوں میں ایک اور آلہ قرابغرا کا نام ملتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ کوئی ترکی کل ہے جو مخنیق اور عرادہ کی وضع کی معلوم ہوتی ہے۔ نظام الدین شامی کے ہاں یہ لفظ سب سے پہلے میری نظر سے گذرا ہے۔ مطلع السعدین سے دو مثالیں منقول ہیں :-

نہ ۶۵ ”فاریان بطرف شرقی شہر کہ : رواژہ سعادت موسوم است فرود آوند
وعلاوہ و قرابغرا و مخنیق ترتیب داوند“

۸۹۵۔ ”حضرت صاحبقران از برابر در قلعہ بطرف پشت قلعہ نقل فرمود و منجیق و عرادرہ و قراغرا و زرد بانہا مرتب ساختند و دوران محل کہ منزل ہمایوں یعنی پشت قلعہ بود لمجور از سنگ و چوب چندان (بلند) بر آوردند کہ در قلعہ نگاہ میکردند۔“
(فتح قلعہ گر جستان)

معلوم ہوتا ہے کہ قراغرا یورپ میں بھی پہنچ گیا ہے۔ جہاں اس کا نام بگرا کر اباگا اور کلارابن گیا۔ کرنل یول مرتب سفرنامہ مارکو پولو اس کو بڑی قسم کی منجیق بتاتے ہوئے گویا ہے کہ ترک اور عرب اسے قراغرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو نام یورپ میں ’کرا بگا‘ *Gambaga* اور کلارابرا *Gambaga* بن گیا۔ مرنو سنوڈو اول الذکر نام لاتا ہے۔ ولیم آف ٹیوڈیلا آخر الذکر نام لکھتا ہے جب سائمن ڈمی مونٹ فورٹ کبیر نے البیجینیہ کے خلاف ان کا استعمال کیا۔ (۱۶ جلد دوم)

منجیقوں اور عرا دوں سے صرف قلعہ کی دیواروں میں شکاف ڈالنے کا کام لیا جاتا۔ نقب زنی میں دیواروں کی جڑیں کھوکھلی کر کے خالی جگہ ستون لگا دیے جاتے اور لکڑیوں کا انہار رکھ کر اور نطف ڈال کر آگ لگا دی جاتی۔ جس سے دیوار نیچے آرتی۔ تیمور کی یورشوں میں یہی طریقہ عام ہے اور اس کی تاریخ میں نقب زنی کے واقعات کثرت سے نظر آتے ہیں۔ جن کی مورخین نے کسی قدر تفصیل بھی دی ہے۔ مثلاً قلعہ ترشیز کے محاصرے کے وقت جب منجیق اور عرا دوں نصب ہو چکے۔ تیمور نے نقبوں کے نام حکم بھیجا کہ قلعہ کی خندق کاٹ کر اسکا پانی نکال دیں اور دیوار کی بنیاد میں نقب لگائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا :-

”مہندسان کاروان بر حسب فرمودہ منجیقہا بساختند و عرا دوں ہا راست کردہ برافراختند و فرمان شد تا نقبچیان چیرہ دست نقب در خندق بریدہ آرا از آب خالی ساختند و در زیر حصار نقبہا بنیاد انداختند“ (۳۴ ظفر نامہ جلد اول، شرف الدین یزدی، کلکتہ)

تیمور کے عہد میں نقب زنی قلعہ کشائی کی ایک اہم شاخ بن گئی ہے۔ جس کی نظیر قدیم تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک اور مثال سنئے جو طغر نامہ میں ملتی ہے :-

"و چون نقیچان نقبہا بریدہ و سنگہا برون آوردہ برج و بارہ حصار را بر سر چو بہاگر قند حکم قضا مضامد و ریافت و نقبہا را بہیمنہ لفظ آلود و ناپاشتہ آتش زوند دیوار ہای قلعہ چون بخت و اژدہ مخالفان سرگون شد و بسیاری از کفار باد یوار حصار بر خاک خدیت رخسار افتادند ۴۵۷ جلد دوم طغر نامہ، شرف الدین،

بعض نقب زنی کی تفصیل مطلع السعدین اور طغر نامہ میں ملتی ہے۔ مثلاً قلعہ تکريت کے محاصرے کے وقت جب منجیق اور عرادرے قلعہ کے عازیں لگ گئے حکم ہوا کہ چالیس نقبیں قلعہ کی فصیل میں لگائی جائیں اور ہر نقب ایک ایک امیر کے سپرد ہوئی۔ نسخہ تفصیل بوساطت جگہ تو اچی لشکر میں تقسیم ہو گیا [تفصیل اسمائے امراء حذف کی جاتی ہے] نقب زن نقب زنی کرتے اور فوجی مٹی ڈھونٹتے امیر تیمور بار بار خبر منگو تا کہ کونسی نقب کہاں تک پہنچی۔ ایک نقب جلال بورچی اور بیان توچی کے حصہ میں آئی۔ انہیں پینتیس گز پتھر کاٹنا پڑا۔ محو مقامات ستون کھڑے کر کے لکڑی اور نقطہ سے بھر دیئے۔ ۲۰ تاریخ شب چہار شنبہ کو آگ دے دی۔ قلعہ کی دیواروں کا اکثر حصہ زمین پر آ رہا۔ بین صوفی نے جس برج میں نقب لگائی تھی تمام و کمال ڈھ گیا اور دشمن کے بیس آدمی اس کے ساتھ کام آئے۔ امیر کا پھر فرمان آیا کہ فصیل کا باقی حصہ جو ابھی کھڑا ہے بذریعہ نقب گرا دیا جائے۔ جو برج الہ داد اور امان شاہ کے متعلق تھا۔ بدر الدین نے بنیاد سے کھود کر گرا دیا۔

یہ ان مورخین کے اصل الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں :-

"روی ہمت بتسخیر حصار بر آوردند و عرادرہا نصب کردند و منجیقہا را فرافقت و

خانہای آن غلبینال بزخم سنگ خراب ساختند ص ۶۴۸ [چهل نقب مقرر شد و ہر نقب بعمدہ امیری کردہ] تو اچیان بحسب فرمان زمین بخش کردہ بموجب تفصیل لشکریان قسمت کردند و جگہ تو اچی نسخہ تفصیل بروان رسانید و بکار نقب مشغول گشتند ص ۶۴۹ [شب و روز جاخویان بہ نقب کندن و لشکریان بنجاک بیرون آوردن] از ابکار فرمودن مشغول بودند و حضرت صاحبقران ہر ساعت می پرسید کہ ہر نقبی کجا رسیدہ و یک نقب بعمدہ جلال باورچی و بیان قوحین - و ایشان ہی پنج گز سنگ بریدند] و ہر جا کہ محوف ساختہ بر سر ستونہا داشتہ بودند از ہیمہ و نفط پر کردند و شب چہار شنبہ بمستیم آتش زدند

| | |
|------------------------------|----------------------------|
| ز نفط سیہ چو بہار فروخت | ستونہا سر اسرہمہ پاک سوخت |
| ز بس و دو کاہ فراز از فرود | سیہ شد یکبارہ چرخ کبود |
| چنان دود شد سوی گردون تلب | کہ شد چشمہای کو اکب پر آب |
| نگون بارہ گفتی کہ برداشت پای | بگردار کوہ اندر آمد ز جہای |

و اکثر دیوارہای قلعہ بزین افتاد و برجی کہ بین صوفی خالی کردہ بود بکلی منہدم شد و بمیت کس از دشمنان بزیر افتادند حکم جہان مطاع نفاذ یافت و دیگر دیوارہا کہ ماندہ بود از اطراف و جوانب نقب زدہ محوف ساختند و بنیداختند - برجی کہ سرکا المداد و امانشاہ بود بدرالدین از پنج برکنہہ بنیداخت -

(ص ۶۵۳ ظفرنامہ از شرف الدین یزوی - جلد اول)

قلعہ حلب کی تسخیر کے موقعہ پر نقب سے کام لیا گیا ہے - مولانا نظام الدین شامی لکھتے ہیں کہ علمہ نقب زنی حسب حکم رات بھر میں خندق کو پھلنی کی طرح سوراخ دار کر کے اور پانی عبور کر کے خاک ریز تک پہنچ گیا اور قلعہ کی بنیاد میں جو سنگ خار کی بنی تھی سنگ لگانی شروع کر دی - چنانچہ ان کی عبارت ہے :-

لے غلبین کی عبارت مطلع السعیدین سے منقول ہے -

" لشکر را اشارت کرد تا پیرامون خندق نزول کردند و بزخم تیر نگذاشتند کہ کسی از دشمنان سر از اوج بیرون نواند کرد و علامہ چاخورگان را فرمان شد تا بیک شب حوالی خندق را چون غریبال سورانخ کردند و از آب گذشتہ بر روی آن خاک ریز چون کبک برد و دیدند و درنگ قلعہ کہ بنگ خار استوار کرد و بوند نقب آغاز نہادند۔ ۲۲۴ طفر نامہ جلد اول مرتبہ فلکس تاور ۱۹۳۸ء میں بخوف طوالت صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ۰

قلعوں کی تسخیر کے واسطے عموماً ایسے طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ جو ان کے ماحول اور مقامی کیفیت کے مناسب ہوں۔ تیمور نے بعض حالات میں لمجور سے کام لیا ہے۔ لمجور وہی ہے جسے ہم دھس اور دمدمہ کہتے ہیں۔ یہ ایک بلند تعمیر یا چبوترہ ہے جو لکڑیاں ایک دوسرے پر چُن کر طیار کیا جاتا ہے جو ف میں پتھر اور مٹی بھر دیتے اور خپتے جاتے ہیں۔ خٹے کہ چبوترہ قلعہ کی دیوار سے بلند ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر سے سنگباری کرتے ہیں۔ قلعہ اونیک کی حصار بندی کے وقت جب منجھنقیں اور عراوے کا سیلاب ثابت نہ ہوئے تیمور لمجور کی طیاری کا حکم دیتا ہے۔ اس کے لئے فوجی دور و دراز مقامات سے درخت کاٹ کر لاتے ہیں اور لمجور بناتے ہیں۔ میں شرف الدین کے طفر نامہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں :-

"یر لیغ لازم الاتباع بنفاذ پوشت کہ در مقابل حصار لمجور سازند وید ہرچہ تمام تر آن چو بہار ابرہم بر نہادند و لشکریان میان آن را بہ سنگ و گل پر میکردند و بری آوردند تا لمجور تمام شد و از حصار ایشان بلند تر آید۔ چنانچہ بر قلعہ مشرف بود

۰ جو لمجور سر کوب شد با حصار بگردن بر آمد دم کارزار

گروہ سپہ سالار لمجور چو دریای جوشان بر آمد بشور

واز بالای لمجور کہ باکلخ ناہید و قصر ہو برابر ساختہ بودند و از ان منجیقہا کہ از اطراف
جوانب حصار برابر فراختہ بودند چند ان سنگ بر ہوا می آن قلعہ پران گشت :
(ص ۶۹ ظفر نامہ - جلد اول)

میں قلعہ دمشق کی فتح کی ایک اور مثال سن کر اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔
قلعہ دمشق نہایت مضبوط اور مستحکم تعمیر ہوا تھا۔ اس کی دیواریں بنیاد سے
لے کر چوٹی تک بھاری بھاری پتھروں کی بنی تھیں۔ اس کی خندق میں گڑ چوڑی
اور تیس گز گہری تھی۔ قلعہ میں سامان جنگ بڑی مقدار میں موجود تھا اور محافظ فوج
بے شمار تھی۔ جب قلعہ کے گرد تیموری افواج گئیں۔ تیمور کے حکم سے حسب ضابطہ
مستمرہ امیر زادگان میرانشاہ۔ شاہرخ۔ سلطان حسین۔ پیر محمد۔ غلیل سلطان و دیگر امرا
بزرگ امیر شیخ نور الدین۔ امیر شاہ ملک۔ بزدوق اور امیر سلطان نے اپنے اپنے
دستوں سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اپنے اپنے علاقے مقرر کر کے نقب زنی اور
منجیق سازی میں مشغول ہو گئے۔ خندق کے گرد لکڑی۔ پتھر وغیرہ کا ایک حصار کھڑا
کر لیا۔ نقب زنوں نے انتہائی استعدادی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ قلعہ سے
قارور ہا سی لفظ اور پتھروں کی بارش ہونے لگی اور قیر و ناوک مینہ کی طرح برسنے
لگے۔ لیکن ان جوانوں نے مطلق پروا نہیں کی۔ سپہیں سر پرے کر آگے بڑھتے
اور نقبوں کی جگہ مقرر کرتے اور منجیقیں لگا کر سنگباری کرتے جس سے قلعہ مارے ہلاک
اور عمارتیں تباہ ہوتیں۔ جب نقبیں طیار ہو چکیں۔ صاحبقران نے آتش زنی کا حکم دیا۔
پہلے قلعہ کے مغربی برج میں آگ دی جس سے برج زمین پر آ رہا اور دیوار میں بہت
بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔ حملہ آور اس شگاف کے راستے سے دھاوا کرنا چاہتے تھے۔
کہ اتنے میں نصف دیوار اور گر گئی۔ جس سے گرد کے دل بادل نمودار ہو گئے۔ حملہ
رک گیا۔ اہل قلعہ نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر رخسہ کو بند کر دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ

دوسری نقبوں میں آگ لگائی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سمت کی دیوار منہدم ہو گئی۔ مصویرین اس قدر خائف ہوئے کہ قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے اور امان مانگی اس کے بعد باقی سرنگوں میں بھی آگ لگا دی۔ اور دمشق کا عظیم الشان قلعہ تو دو چاک بن گیا۔ نہابہی دمشق ۸۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ ذیل میں نظام الدین شامی کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے :-

"قلعہ بود در غایت حصانت و نہایت استواری۔ بنای وی از ریت یا بالابنگہا عظیم برآورده و بغایت بلند و اعتمادی ساخته و خندق فراخ گردوی در غور سی گز و عرض بسیت گرد تخمینا . . . حکم نافذ شد تا امیر زادہ امیرانشاہ بہادر و امیر زادہ شاہرخ بہادر و امیر زادہ سلطان حسین بہادر و امیر زادہ پیر محمد بہادر و امیر زادہ خلیل سلطان بہادر و از امرای بزرگ امیر شیخ نورالدین و امیر شاہملک و برندوق و علی سلطان پیرامون قلعہ بترتیبی کہ مقررست فرو آمدند و سرکار با تعیین کردہ بنقب زدند و منہیق ساختند مشغول شدند و از چوب و سنگ و نور با حصار گرد خندق بر آوردند۔ عملہ و چاخو رگان بعدی کہ بالاتر از ان تصور نتوان کرد بکار مشغول شدند و ہر چند از بالای قلعہ فارورہا نقطہ و سنگ می انداختند و تیر و ناوک بر مثال باران می باریدند۔ این امرای نامدار و جوانان کارزار از ان باک نداشتند و تورہا و سرکشیدہ پیش می رفتند و سرہای نقب تبیین می کردند و منہیقہا از اطراف برپاسے کردہ بہر یک سنگ کہ از کفہ منہجیق روان می شد خلقی ہلاک می گشت یا عمارتی خراب می شد . . . سلطان حسین بہادر و التون نحشی کہ بر جانب برج غربی قلعہ بودند عملہ را فرمودند تا آتش در انداختند۔ برجی عظیم از قلعہ دمشق فرو افتاد و راہی بزرگ در حصار پیدا آمد۔ بہادران لشکر خواستند کہ در حصار در آیند ناگاہ نیمہ دیگر از دیوار مفتاد و گرد و غباری عظیم برآمد و لشکریان باز نشستند۔ اہل قلعہ فرصت دیدند و آن رخہ را باز محکم گردانیدند . . . باز امیر صاحبقران

فرمود تا در نقبہا آتش اندازند۔ چنان کردند۔ یک طرف حصار بکیبار فرو دآند۔ امر او بزرگان قلعہ از سر ضرورت بیرون آئند و در مقام انقیاد و فرمان برداری دروازہ کشاوند و کلید ہا پیش آوردند و در باقی نقبہا کہ ماندہ بود ہم آتش انداختند تا قلعہ بدان عظیمی چنان خراب شد کہ اثری از ان باقی ماند (ظفر نامہ ص ۳۲۷-۳۲۸)

گذشتہ بیانات سے ضرورت سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ نقبہ زنی کے وقت مغولی اور تیموری عساکر صرف آگ اور لفظ سے کام لینا جانتے ہیں۔ اگر ان کو بارود کی نفوذی طاقت اور اسکی شدت استمداد کا علم ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس مصالحہ سے کام نہیں لیتے۔ بارود اگرچہ تیمور کے عہد سے ایک صدی قبل سے رائج ہے مگر افادی لحاظ سے اس قدر طاقتور نہیں کہ نقبہ زنی میں لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لے

تیمور کو خال خال موقعوں پر آتشبار آلات سے سابقہ پڑا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نہایت ابتدائی حالت میں ہیں اور کسی قابل لحاظ نتیجہ کے مورث نہیں اس کے متورخ ان کو لعب یا کھلونے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان وہ مقام ہے جہاں ان آلات کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ لیکن اس کے متعلق آئندہ دوسرا موقع دمشق میں پیش آتا ہے اور اس کا قصہ یہ ہے۔

امیر تیمور دمشق کے محاصرے کے وقت جب بارود و اپنا ایچی بھیجنا ہے۔ برخلاف اول دمشق ایچی کی خوب آؤ بنگت کرتے ہیں۔ اس ملک میں آتش بازی اور رعد اندازی کا بہت رواج تھا۔ ایچی کو مرعوب کرنے کے لئے آتش بازوں کی جماعت اس کے سامنے لائی گئی۔ تیمور کے درباری متورخ نظام الدین شامی لکھتے ہیں:-
” بخلاف گذشتہ مقدم ایچی را با عز از پیش آئند و مرا سم تعظیم و بزرگداشت بجا آوردند و درین میانہ رعد اندازان و چرخ کشایان و ناوک زنان و آنچہ از جنس

مردم باشند برو عرض سیکر دند و نخی دانستند کہ ازین قبیل بیشتر از دہ ہزار مرد کار آزمودہ در اردوی امیر صاحبقران ہستند (صفحہ ۳۳۱ طغرنامہ جلد اول)

شرف الدین یزدی اسی واقعہ کے ذکر میں یوں رقم پر داز ہیں :-

”چون فرستادہ با ایشان رسید برخلاف گذشتہ مقدم اورا با عراز و اکرام پیش کنند و مراسم تحریب و تعظیم بجای آوردند و چون دران دیار آتش بازی و رعد اندازی بسیار می ورزند و از پیش ایشان وقتی ہست غلبہ ازان طائفہ مردم را جمع آوردند و در نظر میگزرا بیند و آن را اظہار قوتی و شوکتی تصور می کردند۔ (طغرنامہ جلد دوم صفحہ ۳۱۶)

یہی موقعہ مطلع السعدین میں یوں مرقوم ہوا ہے :-

”و مشقیان فرستادہ را بخلاف گذشتہ معزز داشتہ مراسم اکرام و شرائط احترام بجای آوردند و جماعت آتشبازان و رعد اندازان و چرخ کشایان و ناوک نہان کہ پیش ایشان قدری دارد و این لوح را دران دیار می ورزند بر ایچی عرض کردند و دانستند کہ ازین قماش بیشتر از دہ ہزار مردان کار آزمودہ جنگساویدہ در اردوی ہمایون بودند“ (صفحہ ۷۸۳)

ان عبارتوں میں آتشباز سے مقصد آتشبازی بنانے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص جو آلات آتش فشان سے جنگ کرے اس میں شک نہیں کہ توپ و بندوق مراقش اور ہسپانیہ سے جو ان کی ولادت گاہ ہیں نکل کر مشرق و مغرب میں رواج پاتی ہیں اور مصر اور شام شرقی ممالک کے مقابلے میں ان سے پہلے اہت ہو چکے ہیں۔ مگر تیمور کے مورخوں کا یہ دعوے کہ دس ہزار سے زیادہ آتش باز تیمور کی فوجوں میں تھے ہمیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی تاریخ میں اس جماعت کا ذکر صرف گنتی کے چند مقامات پر آتا ہے اور وہ بھی زیادہ تر دوسروں کے تعلق میں۔ اس میں شک نہیں کہ تیمور کی جنگوں کے دوران میں ایک نئے آئے

رعد کا ذکر آتا ہے۔ یہ نام نظام الدین کے ظفر نامہ میں جو حکم تیمور ۸۰۷ھ میں تصنیف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ملتا ہے۔ اس کے چلانے والے کو 'رعد انداز' بیان کیا گیا ہے۔ شرف الدین کے ظفر نامہ میں "کمان رعد" بھی آیا ہے۔ رعد جیسکے اس کے تسمیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کوئی بلند آواز آلہ یا گولہ ہے۔ اور یقیناً تازہ ایجاد ہے۔ کیونکہ تیمور سے قبل تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں آتا۔ نظام الدین شامی کے ہاں صرف تین چارجک ملتا ہے۔ شرف الدین کے ہاں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ ممکن ہے کہ رعد انشی آلہ ہو مگر ان مورخین نے اس کے متعلق کوئی تصریح یا اشارہ نہیں کیا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ وہ قلعہ شکن آلہ ہے کیونکہ عرادے اور مخنق کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر آتا ہے۔ اہل لغت رعد کا ترجمہ توپ کرتے ہیں۔ لیکن تیموری مورخین کے بیانات سے اس قول کی کوئی تائید یا تردید نہیں ہوتی البتہ مطلع السعدین کے ایک جملہ سے جو سلطان بایزید کے ساتھ جنگ کے موقع پر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کمان رعد کوئی آتشبار آلہ ہے۔ چنانچہ

"وچند زنجیر فیل دمان کہ از غنائیم ہندوستان بر در گاہ بادشاہ جہان ستان بود . . . ہمہ بسلاح ما و جیبا ہا آراستہ، تیر اندازان و آتش بازان بر بالای آن دست بہ تیر ناوک و کمان رعد کشودہ در آثار جلالت کمال شجاعت نمودہ"۔
(ص ۴۴۸ - مخطوط)

اس فقرے میں کمان رعد کا تعلق صریحاً آتشبازان کے ساتھ ہے۔ مگر تیمور کے قدیم اور معتبر مورخ نظام الدین شامی کے ہاں بھی فقرہ در اہل یوں ہے۔
"وچند زنجیر فیل دمان کہ بسر خرطوم دما از بہر بیان بر آوردندی و دندان کینہ بر سینہ دشمن رسانیدندی بسلاح ما و جیبا ہا آراستہ و تیر اندازان و آتشبازان بر بالای آن دست بہ تیر ناوک و لفظ اندازی کشودہ"۔ (ص ۲۵۵ ظفر نامہ)

شرف الدین کے ظفر نامہ سے نظام الدین کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۔

”وچند زنجیر نیل شکوہ مند کوہ مانند کہ از بقیہ غنائم ہندوستان بار دومی ظفر مکان
بودند ہر را بحکم انداختہ و با اسلحہ و اسباب جنگ مکمل ساختہ و بر بالائی ہر یکی کمانداران
حکم انداز و نطفہ اندازان پیش باز جنگ را آمادہ گشتہ“۔ (ظفر نامہ ص ۴۲۶)

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ اصل جملے میں نطفہ اندازان تھا۔ جسے صلح
مطلع السعدین نے کمان رد کے ساتھ بدل دیا اور اس طرح ہم ایک ایسی مثال
سے جو کمان رد کو اتشی آلہ ثابت کرتی تھی محروم ہو گئے۔

یہاں وہ جملے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں نظام الدین شامی نے لفظ
’رد‘ استعمال کیا ہے۔

”تسخیر قلعہ اونیک، امیر صاحبقران فرمود تا منجیقہا ترتیب کنند و رد و
عرادہ و تیرہ رخ آمادہ گردانند۔ چنان کردند“ (ص ۵۵ ظفر نامہ)

”شہر دمشق، امام اولشکریان کہ در قلعہ بودند بحصانت آن منتظرانمودہ
مخالفت می ورزیدند و رد و ناوک و منجیق و عرادہ کاری فرمودند و نیری انداختند“
(ص ۲۳۴ ظفر نامہ ص ۱۹۳۷)

ان فقرات سے تو واضح نہیں ہوتا۔ کہ رد کوئی آتشیں آلہ ہے۔ بد قسمتی
سے اس تفتیش میں شرف الدین بھی ہماری کوئی امداد نہیں کرتا۔ اس نے اپنے
’ظفر نامہ‘ میں جو ۸۷۲ میں شاہ رخ میرزا کے حکم سے تالیف کیا ہے۔ متعدد و مقول
پر رد اور رد اندازوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس کی اطلاع بھی نظام الدین کی طرح مبہم
ہے۔ بلکہ ایک فقرہ سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کمان رد منجیق کی طرح کوئی آلہ ہے
جس سے پھینکنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے مجھے ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہیے
جو تیمور کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے:-

ازمیر سمندر کے کنارے ایک قلعہ تھا جس پر فرنگی قابض تھے جب تیمور فتح روم سے فارغ ہو کر اس طرف پہنچا۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کے جوہر و تعدی کی شکایت اس سے کی۔ امیر نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ قلعہ والوں کی امداد کے لئے ایک بڑا جہاز سمندر میں آیا۔ ازمیر اس وقت تک مفتوح ہو چکا تھا۔ تیمور نے اہل جہاز کی تحوین کے لئے حکم دیا کہ مقتولین کے سر کمانِ رد میں رکھ کر جہاز میں پھینکے جائیں۔ تاکہ اہل جہاز کو ان کا انجام معلوم ہو جائے۔ شرف الدین لکھنآبادی ہے۔

۱۰ اشارت علیہ صدور یافت کہ از سر ہای گبران کہ بر تیغ غر از تن جدا شدہ چندی بکمان رعد سوی کشتی اندازند و رعد اندازان سری چند بجانب ایشان انداختند و بعضی در کشتی افتاد و چون آن کو رد لان بچشم سر سر بچشمان خود شاہدہ کردند و نہایف و غاسر باز گشتند۔ (نشاۃ جلد دوم)

لیکن مجموعۃ الصنائع کے بیان سے جو اس عہد سے بہت بعد کی تصنیف ہے

لے مصنف کا نام میر یحییٰ بنایا جاتا ہے (فہرست انڈیا اس بعض علم فہرست مغربی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں۔ فہرست اسٹورٹ میں زین العابدین مرقوم ہے۔ نثار تصنیف نامعلوم ہے۔ مگر اس کا ترکی ترجمہ ۱۶۵۰ء کا زشتہ فہرست ویانا جلد دوم ۵۲۵) موجود ہے۔ مجموعۃ الصنائع کا ایک نسخہ ۱۰۳۳ء کی کتابت کتاب خانہ بودلی میں محفوظ ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر دسویں ہجری کی تالیف ہو۔ کتاب اگرچہ ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے۔ مگر اس کے مآخذ قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بارود کو داروی کمان لکھا ہے۔ آتشباز جن سے بعض نسخے منقول ہیں زیادہ تر مصری۔ شامی۔ ہندوی اور خوارزمی ہیں۔ علیٰ ہذا آتشبازی کی اصطلاحیں قدیم معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً غوطہ خوارک۔ زرعک۔ موشک۔ زبرک۔ گردانک۔ حرک۔ گردانک۔ رسیانک۔ اور لوکلک اندر قفس وغیرہ ان کے عیار دانگ اور مشقال میں دینا بھی اسی عقیدہ کا ثبوت ہے۔

اور ہندوستان میں لکھی جاتی ہے۔ مفہوم ہوتا ہے کہ کمان ردیقینا کوئی آتشیں آلہ ہے۔ جس میں فقیہ کے ذریعہ آگ دی جاتی ہے۔ اور گولی یا گولے پھینکے جاتے ہیں۔ یہ تو بدوق یا توپ کا حلیہ ہے۔ اس رسالہ کا نام معلوم مصنف روغن اسکندری کے پھینکنے کی ترکیب بتاتے ہوئے جو شدید قسم کا آتشگیر ہے اور جس سے دشمن کے قلعہ اور شہر کو آگ لگائی جاسکتی ہے اور کسی طرح بجائی نہیں جاسکتی تحریر کرتا ہے۔ ”در تعبیه کردن روغن اسکندری کہ آتش در قلعہا و شہرا [انگیزد]۔ بیارند آہن و از غلولہ سازند گرد کہ میان او خالی بود کہ مقدار دوسہ درم از روغن یا بیشتر دران گنجد و سوراخی درین غلولہ باشد بقدر آنکہ روغن مذکور در او پڑ کر درہ فقیئہ نیز دران سوراخ رود و فی غلولہ بنایت استوار باشد چنانکہ آزاد کمان رد نہند و فقیئہ نیز در میان سوراخ غلولہ نہند و سوراخ رد را فقیئہ نہند و رومی بشہر دشمن کنند و آتش در فقیئہ رد زنند۔ مجرور رسیدن غلولہ دران قلاع آتش در اندرون بروغن غلولہ رسیدہ باشد و آن روغنہا بر غلولہ آلودہ شود و شہر دشمنان سوختہ شود (ص ۴۸)“

روغن اسکندری وہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے انگریز یونانی آگ (گریک فائر) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عربوں کے حملہ قسطنطنیہ کے وقت رومیوں نے یونانی آگ کے ذریعہ سے کامیاب مدافعت کی ہے۔ قیصرۂ روم جو نسخہ استعمال کرتے تھے۔ باوجود تلاش کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ وہ گویا ان کا قومی راز تھا۔ ایک مصنف کی رائے میں یونانی آگ کے اجزایہ تھے :- صنوبر کا پسا ہوا گوند۔ گندھک اور لفظ۔ فرائز بکین صرف دو اجزا بتاتا ہے :- شوره اور گندھک۔ ایک اور مصنف کی رائے ہے :- بید کا کوئلہ۔ نمک۔ گندھک۔ رال۔ لوبان کا فور اور حبشہ کی اُون جن کو ملا کر ابالا جاتا ہے۔ رینو اور فادے کی تحقیقات کی رو سے یہ مادہ محرقہ ایک

مرکب تھا۔ گندھک اور گوند اور چربی کی قسم کی جلنے والی اشیا کا پڑ
 صاحب مجموعۃ الصنائع کے نزدیک روغن اسکندری کے اجزایہ ہیں؛۔ نطف
 فارسی۔ سندروس۔ طلق مکلس۔ روغن فی۔ سب کو لے کر ایک دیکھی میں رکھ کر جس کا
 منہ خام کر دیا جاتا ہے۔ دو دن برابر گرم تنور میں رکھا جاتا ہے۔ پھر بھٹی کی آگ میں
 دن بھر پکایا جاتا ہے۔ ہفتہ بھر پڑا رہنے کے بعد دیکھی کا منہ کھول لیتے ہیں اور روغن
 قابل استعمال ہو جاتا ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس روغن کے دو درم ٹشمن
 کا شہر پھونک دینے کے لئے کافی ہیں۔ آگ کو جس قدر بجھانے کی کوشش کی
 جائے گی۔ اتنی ہی بھڑکے گی :

محمود شیرانی

نذیر احمد کے قصے

مولانا نذیر احمد اگرچہ ایک اعلیٰ درجہ کے زبان دان - مترجم، مقدر اور عالم تھے۔ اور ان کی دینی اور مذہبی تصانیف اور قانونی کتابوں کے ترجموں کی ایک دنیا میں دھوم ہے۔ لیکن ہم انہیں سب سے زیادہ قصہ نویس کی حیثیت سے جانتے ہیں یہی وجہ ہے ہم سب سے نمایاں جگہ ان کے ناولوں کے ذکر ہی کو دینا چاہتے ہیں :

۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت کی قدیم تعلیمی پالیسی کے ماتحت ایک مدرسہ دہلی کالج کے نام سے جاری ہوا۔ جس کی تربیت اور تعلیم کے دور رس نتائج کا ایک زبردست منظر یہ بھی تھا۔ کہ اس کے آغوش میں تربیت پا کر نکلنے والے نوجوانوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہیں دنیا نے ادب میں آج شہرت دوام حاصل ہے۔ ”یہ وہ پہلی درگاہ تھی۔ جہاں مشرق و مغرب کا سنگم قائم ہوا۔ ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے میں معلومات کے اضافہ کرنے اور ذوق کی اصلاح میں جادو کا سا کام کیا۔ اور ایک نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی۔ اور ایک نئی جماعت ایسی پیدا کی۔ جس میں سے ایسے نچتے اور روشن خیال اور بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور ہماری سوسائٹی پر ہمیشہ رہے گا۔“

۱۔ مرحوم دہلی کالج از مولانا عبدالحق ص ۱۶۹ عہد اس مضمون میں جناب علی عباس حمینی کے الی مضامین سے بھی فائدہ

اٹایا گیا ہے جو انہوں نے سال ۱۹۲۳ء (جنوری - فروری اور اپریل) میں تحریر فرمائے ۔

انہی روشن خیال اور بالغ نظر بزرگوں میں ایک مولانا نذیر احمد بھی تھے جنہوں نے اگرچہ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی سے حاصل کی تھی اور اسکے بعد بعض دیگر اساتذہ مثلاً مولوی نصر اللہ خان اور مولوی عبدالحق صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ دہلی کالج کی تعلیم نے انہیں بالکل ایک نئی دنیا سے روشناس کیا۔ اور وہیں انہوں نے مغرب کے نئے نئے علوم و فنون کی سپرٹ اور روح سے یک گونہ واقفیت حاصل کی *

نذیر احمد خود کہتے ہیں۔ کہ اگر میں نے کالج میں نہ پڑھا ہوتا۔ تو میں بتاؤں میں کیا ہوتا؟ مولوی ہوتا تنگ خیال، متعصب، اہل کھرا، اپنے نفس کے احتساب سے فارغ، دوسروں کے عیوب کا تجسس، برخود غلط... مسلمانوں کا نادان دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا۔ یہ اسی کالج کی تعلیم تھی جس نے معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی، ٹائٹلشن (درگزر)، گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی، اجنبی اعلیٰ بصیرت۔ جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں۔ نذیر احمد کے دل و دماغ میں بھردی۔ وہ ۱۸۴۵ء میں کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۵۲ء میں فارغ التحصیل ہو کر کل آئے *

یہاں یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ مولانا کو اپنے زمانہ تعلیم میں ریاضی اور تاریخ سے مطلق دلچسپی نہ تھی جس کا سبب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قدرت نے انہیں ادب اور دنیات کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی ہما دینی نصابی کے ذریعے یہ گرانقدر فرض با حسن وجہ انجام بھی دیا !

اس زمانے میں اگرچہ نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن اس صدی کے عام خیال کے ماتحت انہیں والد کی طرف سے انگریزی پڑھنے کی اجازت

نہیں ملی۔ اور یہ کمی انہوں نے بہت بعد میں اپنے زمانہ ملازمت میں پوری کی۔ تاریخ اور ریاضی کے متعلق انہیں جو رنگائی تھی۔ اس کا سبب، بقول ان کے یہ بھی تھا کہ۔ انسان کی طبیعت واقع ہوئی ہے کنکسر و ٹیو اور میری طبیعت میں اس کا عنصر زیادہ ہے۔ سائنس نے جو میرے مذہبی خیالات پر حملہ کرنا شروع کیا۔ سائنس میں تو غل کرنے کو طبیعت نے گوارا نہ کیا۔

یہ سچ ہے کہ نذیر احمد کی تعلیم پر انے سرو وجہ نصاب میں ہوئی۔ اور انہوں نے انگریزی وغیرہ کی طرف شروع میں توجہ نہ کی۔ تاہم جدید خیالات اور تصورات کے خلاف انہیں وہ تعصب نہ رہا۔ قدیم طرز میں انہوں نے اعتدال پیدا کر لیا اور جدید طرز کے متعلق اپنے دل اور ضمیر کو دشمنی سے پاک رکھا۔ یہی وہ امتزاج لو تو سٹ ہے جو ہمیں نذیر احمد کے مذہبی اور سیاسی رجحانات میں ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے ابھی انگریزی تہذیب اور تعلیم یا جدید ذہنی انقلاب کی ابتدا تھی۔ تاہم دلوں میں قدیم خیالات کے خلاف ایک غیر اختیاری تحریک کا آغاز خود بخود ہو چکا تھا یہ سرسید احمد خان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس تحریک میں اپنی دلیوری و جرات اور جوش عمل کے ساتھ ایک زندگی پیدا کر دی۔ غرض جو خیالات پوشیدہ طور پر یا پرائیویٹ حیثیت سے لوگوں میں پھیل چکے تھے۔ سرسید کی ہنگامہ خیز شخصیت نے انہیں منظم کر دیا اور ان کے اعلان اور افشاں میں بھجک نہ رہی :

نذیر احمد خان، اپنے زمانہ ملازمت میں سرسید سے متعارف ہوئے اور یہ دوستی کا سلسلہ مرتے دم تک قائم رہا۔ حیدرآباد سے پنشن لے لینے کے بعد حیدرآباد کی تعلیمی تحریک میں نذیر احمد ایک مخلص اور پُر جوش سپاہی کی طرح کام کرتے رہے وہ خود ایک جگہ کہتے ہیں۔ "میں نے آج تک ان کی سرسید کی دعوت کو رد نہیں کیا۔"

اور کروں گا بھی نہیں انشاء اللہ۔ بلکہ یہاں تک کما کما اگر مجھ کو پیر کی تلاش بھی ہوتی تو میں ضرور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نذیر احمد پر سرسید کا اگر کچھ اثر پڑتا تو وہ براہ راست نہ تھا۔ بلکہ بالواسطہ تھا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت سی تحریک محکمہ تعلیم کی ملازمت کی وجہ سے ہوئی اور مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا میلان دہلی کالج کے ماحول اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ مذہبی خیالات میں نذیر احمد اگرچہ پانے علما کی نظر میں بہت آزاد سمجھے جاتے تھے۔ لیکن سرسید کے نظریات کے متعلق نذیر احمد کو بہت کچھ اختلاف تھا۔ نذیر احمد کے خیال میں سرسید قومی خیر خواہی کے نشے میں سرشار تھے۔ لیکن "افراط ہر ایک چیز میں مذموم ہے۔ پس میرے (نذیر احمد خان کے) نزدیک سرسید احمد خان میں غیب ہے تو یہ ہے؛

مولانا نذیر احمد کی ملازمت کے حالات اور دیگر سوانح کے لئے یہ جگہ موزوں نہیں۔ مختصراً یہ کہ انہیں سب سے پہلے گجرات (پنجاب) میں معمولی سی ملازمت ملی۔ پھر اپنے صوبہ میں کانپور میں ایک اسامی مل گئی۔ یہ ملازمت محکمہ تعلیم کی تھی۔ پھر الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹری پر تقرر ہوا۔ اس اثنا میں مولانا نے بعض قانون کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ جن کا ذکر اپنے مناسب مقام پر کئے گئے۔ اس خدمت کے صلے میں انہیں تحصیلداری کا عہدہ ملا۔ یہاں سے ترقی کر کے کلکٹری پر مامور ہوئے۔ اس حیثیت میں وہ پہلے ضلع جالون، پھر گورکھ پور، اور بالآخر اعظم گڑھ میں رہے۔

حیدر آباد، دہلی اور لکھنؤ کے بعد مسلمانان ہند کا سب سے بڑا سیاسی اور تہذیبی مرکز تھا۔ جب دہلی اور لکھنؤ کی شان و شوکت میں زوال آگیا اور ان

دور احمد حانیوں میں جب اہل علم و فضل کی کشش کا سامان باقی نہ رہا۔ تو یہی مرکزیت اور تسخیر حیدر آباد کو نصیب ہوئی۔ جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں ہم قدم قدم پر دیکھتے ہیں۔ کہ جنوبی ہندوستان کے اس دارالخلافہ میں ملک کی نامور ترین ہستیوں نے مسلک خدمت میں منسلک ہو کر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ سرسید محسن الملک، وقار الملک، شبلی اور دیگر کئی اکابر کا حال قبل ازین لکھا جا چکا ہے۔ اسی صفت میں مولانا نذیر احمد کا شمار بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۷۷ء میں پہلے اپنی سابقہ ملازمت سے رخصت کر عارضی طور پر حیدر آباد میں کام شروع کیا اور بعد میں مستقلاً وہاں ہی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مستعفی ہو کر نیشن یاب ہوئے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ مدت ملازمت میں ہم انہیں مختلف زمانوں میں دہلی، الہ آباد اور حیدر آباد میں تعینات و تالیف میں مصروف پاتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے بہت سے کام محکمہ تعلیم اور محکمہ مال کے ملازم اور عہدہ دار کی حیثیت سے انجام دیئے۔ چنانچہ ان کے بعض تھے اور قانونی کتابوں کے ترجمے بہت تک اسی محکمہ تعلق کا نتیجہ ہیں۔

مولانا نذیر احمد اگرچہ زیادہ تر اپنے قصوں اور ترجمہ القرآن کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ صرف انہی کمالات سے بہرہ ور نہ تھے۔ بلکہ وہ ایک بے نظیر مصنف ہونے کے علاوہ ایک زبردست مقرر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ایام میں قانونی کتابوں کے جو بے نظیر اور فاضلانہ ترجمے کئے، ان کا جواب آج تک کسی سے نہیں بن پڑا۔ اس پر سزا دیہ کہ وہ شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کے کلام میں شاعری کا عنصر کم تھا۔ تاہم باقی فضائل کے ساتھ ساتھ اس وصف کا ہونا ہی سلامت طبع کی دلیل ہے۔ انہیں جس قدر تاریخ اور ریاضی سے بُعد تھا

اتنا ہی ادب اور زباندانی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ابتدائی ایام میں انگریزی سیکھی اور کچھ مشق کے بعد اس میں اچھا خاصہ کمال حاصل کر لیا۔ اسی طرح انہیں تلنگی اور سنسکرت سے بھی واقفیت تھی۔ جس سے ان کے زبان دان اور فاضل ہونے کا ثبوت ملتا ہے :

مولانا کی تصنیف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب وہ ضلع جالون میں تھے اس کے بعد انہوں نے آخر عمر تک مسلسل کتابیں لکھیں۔ جو کم و بیش ان چار مضامین سے متعلق ہیں :-

(۱) بچوں کے لئے ورسی کتابیں :

(۲) مذہب اور دینیات :

(۳) قانونی کتابیں جو تہا متتر ترجمہ ہیں :

(۴) ناول یا قصے :

اس موقع پر ہم صرف ان کے ناولوں یا قصوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر زیادہ تر ان کی شہرت کا دارومدار ہے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) مرآة العروس (۱۸۶۹ء) (۲) بنات النعش (۱۸۶۲ء)

(۳) توتبة النصور (۱۸۸۵ء) (۴) ابن الوقت (۱۸۸۸ء)

(۵) محسنات (۱۸۸۵ء) (۶) ایامی -

(۷) رویئے صادقة :

مرآة العروس :- مولانا عبدالحق ایک جگہ لکھتے ہیں ”مرحوم اگر مرآة العروس کے سوا کوئی کتاب نہ لکھتے۔ تو بھی وہ اردو کے باکمال انشا پرداز مانے جاتے۔“

۱۔ نمبر ۳۲ کا حال مناسب مقام پر درج ہوگا۔ وہ کتابیں جو ان عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔ یہاں سے ہلکتی

مدح کی جاتی ہیں : ۱۔ حیاۃ النذیر۔ دیباچہ۔ ص ۲ :

اور ہمیں اس قول کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ مولانا نے یہ کتاب اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ اور یہ کتاب بے جا نہ ہوگا۔ کہ محکمہ تعلیم کی ملازمت نے انہیں بچوں کی ضروریات سے بخوبی باخبر کر دیا تھا۔ جب ان کے بچے پڑھنے پڑھانے کے قابل ہوئے۔ تو انہیں محسوس ہوا۔ کہ لڑکیوں کی مناسب تعلیم کے لئے کوئی کتاب موجود نہیں۔ چنانچہ انہوں نے *مرآۃ العروس* کی تصنیف شروع کی جس کا سلسلہ مسلسل اور بیک دفعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ کتاب سبقتاً تصنیف کی جاتی تھی۔ اور پڑھا دی جاتی تھی ؟

یہ کتاب انہوں نے بڑی لڑکی کے لئے لکھی تھی۔ جب اس کی شادی ہوئی۔ تو یہی کتاب اس کے ہمیز میں دے دی۔ مولانا کی یہ پہلی تصنیف ہے جسے حکومت اور ملک کی طرف سے قبول عطا ہوا ؟

مرآۃ العروس کا دوسرا نام "اصغری اکبری" بھی ہے۔ دراصل یہ دو بہنوں کا قصہ ہے۔ اکبری بڑی بہن، اصغری چھوٹی بہن، وہ ایک ہی گھر میں محمد عاقل اور محمد کامل دو بھائیوں سے بیاہی گئیں۔ اکبری کی حدود رجبہ تنک مزاج، بد طبیعت اور تکبر، شادی کے بہت جلد بعد اپنے شوہر کو مال سے الگ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔

اور بالآخر نہایت خوفناک انجام ہوتا ہے۔ لیکن چھوٹی بہن اصغری، اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اپنی خوش اخلاقی سے تمام گھروالوں کو اپنا بنا لیتی ہے۔ اسکا اصول اولین خدمت، ایثار اور قربانی ہے اور اسی جادو سے وہ سب کو رام کرتی ہے۔ وہ جو کم کرتی ہے۔ اس میں شوہر کی خیر خواہی اور بہتری کا خیال مد نظر رہتا ہے وہ اپنی راحت، اپنی خوشی، اپنا آرام سب اپنے غاوند پر قربان کر دیتی ہے۔

اکبری کیوں ایسی بد مزاج ہوئی ؟ اس کا جواب صرف یہی دیا گیا ہے۔ کہ "جو لڑکیاں چھپن میں لاڈ پیاریں رکھتی ہیں اور ہنر اور سلینے نہیں سیکھتیں۔ یونہی اکبری کی طرح

ریخ و تکلیف اٹھانی ہیں۔ اکبری کو مال اور نانی کے لاڈ پیار نے کسی مصیبت میں رکھا
 لڑکیں میں نہ تو کوئی ہنر سیکھا اور نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی۔ ۱

غرض اکبری بچپن کے لاڈ پیار اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے اپنے لئے اور اپنے
 متعلقین کے لئے ایک وبال ثابت ہوئی۔ لیکن اصغری کی تربیت عمدہ ہوئی۔ اگرچہ
 یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اصغری کو وہ کونسا ماحول ملا جس میں اس نے اکبری سے بہتر
 قسم کی تربیت حاصل کی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اصغری نے بچپن کے حسن تربیت
 اور تعلیم کے طفیل وہ ہنر اور کمال حاصل کئے کہ آج تک اصغری کا کیرئیر نصف سول
 کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے۔ ۲

”یہ لڑکی گھریں ایسی تھی۔ جیسے باغ میں پھول، یا آدمی کے جسم میں
 آنکھ، ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طرح کا سلیقہ اس کو حاصل تھا،
 عقل، ہنر، جیا، لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی
 تھیں۔ لڑکیں میں اس کو کھیل کود، ہنسی اور چھیڑے سے نفرت تھی۔
 پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔“

مولانا نے اصغری کے رنگ میں تمام طبقہ نسواں کے سامنے ایک تعلیمی
 پروگرام رکھا ہے۔ اور تدبیر منزل کے جملہ اصول اس کی زبان سے بیان کر دیئے ہیں
 مرد اور عورت، حنا وندا اور بیوی کے باہمی فطری تعلقات اور قدرتی وظائف
 کے متعلق نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دلائل دیئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ
 کس طرح ایک تعلیمیانہ اور دیندار بیوی اپنے شوہر کے سودہ و سود کا خیال رکھ سکتی ہے
 مولانا حالی لکھتے ہیں۔ ”جب مرآۃ العروس پہلی دفعہ چھپ کر شائع ہوئی۔ تو جو نقشہ
 اس میں عورتوں کی اخلاقی حالت کا کھینچا گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر سرسید کو بہت رنج ہوا
 تھا۔ اور وہ اس کو مسلمان شرفا کی زنانہ سوسائٹی کے حق میں ایک اتہام خیال کرتے تھے“

واقعیہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں جہاں ایک طرف عورتوں کی تعلیم اور دینداری پر زور دیا گیا ہے۔ وہاں اس زمانے کی عورتوں کی جہالت کا خوفناک نقشہ بھی کھینچا ہے۔ جو غالباً اصلاحی آواز کو مؤثر بنانے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے خالی نہیں۔ سچ تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں مسلمان عورتوں میں اتنی جہالت نہ تھی جتنی کہ اس میں ظاہر کی گئی ہے۔

کیہر کیٹر | مولانا نے اصغری کو تمام اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور اچھی صفات کا پیکر بنایا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ کہیں اسے "عورت" نہیں بنایا۔ وہ تین، خاموش، معاملہ فہم، سلیم المزاج، ایثار پیشہ لڑکی ہے۔ جسے بچپن میں سوائے پڑھنے اور گھر کے کام کے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں۔ اور شادی ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کی محنت، غمگساری اور خیر اندیشی سے فرصت نہیں۔ وہ ہر دور اور ہر زمانہ میں معقول اور تین نظر آتی ہے۔ بچپن میں جب ہنسنا کھیلنا چاہیے تھا۔ اسے کھیل کود سے نفرت ہے جو ان ہو کر جب اس کے سینے میں جذبات شباب کا لکھ طوفان موحرن ہوتا۔ وہ مضبوط اور پابندی کی ایک دیوار نظر آتی ہے۔ جس تک محبت و عشق کی کبھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے سینے میں دل نہیں ہتھر ہے، وہ اس عام فطری جذبہ سے متاثر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا اظہار کسی طریق پر نہیں ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا نے جس سوسائٹی کی عورت کی تصویر کھینچی ہے، اس میں عورت کی طرف سے ان جذبات کے اظہار کو معیوب خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت نگاری کا فرض اس امر کا تقاضی ہے۔ کہ قصہ نویس عورت کے اس قدرتی امتیاز کا اظہار ضرور کرتا خواہ وہ کتنا ہی سہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت خواہ وہ دنیا کی کسی سوسائٹی کی معاشرت سے تعلق رکھتی ہو اپنے سینے میں دل رکھتی ہے اور دل میں محبت کا احساس ایہ ہو سکتا ہے کہ اسے اظہار کی اجازت

نہ ہو۔ لیکن یہ احساس موجود ضرور ہوتا ہے۔ پس جو چیز موجود ہے اور خصوصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا ذکر نہ کرنا حقیقت نگاری کے خلاف ہے ۴

اصغری کے کیرکٹر میں ایک خاص بات یہ ہے۔ کہ وہ بدوشور سے لے کر آخر تک معقول اور نچوڑے کار نظر کرتی ہے۔ اور انسانی تجربہ کی تبدیلیاں جو حیات بشری کا لازمہ ہیں۔ مطلق محسوس نہیں ہوتیں۔ بظاہر عمر کے ساتھ ساتھ اس کے اطوار و حرکات میں ایک خفیت سا تغیر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی اور نفسی لحاظ سے وہ جس طرح بچپن میں تھی۔ اسی طرح نیرہ برس کی عمر میں بھی تھی۔ یہی حال ادھیڑ عمر بلکہ پیری تک رہا۔ ہمارے خیال میں اسے مولانا کی نقشہ نویسی کی خامیوں میں سے سمجھا جائے ۴

اصغری کی یہ خشک معقولیت تین چار موقعوں پر بہت زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ نیرہ برس کی عمر میں جب اس کی شادی ہوئے لگتی ہے۔ تو وہ تقاضا کرتی ہے۔ کہ مجھے میری ہمیشہ سے زیادہ ہمیز نہ دیا جائے۔ پھر جب شوہر کو سیالکوٹ بلسلہ ملازمت روانہ کرتی ہے۔ تو اس وقت بھی اس کا طرز عمل ایک عورت اور بیوی جیسا نہیں۔ بلکہ ایک کوہ وقار معلم اور اتالیق کا ہے۔ حالانکہ جدائی کا درد بہت کم لوگوں کے لئے قابل برداشت ہوتا ہے۔ بچوں کا انتقال ہوتا ہے۔ تو وہ اسلامی احکام سے اتنی متاثر ہے۔ کہ صبر شکر کی انتہائی مثال قائم کر دیتی ہے، یہاں بھی وہی عقل اور ضبط اس کی سیرت کے مخصوص عناصر معلوم ہوتے ہیں ۴

اصغری کی سیرت میں غیرت، خودداری، سلیقہ مندی اور ہشیاری کو بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ شادی کے فوراً بعد گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ اور سٹوڈی ہی مدت میں اس گھر نے کو ایک قابل رشک گھر بنا دیتی ہے، حقیقت یہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں اصغری ہی مصنف کا سب سے بڑا مقصود ہے۔ اور اصغری کے ہمہ صفت موصوف پیکر میں اس نے وہ تمام باتیں

پیدا کر دی ہیں۔ جو اعلیٰ حنفی اندولوں کی شائستہ لڑکیوں میں ہونی چاہئیں۔ علی الخصوص تعلیم کا وہ طریقہ جو نذیر احمد عورتوں میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس دور کے نقطہ نگاہ کے مطابق بہترین طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ عیج یہ ہے۔ کہ آج بھی اُسے عمدہ ترین طریقہ کہا جاسکتا ہے ۛ

نذیر احمد نے اصغر علی کی شکل میں نسوانی دنیا کے لئے ایک مثال ایک نمونہ ایک نصب العین قائم کر دیا ہے جس کی بلندی تک پہنچنے کے لئے اس صدی میں بے شمار خواتین نے کوششیں کی ہوں گی ۛ

لوگ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ نذیر احمد نے مرآۃ العروس لکھ کر زنانہ سوسائٹی پر ایک اہتمام باندھا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ زنانہ سوسائٹی کی نسبت مرآۃ العروس کے دو کہیں زیادہ نکمے، بے عقل اور بے ضمیر معلوم ہوتے ہیں۔ عاقل شریف ہیں۔ مگر بے وقوف اور کامل شاید کچھ ہشیار تو ہیں۔ لیکن بے ضمیر، بیوی کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہی اس باکمال بیوی کو بھلا دیتے ہیں۔ . . . لیکن اگر غلط نہ ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اصغر علی جیسی خالی از جذبات لڑکی شوہر کے لشکر اور عزت کو تو حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن محبت اور عشق نہیں پیدا کر سکتی۔ میاں کامل اسی عشق اور محبت کی تلاش میں کہیں ادھر ادھر بھٹک گئے ہوں۔ تو جابائے تعجب نہیں ۛ

جہاں تک مکالمہ نگاری کا تعلق ہے۔ نذیر احمد کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ علی الخصوص زنانہ گفتگو کا پہلو بہت شاندار ہے ۛ

مرآۃ العروس اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہوئی۔ بہت پسند کی گئی، بہت بکئی۔ اس لئے کہ اس کی اندرونی خوبیاں کشش کا باعث تھیں۔ ہندو مسلمان گھرانوں میں اس کا وہ چرچا رہا۔ کہ نذیر احمد خود ”اصغر علی اکبری“ والے مشہور ہو گئے۔ تنقید پوچھتی ہے؟ کیا مرآۃ العروس واقعی اس تحسین کے قابل تھی؟ جواب یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں

اس کتاب کا وجود غنیمت تھا۔ تعلیم نسواں کا چرچا عام ہو چلا تھا۔ لیکن پڑھنے کے لئے کتابیں میسر نہ تھیں۔ مرآۃ العروس جب شائع ہوئی۔ تو لوگوں کو ایک مفید اور بے ضرر کتاب مل گئی +

بطور قصہ کے اس میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں۔ اول یہ کہ اس کا پلاٹ غرات سے خالی ہے۔ ایک لڑکی تعلیم حاصل کر لیتی ہے۔ اور قدرت کی طرف سے اسے ایک متوازن دل و دماغ مل جاتا ہے۔ وہ شوہر اور خاندان کے لئے باعث برکت ثابت ہوتی ہے۔ عشق جو اکثر قصوں کی دلکشی کا موجب ہوتا ہے۔ بالکل خارج بحث ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ کہانی میں منہتا یعنی (Glitz) بہت جلد آ جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو سارا قصہ شروع ہی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ اکبری لڑکیا سے پئی۔ اس کا انجام خراب ہوا۔ اصغری کی تربیت ہوئی۔ زندگی کی بامراد یوں تک پہنچی۔ بس۔

گمان غالب ہے۔ کہ موجودہ قصہ پسندوں کے لئے شروع سے آخر تک اس کہانی میں دلچسپی کو قائم کرنا نہایت مشکل ہو گا +

بنات النعش :- یہ دراصل مرآۃ العروس کا حصہ دوم ہے۔ اس میں وہی اصغری بیگم، طبقہ نسواں کی تعلیم و اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیتی ہیں۔ یہ اصغری بیگم شوقیہ لڑکیوں کا ایک کتب کھولتی ہیں۔ اس میں علاوہ دیگر طالبات کے ایک حسن آرا بیگم بھی ہیں۔ جو اکبری سے کہیں زیادہ بد مزاج اور نامعاہلہ فہم ہیں۔ لیکن اصغری کی تربیت کے حسن عمل سے وہی حسن آرا سدھر جاتی ہیں اور ایک شائستہ مہذب خاتون بن جاتی ہیں نذیر احمد نے اس قصہ کے ضمن میں معلومات عامہ کا ایک دریا بہا دیا ہے۔

زمین کی کشش، وزن مخصوص، متناطیس، زمین کی جسامت، ضروریات تمدن، لوازم شہریت و معاشرت، غرض سینکڑوں علمی باتیں اس پیرائے میں بیان کی ہیں

کہ کتاب قصے سے کہیں زیادہ ایک علمی کتاب معلوم ہوتی ہے ۔
 تربیت نسواں کے سلسلے میں اس کا خیر مقدم اگرچہ مرآت سے کم ہوا۔ لیکن اس
 مضمون پر جتنی کتابیں بھی لکھی جاتیں۔ ان کی ضرورت تھی ۔
 بلحاظ قصہ نبات انش بہت سادہ اور پیکپی ہے اور اس کا مغز قتی رنگ سطر
 سطریں اس درجہ نمایاں ہے۔ کہ اس کا تاویر پڑھتے رہنا قریباً ناممکن ہے۔ استانی جی
 کی زبان سے نذیر احمد یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ اس کتاب میں تم مکتب کی سب لڑکیوں
 کی ہو بہو تصویریں پاؤ گی ” اور ” تصویر مراد یہ ہے۔ کہ تمہارے مزاج، تمہاری عادت،
 تمہاری خوبو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے۔
 کتاب سے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا کہ تمہارا تذکرہ ہے۔ ” لیکن افسوس ہے کہ
 نذیر احمد کی یہ تصویریں ایک ماتم خانہ کی تصویریں معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی نقش دیوا
 بہر حال یہ تذکرہ آئندہ چل کر پھر آئے گا ۔

توبۃ النصوح :- کہا جاتا ہے۔ کہ توبۃ النصوح مولانا نذیر احمد کی بہترین
 تصنیف ہے۔ یہ اس زمانے میں لکھی گئی۔ جب مولانا اعظم لکھنؤ میں تھے۔ اگرچہ انہم
 کے نزدیک ابن الوقت کو توبۃ النصوح پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں ^{مصلحت}
 کے پر شور زمانے کی سوسائٹی کے بدلتے ہوئے ذہنی اور معاشرتی رجحان کی تصویر
 ہے۔ تاہم ناقدین کے نزدیک توبۃ النصوح میں بلحاظ قصہ کے بعض ایسی خوبیاں
 ہیں جو ان کی کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں ۔

یہ ایک خاندان کی اخلاقی پستی اور ایک خاص حادثہ کی وجہ سے اس کی اصلاح
 کی تحریک کی کہانی ہے۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہے۔ اس میں دو میاں بی بی ہیں۔
 تین بیٹے اور تین بیٹیاں، بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ بچتہ عمر کے ہیں باقی ابھی
 نو عمر ہیں۔ رئیس خاندان ایک دفعہ مرض ہیضہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ معالج خواب کو ردوا

دیتا ہے۔ وہ سو جاتا ہے۔ اس اثنائیں وہ ایک خواب دیکھتا تھا۔ جو دراصل اس سارے قصے کا مقصود ہے۔ اس میں دوسری دنیا یعنی حشر اعمال نامہ، اور حساب قبر کی تکلیف اس کو دکھائی جاتی ہے۔ وہ اپنے مذہب کے جس کے متعلق اس کے اعتقاد میں ایک تزلزل سا پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے عقیدے کو پھر سے استوار کر لیتا ہے خواب سے جب بیدار ہوتا ہے۔ تو گویا نئی زندگی پاتا ہے۔ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور سارے خاندان کی مذہبی اصلاح کا بیڑا اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس مشن کی تکمیل میں اسے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور تعجب یہ کہ خاندان کے پختہ عمر افراد اس کے راستے میں سب سے زیادہ رکاوٹیں ڈالتے ہیں لیکن بالآخر اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے،

یہ کہنا غالباً مبالغہ میں شامل نہ ہو گا۔ کہ توبہ النصوح میں نذیر احمد نے انسانی فطرت اور نفسیات بشری سے واقفیت کا ایک غیر فانی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ نذیر احمد کو خود تو شاید نصوح کے کیرکریٹے دلچسپی ہوگی۔ لیکن یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ ان کے قلم سے دانستہ یا نادانستہ ایک دوسری ہیئت کی ایسی مکمل تصویری ہوئی ہے کہ ہم اسے نصوح سے بلند درجے پر رکھیں گے بلکہ بعض اعتبارات سے اس سے بہت بلند! یہ ہمارے زملا ابالی مگر ہاندان کلیم ہیں۔ جن کی سیرت کو سیاہ کرنے کے لئے مولانا نے بہت زور مارا ہے،

ذرا کلیم کی لائبریری کو دیکھیے۔ جس میں آرٹ اور ادب کے کیسے کیسے جواہر نظر آتے ہیں۔ اگرچہ میاں نصوح (یا نذیر احمد) کو ان جواہر پاروں سے محبت نہیں۔ لیکن کلیم ایک ادب پرست اور فن شناس ہے۔ اسے انہی چیزوں سے دلچسپی ہے اسے اپنی رائے پر جو اعتماد ہے۔ وہی اسے باپ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ لیکن رائے پختہ ضرور ہے۔ کلیم کی طرز و روش کے آدمی جنہیں دنیا میں علم، ادب اور آرٹ

انس ہوتا ہے۔ اکثر بے فکرے، آزاد مشرب اور بے پرواہ ہوتے ہیں بظاہر اریک بھی عجیب بزرگ ہیں۔ جن کا تفنن، وضع داری اور مہذب ریاکاری سب کے سب ان کی سیرت کی وہ صفات ہیں۔ جو ایسے آدمی میں ہوا کرتی ہیں +

کلیتم ان بدلے ہوئے حالات میں کیا محسوس کرتا ہے؟ وہ اپنے والد میاں نصوح کی گزشتہ زندگی اور موجودہ انقلاب پر تحیر ہو کر نظر ڈالتا ہے۔ اس کا دماغ عجیب و غریب خیالات کا مرکز اور گونا گوں شکوک و اوہام کا آماج گاہ بن جاتا ہے دل کے یقین کے بغیر وہ اپنے باپ کے مکاشفہ اور اصلاح سے کیسے متاثر ہو جائے ان سب نفسیاتی اور ذہنی کیفیات کو نذیر احمد نے کتنی خوبی کے ساتھ ہو ہو کاغذ پر رکھ دیا ہے +

توبۃ النصوح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس میں منہمایا *Glimax* کے لئے پڑھنے والا آخر وقت تک منتظر رہتا ہے۔ اُسے کلیتم کے انجام کے متعلق تشویش رہتی ہے اور یہ وہ خوبی ہے۔ جس سے توبۃ النصوح کو کسی حد تک خشک مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود بہت پسند کیا جاتا ہے +

اس کی زبان مرآۃ اور نبات کی نسبت مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس میں محاورات کی بھرمار ہے۔ اور یہ غالباً اس لئے ہے۔ کہ مصنف نے اسے خاص طور پر عورتوں کے لئے نہیں لکھا +

ابن الوقت :- یہ وہ کتاب ہے۔ جو راقم کے خیال میں نذیر احمد کی عمو ترین کتاب ہے۔ اگرچہ اس کا مضمون ایسا نہ تھا۔ کہ اس پر مصنف کی شہرت کا دار و مدار ہوتا۔ اور اس لحاظ سے صرف مرآۃ العروس ہی وہ خوش قسمت کتاب ہے جس نے دنیاۓ ادب میں وہ نام پایا۔ کہ اپنے مصنف کو شہرت کے دربار میں ایک بلند کرسی پر رونق دی +

اس کی غرض بظاہر یہ ہے۔ کہ قوم اور ملک کو انگریزی وضع اور معاشرت اختیار کرنے سے روکا جائے۔ اور انہیں ان نقصانات عظیم سے متنبہ کیا جائے جو اس تبدیل معاشرت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ابن الوقت اس ہمدند اہل (Period of Transition) کے افکار۔ شکوک اور رجحانات کا ایک شفاف آئینہ ہے جس میں ان خیالات اور ذہنی کش مکشوں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو مشرقی اور مغربی تہذیب و تمدن کے باہمی تصادم اور آپریش سے ملک کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے کے دنوں میں برپا ہو رہی تھیں۔ نیز یہ ان تعلقات اور روابط پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جو راعی اور رعایا کے درمیان موجود تھے۔ اس ملک میں ایک حاکم ہونے کے سبب انگریزوں کے جو مخصوص خیالات تھے۔ اور ہندوستانیوں کے مختلف طبقات کے ساتھ ان کا جو سلوک تھا۔ اس کو خوبی کے ساتھ اس کتاب میں قلمبند کیا گیا ہے۔ کہ ہمارے حقیقت نگار قصہ نویس کی کتاب کمپنی بہادر کے دور کی کوئی تاریخی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال ابن الوقت ایک شریف زادے کی سرگزشت ہے۔ جو اول اول پرلے نظام معاشرت سے منقطع ہو کر نئے انگریزی ماحول میں آتا ہے۔ نذیر احمد کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے یہ ہے۔ کہ ابن الوقت کا انجام خراب دکھایا جائے۔ لیکن ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ مصنف نے ابن الوقت کے لباس میں انگریزی عملداری کے اولین دور کے مسلمانوں کی کیفیت کس انداز سے لکھی ہے اور ان کے ان مخصوص رجحانات سیاسی و ذہنی منہ کی مرقع مکمل رنگ میں پیش کر دیا ہے +

ابن الوقت ایک حقیقت، ایک تاریخی واقعہ کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے سچاؤ

۱۰ مثال کے طور پر - *Good old* اور *Notes on Indian affairs*

ماظہر ہوں - *days of John Company by Sir John Shore*

صحیح ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بے نظیر کتاب کی بلندی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اس میں مختلف سیرتوں کا ارتقا کمال خوبی دکھایا گیا ہے۔ اشخاص قصہ یہ ہیں :- ابن الوقت ، اس کی بھوپھی ، نوبل صاحب ، ابن الوقت کا ملازم ، شارب صاحب اور حجت الاسلام۔ قصہ یہ ہے۔ کہ ہیر و ابن الوقت ایک ذی ثروت گھرانے کا چشم و چراغ اور نواب معشوق محل کے ملازمان خاص میں سے تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں اس نے ایک انگریز نوبل صاحب کی جان بچائی۔ اس کے صلے میں جاگیر ملی۔ اور نوبل صاحب کے ماتحت کوئی خدمت بھی تفویض ہوئی۔ نوبل صاحب کی رفاقت اور ترغیب اور محبت کا اثر یہ ہوا۔ کہ انگریزوں کی وضع کی تقلید شروع کر دی اور اپنی قدیم وضع سے نفرت کا اظہار۔ لوگوں میں اس کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جب قضا سے نوبل صاحب ہندوستان سے چلے گئے تو ابن الوقت صاحب کو شارب صاحب سے پالا پڑا۔ جنہیں یہ حرکت سخت ناپسند تھی۔ کہ ہندوستانی انگریزی وضع اختیار کریں۔ وہ بچارے ابن الوقت سے بہت برہم ہو گئے اور کام بھی واپس لے لیا۔ ابن الوقت اس مصیبت میں تھا۔ کہ ایک پرانی وضع کے بزرگ حجت الاسلام جو ملازم سرکار ہونے کے باوجود اپنی روش ویرینہ پر قائم تھے۔ شارب صاحب سے ملے اور ابن الوقت سے صفائی کرا دی +

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ نذیر احمد نے ابن الوقت کے لباس میں سرسید کی تصویر کھینچی ہے۔ لیکن خود مصنف نے ایک مقام پر اس قصہ کو اپنی ہی سرگزشت قرار دیا ہے۔ راقم کے خیال میں یہ نہ نذیر احمد کی آپ بیتی ہے اور نہ سرسید مغل کی لائف۔ بلکہ ۱۹ ویں صدی کے آخری نصف کے مسلمان نوجوان کی ذہنی اور معاشرتی کیفیت ہے جس کی وضع اور عقاید کے متعلق پرانا طبقہ بہت کچھ شکوک کا اظہار کرتا تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ کتاب کے اکثر حصے سرسید احمد خان کے

حالات سے مطابقت رکھتے ہیں :

توبۃ النصوح کی طرح ابن الوقت کے افراد کے کردار بھی حقیقی، مکمل اور جامع بنائے گئے ہیں۔ قصے کا ہیرو ابن الوقت ابتداءً سے شروع اور آثار قدیمہ کا شائق ہے۔ اُسے تحقیق اور جستجوئے کوائف کا خاص شوق ہے۔ اقوام عالم کے رسوم و خیالات کو معلوم کرنے میں اسے خاص لذت ملتی ہے۔ تصنیف و تالیف کی دنیا سے واقفیت رکھنا اس کے لئے بے حد ضروری ہے۔ جب کوئی نئی کتاب جماعت میں شروع ہوتی۔ اس کا پہلا سوال یہ تھا۔ کہ اس کا مصنف کون تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ کس سے اس نے پڑھا۔ اس کے معاصر کون کون تھے۔ اس کی وقایع عمری میں کون کون سی بات قابل یادگار ہے۔ اس علمی رجحان طبع کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں خودداری بھی بہت تھی۔ وہ اپنی رائے کا پکا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا۔ اب جب نوبل صاحب سے واقفیت بڑھی۔ تو اسے انگریزی کی کیرئیر میں بعض ایسی خوبیاں نظر آئیں۔ جو ہندوستانیوں میں مفقود تھیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ابن الوقت نے انگریزی معاشرت کسی خوشامد کی وجہ سے اختیار نہیں کی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ ہندوستانی اطوار سے بہتر تھی۔ یہ دراصل ابن الوقت کی خودداری کا ایک نیا رنگ تھا :

ابن الوقت کی ایک خصوصیت اس کی غیر معمولی قابلیت تھی۔ اس نے پہلے ہی ڈیز کے بعد جو طویل تقریر کی۔ اس میں انہوں نے حاکم و محکوم کے تعلقاً پر ایسی عالمانہ روشنی ڈالی کہ سچ مچ سیاسیات کا ایک اچھا خاصہ سبق معلوم ہوتا ہے طے انخصوص ہندوستانی ریاستوں کے موضوع پر جو کچھ کہا۔ وہ آج بھی بصیرت کا باعث ہے :

حجۃ الاسلام سے مسئلہ تقدیر پر جو گفتگو ہوتی ہے۔ وہ بالکل اسی ذہنیت کا
کا پتہ دیتی ہے۔ جو سر سید احمد خاں کے اثر سے پیدا ہوئی۔ دلائل بھی وہی ہیں اور
طرز استدلال بھی وہی۔ اگرچہ بظاہر حجۃ الاسلام اس مناظرے میں فارغ معلوم ہوتے ہیں
لیکن ہمارے خیال میں دلائل کا زور ابن الوقت کی طرف ہے +

مصنف نے ابن الوقت کے خیالات میں جو تدریجی تبدیلی دکھائی ہے اور
انگریزی معاشرت اختیار کرنے کے بعد اسے جس طرح آہستہ آہستہ بے دینی کی طرف
بہتا ہوا دکھایا ہے۔ وہ اُن کے ماہر نفسیات ہونے کا ثبوت ہے +

ابن الوقت کے بعد رب سے زیادہ قابل توجہ شخصیت حجۃ الاسلام کی ہے
ان بزرگ کا حال پڑھ کر ان کی سہرت کا جو تصور ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ
وہ ایک پابند وضع مسلمان ہیں۔ انہیں اگرچہ انگریزوں کی سیاسی غلامی کے خلاف
کوئی شکایت نہیں۔ لیکن مذہبی اور ظاہری وضع و انداز میں ضروری خیال کرتے
ہیں۔ کہ مسلمان ان کی تقلید نہ کریں۔ اس کے باوجود انہیں متعصب نہیں کہا
جاسکتا۔ انگریزوں سے ان کے تعلقات اچھے ہیں۔ خود ابن الوقت کو وہ ہر لحاظ
سے خارج نہیں سمجھتے۔ لیکن انہیں انگریزی تمدن کے خلاف شکایت ہے۔
غرض ان کا احتجاج اس تحریک کا ایک جزو ہے جو شروع
شروع میں وطنیت اور مغربی طرز کی قومیت کے تخیل سے نا آشنا ہونے کے سبب
مسلمانوں کے ایک طبقے نے انگریزوں کے خلاف شروع کی تھی اس جماعت کو انگریزوں کے خلاف
کوئی سیاسی شکایت نہ تھی۔ البتہ انہیں یہ اندیشہ ضرور رہتا تھا۔ کہ کہیں مسلمان
ان کے مذہب اور تمدن کو نہ اختیار کر لیں +

ہمارے حجۃ الاسلام طب اور ڈاکٹری کو بیکار خیال کرتے تھے۔ تہذیب کو فضول
سمجھتے تھے۔ تصویروں اور کتوں کی موجودگی سے متوحش ہوتے تھے۔ غرض اس

صدی کے مذہبی عقاید پر بحثی کے ساتھ قائم تھے ،

مگر وہ جو کچھ بھی تھے - خود دار اور غیرت مند تھے - شارپ صاحب سے ابن الوقت کی جب صفائی کرانے گئے - مطلق خوشامد سے کام نہیں لیا - بلکہ احتیاط کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ شارپ صاحب کو اپنی غلطی کا خود احساس ہو گیا ، اس کتاب میں ہندوستانی انگریزوں کی معاشرت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے - حجۃ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے مکمل تر ضلع سے اپنی ایک ملاقات کا جو حال بیان کیا ہے - وہ اس پہلو کو سمجھنے کے لئے کافی ہے ،

نذیر احمد نے جن دو انگریزوں کے کیرئیر پیش کئے ہیں - وہ آپس میں متضاد ہیں - نوبل صاحب نہایت نیکدل اور نیک سرشت انگریز ہیں - لیکن شارپ صاحب کمپنی کے زمانے کے بعض انگریزوں کی طرح جنہیں ہندوستانیوں نے ملنا جلنا پسند نہ تھا - ملیجنگی پن میں درحقیقت یہ دونوں سیرتیں بہت کچھ مکمل معلوم ہوتی ہیں ،

ابن الوقت کی پھوپھی کی سیرت میں بھی نذیر احمد بہت کامیاب رہے ہیں ذرا اس گفتگو کی طرف بھی غور کیجئے - جو حجۃ الاسلام سے انہوں نے ابن الوقت کے تبدیل وضع کے متعلق کی - اس میں کتنی سچائی اور واقعیت ہے - بناوٹ سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں - اسی گفتگو میں وہ حجۃ الاسلام سے کہتی ہیں - کہ ابن الوقت پر یہ جو ظلم ہوا ہے - اس کی شکایت کمپنی سے کرو - اور کمپنی بادشاہزادی (ملکہ وکٹوریہ) کی بیٹی ہے - ملک ہندوستان اس بادشاہزادی نے - اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیا ہے - کیا یہ وہ بے خبری نہیں - جو ہندوستان میں ایک عرصہ تک انگریزوں کے متعلق طاری رہی - ؟ نذیر احمد نے اس مختصر گفتگو میں اس دلچسپ علمی کامر قع کیمنج دیا ہے جو ہماری بعض غیر تعلیم یافتہ بڑی بوڑھیوں کی اب تک خصوصیت ہے نذیر احمد کی دوسری کتابیں اگر دنیا کی نظروں میں کارآمد نہ رہیں - تو بھی

ابن الوقت زندہ رہنے کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ دراصل ایک قوم کے ایک دور کی فہمی تصویر ہے۔ جو ہمیں تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہوتی جہاں اس کی افادہ حیثیت اس کے حق میں ایک محکم دستاویز ہے وہاں اس کی فنی خوبیاں مثلاً کردار نگاری، اس کے مکالمے، اس کی خبریات معلومات کی علمیت اور اس کے پلاٹ کی دلچسپی بھی اس کے بقا کی ضمانت دار ہے۔

نذیر احمد کے تین قصے اور بھی ہیں۔ محسنات یا فسانہ مبتلا۔ ایامی۔ اور رویائے صادقہ۔ محسنات۔ دو بیویاں کرنے کی خرابیوں کے متعلق ہے۔ ایامی میں ہندوستانی بیوگان کی کس پرہیزی اور بد حالی کا حال ہے۔ اور اس قصہ کے ضمن میں اہل ملک کو نصیحت ہے۔ کہ بیوہ کا نکاح متعدد وجوہ سے بعید ضروری ہے۔ رویائے صادقہ میں دینداری، خدا پرستی، اوہام باطلہ کی تردید، تعلیم جدید کی خرابیاں اور علیگڑھ کالج کی تعلیم و تربیت کا نقشہ اور اس کے نقائص کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ کتاب دراصل دینی عقاید کی کشمکش اور ان میں اپنے ایمان کو قائم رکھنے اور صحیح راستہ کا پابند رہنے کے موضوع پر ہے۔ اس میں صادقہ کی زبانی روحانیت کا پیغام پہنچایا گیا ہے اور سید صادق کی مادہ پرستانہ فہمیت اور تعلیم جدید سے متاثرہ دماغ کی اصلاح کی گئی ہے۔ یہ آخر الذکر کتاب ایک لحاظ سے بہت توجہ کے قابل ہے۔ کہ اس میں اس عہد کی دینی اور مذہبی جنگ کو جو قدیم و جدید کے درمیان برپا ہو گئی تھی۔ نہایت وضاحت سے ہمارے سامنے کہا گیا ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ یہ دراصل سرسید کے غیر مغنڈ خیالات کے خلاف ایک عقیدہ مندانہ احتجاج تھا۔

نذیر احمد کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان کے ناولوں پر مجموعی نظر ڈالیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ کہ نذیر احمد کا مقام ناول نگاروں میں کیا ہے؟

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ نذیر احمد قصہ نویس نہ تھے۔ واعظ تھے۔ انہوں نے اپنے قصوں سے دینداری، خدا پرستی اور اصلاح معاشرت کا کام لیا ہے ہماری رائے میں یہ خیال بہت حد تک درست بھی ہے۔ ناول کے لئے فنی حیثیت سے ”مظنتی رنگ“ جس قدر مضر اور ہلاکت آفرین ہے اور کوئی شے نہیں۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے :-

The Novelist should not preach to us.

اور یہ اس معاملے میں ایک زریں اصول ہے۔ کیونکہ اخلاقی واعظ کا نصب العین یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مقصد کے لئے واقعات کو اس رنگ میں پیش کرے۔ جو سامعین کو اس مفسد کی طرف راغب کریں۔ خواہ اس میں اس دنیا کے کون و فساد کا صرف ایک ہی رُخ کیوں نہ پیش کرنا پڑے ؛

بہر حال نذیر احمد کے ناول ”مظنتی ناول“ ہیں۔ اور فنی حیثیت سے ہم انہیں نہ صرف اعلیٰ درجے کے ناول نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ درحقیقت انکو صحیح مضامین ناول بھی نہیں کہہ سکتے۔ تاہم ہمیں ایک عذر پیش کرنا ہے اور وہ یہ کہ ہر صدی اور ہر دور کا فن کے متعلق ایک مخصوص خیال ہوتا ہے اور مصنف کے لئے ناممکن ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان روایات سے الگ کر سکے۔ خود انگریزی ناول کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا آیا ہے۔ جبکہ ناول نگار کی سب سے بڑی خوبی ہی خیال کی جاتی تھی۔ کہ وہ اپنے ناول کے ذریعہ اچھا اخلاقی سبق دے سکے۔ رچرڈسن کہتا ہے :-

"All my stories, I am bold to say, carried with them an useful moral."

ایک اور نقاد کہتا ہے: *"Richardson was nothing, if not a moralist."*

میسویں صدی میں جبکہ پرانے نظریات درہم برہم ہو رہے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ارباب نکر، ماضی کے بعض خیالات کی طرف پھر توجہ کر رہے ہیں۔ جان گالزورڈی نے ناول نگار کو ایک ایسا مصلح قرار دیا ہے۔ جو بدی کے کوچہ میں "چراغِ سرراہ" بیکر خرابیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس مصلح کا نام "Cathru" ہے جس کا مقصد زندگی خود گالزورڈی کے الفاظ میں یہ ہے :-

"His lantern distorted nothing; it did but show that which was there, both fair or foul, no more no less."

(From the Inn of Tranquillity 1912)

بہر حال یہ تو ظاہر ہوا کہ اصلاح یا اخلاق کی درستی کا خیال ناول کی خوبصورتی کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اس تصویر کے تاریک اور روشن ہر دو پہلو پوری حقیقت کے ہنگ میں دکھائے جائیں +

نذیر احمد کا اگر نقص ہے تو یہی ہے کہ اس کی تصویریں زندگی کے متعلق اوصوری اور نامکمل ہوتی ہیں۔ نذیر احمد کا مجموعہ یہ ہے کہ دنیا کو کیسا ہونا چاہیے! وہ اس سے بحث نہیں کرتے کہ دنیا کیسی ہے؟

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر نذیر احمد کے قصے دنیا میں رہنے کے قابل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ یورپین قصوں کا ایک معتد بہ حصہ تلف نہ کر دیا جائے جس میں "Uncle Tom's Cabin" اور Pamela اور بے شمار دیگر قصے شامل ہیں۔ بلکہ ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی کے بعض ناول جو ڈکسنز اور تھیکرے اور ہارڈی کے احتجاجی قصوں (Novels of Protest) اور مذہبی افسانوں (Evangelical Novels) پر حاوی ہیں۔ ہماری نظر اقصائے سنتی نہیں رہتے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ ناول آج دنیا میں موجود ہیں۔ کیونکہ ان کی ایک خوبی ہے جو ان کو ہمیشہ دنیا

جزو بنائے رکھے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ ان ناولوں میں ایک دور کی انسانی معاشرت اور زندگی کا مرقعہ ہے جس کا مطالعہ ہمیں اس عہد کی ذہنیت کی گہرائیوں میں آفت بنادیتا ہے۔ نذیر احمد کے ناول بھی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۱۹ویں صدی کے آخری دور کی ہندوستانی سوسائٹی اور ذہنیت کا مرقعہ پیش کرتے ہیں۔ اور یہی انکی حفاظت کی ضمانت ہے ۛ

اس عمومی اظہار رائے کے بعد یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے فطری قصوں کی طرف توجہ کی۔ ذرا پرانے دیووں اور پریوں کی کہانیوں اور فورٹ ولیم کالج کے زیر سایہ تصنیف کردہ فوق العقل قصوں کی طرف توجہ کیجئے اور پھر نذیر احمد کی تصانیف پر غور کیجئے۔ کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے غلطی ضرور کی کہ ہر موقعہ پر اپنے افسانہ کے اغراض و مقاصد کو شروع میں ہی ظاہر کر دیا۔ جس سے دلچسپی میں بہت کمی واقع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ترقی یافتہ ناول کے اصول و قواعد اور دوسری زبانوں کے اچھے ناولوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ ورنہ وہ عمدہ معاشرتی ناول لکھ سکتے۔ کیونکہ انہیں قدرت نے حقیقت نگار بنایا تھا ۛ

جہاں تک ان کے پلاٹ اور ترتیب کا تعلق ہے۔ ان میں کوئی خاص غرابت نہیں۔ اکثر قصوں کے پلاٹ بہت مختصر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پلاٹ کا خلاصہ شروع ہی کے دو تین ابواب میں بتا دیتے ہیں۔ اور اپنی سیرتوں کے کردار بھی تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے ناول چونکہ ایک خاص غلطی مقصد (didactic purpose) کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس لئے عرض تصنیف بھی شروع ہی سے معلوم ہو جاتی ہے ۛ

نذیر احمد کی قوت مشاہدہ اور جزئیات پر عبور بھی کافی تسلی بخش ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کی قوت انتخاب بہت کمزور ہے۔ وہ اپنے کیرئیروں کی زبان سے ہر بات خواہ مخواہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں طولانی خشک اور بعض دفعہ بے موقعہ ہوتی ہیں؛ ان کے قصوں کی ترتیب بھی فنی لحاظ سے ناقص ہے۔ وہ دراصل انگریزی ناول کے اس دور کے آدمیوں سے مشابہ ہیں جو بوجہ قوت تخلیق کی افراط کے اٹھارہ ویتھین کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور ہم کی طرف توجہ زیادہ نہ ہوتی تھی ان لوگوں کا آرٹ کمزور لیکن تخلیق کی قوت مضبوط تھی۔ نذیر احمد بھی اپنے عہد کا اٹھارہ ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ اور پورا پورا کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس میں آرٹ مجروح ہو جائے؛

غرض یہ ہے۔ کہ ہم نذیر احمد کے قصوں کو متشددانہ تنقید کی نظر سے دیکھنے سے معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے تمام نقائص اسی ایک خرابی میں پنہاں ہو جاتے ہیں۔ کہ انکے ناول مغلطی تھے۔ اور ان کا مقصد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ نہ تھا۔ کہ اس کے ذریعے حیات انسانی کا صحیح عکس یا صحیح نقل (مطابق اصل) پیش کی جائے۔ بلکہ وہ درحقیقت اپنے دور کی مخصوص ذہنیت (سرسید کے پیدا کئے ہوئے مذہب احیاء و اصلاح) کے مطابق ایک ریفارمر اور مبلغ تھے۔ جنہوں نے کہانی کو ایک اچھا ذریعہ تبلیغ خیال کرتے ہوئے اسے خدمتِ عوام میں صرف کیا؛ نذیر احمد کن خاص خیالات و تصورات کے حامل تھے؛ وہ کون سے خاص نظریے تھے۔ جن کو وہ اپنے ناولوں کے ذریعے پھیلانا چاہتے تھے۔؟ اس کا جواب مختصر یہی ہے۔ کہ ان کا تصور، ان کا مطمح نظر، ان کی مذہبی اور سیاسی ذہنیت تقریباً وہی تھی۔ جو ریجیٹ زمانے میں اکثر اکابر اور اہل علم و ادب کی بن چکی تھی اور جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں بارہا آچکا ہے۔

ان کا نظریہ تعلیم وہی ازمنہ متوسطہ کا نظریہ تھا۔ بچوں کی تربیت کے سلسلے میں وہ اکبر سی کی اکثر خرابیوں کا ذمہ دار اس کی ابتدائی سو ق تربیت کے بتلاتے ہیں۔
نصوح کا بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ بھی اسی لئے بڑی عمر میں ناقابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کو شروع میں اچھی طرح پڑھایا نہیں گیا ۛ

اس سلسلے میں نذیر احمد بچپن کی عمدہ اور نیک سوسائٹی اور صحبت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اکبر سی اور اصغری میں یہ فرق اس لئے پیدا ہوا۔ کہ دونوں کی ابتدائی سوسائٹی مختلف رنگ کی تھی۔ اکبر سی کی سہیلیاں ارادل کی بیٹیاں تھیں۔ اور اصغری کی بھولیاں نیک معاش! نذیر احمد جس تربیت کے ماحول کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ تھا۔ جو نصوح کے گھر میں خواب سے پہلے موجود تھا۔ اور جس کو پسند کرتے ہیں۔ اس کا نقشہ وہ ہے۔ جو نصوح کے خواب کے بعد اس کے گھر میں پیدا ہوا ۛ

میاں نصوح جب خواب کے بعد اپنے بچوں کی تربیت نئے خیال کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ تو گھر کو آرٹ اور اس کے آثار تک سے خالی کر دیتے ہیں میاں کلیم کے سامان تفریح کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ان کے البم پھاڑ دیئے جاتے ہیں کتا میں جلادی جاتی ہیں بلکہ تعلیم و تربیت میں اخلاق پر انا اصرار ہے۔ کہ شیخ سعدی کی گلستان کے صفحوں کے صفحوں پر ساوہ کاغذ لگا دیا جاتا ہے۔ اور بقول نمیدہ خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کٹی ہوگی ۛ

مولانا کا دین کیا ہے ۛ اصلاح معاد اور اصلاح معاش! ان کے نزدیک ایک مکمل دیندار کی تعریف یہ ہے۔ جو شخص غصے کو پی جائے، انتقام نہ لے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، حریص و طامع نہ ہو، جابر اور سخت گیر نہ ہو، مسک و خیل نہ ہو، مغرور و تکبر

نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس کے اندر تمام صفات ملکی موجود ہوں۔ حجۃ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے ایک دیندار کی جو تعریف کی ہے۔ وہی نذیر احمد کا نظریہ دینداری ہے +

اس صدی کے مخصوص سیاسی تعلیمی اور معاشرتی تصورات میں نذیر احمد بعض اوقات سرسید کے ہم خیال نظر آتے ہیں بعض اوقات مخالفت! ابن الوقت کے بحسب میں انگریزی لباس پر جوئے دے کی ہے یا سید صادق کے خطوط میں علیگنڈہ کالج کے غیر اسلامی ماحول کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ وہ سرسید مرحوم کے افراط اور تغل کی خلاف ایک اظہار ناراضگی ہے۔ نذیر احمد سیاسیات میں سرسید کے پورے پورے مداح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مغربی معاشرے انہیں بہت بُدبے۔ نذیر احمد نے بہت سادہ تعلیمی نظموں کی تشریح میں صرف کیا ہے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ موجودہ دور میں ان میں کافی قدامت کا رنگ نظر آئے گا۔ کیونکہ وہ عورتوں کو جس قسم کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے وقت اب سازگار نہیں رہا اور ماحول خود اس کے منافی ہے +

نذیر احمد نے تو تہ النصوح اور ابن الوقت میں جو تصویریں اور مناظر کھینچے ہیں! وہ اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ لیکن ہونا کو جس درجہ عبور ناز زندگی کے نظام پر ہے اس کا مقابلہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ عورتوں کی آپس کی رنجشیں، چٹکیں، لین دین، رشک و حسد وغیرہ کو بہت اچھی طرح پیش کیا ہے +

لیکن عجیب بات ہے۔ اگرچہ چنداں تعجب نہ ہونا چاہیے۔ کہ نذیر احمد نے عشق و محبت کے جذبہ عالیہ کو مطلق مستحق اعتنا نہیں خیال کیا ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ مولانا کا اس کوچہ میں گذر ہی نہ تھا۔ یا شاید یہ ہو کہ زمانہ کے خیال کے مطابق ان کے نزدیک یہ خلافت تہذیب ہو۔ بہر حال ان کی مہر و ن سیرتیں مقدس جذبہ محبت سے خالی ہیں اکھ مجرہ دل تک عشق کا گذر ہی نہیں ہو سکتا۔ اصغر علی، فہمیدہ اور دیگر زنانہ سیرتیں اس چٹکاری کے نہ ہونے کی وجہ سے کتنی بے سوز معلوم ہوتی ہیں باقی یہی واقعہ سو وہ تو

پہلے ہی سے کشف و کرامت کے میدان میں تھیں؛
 یہی وجہ ہے کہ مولانا عورتوں کی نفسیات کو پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں
 ہاں ان کے کیریکٹر کی خرابیوں کا تذکرہ مکمل ہے۔ مجموعی حیثیت سے ان کے قصے
 نفسیاتی تجربہ سے خالی ہیں +

بایں ہنذیر احمد کا یہ وصف ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کہ وہ عورتوں کے مکالمے لکھنے میں
 اپنا نافی نہیں رکھتے۔ عورتوں کی گفتگو میں بالکل سلاست اور روانی ہے۔ ہاں
 مردوں کی گفتگو میں عربیت اور نقل ہے۔ اور ان کی پچھلی کتابوں کی زبان پہلی کی نسبت
 زیادہ ثقیل اور عالمانہ ہے +

نذیر احمد کو جتنی شہرت حاصل ہوئی۔ اس میں ان کے قصوں کا بہت بڑا
 حصہ ہے۔ ایک عرصے تک ان کا نام ناول کی دنیا میں سب سے ممتاز خیال کیا جاتا
 تھا۔ لیکن جدید تنقید اور جدید فن کے اصول و قوانین نے ان کی شہرت کو بہت جھٹکا
 کم کر دیا ہے۔ اور بے عت متام گمنامی کی طرف
 جا رہے ہیں لیکن باوصف ان سب باتوں کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر جانسن کے بقول "فیلڈنگ
 کی کتاب Tom Jones ابھی تک متروک نہیں ہوئی"۔ اسی طرح ابن الوقت
 اور توبہ النصوح بھی ابھی تک خراموش نہیں ہوئیں اور شاید آئندہ بھی اردو ادب میں
 ان کا نام اعلیٰ کتابوں میں شمار ہوتا رہے گا +
 سید محمد عبداللہ

کلماتِ عوامانہ فارسی

غالباً ۱۹۲۳ء میں کاویانی پریس برلن نے ایک کتاب موسوم بہ 'کی بود و کی نبود' شائع کی تھی۔ جس میں ایک مجموعہ فارسی زبان کے عوامانہ لغات کا بھی دیا تھا۔ چونکہ ان لغات کی شرح بھی زبان حال میں کی گئی تھی اس لئے ان کے اردو زبان میں مترادف اور معادل کا تلاش کرنا طالب علموں کے لئے دشوار ہے چنانچہ اس وقت تک یہ لغات تحقیقی طلب رہے اور کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ان میں سے بعض الفاظ کے معانی مجھ کو یاد نہیں رہے امید کرتا ہوں کہ کوئی اور فارسی دوست بزرگ نہمت فرما کر فارسی ادب میں اضافہ فرمائیں گے :

اطفاری، الطفوری = شتر غزو کرنے والا :

الف

آپاردی = ڈینگیں مارنے والا :

اکبیر = نخوست :

آشغال = کوڑا کرکٹ :

آئل = تیں مارخان :

آنم = مٹھے کی شکن جو غصہ کے وقت

انگوک = انگلی سے ملانا :

پڑ جاتی ہے :

انگ انداختن = اندازہ کرنا :

انمو = وہ آدمی جو ہمیشہ منہ سوجھٹے ہے

انگل = نیبوچور، کاسہ لیس :

اوا = نقالی :

الک دوک = گلی ڈنڈا :

ب

ادا اور آوردن = نقل اتارنا :

بامب = وصول :

ارونگ = گھٹنا کھینچ مارنا :

بامبول = دھوکا :

ارزد = چلتا ہوا مخرانٹ :

بامبول زدن = دھوکا دینا :

اطوار، اطفار، الطفور = شتر غزو :

| | |
|--------------------------------------|---|
| پُغیوز = قرساق | بخو = (بفتح اول و دوم) بیر پی |
| پک = (بضم اول) حقہ کاش جو چھوڑا جائے | برزدن = (بضم اول) تاش کے پتے |
| پک و پوز = (بفتح اول) تھوڑی | بلا نا |
| پکر = (بفتح اول و دوم) ننگا، بدست | بزک = سنگھار |
| پنتی = (بکسر اول) ہلڑ جھلڑ | بلشو = نفسی نفسی، افراتفری |
| پنکی = انچی | بنجل = (بضم اول و سوم) جیتھڑے |
| پنک زدن = اونگھنا | پ |
| پوزہ = ٹھوری | پائیدن = بجانپ لینا |
| پوک = خالی دماغ | پاتوق = اڈا، ٹھیکہ |
| پیہ = (بفتح اول) احمق و مہوش | پاتیل شدن = اٹا غفیل ہو جانا |
| پیل پیل رفتن = جھومتے ہوئے چلنا | پارس کردن = بھونکنا |
| پیدہ = شیلہ = دغا بازی | پتی = برہنہ |
| ت | تیج تیج کردن = (بکسر اول) اکانا چوسی کرنا |
| تاگردن = سازش کرنا | تیج = (بفتح اول) چپٹا |
| تاراندن = جھگڑینا | تخمہ = کودن، نافہم |
| تیق = (بضم اول و دوم) تتلانا | تیز = (بضم اول) شکل و وضع |
| تخن = (بضم اول و سکون ثانی) شریر | تیز دواہ = (بضم اول) میلا کھیلا |
| آومی | تشتی = حاجتی، مددگار |
| | تشنک = (بکسر اول) چنگلی |

عہ سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کے مصنف نے آخری منظر پر غلط پابندی استعمال کیا ہے جس کے معنی

برہنہ یا ہین مگر بعض استادوں نے اس کے معنی کٹھ پتلی والا لکھے ہیں۔ جو بالکل اہل اور بے معنی ہیں

ج

جانخانی = بُوری +
 جخت = (بفتح اول) دوسری چھینک +
 جر = (بکسر اول) جھونکل، جھلانا +
 جرانداختن = غصہ دلانا +
 جرداؤن یا زدن = جھڑ جھڑ کر کے بھار دینا +
 جُعلتی یا جوتی = بھوندا +
 جندہ = (بکسر اول) ٹوٹیاں، ٹینی +
 جغور و بغور = الٹ پلٹ +
 جھنگ = واہیات، بیودہ +
 جلد = چست و چالاک +
 جِلز و لیز بکسر اول و تشدید ثانی، چھین
 مُن +
 جَلّت = (بضم اول و تشدید ثانی)،
 بے غیرت +
 جمبوری یا جمبولی = دخل در معقولات
 کرنے والا +
 جنگولک یا جنگورک = منافقانہ کارروائی
 جنجال = گڑبڑ +
 جیرودیر = سنسناہٹ +
 جیم شدن = کھسک جانا +

تخمہ = (بضم اول) متلی +

زیدن = لٹکانا +

زیکہ = قبیح +

تَشَر = (بفتح اول و دوم) طعنہ جھڑکی

دھکی +

تغ و لغ = ہلر جھلڑ +

تخالہ = کھوس +

تک = غر +

تک = تنہا +

تک و پوز = تھوڑی +

تک و توک = اٹکا دکھا +

تلمان = اینڈ تا ہوا +

تلو تو خوردن = (بکسر اول و فتح ثانی)،

گرتے پڑتے چلنا +

توی = اندر +

توش = طاقت +

توپ زدن = ڈانٹ دینا +

توپین = ڈانٹ دینا +

تیپا = رتہ پایا تک (پا) لات مارنا +

تیلہ = گولی جس سے بچے کھیلنے ہیں +

توغولی = گول موٹل +

ح

حشل = (بفتح اول و دوم) خطر،

خ

خیت کردن = کسی کو میدان سے

بھگا دینا

خیکی در آوردن = عاجز رہ جانا

د

داداش = بھائی

دش = مخف ددش

داعون شدن = منتشر ہونا - نقصان

برداشت کرنا

دش = (بکسر اول و سکون ثانی) یکسا

دبہ در آوردن = خرید کردہ مال کو واپس

کرنے کی دھکی دینا تاکہ قیمت میں

کسی قدر کمی کر دی جائے

دنگلوز = اُجڈ

دور = (بفتح اول و ثانی) کوچہ

دودہ = (بفتح اول و کسر ثانی) حبشی کنیز

دک شدن = کھسک جانا

دک دلوڑ = غصہ بڑی

دل = لم ڈھیک

دگنگ = موٹا ڈنڈا

دلہ = (بفتح اول و کسر ثانی) کھاؤ

بدنیت

دور = (بفتح اول و دوم) پٹ لٹنا

دمن = سادہ لوح و خود پسند

دنج = (بکسر اول) آرام کی جگہ جہاں

کوئی مغل نہ ہو

دنگ و فنگ = چپل و پہل

دول دادن = ٹال مٹول کرنا

دلیاق = لم ڈھیک

ر

راستا حسینی = صاف اور سچی بات

رینجاسی = سکھچری

ز

زبروز رنگ = چیت و چالاک

زپرچی = بے طاقتی

زرت = طاقت

زل زل نگاہ کردن = ٹٹکی باندھ کر دیکھنا

زلم زیمبو = انگو کھنگڑ

زوکشیدن = ٹکی ڈنڈے کے کھیل میں

کبڈی کی طرح دم بھڑنا

ش

شکل = نعل (جوئے کی اصطلاح) :

شروور = ایکسر اول، کبواس :

شل رول = ڈیپلاؤنی :

شلتاق = ظلم :

شلختہ = پھوٹو عورت :

شلم شوربا = ڈیپلاؤنی :

شلنگ = چھلانگ :

شلنگ وختہ = اچھل کود :

شلوغ = گڑبڑ، شہر آشوب :

شیرجہ = ڈکبی :

ط

طاس = تامرا، گنجابیل :

طپاندن = ٹھوننا :

ع

عرقہ = مست قلندر :

علم شنگہ = اودھم :

غ

غال = وعدہ پرانہ کر کے کسی کو مصیبت

میں ڈالنا :

غراب = (قرطو —)، اکڑ باز خان :

زہ زون = کندھا ڈال دینا :

زہ کشیدن = زخموں میں ٹیس کا پیدائنا

زہم = (بضم اول و سکون ثانی) بسا ہند

س

سدرمہ = (بکسر اول و سکون ثانی) چھڑ :

سرورم = (بضم اول ہر دو) گول مٹول :

سرتق = (بکسر اول و ثالث) ضدی،

بٹی :

سرنست = (بکسر اول و سکون ثانی) سخت

سقلہ = ڈک :

سلانہ = ایڈتا ہوا :

سمبل کردن = کسی مشکل کام کو انجام دینا

سک = (بضم اول)، مینی یا آرکی طرح

نوکدار لکڑی لیکن ایران میں لوہا

نہیں لگاتے :

سلف دان = اگال دان :

سوت کردن = چیت پرھینکنا :

سوگور و ملنگ = مرد کا عورت کو دیکھ کر

مست ہو جانا :

سولدونی = کثیف اور تاریک

جگہ :

غریبہ = (قرو —) ناز و نخرہ +
 غنج = کسی کھانے کی چیز کی طرف طبیعت
 کا انتہائی مائل ہونا، منہ میں پانی
 بھرا ہوا +
 غیہ = شور و غل +

ف

فرد (فرو فر) = ناز و نخرہ +
 فردا دن = زلف کو تاب دینا +
 فزرتی = دو کوڑی کا آدمی +
 فکسنی = اول جلول
 فیس = خود نمائی، غرور +

ق

قاہدین = اُچک لینا، جھپٹا مار کے
 چھین لینا +
 قانچ = خرپوزہ وغیرہ کی قاش +
 قاطی = ماما، گھولنا +
 قایم = سخت، مضبوط مثلاً تکیسہ را
 قایم بدوز +
 قایم شدن = چپ جانا +
 قر = کوٹھے، بھکانا +
 قرز فر = منک چٹک +

قرزون = بھکائے جانا، اغوا کرنا +
 قرت = (قرتی) منک چٹک والا +
 قریمپوت = دیوٹ و قمر ساق +
 قرم رنگ = " " " " +
 قد = (بضم اول) مغرور +
 نقشقو = شور و غل +
 قل خوردن = لڑھکنا +
 قُلپ = پانی کا گھونٹ +
 قلدر = بدماش، مسنڈا +
 قَلقلک = گدگدی +
 قورت دادن = نکل جانا +
 قورت انداختن = اپنی تعریف کرنا +
 قولہ (قرض و —) = قرض و رض تالچ
 مل، +
 قیپ = پُر، بھرا ہوا، مثلاً، قومی
 از سیکار قیپ است +
 ک

کُپ آمدن = اندوں سے بھری ہوئی
 مرغی +
 کپہ = ٹیلا +
 کرہ شدن = اعضا کا سوجانا +

گ

گس : بکسا +

گندلی : گول +

گور : گہرا +

ل

لاس زدن : عشق بازی کرنا +

لُب و لُبَاب : گول مٹول +

لَبُو : چقندر +

لَبَبُو : کٹی یا گھٹی ہوئی شکر +

عبدالباقی عباسی

کشیو : تھپتر +

کلافہ شدن : غصہ سے آنکھوں کے

آگے اندھیرا چھا جانا +

کلک زدن : دھوکا دینا +

کلکی : آوارہ +

کندو کو : دوڑ دھوپ +

کینس : خیس +

کولی : چڑھی پڑھنا +

کیس : بیچ و شکن +

بابا فرید گنج شکر شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۸ء)

درین چاہ آونجیت و مشغول شد شیخ (فرید) ہم چنان در چاہ بہ ناز و معکوس مشغول
 شد ہم برین جملہ چل ثبت چہلہ معکوس داشت ... و آن مسجد ہنور در اوچہ
 برقرار است آن چہ فصاحت و بلاغت بود شیخ (فرید) ضاد بنوعے خواندے کہ
 بیچ کس را میسر نشود اسے نگاہ دار ستر خود را از گوے گریبان خود
 شیخ (فرید) اے فرمود فقیر صابر بر غنی شاکر رحمان دار وزیر اکہ غنی شاکر بر شکر را
 وعدہ چسیت مزید نعمت و فقیر را در صبر بشارت چسیت نعمت معیت - میان این مرتبہ
 و آن بہ ہیں فرق از کجا تا کجاست ؟
 شیخ معین الدین شیخ قطب الدین را گفت کہ بختیار این جوان را شیخ (فرید) را چند
 از مجاہدہ خواہی سوخت - چیزے بخشش کن ؟
 ... شیخ (فرید) درویشے صاحب دل را دید - بشاشت - بر فور در خانہ آمدہ در
 خانہ بجز قدرے حواریے چیزے دیگر نہود - آزا خود آتش کرد - در بر ویزن زد و نانے خود
 پخت در مسجد جمعہ کہ آن درویش فرو دکمہ بود آورد ؟
 اب میں شیخ فرید کے کچھ اقوال بے مثال اردو میں ترجمہ کر کے درج کرتا
 ہوں - تاکہ شیخ سے منسوب پنجابی رملتانی و لاہوری (کلام کے اردو ترجمہ سے
 موازنہ ہو سکے :-

ا اگر ہے تو بھی غم نہیں - اور اگر نہیں تو بھی غم نہ ہونا
 چاہیئے ؟

- ۲۔ نامرادی کا دن، مرد کے لئے اس کی شب معراج ہے ۔
- ۳۔ جس قدر تو رنج اٹھائے گا۔ اسی قدر سروری تجھے نصیب ہوگی۔ راتوں کو جاگ کر یاد خدا میں مصروف رہنا ہماری لائق ہے ۔
- ۴۔ جب فقیر نیا جامہ پہنے تو یوں سمجھے گویا وہ کفن پہنتا ہے ۔
- ۵۔ جیسا کہ تو ہے خود کو ویسا ہی ظاہر کرورنہ جیسا تو ہے۔ ویسا تجھے لوگ ظاہر کر دیں گئے ۔
- ۶۔ اے دعو سدا تو اس دلیری سے دعوے مت کر کیونکہ معنی کی رو سے ایک ایک حرف کے تین تین سو جواب ہو سکتے ہیں ۔
- [کسی بزرگ نے فرید کے ملفوظات سے پہنچ سو کلمات جمع کئے۔ اس مجموعہ سے ذیل کا انتخاب ہے]
- ۷۔ خدا تعالیٰ سے بنانی چاہئے۔ کہ اور سب تو ہم سے لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے جب وہ دیتا ہے تو کوئی ہم سے لے نہیں سکتا ۔
- ۸۔ اپنے سے بھاگنا حق تک پہنچنا سمجھ ۔
- ۹۔ اپنے تن کی خواہشیں پوری نہ کر۔ کیونکہ اس کی مرادوں اور آئینوں کی حد نہیں ۔
- ۱۰۔ نادان کو زندہ نہ سمجھ ۔
- ۱۱۔ دانائے نادان سے حذر کر ۔
- ۱۲۔ ایسا سچ جو جھوٹ سے ملتا جلتا ہے۔ زبان سے مت کہہ ۔
- ۱۳۔ جسے کوئی نہ خریدے اُسے مت بیچ ۔
- ۱۴۔ جاہ و مال کے لئے پریشان نہ ہو اور خود کو خطرے میں نہ ڈال ۔
- ۱۵۔ کہری کی روٹی رکا دیا ہمت کھا۔ لیکن سب کو روٹی دے ۔
- ۱۶۔ موت کو کسی بھی جگہ پر اور کسی بھی وقت میں فراموش نہ کر ۔

- ۱۷۔ قیاسی بات منہ سے نہ نکال *
- ۱۸۔ بلا و مصیبت کو اپنی ہوس کاری کا نتیجہ جان *
- ۱۹۔ اپنے گناہ کی لاف نہ مار *
- ۲۰۔ دل کو شیطان کی بازی گاہ نہ بنا *
- ۲۱۔ اپنے بھیدوں کو ظاہر کرنے سے چھپانا ہی بہتر سمجھ *
- ۲۲۔ اپنی آرائش و زیبائش میں وقت صرف نہ کر *
- ۲۳۔ حصول جاہ میں اپنے آپ کو بے قدر نہ ہونے دے *
- ۲۴۔ کسی عاجز اور نوکیسے سے قرض نہ لے *
- ۲۵۔ قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھ *
- ۲۶۔ جہاں تک ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ کا عادی ہونے سے باز رکھ *
- ۲۷۔ احسان فراموش نہ بن اور کسی پر اپنا احسان نہ جتا *
- ۲۸۔ نیکی کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھتارہ *
- ۲۹۔ جو تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر *
- ۳۰۔ اپنی طاقت اور توانائی پر بھروسہ نہ کر *
- ۳۱۔ شہوت کے وقت اپنے پر دوسرے وقتوں سے زیادہ ضبط رکھ *
- ۳۲۔ جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو نہ بھول جائیو *
- ۳۳۔ عدل اور انصاف میں ہی اپنی سچی عزت اور حرمت سمجھ *
- ۳۴۔ امیری کے دنوں میں بڑی ہمت والا بن *
- ۳۵۔ مہمانوں سے تکلف نہ برت *
- ۳۶۔ دانش اور تجربہ کا گوشہ جمع کر *
- ۳۷۔ جب خدا رحمت اور مصیبت بھیجے تو اس سے بھاگنے کی کوشش مت کر
- مومن سنگھ دیوانہ
- (باقی دارد)

تنقید و تبصرہ

”تالبعین“ (سلسلہ دار المصنفین ۵۲) مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی فقیہ ارا المصنفین
 مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء +

علامہ شبلی اور ان کے جانشینوں کی تصانیف کا موضوع ایک خاص حقیقت ہے
 جس کی طرف سطور ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے :-

اسلام روحانیت اور مادیت کے جامع مکمل و متور اعلیٰ کا نام ہے۔ صرف روحانیت
 اسکے یہاں ربانیت ہے جس کو اس نے ”لاھبانیۃ فی الاسلام“ کہہ کر ٹھکرا دیا اور خالص مادیت اس
 کی نگاہ میں الحاد و زندقہ ہے۔ جس کی ترویج میں اس نے علی الاعلان کہا ”الذین ضل سعیم
 فی الحیوۃ الدنیاء“ عرض اسلام انسانیت کبرئے کے کامل مکمل و متور اعلیٰ کا نام ہے۔ یورپ کی
 حیات جدیدہ نے مادیت کو اس قدر چھپایا کہ روحانیت اس کے سامنے بعض کم نظر اصحاب
 کے خیال میں ماند پڑ گئی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے عہد سلف کی یاد کو تازہ کر کے، ادیس کے
 سیلاب کو روکنا چاہا جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں +

اسلام کی بہترین تاریخ اور اس کا اعلیٰ نمونہ صحابہ اور تابعین کا دور ہے۔ ان
 دوروں سے جس قدر ہمارا انتساب مستحکم ہوگا۔ اسی قدر یورپ کی مادیت کے جزائیم کم اثر
 کریں گے۔ فاروق ثانی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی زہد و تقویٰ
 کو دیکھ کر ایک مادیت پرست نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اس شخص نے اپنے لئے
 زندگی کو وبال جان بلکہ مرنے سے پہلے جہنم بنا لیا تھا۔ اسی ژولیدہ دماغ انسان کی ترویج
 میں علامہ اقبال مرحوم کو کھنا پڑا +

دور مز زندگی بیگانہ تر باد کسے کو عشق را گوید جنوں است

زیر تبصرہ کتاب ”تابعین“ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جس میں ایسے چھیا نوے (۹۶) اکابر تابعین کے حالات عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں جن سے فقہ مذاہب اربعہ، علم تفسیر اور سلسلہ ہائے تصوف کی بنیادیں پڑیں۔ بالفاظ دیگر جن کے طفیل ”علم قانون“ اور ”علم احسان“ بروئے کار آئے۔ ظاہر کی دوستی کے لئے ”علم فقہ (قانون)“ سے چارہ نہیں اور باطن کی اصلاح کے لئے علم احسان کی ضرورت ہے لائق مٹوٹ نے ان ہر دو سلسلہ کے اکابر کو بغیر ترتیب طبعی محض حروف تہجی کے لحاظ سے جمع کر کے ہمیں اس دور مادیت میں یہ دکھلایا کہ ایک راہ اس سمت بھی جاتی ہے۔ راہ رو کو چاہیے کہ وہ ہر دو میں موازنہ کر کے کوئی قدم اٹھائے :

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب مستند عربی تذکروں سے ماخوذ ہے۔ جن کا حوالہ جابجا کتاب میں مذکور ہے اور یہی اس میں خوبی کی بات ہے مگر طرز بیان ایسا ہے جس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ اُردو عبارت کسی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ عبارت میں ایسا نسق اور ایسی روانی پیدا کرنی چاہیے تھی کہ ترجمہ متقل چیر نظر آتا۔ جیسے مولینا حبیب الرحمن صاحب شیروانی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ کے احکامات کو جمع کر کے علمائے سلف ”لکھی مٹوٹ“ نے سہولت فہم اور ضبط مطالب کے لئے ذیلی عنوان بھی قائم کئے ہیں مگر ان میں کسی قسم کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ حالانکہ کسی مٹوٹ کی تالیف کے حسن و قبح کا اندازہ اس کی ترتیب و عدم ترتیب سے لگایا جاسکتا ہے :

بہر کیف کتاب اپنے موضوع میں نیت مفید اور کارآمد مضامین پر مشتمل ہے جوხოخط طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید چمکنا صفحہ ۵۳۸ بقیمت چار روپیہ دارالصفین اعظم گڑھ سے مل سکتی ہے (محمود الحق) ۱۸ مئی ۱۳۲۸ء

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

(سلسلہ کے لئے دیکھو بی بیگزین بات مئی ۱۹۳۸ء)

ابن لجأ ٥: ٢٠، ١٩٦، ١٣: ١٢٦، ١٦: ٢٨؛ (نيز لاحظ هو عمر بن لجأ) -

لجيم بن صعب ٢: ٢٠٢، ٢٠٢: ٨، ١٩٥، ١٥: ٨؛ (٩)؛

ابو اللحام التغلبي ٧: ٣٥٣؛

لجيم بن صعب — هو لجيم بن صعب

اللعين المنقرى ٧: ١١، ٢٣٦، ١١: ٢، ٣٤٢، ١٢: ١٨، ٢٠، ٥؛

٢٩٢، ٨٦؛

لقمان بن أوس بن ربيعة بن مالك ... ٢٠: ١٥٤؛

لقيط الايادي ٨: ٣٩٦، ١٠: ٢٣٣؛

لقيط بن ثمرارة ٤: ٣٤٨، ٢٠، ٥، ١١: ٢٣، ٦٨، ١٢: ٢٤٢؛

١٧: ١٨٥، ٣٢٢، ٥: ١٠٥؛

لقيط بن معمر الايادي ٨: ٦٥؛

لقيط بن يعمر الايادي ٣: ٢٢٩، ١٤: ٣٤٠؛

لقيم بن أوس الشيباني ٥: ٥٣؛

اللهبي ٥: ٣٢٤، ٣: ٣٢٨، ٢٠: ٢٨٩؛

لورل الطائي ٥: ١٢٠؛

ليلى ٣: ٢٤٩، ١٢: ٨٦، ١٥: ٣٠٤؛

ليلى الاخيكية ١: ٢٩، ١٩، ٧: ٢٣٣، ٦: ٣٠، ٩: ١٩٦؛

١٠: ٣٣٦، ١١: ٢١٢، ١٣: ١٠١، ٢٣، ١٨، ١٢٦، ٢٩٠؛

١٢: ٢٩٣، ٢٠: ٣١١، ١٦: ١٣٢، ١٤: ١٠٩، ١٩: ٢٠٢؛

٢٠: ٢٠٠، ٢٣٩، ٢٢٠؛

م

ماثران (مرض) ۷: ۱۴۹ (۹)؛

مالک بن اَسماء بن خارجة الفزاسری ۷: ۲۶۴، ۲۶۵،

۲۶۶؛

مالک بن جَعْدَة التغلبي ۱۴: ۲۶۵، ۷: ۲۱۷ (یہاں التغلبي کی

جگہ پر التغلبي مرقوم ہے۔ مگر صاحب معجم الشعراء نے یہی شعر نقل کیا ہے

اور التغلبي ہی لکھا ہے)؛

مالک بن الحرث الکاهلی ۳: ۳۱۱، ۱۸: ۲۳۴؛

مالک بن الحرث الھذلی ۱: ۱۲۷، ۹: ۱۱۷؛

مالک بن حَرِیم ۱۵: ۲۶۸؛

مالک بن خالد الحُناعی الھذلی ۲: ۴۳، ۲۴۴، ۳: ۳۰۲، ۴۰۱،

۴: ۱۳۷، ۲۲۰، ۵: ۳۰۶، ۸: ۵۶، ۱۴: ۲۲۲، ۶: ۱۶۶؛

۱۸۹، ۷: ۹۹، ۱۹: ۲۵۱، ۲۵۸، ۲۰: ۳۶؛

مالک بن خُوَیْلِد الحُناعی (او الحُزاعی) الھذلی ۸: ۱۱، ۱۳: ۶۴؛

مالک بن رابِیعَة العامری ۱۰: ۸۶ (۹)، ۱۵: ۱۶۳ (۹)؛

مالک بن الرَّسَبِّ الماثرنی ۷: ۴۲۷؛

مالک بن الرَّسَبِّ الماثرنی ۴: ۵۹، ۷: ۸، ۸: ۳۱۹، ۲۰: ۲۷۹؛

۳۳۳، ۳: ۱۳۶، ۱۴: ۷۵، ۱۳۸، ۱۵: ۱۵۲؛

ابو مالک بن الریب ۷: ۲۰، ۹۳: ۲۲۶؛

مالک بن رُغْبَة الباهلی ۱، ۱۶، ۱۶۳، ۵: ۱۵۴، ۶: ۲۹۶،

ابن مرداس : ۳۴۱؛

مرداس الذُبَيْرِي ۷ : ۲۲۸، ۱۰ : ۳، ۷۶ : ۳۲۱؛

مرداس الزبيري ۵ : ۲۷؛

مرداس بن أذنة ۱۱ : ۱۳۸؛

مرداس بن حصن جاهلی ۴ : ۵۸؛

مرداس بن حُصَيْن ۹ : ۲۲۸ یہی شعر مرداس بن حصن جاهلی

کی جانب منسوب ہے (۱۰ : ۲۰۴، ۷۶ : ۲۵۵؛

مرضاوی ۴ : ۳۲۴؛

المُرْقِش ۴ : ۴۱، ۷۱ : ۸، ۱۹۵ : ۹، ۲۴۵ : ۱۱، ۳۷۸ : ۱۴؛

۳۲۹ : ۵ : ۳۲، ۴۴، ۶۹، ۸۴، ۱۳۹، ۳۰۴، ۳۲۲، ۳۷۱،

۱۳۵ : ۷ : ۲۱۲، ۵۶ : ۲۱۲، ۳۵۰ (۹)، ۹ : ۳۷۷، ۳۰ : ۱۸۸،

۲۸۵، ۲۶۹؛

المُرْقِش الأصغر ۶ : ۴۱۹، ۴۳ : ۲۸۷؛

مُرْقِش الأكبر ۴ : ۲۸۰؛

مُرْقِش السدوسي ۵ : ۳ (۹)؛

مُرْوَان ۱۰ : ۵۳؛

مروان بن الحكم ۷ : ۳۴۰ (۹)؛

مروان بن سليمان بن يحيى بن ابی حفصة ۳ : ۳۳؛

ابو مریم ۱۵ : ۲۴۷؛

مزاحف العقيلي ۱۱ : ۳۱؛ (ممکن ہے کہ یہ مزاحم ہو)۔

ابو مزاحم السعدي ۱۰ : ۲۵۸؛

مُزَاجِمُ الْعُقَيْلِيِّ: ۲۰۰، ۲۹۲، ۳۶۷، ۴: ۱۱۷، ۳۹۴، ۳: ۴۰.

۶۲، ۱۲۱، ۲۱۰، ۳۶۱، ۴۴۲، ۴: ۲۸۵، ۲۱، ۶: ۹.

۷: ۳۶۷، ۸: ۳۹۸، ۱۱: ۳۵، ۴: ۳۵، ۳۶، ۳۸.

۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۵، ۱۷۰، ۱۶۴، ۲: ۱۵۹، ۲۱۲، ۳۹۳.

۱۳: ۱۵، ۱۲۰، ۲۲۰، ۴، ۴۸، ۴۵۰، ۴: ۲۱۹، ۲۳۹.

۱۶، ۳۱۶: ۸، ۴۲۸، ۳۹۹، ۲۴۲، ۸۳، ۲۶: ۲۴۲.

۹: ۸۳، ۹۰، ۷۰، ۷۷، ۲۸۷، ۳۱۳، ۳۲۱.

ابو مُزَاجِمُ الْعُقَيْلِيُّ — هو الحارث بن مُصَرِّفٍ

مُزَيَّرُ دِينَ ضَرَّاسٍ (أَخُو الشَّمَّاحِ) ۳: ۳۳۴، ۴: ۵۳، ۴۸۴.

۶: ۲۱۷، ۸: ۱۸۲، ۹: ۴۹۹، ۱۰: ۷۳، ۷۱، ۱: ۱۲: ۱۲۲.

۴۸، ۷۷، ۱۸: ۱۸، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۳: ۷۷، ۹۸.

۴۴۹، ۴: ۱۲۰، ۱۵: ۲۲۹، ۳۰، ۹: ۲۲۶، ۳۳۹.

۲۰: ۴۲، ۱۳۷.

المزني — ملاحظه ہو عبد اللہ ذوالبیجادیں المزنی

مَسَافِرُ الْعَبْسِيِّ ۹: ۲۲۲.

مَسَافِعُ بْنُ عَبْدِ مَنْفٍ ۴: ۲۶۸.

ابنة ابی مسافع القرشي ۱: ۳۸، ۱۸: ۲۶۷.

ابو مُسَاوِرٍ الْعَبْسِيِّ ۱: ۴۱۶.

مُسَاوِرُ بْنُ هِنْدٍ الْعَنْسِيِّ ۱: ۲۰۷، ۷: ۲۳۳، ۹: ۸، ۳۰.

۹، ۳۷، ۱۰: ۳۵۳، ۳: ۳۹۵، ۱۵: ۲۲۹، ۲: ۲۲۹، ۱: ۲۲۹، ۱: ۲۲۹.

بجائے العبسی مرقوم ہے، آغانی (۹: ۱۵۹) میں بھی العبسی

درج ہے، ٤: ١٤٠، ٢٥٤، ٢٠٠، ٢٢٠؛

المُسْتَوْغَرِينِ رَابِعَةَ ٤: ١٢٩، ١٣٠: ٢٤٩؛

مَسْعُودِ بْنِ عَمْرٍو ٩: ٢٨٠؛

مَسْعُودِ بْنِ وَكَيْحٍ ١٧: ١٤٠، ١٤١: ٢٥٤؛

مُسْكِينِ الدَّارِجِيٍّ ١: ٣٣٣، ٣٣٩، ٥: ٨٥، ٢٨٣، ٤٠٠؛

٩، ٢٢٩: ٣٢، ٥: ١٣، ٤: ١٨، ٢٠: ١٤٠، ٤٣؛

٩، ٢٩١: ١٩، ٢٣٢؛

أَبُو مُسْلِمَةَ الْمُحَارَبِيِّ ١٧: ٢٤٥؛

مُسْهَرِ بْنِ عَمْرٍو الضَّبِّي ٤: ٣٠؛

الْمُسَيَّبِ بْنِ نَزِيدٍ مِثْلَ ٩: ١٥٠؛

الْمُسَيَّبِ بْنِ عَلِيٍّ ١: ٣٨٢، ٣: ٣٣٣، ٣: ٢٥، ٧: ٨٥، ٣١٨؛

٤، ٣٢٨، ١٢٢، ١٢٤، ٣٢٩، ٣٣٣، ٩: ١٠، ٢٩٩؛

٨٣، ٢٥٢، ٢٨٣، ١١: ٥٦، ٢٢٢، ٣٣٩، ٣٠٨؛

٢: ٢٢٢، ٢٢١، ٣٣٣، ٣٣٣، ٣: ١٥، ٣٢٢، ٤: ١٤٠؛

٣٥٤، ٢٠٠، ٨٣؛

الْمُشَعَّثُ ١٠: ٢٠٩، ٣: ١٠١؛

مَصَادِ بْنِ شَاهِيرٍ ٩: ٢٩٢؛

مُصَبِّحِ بْنِ مَنْظُورِ الْأَسَدِيِّ ٥: ٢٣١، ٩: ١٥٢؛

الْمُضَرَّبِ بْنِ كَعْبٍ ٢: ٢٢٦، ٢٢٨؛

مُضَرَّرِ بْنِ الرَّبِيعِيِّ الْأَسَدِيِّ (أَوِ الْفَقْعِيِّ) ٢: ٢٤٦، ٣: ٣٥٢؛

٥: ٢٥٠، ٤: ١٠٣، ١٨٢، ٣: ١٣٤، ١٢: ١٥، ١٦؛

المُعَذَّل بن عبد الله م : ۱۸۷؛

معروف بن ظالم م : ۱۲۵؛

معروف بن عبد الرحمن : ۲۳۸؛

المعري م : ۲۵۸؛

المُعْطَل الهذلي م : ۲۲۵، ۲، ۳۵۶ (۹)، ۷ : ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸،

۸ : ۴۶، ۱۱ : ۳۵، ۳ : ۳۶۷ : ۷، ۴۶، ۱۸ :

۱۹۷، ۱۹۸؛

مُعَقَّر بن جمار الباسقي م : ۲۰۵، ۱۱ : ۱۸۹، ۱۲ : ۲۱۲،

۳ : ۱۱۵۸، ۱۹۰، ۱۹ : ۲۹۵ (۹)، ۲۰۰ : ۲۲۲، ۲۲۸؛

مُعْقِل بن خويلد الهذلي م : ۲۳۳، ۳۹۱، ۴۶۳، ۳ :

۳، ۴۷۳، ۹۷، ۱۱۸، ۵ : ۳۵۵، ۴ : ۲۳۹، ۸ : ۳۹۰، ۹ :

۲۰۵، ۲۰۶، ۱۱ : ۳۸، ۳۶۰، ۳ : ۱۹۸، ۱۵ : ۲۰۹، ۲۸۹؛

۱۶ : ۳۱، ۴۹، ۲۰۸؛

مُعْقِل بن ریحان م : ۳۵۶؛

ابو معقل الهذلي م : ۲۸۱؛ (بہی شعر) ۹ : ۲۰۶، پر معقل بن

خويلد الهذلي کی جانب منسوب ہے۔

المَعْلُوط بن بَدَلِ الْقُرَيْبِيِّ م : ۳۱۹ (۹)، ۱۵ : ۲۲۱، ۱۶ :

۱۷ : ۱۷۸، ۱۶ : ۱۷۸، ۱۶ : ۱۷۸، ۱۶ : ۱۷۸؛

المَعْلُوط السعدي م : ۳۶۶، ۳۵۵، ۲ : ۱۲، ۱۲ : ۱۶، ۸۳؛

ابن المُعَلَّى م : ۴۶ (۹)؛

المُعَلَّى بن جمال العبدي م : ۳۹۲، ۱۵ : ۱۶۷، ۱۶ : ۱۶۷، ۱۶ : ۱۶۷؛

۳۴۱، ۱۸۷، ۱۶۰، ۱۱۰، ۶۱، ۵۶، ۴۱، ۳۰، ۳۷، ۳۴۱

؛ ۳۷۰

مقبِل بن خویلد الہذلی ۵: ۱۳۹؛ (شاید مقبل کی بجائے معقل ہو)۔

ابوالمقدام — ملاحظہ ہو بیہس بن صہیب

ابوالمقدام الخزاعی ۳: ۸۹، ۷۰؛ ۲۲۰؛

ابن مقروم ۶: ۳۲۲؛

مُقْعَد بن عمرو ۱۱: ۳۵۲؛ ۹؛

مُقِیس بن صَبَابَة ۱۰: ۱۲۲؛

ابومکعب الاسدی ۳: ۱۴۵؛

ابومکعب الاسدی (ہرومقن بن خنیس) ۵: ۱۵۳؛

ابوالمثلثم صخر ۶: ۲۲۲؛

ملحۃ الجریمی ۴: ۳۴۸، ۵: ۴۰۹، ۹: ۱۸، ۱۵: ۲۸۰،

۴: ۳۳۲؛

الملقی ۱۵: ۲۲۲؛

مُیَیَّح بن الحکم الہذلی ۱: ۴۰۵، ۲: ۴۸، ۷۷، ۲۹۷، ۳: ۴۱، ۹۰،

۹۸، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۵۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۰۵، ۲۳۲، ۳۳۷

۴: ۴۲۲، ۵: ۳۲۰، ۶: ۱۵۲، ۹۳، ۱۵۲، ۳۲۰، ۳۵۵، ۴۵۸،

۶: ۱۵۶، ۸: ۲۵۷، ۹: ۱۲۲، ۱۱: ۱۴۳، ۱۲: ۱۰۱، ۱۳: ۱۹، ۱۴: ۱۳۲،

۱۵: ۲۱۱، ۱۶: ۳۳، ۱۷: ۴۸، ۱۸: ۵۳، ۱۹: ۱۰۱، ۲۰: ۱۴۹، ۲۱: ۲۲۲، ۲۲: ۲۲۲،

۲۳: ۱۰۳، ۲۴: ۱۴۸، ۲۵: ۱۰۱، ۲۶: ۱۵۱، ۲۷: ۳۵۳، ۲۸: ۱۵۳، ۲۹: ۳۲۲،

۳۰: ۱۶۱، ۳۱: ۲۸۷، ۳۲: ۲۹۳، ۳۳: ۲۸۷، ۳۴: ۲۸۷، ۳۵: ۲۸۷،

۱۸: ۱۱۳، ۹: ۲۹، ۵۴، ۲۲۸، ۲۰: ۱۶۱، ۲۲۴؛

المُمَزَّقُ الحَضْرَمِي ۲: ۲۲۰؛

المُمَزَّقُ العَبْدِي (هوشاُس بن نهام) ۸: ۳۳۰، ۹: ۱۸، ۱۱؛

۲۲۲، ۲: ۹۳، ۱۱۹، ۲۱۹، ۲۲۰، ۱۳: ۲۱، ۱۲: ۳۳۹،

۳۵۱: ۳۵، ۳۴۴، ۱۸: ۲۵۰؛

ابن مُنَادِرًا: ۱۶۷؛

مُنَازِل بن فُرْعَانَ ۳: ۱۲، ۸۵: ۱۸۳؛

المُنْخَلَّ الشُّكْرِي ۲: ۱۱۸، ۵: ۲۵۷، (المتنخل صحیح نہیں) ۶:

۲۷۶؛

اخت المنذر بن عمرو الانصاری ۹: ۳۷۹؛

المنذر بن وبرة الشَّخْلَقِي ۱۴: ۳۳۱؛

منصور ۷: ۲۹۲؛

ابو منصور الاسدي ۸: ۲۲، ۷: ۷؛

منصور بن مرثد الاسدي ۶: ۲۵۳؛ (یہ نام منظور بن مرثد

سے مشابہ ہے۔)

منصور بن مُنْجَاح ۷: ۴۰۹؛

منظور ۸: ۳۶۵؛

منظور الاسدي ۳: ۱۱۲، ۹: ۲۱۵، ۱۳: ۲۲، ۷: ۷، ۷: ۷؛

۴۴؛

منظور بن حَبِیَّة الاسدي (حبة امه وابوه شریک) ۱: ۲۰۱،

۳: ۱۳۳، ۷: ۷، ۷: ۷، ۷: ۷؛

منظور الدُّبَيْرِي ٤: ٢٢٦، ١٢: ١٣، ٣٢١: ١٣٥، ١٦٧؛

منظور ابن صُبَّح الاسدي ٩: ٣٠٤؛

منظور ابن مَرْثَد الاسدي الفَقْعَسِيّ ١: ٣٠، ٣: ٢٤٥، ٣٤؛

١٣١، ٢٩٣، ٢٩٤، ٢٨٢، ٩: ٣٥، ٤: ٩٩، ٢٩٩؛

٣٢٠، ٣٣: ٣٩، ٥٠٩، ١٣: ١٧، ٦٧، ٦٦، ١١٤؛ (نيز ملاحظه

هو منظور الاسدي) -

منظور الوُبَيْرِي ٢٠: ٢٨٠؛

منفوسة بنت نزيده الفوارس (او الخيل) ١: ٢٦٥، (٩) ١٧؛

٢٩١ (٩) ٢٩٢؛

منقذ بن خنيس — ملاحظه هو ابو مكعت الاسدي -

منقذ بن الطَّمَّاح الاسدي — ملاحظه هو الجميح بن الطماح

الاسدي -

ابو المنهال ١: ١٨٥؛ (نيز ملاحظه هو بُقَيْلَة الاكبر)

ابو المنيع الثعلبي ٣: ٣٩؛

مُهاصِر بن المُجَلِّ ١: ٢٨٩؛

مُهاصِر النهشلي ٨: ٢٤٦، ٣٣٣؛

ابو مهران ١٠: ١٢٦، ١٣: ٣٣؛

مُهَنْهَل (بن سبيعة الثعلبي) ١: ٢٤٥، ٣٤٨، ٣: ٢٣٢، ٣٤؛

٣٨، ١٣٨: ٣٨، ٣٨، ٤: ٩٤، ٣٧، ٢٨٩، ٣٨٩، ٤: ٣٣٤؛

٨: ٢٤٦، ٩: ٩٩، ٩: ٣٤٩، ٣٩٦، ١٠: ٢٣٨، ١١: ٢٣٨؛

٢٣٥، ١٣: ١٣٩، ١٣: ٢٠٩، ١٠: ٢٥٨، ١٥: ٢٤٦، ٢٤٦؛

نافع بن سعد الغنوي ١٣: ١٢٨؛

نافع بن يقطين الرسدي الفقعسي ١٠: ١٢٠، ١٨، ٣: ٣٠٣،

٥: ٥٤٣، ٤: ٨٩٨، ٨: ٨٩٨، ٩: ٤٩٨، ٤: ٢٩٨، ٩: ٢٩٨،

١١: ٨، ١٦: ٣٦٣، ١٩: ١١٢، ٩: ١١٢؛

نافع بن نفع الفقعسي ٩: ٤٩٨، ٤: ٢٩٨؛

ناهض بن ثومة الكلابي ٤: ٨٨، ١٨: ٤؛

نبهان ٤: ٣٥٤، ٣٠٣؛

نبيه بن الحجاج السهمي ١١: ١٥١، ٣٠: ٣٠٠، ٣٨١: ٩٩؛

نجد الخيبري ٥: ١٥٢، ٤: ١٢٦، ٩: ٥٢، ١٣٨، ٥٢،

٣٠٣، ٤: ٢٢٢، ٣٥٤؛

النباشي ٣: ٨٤، ٨: ١٤١، ١١: ٤٥، ١٤: ٩٢؛

ابو النجم العجلي ١: ١٥، ٢٢، ١١٢، ١٢٢، ٢٥١، ٢٨٥،

٣٠٨، ٣٨١، ٣٨١، ٩١، ٩٥، ١٢٣، ١٨٩، ١٩٢،

٢٦٢، ٣٠٠، ٣١٤، ٣: ٣٢، ٥٥، ١٤٩،

٣٠٦، ٢٤٤، ٢٥٨، ٢٥٨، ٢٤٤، ٢٤٤، ٣٠٦،

٣٣١، ٣٣٠، ٣٣١، ٣٥٠، ٣٥٠، ٣٤٢، ٣٤٨،

٣٤٥، ٣٤٤، ٣٤٩، ٣٨٤، ٣٩٢، ٣٩٤،

٣٠٣، ٣١٥، ٣٥٢، ٣٥٢، ٣٥٢، ٣٤٠،

٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦،

٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦،

٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦، ٣٠٦،

112N 1A415.:4 1W2A 1W3A 1W1.
 14991W2A 1W3W 1W. 1W25 1W35 119A
 112. 11541155 112W: 1W25 1W191W.N
 : 1W29W 1W35 1W31 1W2. 1W14 1129
 14991W2 1W34 11249 114W 11.4 1W. 1W
 14W: 9 1W2A 1W2W 1W3W 1W35 1W. 5
 1W. 1129 115A 11W4 112A 11. 11A 1W5
 1W2: 11. 1W31 1W. 1129W 1W35 1W34
 1W2A 1W39 1W3W 119. 1122 1121 1W2N
 1W. 112N 11.: || 1W35 1W. 9 1W2 1W54
 1W44 1W2N 1W2A 1W12 1W2A 1W39 1W35
 1W35 1152 1W2 1W35 1W44 1W2 119 11A 1W
 112 1W4 1W5 1W35 1W35 1W35 ||: 1W294
 11A5 114N 1155 1151 1W3 1W3W 114
 1W3W 1W. 9 1W. 1W2A 9 1W3A 1W3W 1W. 2
 1W5. 1W3W 1W.N 1W3A 1W2 1W2A 1W31
 : 1W. 5. 415. 1W25 1W34 1W35 1W34
 19. 1A 1A5 124 12W5. 1W2 1W3W 1W
 119W 112. 114A 1145 114W 1W39 1W.
 1A4 122 12.: 1W35 1W3W 1W3W 1W. 9
 1W2A 1W29 1W35 1W3N 1149 115W 1W35

نضر بن سيار ۵: ۳۸۴، ۳: ۳۸۴؛

نصيب ۱: ۱۶۵، ۲۲۸، ۲۹۴، ۳: ۳۸۴، ۳۸۴؛

۳۲۷، ۳۲۷: ۴، ۵۱، ۲۰۹، ۴۰۴، ۵: ۱۰۳، ۷: ۸۳؛

۳۰۴، ۳۰۴، ۳۰۴: ۹، ۱۶۵، ۱۰: ۱۱، ۱۱: ۱۱، ۱۱: ۱۱؛

۲۵۹، ۳۱۰، ۳۱۰: ۱۷، ۲۱۵، ۲۱۵: ۱۵، ۳۶۲، ۱۵: ۹۹، ۳۸؛

۱۶۶، ۷: ۸۹، ۳۵۴، ۱۹: ۲۲۰، ۳۷۵، ۲۰؛

۶۰۰، ۱۹۲، ۱۹۲، ۲۹۸؛

نصيب [بن دياح] الاسود ۱۷: ۲۷۰؛ (اغاني ميں رباح بالباء مرقوم ہے)

نصير ۱۶: ۱۶؛

النَّضْر بن سلمة الجعفی — ملاحظہ ہو ابو ميمون الجعفی

النضري ۳: ۸۴؛

نُضْلَة بن خالد الاسدي ۹: ۲۶۱، ۹؛

نُضْلَة الشَّكِّي ۳: ۳۷۸؛

النَّظَّار الفقعي الاسدي ۳: ۳۶۲، ۲۰: ۷۵؛

النظار بن هاشم الاسدي ۴: ۲۸۷؛

النعمان بن بشير ۸: ۱۵۸؛

النعمان (بن عدی او من بنی عدی) ۱۱: ۳۱۸، ۱۵: ۵۱، ۱۶؛

۵۰ (۹)؛

النعمان بن نُضْلَة العدوي ۱۶: ۵۰ (۹)؛

بنت النعمان بن المنذر ۱۲: ۳۶؛

نعيم بن الحرث بن يزيد السعدي ۹: ۴۸۰؛

نَهْشَل بن حَرَّی ۲ : ۱۲۷ (حرى کی بجائے جَوِی مرقوم ہے) ، ۳ :

۸۲۵۸ : ۶، ۷ : ۸، ۹ : ۹، ۲۴۱ : ۱۱، ۱۶ : ۱۱، ۲۰۱ : ۱۲ :

۶، ۳، ۲۰۸ : ۱۳، ۲۶۲ : ۲۰، ۴۳ : ۴۳ ؛

نَهْیَک بن اِسَاف الانصارى | : ۳۱۸ ؛

نَهْیَک الفزارى | : ۳۰۶ ؛

نَهْیَک بن قَعْنَب ۱۶ : ۱۰۱ ؛

نَهْیَکة الفزارى ۹ : ۴۰۰ ؛

نَوَّاس ۱۳ : ۲۳۷ ؛

ابو نُوَّاس ۵ : ۳۲۸ ؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن ہانی)

نوح بن جریر ۱۷ : ۱۲۱ ؛

ابو نوفل ۱۱ : ۳۰۱ ؛

نوفل بن ضَمْرَة الصُّمْرِی ۱۴ : ۱۳۱ ؛

نُوَيْفَع بن نُفَيْح الفَقْعَسِی ۹ : ۲۷۶ (۹) ؛

ه

ابن هَانِئ ۶ : ۹، ۷ : ۹۷ ؛

هَانِئ بن تَوْبَة الشَّيْبَانِی (الشَّوَيْعِر الحنفی) ۴ : ۶، ۱۱، ۳۶ :

۸۵ ؛

هَبَيْرَة بن عبد مناف — ملاحظہ ہو الطَّحَبَة

هَبَيْرَة بن عمرو النهدي ۱۵ : ۲۲۰ (۹) ؛

الهَجَّيْنِ ۱۷ : ۱۹، (۹) ۳۴۹ : ۳۶۱ ؛

الهداس || : ٣٨٣ (؟) ؛

هُذْبَةُ بْنُ الْخَثَرَمِ : ٢٨٤ ، ٣ : ٣٩٣ ، ٢ ، ٥ : ٣١٧ ، ١ ؛

٢٣٠ ، ١ ، ٤٢ : ١٠ ، ٣٨٢ ، ٣ ، ١٨٨ ، ١ ، ٨٨ ، ٩ : ٣٨٢ ، ٢

١٩٩ ، ٣ ، ١٢ : ٢٥٤ ، ٣ ، ١٣ : ٢٣٩ ، ٢ ، ١٢ : ٣٣٣ ، ٢ ، ٤٢

٩٣ ، ٥ : ١٢٣ ، ٣ ، ٣٥٣ ، ٣ ، ٩٩ ، ٣ ، ٢٠ : ٢٣٢ ؛

الْهَذْلَى : ٣٩٣ ، ١ ، ٩٩ ، ٢ ، ٤٢ ، ١ ، ٣١٣ ، ٢ ، ١٢٣ ، ٢ ، ٥١ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٢

١٨٣ ، ٢ ، ٣٨١ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٨٩ ، ٢ ، ٣ : ٣٣٣ ، ٢ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١ ، ٢ ، ٤٢

٤٢ ، ٣ ، ٨٣ ، ٢ ، ٣٢١ ، ٢ ، ٥٤ ، ٣ ، ٤٢ ، ٣ ، ٣ : ٣٣٣ ، ٢ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١

٢ ، ٣ ، ٥١ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١

٢٣٠ ، ٢ ، ٩٩ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥١

٢٣٢ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٨ ، ١ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٢٣٤ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥ ، ٢ ، ٤٢ ، ٣ ، ٩٩ ، ٢ ، ٥٩ ، ٢ ، ٨٥

٥: ١١٦٢، ١١٨٤، ١٨٢، ١١٩١، ٨، ١١٢١، ٩: ١٥٨،
 ٨٢٢، ٩٩٩، ١٠٠: ٩٨، ١٣١، ٢٤٥، ٢٢٢، ٣٣٣، (٩) ٣٥٩،
 ٢٠٢: ١١٢٤، ٢٢٤، ٣٤٣، ١٣١، ٢٢٢، ٢: ١٩٤،
 ٣: ١٢٢، ٢٢٣، ٢٢٤، ٢٢٩، ٢٢٩، ١٢: ١٥١،
 ٢٢٢، ١٤٤، ١٤٤، ٢١٤، ٢٢٨، ٣٣١، ٥: ٨٢،
 ١٩١، ١٢: ١٤٤، ٢١٢، ١٤: ١٢٣، ١٢٣، ١٨: ١،
 ٩٠٣، ١٩: ١٠٥، ١٢٤، ١٠٠، ٢٠٢، ٣٠: ٤٠،
 ١٠٠، ١٢٨، ٢٩٩؛

هَرَيْمُ بْنُ الْحَطِيمِ ٥: ٨٣ (٩)؛

هَرَيْمُ بْنُ رَافِعٍ ٥: ٢٤٤ (٩)؛

حِشَامٌ ٣: ٣٢؛

حِشَامٌ (أَخُو ذِي الرِّمَّةِ) ١: ١٩٩؛

حِشَامُ الْمَزْنِي ٥: ٢٥؛

هَمَّامٌ (أَخُو ذِي الرِّمَّةِ) ٥: ٥٥؛

ابْنُ هَمَّامِ السَّلَوِيِّ ٢: ٣٠٢، ٣: ١٩٣، ٣: ٨٥،

٨٨، ١٣١؛

هَمَامُ بْنُ قَبِيصَةَ الْفَزَارِيِّ ١: ٢٥٨؛

هَمَامُ بْنُ مُرَّةَ ٤: ٨٨ (٩)؛

الْهَمْدَانِيُّ ٤: ٩٥، ٣: ٤٣؛

هَمِيَانُ بْنُ ثَعْلَبَةَ السَّعْدِيِّ ١: ٨٦، ٢: ٢١، ٨٨، ٣: ٣،

٢٦، ٥٦، ٤٢، ٤٣، ٤٥، ٤٤، ٤٥؛

ابوالهيثم التغلبي (اوالتغلبى) ٣ : ٩، ٣٣، ٩ : ١٨، ١١ :

٣١، ١٢ : ٢، ١٩، ١٥ : ١٩٣ ؛

الهيثم بن حسان التغلبي ١٠ : ٣٧، ٣ ؛

ابوالهيثم الهذلي ٩ : ١٢٥ ؛

الهيرودان السعدي (احد لصوص بني سعد) ١٢ : ٩، ٥٣ ؛

و

ابن وادع العوفي ١٤ : ١٤٧ ؛

واقد بن الخطريف الطائي ١٢ : ١٨، ٢٥١ : ٨٢ ؛

الوالي ٣ : ١٠٤ (٩) ؛

وبرة (هوليص) ٨ : ٢٠٩ ؛

ابو وجزة السعدي (هوزيد بن ابى عبيد) ١ : ١٣، ١٢٧، ١٤٧ ؛

٣٨٣، ٣ : ٨، ٣٣، ٦٣، ١٢٧، ١٨٢، ١٨١، ٢٧٦، ٢٩٦ ؛

٢٩٦، ٣ : ٢٧٦، ٢٨٨، ٣ : ٣٣، ١١٥، ١٢٧، ١٨٤ ؛

٢١١، ٢١٣، ٢٢٠، ٢٢٧، ٢٢٧، ٣٥٠، ٣٩٩، ٣١٩ ؛

٢٦٥، ٢٧٥، ٢٨٤، ٢٨٤، ٢٨٤ : ٢٧٦، ٢٨٨، ٢٨٨ ؛

٢٦٩، ٢٧٩ : ٢٧٩، ٢٧٩، ٢٧٩، ٢٧٩ ؛

٢٧٩، ٢٨٨، ٢٨٨ : ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨ ؛

٢٨٨ : ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨ ؛

٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨ ؛

٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨، ٢٨٨ ؛

۱۵۱، ۱۴۱، ۲۹، ۱۰، ۱۱، ۳۴، ۳۱۵، ۲۸۸، ۲۴۴
 ۱۵۶، ۲۸۵، ۳۳۱، ۳۵۰، ۳۳، ۱۲۸، ۲۲۲،
 ۲۳۸، ۳۴۰، ۳۶، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸، ۳۱۱، ۱۴۱،
 ۳۰۹، ۳۴۴، ۳۹۰، ۳۰۷، ۱۰، ۱۵۱، ۱۴۱، ۱۹،
 ۱۰۶، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۵۵، ۲۱۵، ۲۵۷، ۳۶۳،
 ۳۷۳، ۱۵۱، ۳۷۳، ۸۲، ۳۶، ۱۳۹، ۳۷۳،
 ۲۸۹، ۳۹۲، ۳۲۷، ۳۸۵، ۳۹۰، ۳۷۳، ۳۷۳،
 ۱۰۴، ۱۳۴، ۱۸۷، ۳۹۱، ۳۷۳، ۳۰۲، ۳۷۳،
 ۱۸۰، ۲۴۰، ۱۹۷، ۱۰۶، ۲۷۹، ۳۴۲، ۳۷۳، ۳۸۰،
 ۳۷۳، ۱۵۱، ۱۱۵، ۲۲۸، ۳۶۱؛

ابن وداعة الهذلي ۳: ۹؛

وداک بن ثُمیل ۳: ۸۷؛ (اصل میں ثُمیل کے حرف اول پر
 کوئی نقطہ نہیں ہے، مگر خزائن الادب اور تاج العروس میں
 حرف اول ث مرقوم ہے)۔

ابو الوثر والمجدی ۴: ۳۰۳، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۴۱؛

وثرقاء بن زاهیر ۴: ۱۹۸؛

ورقة بن نوفل ۴: ۱۰۵، ۹۷، ۳۹۵؛

الوثرک الطائی ۱۰: ۲۵؛

وسیم بن طاسق ۱۵: ۸۷، ۹۷؛

وُشیم بن طاسق ۳: ۴۰۴، ۹۷؛ (یہی شعروسیم بن طاسق

کی جانب منسوب ہے)۔

وَضَّاح ۱۳: ۱۳۰؛

الْوَضَّاحُ بْنُ اسْمَعِيلَ ۹: ۲۲؛ ۲۰: ۲۷۱؛

وَضَّاحُ الْيَمَنِ ۱: ۶۴۹؛ ۲۳: ۲۰۸؛

وِعَاسُ ۱: ۲۸۸؛

ابو وِعَاسِ الْهَذَلِيِّ ۱: ۴۶۶ (۹)؛

وَعْلَةُ الْبَحْرِيِّ ۸: ۲۷۱؛ ۹: ۱۵۳، ۱۶۵، ۲۳۵، ۲۴۴؛

۱۰: ۱۷۹، ۱۵؛ ۲۸۸ (۹)؛ ۱۶: ۲۶۰؛

الْوَقَّافُ الْعُقَيْلِيُّ ۱: ۴۷۷، ۸؛ ۲۶۴ (۹)؛

الْوَلِيدُ بْنُ حَنِيفَةَ — ملاحظہ ہوا ابو حَزَّابَةَ

الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ ابْنِ مُعَيْطٍ ۹: ۲۷۷؛ ۲: ۱۴۵؛

۵: ۳۱۷؛ ۱۱۹؛ ۱۱: ۳۹۳، ۵؛ ۳۶: ۳۶ (یہاں ابی

معیط کی بجائے ابی عقبہ مرقوم ہے، مگر تاج العروس میں

ابی معیط ہی لکھا ہے)، ۱۷۶، ۱۹: ۳۳۹؛

ح

يَحْيَى بْنُ الْمُبَارَكِ الْيَزِيدِيُّ أَبُو مُحَمَّدٍ ۷: ۴۰۸؛

يَحْيَى بْنُ مَنْصُورٍ ۵: ۲۶۶ (۹)؛

يَحْيَى بْنُ وَائِلٍ ۱۳: ۲۸۴؛

يَزِيدُ بْنُ الْأَعْمُرِ الشَّيْبِيُّ (أَوِ الشَّيْبِيُّ) ۳: ۲۱۴، ۱۱: ۱۴۶؛

۳: ۱۸۷، ۱۷۱؛ ۱۹: ۲۲۹، ۱۸؛ ۱۰۳، ۲۲۰؛

يَزِيدُ بْنُ الْجَهْمِ الْهَلَالِيُّ ۹: ۱۹۰؛

يزيد بن حَذَّاقِ الْعَبْدِيِّ — ملاحظه هو يزيد بن حَذَّاقِ

يزيد بن الحكم الثَّقَفِيُّ ١ : ٣٣٣ ، ٢ : ٣١٣ ، ١١ : ١٣٥ ، ٣٥٣ ،

١٢ : ٢٣٨ ، ٢٣٨ : ١٣ ، ٣٠٥ ، ٣٥٩ ، ١٥ : ٣١١ ،

١٤ : ٣١٠ ، ١٨ : ١٠١ ، ١٢٩ ، ١٩٦ ، ٣٠٦ ، ١٩ : ١٣٩ ،

١٥٥ ، ١٨٨ ، ٢٠ : ١٤٨ ، ٢٣٤ ، ٢٤٠ ؛

يزيد بن الحَذَّاقِ الْعَبْدِيِّ ٣ : ٢٠٦ ، ٤ : ٣١٠ ، ٣١٢ ،

١٩ : ٢٦٦ ، ٢٠ : ٢٢٨ ؛

يزيد بن الصَّعِقِ ٣ : ٢٣٤ ، ٣٣٢ ، ٥ : ٥٣ ، ١٣ : ٣٨٩ ،

١٤ : ١٥١ ، ١٨ : ٢٥٢ ، ١٩ : ١٨٨ ؛

يزيد بن الصَّقِيلِ الْعُقَيْلِ ٥ : ١٣٤ ؛

يزيد بن صَبَّةِ الثَّقَفِيِّ ٢ : ٣١٣ ، ١٥ : ٢٤٢ ؛

يزيد بن الطَّوْرِيَّةِ — ملاحظه هو ابن الطَّوْرِيَّةِ

اخت يزيد بن الطَّوْرِيَّةِ — ملاحظه هو زينب بنت الطَّوْرِيَّةِ

يزيد بن طُعْمَةِ الْخَطِيِّ ٩ : ٣٠٣ ، ١٣ : ١٢٩ ؛

يزيد بن عبد المَدَانِ ١٤ : ١٤٥ ؛

يزيد بن ابى عُبَيْدٍ — ملاحظه هو ابو جَزَّةٍ

يزيد بن عمرو بن الصَّعِقِ ٨ : ٢٢١ ، ١٣ : ٣٠٣ ، ١٤ : ٢٠ (٩) ؛

يزيد بن معاوية ٩ : ٣٤٣ ، ١٠ : ١٩١ ، ٢٩٨ (٩) ؛

يزيد بن معاوية الرُّؤَاسِيُّ الْبُذُّوَادِ ١ : ٦٢ ، ٢ : ١٩٩ ، ٩ :

٢٢٨ ، ٣٦٤ ، ١٠ : ٢٩٢ ، ١٤ : ٣٤٤ ، ٤٥ ، ١١٨ ، ١١٨ ،

٢٣٤ (٩) ، ٢٩٢ ، ٣٠٥ ، ٣٣١ ، ٣٠٣ ، ٣٠٣ ، ١٨ : ١٣٩ ،

١٤٨: ٢٠، ٢٤٣، ١٨٩، ١٥١، ١١٢: ١٩، ٢٢٠، ١٤٣
 يزيد بن المقرغ الحميري ٣: ١١٩، ٣: ٥٣، ٤: ٣٣٤،
 ٨: ٤، ٨، ١٠: ٩٥، ١٢، ٢٦٣، ٣٠٢، ١٤: ٢٥،
 ٩٣، ١٤: ٣١٢، ١٩: ١٣٣، ١٥٩، ٢٩٦، ٢٠: ٢٠،
 ٣٤؛

يزيد بن المهذب ٥: ١١١؛

يزيد بن النعمان الاشعري ١٦: ٢٨٨، ١٤: ٢٦٥؛

اليزيدي ٥: ٩٨؛

ابن يعفر ١٦: ٣٦؛

يعلى بن الاحول (هو ابن مسلم بن قيس الشكري) ١٦: ٢٨٣، ٢٠: ١٥٥ (٩)؛

٣٦٤؛

ابو يغلى المهلكي ٦: ٣١٤؛

اليهودي الخبيري ٢: ٣٣٢، ١٢: ١٢٣؛

تَمَامُ شَدِّ

استدراکات

فہرست اسماء الشعراء لسان العرب میں مندرجہ ذیل حوالہ جات کا اضافہ فرمایا جائے :-

الاحوص ۱۲ : ۱۸۲ ،

الاحضر بن ہبيرة ۱۵ : ۹۷ ،

الاشتر الخفي ۱۵ : ۴۰ (۹) ،

الاعشى ۱۵ : ۶۹ ،

الحطيم القيسي ۱۱ : ۳۷۰ (۹) ، [یہی شعر ۱۲ : ۳۲ پر الحطيم القيسي

کی جانب منسوب ہے ، دونوں نام مشابہ ہیں]

الحنفية ۱۱ : ۳۳۲ (۹) ؛ (حنظلة بن مصبح کے بعد لکھیں)

خرنق ۱۱ : ۳۳۲ (۹) ،

ابودجانة سماك بن خرشة ۱۴ : ۱۲۷ (۹) ، (الدبيري کے

بعد لکھیں) ،

رؤبة ۱۲ : ۲۶۰ ،

ريسان بن عنترۃ المغني ۱۴ : ۸۹ (۹) ، (ديان بن حوئص کے

بعد لکھیں) ،

الزفيان ۱۱ : ۳۴۴ ،

سماك بن خرشة — ملاحظہ ہو ابودجانة را بن سماعة الذهلي

کے بعد لکھیں) ،

شافع اللیثی ۱۴ : ۲۷۱ ، (شائس بن نہار کے بعد لکھیں) ،
 شقیق بن جزء بن ریح الباهلی ۱۲ : ۲۰۱ (۹) ، (شقران اسلامی
 کے بعد لکھنا چاہیے) ،

عائذ بن سعد العنبري ۱۵ : ۲۴۷ ، (فہرست ہذا میں ۹ دوسری
 سطر کے بعد لکھیں) ،

عدی بن زید ۱۵ : ۳۸۸ ،

عمر بن ابی ربیعۃ ۱۶ : ۶ (۹) ،

عوف بن الخرع ۱۱ : ۳۵۰ (۹) ،

الفرزدق ۱۲ : ۲۸۷ ،

اللعین المنقری ۱۴ : ۱۶۵ ،

فہرست اسماء شعراء ۸۲ سطر ۱۱۰ ، ۲۷۵ ، ۱۲۱ ، کی بجائے ۱۷۵ ،
 ۱۱۱ ، پڑھنا چاہیے ،

عبدالقیوم

5. Analytical Indices of the Kitab al-Ikd al-Farid of Ahmad B. Muhammad B. 'Abd Rabbihi (based on the Cairo edn. A.H. 1321). Prepared by Principal Mohammad Shafi M. A., Panjab University Oriental College, Lahore.

Index I—Names of Poets cited in the work.

Index II—Rhymes.

Index III—Names of Persons, Tribes etc.

Index IV—Names of Places.

With a conspectus of the pagination of the contents in the various editions of the 'Ikd. Vol. I. Size 22x29. Pages lxxiii+1044. Printed at
the Baptist Mission Press, Calcutta, 1935. Price: Rs. 26-0-0. Vol. II
Printed at the same Press in 1937 Pages xxiv+212 Size 22x29 Price
Rs. 6-8-0

6. Life and Works of Amir Khusrau by Dr. Mohammad Wahid Mirza M. A. (Panjab), Ph. D. (London), Professor of Arabic in the Lucknow University. Pages VI+262 Size 20x26. Printed in 1935. Price Rs. 4-0-0 or 6 Shillings.

Under Preparation.

Letters of Rashid ud-Din Fadhullah. Persian text and abridged translation, by Principal Mohammad Shafi M.A. (Cantab.)

Please apply to the Sale Agents:—

1. Messrs. LUZAC & Co.
46, Great Russell Street,
LONDON, W.C.1.

2. Messrs. MOTILAL BANARSI DASS
Oriental Booksellers,
Saidnitha, LAHORE.

PANJAB UNIVERSITY ORIENTAL PUBLICATIONS.

ARABIC, PERSIAN, AND URDU SECTION

1. **Iqlid al-Khizana** or Index of the titles of works referred to or quoted by 'Abdul Qadir al-Baghdadi in his **Khizanat al-Adab**. Prepared by M. 'Abd-al-'Aziz Maiman, Lecturer in the Muslim University, Aligarh. Printed in Lahore, 1927. Pp. 19+130. Size 20x26. Price :
8
paper cover, Rs. 1-0-6, bound 1-5-0.

2. **Majmua-i-Naghz** or the **Tadhkira-i-Shuara-i-Urdu** (in Persian) by Mir Qudratullah Qasim. Edited by H. M. Shairani, Lecturer in Urdu in the Panjab University, from the author's autograph copy. Two volumes in one. Lithographed. Printed in 1933. Pp. 47+456. Size 20x30. Price : unbound Rs. 3-6-0. bound, Rs. 3-12-0.
8

3. **Tatimmat Siwan al-Hikma** or **Akhbar al-Hukama'** of 'Ali b. **Zaid al-Baihaqi** (d. 565 A. H.). Arabic Text and the Persian version with copious notes and full indices. Edited by Principal Mohammad Shafi, M. A. (Cantab), Panjab University Oriental College, Lahore, from Berlin, Istambol and Lahore Mss. Printed in Lahore, 1935. (in 2 pts) Pp. 17+359 and 134. Size 20x26. Price Rs. 6-12-0. Part 3
8
(Introduction) still to appear.

4. **Akhbar al-Dawlat al-Saljukiya** also known as **Zubdat al-Tawarikh**. Edited by Dr. Mohammad Iqbal M.A., Ph. D (Cantab), Professor of Persian, Panjab University. The text is based on the unique copy in the British Museum. Printed in Lahore, 1933. Pages viii+228. Size 20x26. Price: cloth bound Rs 4-5-0; paper cover Rs. 3-12-0.
8

فہرست مضامین

| جلد ۱۵- عدد ۱ | ابابت ماہ نومبر ۱۹۳۸ء | عدد مسلسل ۵۵ |
|---|---|-------------------------------------|
| نمبر شمار | مضمون | مضمون نگار |
| ۱ | تاریخ غریبی | پروفیسر حفیظ محمد صاحب شیرانی |
| ۲ | سرسید کے ہم خیال علماء کے دینی نظریے | سید محمد عبداللہ ایم اے، ڈی سیٹ، |
| ۳ | بابا فرید گنج شکر، شیخ ابہیم اور فریدانی | ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ ایم اے، |
| ۴ | سلطان ناصر الدین قباچہ اور اس کے درباری شعراء | آغا عبدالستار خاں ایم اے ایم اویں، |
| ۵ | اسماء الشعراء | مولوی عبدالقیوم ایم اے، میکلوڈ |
| ۵ | زیادات و تصحیحات | عربک ایسریج مٹو ڈپٹی پنجاٹ نیورسٹی |
| ۶ | فہرست التوائی (جو لسان العرب میں درج ہیں) | " " " |
| <p>نوٹ: ۱۔ ضمیمہ عربک لائبریری میں برساتی کے مضامین درج ہوئے ہیں</p> <p>گیلائی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھاپا اور بابا صدیقی احمد خاں نے ڈیزائن کیا لاہور سے شائع کیا</p> | | |

اورنٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحداً امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلباء میں شوق تحقیق پیدا کیا

جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔
کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سال میں ایسے

مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ سب سے زیادہ مطلوب قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقسطاً شائع کئے جائیں گے

رسالہ کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی پنجابی و ہندو فارسی حصہ دوم سنسکرت ہندی پنجابی (بجروت گوکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ ہی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت | یہ رسالہ ہر سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا
اور قیمت اشتراک | سالانہ چند حصہ اردو کیلئے ۴۰ روپے اور ٹیل کالج کے طلبہ سے چندہ و غلہ کے

وقت وصول ہوگا۔ کسی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت غرضاً

مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔
خط و کتابت و ارسال زر | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل

اورنٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجئے جائیں
محل فروخت | یہ رسالہ اورنٹل کالج کے دفتر سے خریدایا جاسکتا ہے۔

قلم تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورنٹل کالج سے متعلق ہیں،
اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

نہ ہر دو حصہ میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر محمد رحمان یا سب سے شائع ہوتا ہے۔

تاریخِ غریبی

(۱۹۳۵ء - ۱۹۳۶ء)

یہ ایک ضخیم شہری ہے۔ جو سات سو صفحات پر تقریباً شامل ہے۔ اور آفریقہ میں نور محمدی سے لے کر تمام سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے حالات و قصص از آدم تا عالم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں مرقوم ہیں۔ اس کا وزن ہندی عروض سے تعلق رکھتا ہے جسے امیر خسرو دہلوی نے فارسی میں بھی روشناس کر دیا ہے۔ عنوان سرخ سیاہی سے اور مطالب سیاہ روشنائی سے مسطور ہیں۔ ہر موضوع ایک علیحدہ عنوان سے شروع ہوتا ہے اور ہر عنوان کے خاتمہ پر ایک ایک دوہرو اور ایک ایک سورٹھ زبان ہندی درج ہے۔ فی صفحہ ۳۱ سے ۷۱ تک سطریں اور تعداد ابیات تقریباً دس ہزار ہے۔ خط بدینا نستعلیق مختلف کاتبوں کے ہاتھ کا۔ کاغذ دسی اور یورپین۔ مؤخر الذکر کئی کارخانوں کی ساخت کا جس پر مختلف آبی نشانات و علامات موجود ہیں۔ کسی ورق پر بڑے تاج کی تصویر ہے۔ کسی پر ایک بڑے دائرہ نا حلقہ کے اندر مختلف اشکال اور خطوط درج ہیں۔ کئی ورقوں پر تین سطروں میں یہ عبارت درج ہے:-

سطر اول FINDE سطر دوم OHANNOT سطر سوم DANMONAY

ایک ورق پر آبی حروف میں ۱۹۳۵ء مرقوم ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ولایتی گنڈ ہندوستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں تجارتی مال کے طور پر آنے لگا ہے تصنیف کے سلسلہ میں دو تاریخیں ملتی ہیں۔ پہلی ۱۱۶۳ھ جو دیاچہ میں مذکور ہے گیارہ سے چوسٹھ پر بنی پوری کری فضل کر دھنی

دوسری تاریخ ۱۱۶۵ء خاتمہ میں آتی ہے چنانچہ:-

پندرہویں جو صفر کی پیر بارہ آج گیارہ سو شتر بجے ہوا سو پورن کج

ان میں پہلی کتاب کی ابتدا کی اور دوسری اختتام کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔
کتاب بہر حال شہر بیان میں جسے ممدوی روایات میں کسی قدر اہمیت حاصل ہے۔
لکھی جاتی ہے :-

شہر بیان میں بھی پوری ہوئی کتاب لکھے پڑھے کوئی سنے سکوں ہوئے ثواب
تاریخ غریبی اگرچہ ایک اہم تالیف ہے۔ مگر بد قسمتی سے اس کے مصنف کے
نام پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ متعدد موقعوں پر شاعر نے اپنے متعلق اشارے کئے
ہیں مگر ہر بار وہ اپنے آپ کو جیسا کہ متقی اور دیندار مسلمانوں کا دستور ہے 'غریب' اور 'ماجر'
کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ بلکہ ایک دو موقعے ایسے بھی آئے ہیں جن میں وہ اپنے لئے
ساقی کا لفظ لاتا ہے۔ یہ اشارے شاعر کے نام کی گنتی سلجھانے کے لئے ناکافی ہیں۔ ذاتی
حالات کے سلسلہ میں اس نے اسی قدر بیان دیا ہے کہ وہ خوب میاں کا خانہ زاد ہے
اور میاں جیسے اس کے مرشد ہیں۔ ذیل میں یہ اشارے نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱) سنو ماجری کرے بچارا + ان باتوں کا لکھنے والا ہے غریب یہ عاجز بندہ ساری باتوں میں شرمندا
ممدی کے جھپوک سور ان سب کے پائین کی مٹو + خوب میاں کا خانہ لڑو کھوئی عمر سبھی برباد +
مرشد میاں محمد عیسیٰ ان کے صدقہ سول کچھ دیا + ۱۷۱

- | | |
|---------------------------|----------------------------|
| (۲) سنر و پھر قصہ کی باقی | کے بچارا ماجر ساقی ۱۵۹ |
| (۳) اب سورہ یس بتاوے | یہ غریب ہندی میں لیاوے ۱۶۰ |
| (۴) یہ غریب ماجر بتلاوے | جیسا جانڑا ویسا لیاوے ۱۶۱ |
| (۵) ایک تزدون میں آوے | یہ غریب عاجز بتلاوے ۱۶۲ |

لے تاریخ نہا کے لئے میں محترمی سید خیر الدین صاحب کو مل نکاحات میپور کا ممنون احسان ہوں۔ موقوف
نے انتہائی نہرانی سے کام لے کر نہ صرف یہ کتاب بلکہ دیگر ممدوی اردو مؤلفات کے خطوط بھی میرے حوالے کر دیئے جن پر
تبصرہ غریب شائع ہونے والا ہے۔ راقم یہاں سید صاحب ممدوی کی اس کرمزانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو ان کا فرض سمجھتا ہے

- (۶) ایک فاضلہ رہی جو باقی کچھ پارا عاجز ساقی ۳۳۱
 (۷) منتر میں سوں جو سیر نکالا سو یہاں کے غریبی والا ۳۳۲
 (۸) یہ غریب عاجز کیا ہوگا اس بیان کا پاوے جوگا
 اس غریب میں لکھی غریبی پہنچے سکوں نفع نصیبی ۳۳۵

الفاظ غریب، و عاجز، بحیثیت اسم صفت آئے ہیں نہ بحیثیت علم۔ لیکن یہ خیال بھی آتا ہے کہ چونکہ کتاب کا نام تاریخ غریبی ہے۔ اس لئے 'غریب' مصنف کا نام یا نام کا حصہ ہو۔ دو جگہ ساقی، ایسے طور سے استعمال ہوا ہے کہ اس پر نام یا تخلص کا گمان گذرتا ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ مصنف اس لفظ کو ایک خاص مفہوم میں لاتا ہے جو دیگر مصنفین اُردو کے ہاں نامعلوم ہے۔ اس موقع پر خوب میاں اور میاں محمد عیسے کے متعلق چند الفاظ کہنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

خوب میاں ان کا عرف اور نام سید مرتضیٰ ہے۔ ان کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت میراں سید محمد ہدی جو چوری سے اس طرح ملتا ہے کہ سید مرتضیٰ ابن میاں شاہ شریف ابن سید حیدر ابن سید ابراہیم ابن سید یعقوب ابن سید محمود ثانی ہمدی ابن میراں سید محمد ہدی۔ سید مرتضیٰ بظاہر اہل دائرہ سے علاقہ نہیں رکھتے بلکہ اہل حیات ہمدیہ کے رکن ہیں۔ انہوں نے ایک فارسی رسالہ میاں مصطفیٰ کے پیروں کی حمایت میں لکھا ہے جس کا نام 'رسالہ در تائید تابعان بندگی میاں مصطفیٰ' ہے۔ اس رسالہ کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں مگر ایک قلمی نسخہ ۱۱۸۱ھ کا نوشتہ راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ اسی موضوع پر ایک اور منظوم رسالہ اُردو میں اسی مصنف کا موجود ہے جس کی ابتدا ہے۔
 اول حمد خدا کی کہ ہوں ہے خالق کرتارا جنت میلانے میں نعمتاں ہو جو شقی لبہا را؛
 مصنف اپنے آپ کو خوب میاں کا خانہ زاد کہتا ہے اس سے ہم اس قدر سمجھتے ہیں۔ کہ وہ خوب میاں کا فرزند ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور رشتہ رکھتا ہے۔

بندگی میاں محمد عیسیٰ اہل دائرہ کے نہایت مقبول اور مشہور پیشوا ہیں وہ بندگی میاں عماد الدین کے بعد جن کا سال وفات ۱۱۱۳ھ ہے مسند ارشاد پر فائز ہوتے ہیں۔ فیض عام و کئی مثنوی جو میاں مصطفیٰ کے حالات میں ایک مقبول تالیف ہے ۱۱۴۱ھ میں انہی کے زمانہ میں لکھی جاتی ہے۔ ۱۱۵۱ھ میں وفات پاتے ہیں۔ مگر وفات کے بعد بھی ان کی شہرت دیر تک قائم رہتی ہے اور مختلف تالیفات میں ان کا مذکور آتا ہے۔ چنانچہ محمد جی 'فتحنامہ الامین' (۱۱۸۱ھ) میں اور شیخ محمد 'رسالہ نعل مہدیاں' میں اور ادھین ہمدوی 'شہادت نامہ امام حسن حسین' اور وفات نامہ رسول (۱۱۶۵ھ) میں بڑے احترام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح کتاب بحر المعانی عرف معراج نامہ کا مصنف بھی ان کی یاد تازہ رکھتا ہے۔ الغرض یہ تمام مصنفین میاں عیسیٰ کو ان کی وفات سے سچیں تیس سال بعد تک بھی اپنا مرشد بیان کرتے ہیں +

یہ خیال ہمارے اذہان پر قبضہ کئے ہوئے ہے کہ یہ شعر و غزل ہے جس نے اردو کی ارتقا میں بڑا کام کیا ہے۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر و شاعری اور اس کا مذاق خواص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ عوام میں جس چیز نے اردو کو مقبول بنایا اور اس کی نشر و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا وہ اس کے نیم مذہبی قصص اور اسی قسم کے دیگر موضوع ہیں۔ جنہوں نے عوام الناس کے قلوب کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ گزشتہ دو صدیوں میں جس قدر کتابیں ان مضامین پر مرقوم ہوئیں اور جس تعداد میں جھپیں کسی اور مضمون پر شائع نہیں ہوئیں۔ ان نیم مذہبی تالیفات سے ہمارا مقصد نوزائے۔ معراج نامے۔ وفات نامے۔ شہادت نامے (امام حسین) و مراثی و جنگ نامے وغیرہ قسم کی مولفات ہیں۔ جو کثرت کے ساتھ طبع ہوئی ہیں۔ شعر کے دیوان بے شک کثرت سے لکھے گئے لیکن اول تو یہ دیوان کم طبع ہوئے اور جو طبع ہوئے سوائے معدودے چند کے ان کو پڑھنے والے میسر نہیں۔ مگر علیمہ واثی اور شاہ روم

اشیخ معین الدین چشتی کے قصے پڑھنے والوں کی تعداد آج بھی لاکھوں سے متجاوز ہے جیسے ہی ہمارے لڑکے اور لڑکیاں اردو حرف شناسی سے فارغ ہوتے ہیں وہ اتالیقتا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جس کی وجہ مذہب سے قربی لگاؤ کے علاوہ اس شاخ ادب کی ایک اور خصوصیت یعنی سادگی بیان اور سلاست زبان میں تلاش کرنی چاہیے۔ یہ کتابیں ایسی آسان اور عام فہم زبان میں مرقوم ہوئی ہیں کہ ہماری قوم کا نیم تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان کے مطالب کے سمجھنے سے عاجز نہیں رہتا اور یہی دراصل ان کی مقبولیت کا راز ہے۔ یہی خصوصیت تاج غریبی میں بھی بڑی حد تک معاینہ کی جاتی ہے۔ اس کی ابتداء ہے :-

اول صفت اللہ کی کرو تاہ ناورس رسناہرو

حمد و نعت و منقبت اصحاب اربعہ کے بعد مصنف اپنے فرقہ کے پیشوا حضرت سید محمد ہمدی اور ان کے پانچ اصحاب و جانشین میراں سید محمود ثانی ہمدی۔ میاں سید خوند میر۔ میاں شاہ نعمت۔ میاں شاہ نظام۔ میاں شاہ دلاور۔ کے ذکر سے فارغ ہو کر سبب تالیف کتاب میں لکھتا ہے :-

| | |
|-----------------------|------------------------|
| ہے غریب یہ عاجز بند | ساری باتوں میں شرمندا |
| ناکچھ عربی علم پچھانا | نہیں فارسی کا کچھ جانا |
| ناکچھ دکنی بولی آئی | ناکچھ بدیا ہندی پائی |
| ہمدی کے جو سیوک سور | ان سب کے پائین کی دُور |
| خوب میاں کا خانازاد | کھوئی عسر سبھی برباد |
| میاں جی کا دریل داسی | ناجی ٹولی کا ہے باسی |
| ان کے صدقہ اند بارے | میسر گرسوں پاراتارے |
| ہے وہ صاحب بخشہارا | جس کی رحمت اپرم پارا |
| مرشد میاں محمد عیسیٰ | ان کے صدقہ سول کچھ دیا |

زور نبی کیاں بعض نکاتاں اور نبیوں کیاں دو دو ہاتھ
 لکھاں پنٹ کر سیدی بولی جو کچھ گنہ گری تھی سو کوئی
 سمجھیں سارے غامض عوام مور کھ چپتہ سنگم ز بام
 پہنچے سب کوں نفع نصیبی نا نور کھاتا ریخ غریبی
 گیارے چوسٹھ پڑی پوری کر فی فضل کر و صنی

میں نے صرف ضروری ضروری ابیات پر کفایت کی ہے ،

اس زمانہ میں ادبی مقاصد کے لئے رستا فارسی استعمال میں آرہی تھی اور ہندی
 (اُردو) کے خلاف لوگوں کے دلوں میں تعصب کے جذبات موجزن تھے۔ چنانچہ مصنف
 کو اُردو میں اپنی کتاب لکھنے کے متعلق معذرت کی ضرورت محسوس ہوئی اس لئے کہتا
 ہے کہ ہندی میں لکھنے کی بنا پر لعنہ زنی نہ کرو۔ سب جگہ ہندی میں مطالب بیان کرنے
 کا عام دستور ہے حتیٰ کہ کلام پاک کے معنی بھی ہندی بولی میں ہمیشہ سمجھائے جاتے
 ہیں۔ جن اقوام میں انبیاء آئے وہ انہیں اقوام کی زبان میں تلقین و ہدایت کرتے رہے
 حضرت مہدی نے ہندی استعمال کی اور خود میر نے بھی۔ چنانچہ کئی دوسرے اور ساکمی
 وغیرہ ان سے منقول ہیں۔ اور میاں مصطفیٰ نے بھی بولی ہے پھر اوروں کا تو کیا ذکر بلکہ
 ہندی نے تو راہ ہدایت دکھاتے ہوئے بعض اشعار بھی نقل فرمائے ہیں مصنف لکھتا ہے۔

ہندی پر نامارو ملنا سبھی بتاویں ہندی معنا
 یہ جو ہے قرآن خدا کا ہندی میں کہیں بیان سدا کا
 لوگوں کوں جب کھول بتاویں ہندی میں کہہ کر سب سمجھاویں
 جن لوگوں میں نبی جو آیا اُن کی بولی سوں بتلایا
 ہندی مہدی میں فرمائی خود میر کے منہ پر آئی

لے آئیکر ”وما ارسلنا من رسول الا بالسان قومہ“ کی طرف اشارہ ہے ،

کئی دوہرے ساکھی بات بولے کھول مبارک ذات
 میاں مصطفیٰ نہیں بھی کہی اور کسی کی پھر کبسا رہی
 نقل یو ہندی نہیں فرمائی بھوئے جنگوں راہ دکھائی
 جو ساری باتوں کا جیو تھل تھل بھوجن ہکوں پیو
 پھانٹا پنہیں ٹوکا کھائیں راول دیول کبھی بنائیں
 اس گھر آلی یا ہی ریت پانی چاہیں اور سیت

مصنف کے اس استدلال سے ظاہر ہے کہ اس عہد تک جماعت ہمدویہ درمقیم دائرہ میں اُردو کا استعمال اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہ ان کے تعصب کے بندھن کو توڑنے کے لئے اپنی جماعت کے پیشواؤں اور ہندی کے ساتھ ان کی وابستگی کا ذکر کرتا ہے :

کتاب میں پچھلے پانچ مصرعوں پر خط کھینچا ہوا ہے اور اس سے قبل لفظ 'نقل' لکھا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ پانچ مصرعے وہ ہیں جو انکے دینی پیشوا حضرت میراں سید محمد ہمدی سے منقول ہیں۔ میرے خیال میں کسی غلط فہمی کی بنا پر پہلے مصرع پر خط ڈالا گیا ہے۔ صرف پچھلے دو شعر سید صاحب سے مروی ہیں اور ان سے قبل کا شعر خود سید صاحب مدوح کی تعریف میں لایا گیا ہے۔ یعنی یہ جو ساری باتوں کا جیو تھل تھل بھوجن ہکوں پیو

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان اشعار کے مالک سید محمد ہمدی ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ان کے راوی ہیں نہ مالک۔ لیکن جس کثرت سے ہمدوی روایات میں یہ شعر منقول ہیں ان سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہمدی کے طبع زاد مانے گئے ہیں۔ دراصل ان شعروں کے مالک شیخ بہاء الدین باجن ہیں۔ جو حضرت میراں ہمدی کے ہم عہد ہیں۔ اور ان سے دو سال بعد یعنی ۹۱۲ھ میں بمقام برہان پور وفات پاتے ہیں۔ باجن جسکے

معنی ساز ہیں ان کا تخلص ہے۔ گجرات کے رہنے والے اور شیخ رحمت اللہ کے مرید ہیں۔ یہ ابیات کسی قدر اختلاف کے ساتھ ان کی تصنیف گلستانِ رحمت میں یوں ملتے ہیں:-

راول دیول ہم نجمانا پھاٹا پھنارو کھا کھانا

ہم درویش ایہی ریت پانی لوٹھیں ہو ریت

بیٹھے آچیں ٹھنڈی چھانو جو کچھ دیویں سو ہی کھانو

ہماری نگاہ میں تاریخِ غریبی اس کی لسانی قدامتِ اردو سے قدیم سے اسکی قرابت اور مقامی زبانوں کے ساتھ اس کے تعلقات و مشارکت کی بنا پر ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ قدیم اردو کے گجراتی و کوئٹہ نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ لیکن راجپوتانہ اور اطرافِ اجمیر کی اردو کے نمونے اب تک نامعلوم کیت کا حکم رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ اور دیگر کتب ہمدویہ جو اہل دارہ کی مساعی کی یادگار ہیں جدید روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کی اردو ایک موٹی قسم کی اردو ہے جس پر قصباتی لہجہ غالب ہونے کے علاوہ راجستانی زبان کا بھی کافی پرتو ہے اور کسی قدر گوہری اور کوئٹہ کی بھی نمون ہے اس کی صرف اور قواعد کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر میں کئی زبانیں شریک ہیں مثلاً اس کا حال گوالیری کی تقلید میں مارت ہے جات ہے بھی آتا ہے۔ اور الف کے اضافہ سے تقلید پنجابی مارتا ہے اور جاتا ہے بھی آتا ہے۔ اس کی ایک تیسری شکل 'اوے ہے' 'جاوے ہے' آتی ہے۔ ایک اور نادر شکل 'جان ہے' 'دجانے ہے' بھی ملتی ہے۔ مستقبل میں بھی ایک سے زیادہ شکلیں ملتی ہیں۔ چنانچہ مر جاویں گے، کھاویں گے۔ ایک شکل مر جاگے اور کھاگے بھی ہے۔ ایک تیسری نادر شکل مر جاہی (مر جاہیگا) مارہوں (ماروں گا) ہے جو مطلق راجپوتانہ سے علاقہ رکھتی ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم تاریخِ غریبی کی الماء و انشاء قواعد زبان پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس سے ناظرین کو اس کی خصوصیات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔

املا :- تائے ہندی پر چار نقاط دیئے ہیں۔ مثلاً بات - مقور - بھروتا -
 ترسیٹھ وغیرہ۔ وال ہندی اور رائے ہندی کے پنجے پت اور سچ کی طرح تین
 تین نقطے دینے کا دستور ہے۔ یعنی بدپا - دپال - بودپھا - جھاپر - کھپرا - لپکا +
 ہندی کا 'نڑا' = 'نڑ' کے ذریعہ سے جیسے سنہرایا = سنایا۔ پازیں پانی
 اپہراں = اپنا۔ اونپڑیں = اونٹنی۔ کھانپرا = کھانا۔ دانپڑا = دانہ وغیرہ +
 یائے معروف و مجهول وہائے موز و دو حشی اور کاف و گاف میں کوئی فرق
 ملحوظ نہیں۔ تمام ایسے مسلمان الفاظ جو 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں الف سے لکھے ہیں چنانچہ
 حصہ = حصا۔ قصہ = قصا۔ خزانہ = خزانہ۔ پیشہ = پیشا۔ جامہ = جاما -
 تماشہ = تماشا۔ خاصہ = خاصا۔ خلاصہ = خلاصا۔ غصہ = غصا۔ ہمیشہ = ہمیشا
 اندیشہ = اندیشا۔ تشنہ = تشنا۔ طعنہ = طعنا۔ معنی = معنا +

حروف کا تبادلہ

ایسے الفاظ کے تعلق میں جن میں اُردو اور پنجابی میں 'ڑے' اور برج و
 راجستانی میں 'ڈال' ہائی جاتی ہے۔ ہمارا مصنف نوخر الذکر زبانوں کی پیروی کرتا
 ہے۔ چنانچہ :-

ڈاڑھی = ڈاڑھی۔ گاڑھی = گاڑھی۔ بڑی = بڑی۔ چڑھے = چڑھے
 بڑھا = بڑھا۔ پڑھے = پڑھے۔ گاڑھی = گاڑھی۔ اڑاؤے = اڑاؤے۔ بوڑھی =
 بوڑھی۔ آڑے = آڑے۔ گاڑا = گاڑا۔ کڑھا = کڑھا۔ بھڑ بھڑ = پڑھ = پڑھ
 ایڑی = ایڑی۔ پاڑی = پاڑی۔ گاڑی = گاڑی۔ بڑائیاں = بڑائیاں۔ چھڑنا =
 جھپٹنا۔ گکوڑا = گکوڑا۔ اوڑھنا = اوڑھنا +

نون اور زہ کا تبادلہ :-

جائیں = جائیں۔ سنو = سنپرو۔ جنی = جنپری۔ کھانے = کھانپے۔

بچانے = بچپاڑے - اپنا = اپنراں - گون = گونڑ - تنکے = تنپرکے - سرنائی =
 سرنپائی - گنتی = گنپرقتی - ٹخنوں = ٹخنپرول - سوکن = سوکنپر - منکا = منپرکا -
 چنایا = چنپرایا - برانا = برانڑا - ہنومان = ہنپرمان - دھنی = دھنپرے - بھونوا
 = بھونڑا - ٹکرانی = ٹکرانڑی - ہونا = ہونڑا - کہانی = کہانڑی :

رے اور لام کی تبدیلی :-

بادل = بادر - ڈالی = چاری - سگلی = سگری - ڈالا = پارا - کیلی = کمری
 گھے = گرے - کالے = کارے - رکھوالی = رکھواری - تلواراں = ترواراں - بدلی = بدڑی
 تے اور دال میں تبادلو :-

پلید = پلیت - مدد = مدت - گھاد = گھات :-

اے دال اس میں لیجاوے داؤ گھاڈ کر کہیں چھپاوے ۱۳۹
 'واؤ' کا بے سے اور 'میم' کا 'واؤ' سے بدل جانا :-

بورچی = ببرچی - داس = داون -

یے اور 'واؤ' میں تبادلو :-

سیدھی = سودھی - پیٹھ = پوتھ - مینچنا = مونچنا -

بعض صوتی تبدیلیاں :-

بٹار = بٹپارا - چھلکے = چھلٹے - چینیٹی = چمپٹی - کھاڑی = کھاری -

جانور = جناور - ڈکار = دھکار - چوٹی = چٹیا - مسکرایا = مسکانا - طعنہ = تارا -

چڑیا = چری - بھجیا = بھاجی - باجھی = ناؤ = نیا - کتیا = کوتی - ننھیال = نیال

گوندھا = گوہار - اتوار = دتھار - پالا = پانا - کھات = کبت - اونیس = گونپس -

بائیس = باویس - تئیس = تھیس - اٹھائیس = اٹھاویس :-

اٹھائیس اٹھارویں آٹھ تین تھیس اور تیر چوہیں منع ہے جانو باویس

ضمیمہ واسمائے اشارہ

{ واحد :- اے - ان - اس - یہ - یو - اسے - وا - یا - (سی - اسی - وہی -
 غائب } ان نہیں (اس نے) ؛
 { جمع :- وے - ان - او - اولو - اول - انہوں ؛
 مخاطب } واحد :- تُو - تمیں - تیرا - تُو - تُوہ - تُوکوں - تُوںوں ؛
 { جمع :- تم - تمہارا - تمہیں - تم ؛
 متکلم } واحد :- میں - میرا - مینھ - مینھکوں - مجھ - مجھو - مجھو - مٹوکوں - مٹوںوں ؛
 { جمع :- ہم - ہمارا - ہمیں ؛

قدیم اردو میں الف قریب کے لئے - واؤ بعید کے لئے - کاٹ استفہام کیلئے
 نجیم شرط و موصول اور تے جزا وصلہ کے لئے آتے ہیں - ان سے مختلف الفاظ بن کر
 مختلف مقاصد یعنی ضمیر و اشارہ - موصول - صفت - ظرف - مقدار و تشبیہ وغیرہ کا اظہار
 کرتے ہیں - واؤ اور تے کی ترکیب سے بننے والے الفاظ زیادہ رائج نہیں - ذیل
 میں تالیف غریبی سے مثالیں دی جاتی ہیں - جو لفظ قلابوں میں درج ہے - اس کا یہ
 مقصد ہے کہ وہ لفظ اگرچہ قاعدہ کی رو سے آتا ہے - لیکن اس تالیف میں میری نظر
 سے نہیں گذرا -

{ اے - وے - کے - ہے - --
 ضمیر } یو - وو - کوؤ - جو - تو
 { اے [وہ] - کے [تو] - جے [تو] -
 واؤ } انو [وہ] - کنو - جنو -
 { اے [وہ] - کنے - جنے -
 انیں [وہ] - کنیں - جنیں -
 انیں [وہ] - کنیں - جنیں -
 اشارہ } یا - وا - { کیا - جا - تا
 { واہ - { کجاہ - تہا
 ان } ان } کن کن جن جن کن کنہر کنہر

| | | |
|-----------------------|-----|--|
| اب - کب جب تب | ظن | اواہاں اواہاں |
| - - کد جد تد | | |
| - - کدی جدی تدی | زان | یہاں اواہاں کہاں - جہاں - تہاں اواہاں کواں |
| ابھی - کبھی جبھی تبھی | | |

یہیں وہیں کہیں - -
یہانکر وہانکر کہانکر [جہانکر] -
ادھر ادھر کدھر - جدھر - تدھر

| | | |
|-------------------------------------|----|---|
| ایسا ویسا کیسا جیسا [تیسا] | ظن | ایٹا وٹا کیتا جیتا - ایتے ویتے کیتے جیتے - [ایتیوں - کیتوں] جیتوں [جیتوں] - [ایتی ویتی کیتی جیتی] - [ایتیاں ویتیاں کیتیاں جیتیاں] - اتنا وتنا کتنا جتنا - اتنی وُتنی [کُتنی] جتنی - |
| ایسے ویسے کیسے جیسے تیسے | | |
| ایسو [ویسو] کیسو [جیسو] تیسو [جیسو] | ظن | ایسی [ویسی] کیسی جیسی [تسی] - ایساں ویساں کیساں جیساں [تسیاں] - ایسیں [ویسیں] کیسیں جیسیں - یوں [ووں] کیوں جیوں تیوں یونکر - کینکر جیوں کر - |
| ایسی [ویسی] کیسی جیسی [تسی] | | |

حروفِ ظن :- میں - مانہ - ماں - مانی - مانہیں - منے - میانے - دریائے

بھیتھر - پیچھے

حروفِ جار :- سے - سیں - ستی - سیتی - تیں - تھیں - سوں - اوپر - پر -

پر - پو - پٹ - تل - تلے

حروفِ نفی :- ناں - نا - ناہی - ناہیں - نانہ - نانہی - ناہیں - نہیں - نہ

فی - مت - جن - نکو (دکنی) مت (مبادا) -

اگر ناکریں ہم شکر انا مت کہوں کھوس رکھیں یہ کہنا
نہیں (ورنہ) ۵

حروف بشرط :- جے - جو - اگر - اگر جو -

حروف ندا :- اے - ارے - ارے - اے - ہیں (تنبیہ)

حروف تردید :- یا - ویا - یا ہے - کے ۵

دے طلاق جیوں باہر آؤں کے میں خبر رہنسی کی پاؤں ۲۶۱

جو - جو - جیوں اور جب ایک سے زیادہ معنوں میں آتے ہیں - بعض مثالیں :-

جو - اگر ۵ جو سہاے ہوگی ناتیری دیسے آج خرابی میری ۱۷۱

(دیگر ۵) جو پناہ تیری نہیں پاؤں کون بھانت انوں براؤں ۱۷۱

جو - چونکہ جب سردارانکوں کا بولا جو دے تھے شیطانی ٹولا ۵۷۵

(دیگر ۵) آج خوشی کا دن جو آیا یوسف تجھسوں آن ملایا ۱۲۶

جو - کہ ۵ رسی چھری جو وہاں پاویں بھلا جو اپنے ساتھ لیجاویں ۶۷۵

(دیگر ۵) جب دے بے بھائی گیارہ ہم جو کیا لیا کہو تہارا ۱۱۲

جو - جسے ۵ جس میں کال خون کر دالا وہی موسیٰ جوتیں میں پالا ۱۴۳

(دیگر ۵) لیکن بہتر یوسف پیارا جو حق میں معصوم سنوارا ۹۴

جو - اور ۵ - ازے نبی جو مومن سائے وہی اسی اللہ پیارے ۵۲

سو - وہ ۵ بیٹا چال باپ کی چالے بیٹا سو جو ناناؤا جالے ۱۷۵

(دیگر ۵) سنت سو جو دونو تیاگے خلق خلق کے کسے دلاگے ۲۸۰

" - پس ۵ ہم بھی بُت خانے میں جا کر مانگیں دعا سو جیو لگا کر ۵۷

(دیگر ۵) کانوں حبیبہ لگاؤں کون یہ تو بات کے سو کون ۷۳

" جو ۵ سنا پھیر کیا ہویاں سوناہاں بیبیال چلیاں باپ کن آتاں ۱۴۶

- (دیکر ہم فخر اٹھ چلے دونوں دناتاں
سو۔ اور سو راج چاند سو گیارہ تارے
(دیکر ہم اس کی طرف جھل کر آوے
(دیکر ہم حق نہیں اپنہراں فضل دکھایا
(دیکر ہم ہتر موئے نڈی کنارے
جیوں تاکہ کرو مجھ ز اظاہر ہمکوں
(دیکر ہم چاہو گھیر نکالو ہمکوں
۔ جس طرح بی بی نہیں سن بات جو ساری
جب جن وقت جب یوسف مانگے تم دیجیو
۔ (دیکر ہم جب غریب وہ لاگامرنے
۔ تب یوسف نہیں جب بیگ بلائے
(دیکر ہم جبریل جب سن کر بھاگے
تصریف کے عام قاعدے وہی ہیں جو اردو میں رائج ہیں۔ لیکن بہت سے
موقعوں پر ان کی پیروی سے اعراض کیا گیا ہے۔ میں بعض مثالیں یہاں درج کرتا
ہوں۔ جن الفاظ کی تصریف نہیں ہوئی ان پر ایک خط ڈال دیا گیا ہے۔
- ۔ نگہبان میرا رکھو والا
(دیکر ہم ڈیرے جا کر گوزاں کھولیں
(دیکر ہم کروں توکل اسپر میرا
(دیکر ہم جب تیں خوشی ہو تو پیارا
(دیکر ہم کر صندوق میں خوب بچھونا
(دیکر ہم روونیل میں جا کر ڈالا
جیو جان سب تجھے حوالا
اپس میں دیکھیں کیا بولیں
اسی یاد میں سا بچھ سنویرا
خوشی ہو گیا عالم سارا
محکم کیے سو چاروں کوٹا
کیا خدا کے فضل حوالا

(دیکھ) ہتر مئے اٹھ کر بھاگے
 (دیکھ) کہا بات سن مائی جایا
 (دیکھ) پھیر کلیم دھرتی کون لا
 (دیکھ) گو پھیرا کول خوب پھریا
 (دیکھ) وہاں تھے جو مبتیا پیارے
 (دیکھ) پھیر کہیا ما بتیا آؤ
 (دیکھ) کدی نہ ان کا ہونے میلا
 (دیکھ) اسے کہا تو میرے پاچھے
 (دیکھ) جبریل کول ہوا حوالا
 (دیکھ) ایک بات میں کول بھتیجا
 (دیکھ) بارغ پھیر کر ہو جالیا
 یہ مثالیں بہر حال مستثنیات میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ خود اردو میں ان باتوں
 قواعد کی پابندی نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ میرزا غالب بھی بعض موقعوں پر ایسی بے ضابطگی
 برت گئے ہیں۔ چنانچہ
 دل ان کو پہلے ہی ناز واداسے دے بیٹھے
 ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
 یہاں تقاضے آنا چاہیئے ؟

جمع

جمع دو طرز کی ہوتی ہے :-

(۱) بطرز راجتانی (وگوالیری (برج) جس میں صرف ایک نون لفظ کے آخر
 میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً گامی سے گائین اور چور سے چورن۔ لیکن یہ جمع ندرت
 کے ساتھ آتی ہے اور بہت کم موقعوں پر ملتی ہے۔ چنانچہ :-

سے ایسی بات کا کر و سواس کرمی دور داتن سول باس ۱۶۶
 (دیگر) مہدی کے جو سیوک سور ان سب کے پائین کی دھو ۱۲
 (دیگر) گل سو بے موتن کی مالا بھانت بھانت کا کپڑا والا ۲۲۸
 (دیگر) جو یوشع بن نون کہایا نبی نورن میں آئے سمایا ۳۰۹
 قدیم اردو میں اس جمع کا رواج رہا ہے۔ مثلاً شیخ باجن لکھتے ہیں :-

ہم درویشن ایہی ریت پانی لوٹھیں ہو رست
 اور افضل اپنی بکٹ کہانی میں لکھتا ہے :-

سلام از طرف این غنوار کچو پگن کو پرس پاتی ہاتھ دیجو
 ان شعروں میں درویشن اور پگن بجا لیتے ہیں :-

(ب) دوسری جمع لفظ کے آخر میں 'ان' کے اضافہ سے بنتی ہے جیسا کہ
 پنجابی اور قدیم اردو میں دیکھا جاتا ہے۔ یعنی :-

قندیلان - برجائ - ایتیاں - چوریاں - دلیلاں - زمیناں - بونداں - باتاں -
 گھاتاں - نکاتاں - فوجاں - موجاں - سوگنداں - ذاتاں - ساریاں - قبراں -
 نیاریاں - کیاں - ارواحاں - سپرےاں - لاگیاں - آیاں - لگایاں - بھاگیاں -
 دیواراں - پکاریاں - اوپدیاں - حوراں - بچاریاں - خدمتگاراں - بدپیاں -
 بلایاں - پھالال - ترواراں - اصحاباں - یاراں - پللاں - اونٹاں - عرضاں -
 آنکھماں - کرگساں - محراباں - کتاباں - گایاں - بچھیاں - نعمتاں - بہتیریاں -
 دیگاں - کرسیاں - امیراں - وزیراں - شیطاناں - چٹیاں - ناماں - چیزاں -
 تمیزاں - چیریاں - کناریاں - ایسیاں - بنہریاں - سہیلیاں - ساریاں - ناریاں -
 آفتاناں - نمازاں - لکڑیاں - لاتاں - قلمناں - بیبیاں - نیکیاں - کھوٹیاں - روٹیاں -
 گراہیے الفاظ جن کے آخر میں 'ئی' لاحقہ آتا ہے جمع کی حالت میں اس کی ہمزہ حذف

کرومی جاتی ہے۔ چنانچہ :-

واحد۔ بجائی۔ دائی۔ آئی۔ لگائی۔ بدپائی۔ ہوئی۔ کسائی (قصاب)

جمع :- بھایاں۔ دایاں۔ آیاں۔ لگایاں۔ بدپایاں۔ ہویاں۔ کسایاں۔

جملے میں فاعل یا مفعول یا مبتدا اگر جمع مؤنث ہے تو اس کا اثر اس کی صفت
اضافت۔ حالیہ۔ فعل اور توابع فعل و خبر تک پر پڑتا ہے۔ یعنی یہ سب جمع مؤنث
آئیں گے۔ یہ قاعدہ مثلثہ ذیل سے واضح ہوگا :-

۱۵۷ چل کر آیاں فوجاں ایتیاں کھائے گیاں انکیاں کھتیاں
اس شعر میں فوجاں چونکہ بحالت جمع ہے اس لئے اس کی صفت ایتیاں اور فعل آیاں
جمع میں آئے۔ اسی طرح مصرع دوم میں کھائے گیاں بھی جمع میں آیا۔ اور کھتیاں
(مفعول) جمع مؤنث تھا اس لئے اضافت بھی جمع میں آئی +

۲۴۳ گیاں بلوں میں چٹیاں ساریاں کاچے تھیاں سامان کچاریاں
یہاں چٹیاں (فاعل) کی بنا پر گیاں اور کاچے تھیاں فعل اور ساریاں اور کچاریاں
صفت بحالت جمع آئے +

۲۴۹ مرد برن جو تھیاں سرایاں کپڑوں سدھیاں سارنہیاں
یہاں کپڑوں سدھیاں حالیہ ہے ساریاں صفت اور نہایاں فعل ہے +

۱۶۰ تیریاں باتاں سانچیاں ساریاں لے سب جھٹیاں مچیاں کچاریاں
اس میں باتاں مبتدا تیریاں اس کی اضافت ساریاں صفت اور سانچیاں خبر ہے +
۳۱۳ بنی بنی کوں جب پیراں لگیاں آیاں اور لگایاں بھگیاں
مصرع دوم میں لگایاں، فاعل تیریاں، فعل اور بھگیاں، حالیہ ہے +

۲۵۰ ایک روز میں اور سہیلیاں کھیلیں بیٹیاں کرب کھیلیاں
اس میں کھیلیں فعل اور بیٹیاں حالیہ ہے +

- ۲۴۲ سے بھتیاں ہزار وہاں کرسیاں بھڑیں سو تو سب سونے سول جبریاں
- یہاں بھتیاں فعل و بھریاں کا تابع ہے ۔
- ۹۹ سے بھتیاں جو گوشت بونی کے بھتیاں کات کات نیبور کاتیاں
- کھاتیاں فعل بھتیاں تابع فعل اور بر کاتیاں حالیہ ہے ۔
- ۹۹ سے کھائے چکیاں جب کھا پڑاں سنہر و پھیر کیا کیاں تیاریاں
- اس میں کھائے چکیاں فعل مرکب ہے ۔
- مفعول کی مثالیں :-

- ۱۰۵ سے دیکھیاں سات جو مٹیاں گلیاں سو کی ندی میں سول آیاں
- ۲۸۷ سے سونے کیاں وہاں نیٹاں تین پایاں پیریاں سنہر و پر پین
- دیگر :- دیاں نبی کے ہاتھوں کیلیاں برن برن کیاں رنگ رنگلیاں
- ۲۲۵ سے میریاں بکریاں ساریاں لیاں اس کھیت والیکوں دیاں
- یہ جمع قدیم اردو اور پنجابی میں بکثرت ملتی ہے جس سے ان زبانوں کے اتحاد و یکسانیت کا ہم کو پتہ چلتا ہے ۔ میں یہاں چند اور مثالیں عرض کرتا ہوں :-

- ۲۴۷ سے ایساں بنپیاں سہلیاں ساریاں اصل ہو ہو دیسیں ناریاں
- ۳۱۷ سے حوراں ساریاں کہیں بچاریاں ہمتوا سکیاں خدمتگاراں
- ۳۱۹ سے حور ملائک کیاں سب فوجاں جیوں یاو کیاں او پدیاں مہاں
- ۶۶۹ سے لو بے کیاں بھتیاں قلماں ساریاں سبکوں ملاکیاں کیمٹھاریاں
- ۳۱۷ سے گانوں کا نو سوں دایاں آتیاں بال بچوں کوں لیکر جاتیاں

تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث کے لحاظ سے متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کی حیثیت اردو سے مختلف یا مستند ہے ۔ ان کی مثالیں ذیل میں آتی ہیں ۔ اس کے علاوہ وہی لفظ ایک مقام پر

مونث آیا ہے اور دوسری جگہ مذکر ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تذکیر و تانیث کے قواعد اس عمدتک انتشاری کیفیت میں تھے :-

مونث

مذکر

| | |
|-------------------------------|--------------------------------|
| نیا ۵ دہم رجبی چدھی جونیا | ناو ۵ جب طنور میں پانی آیا |
| بنی نوح جا بھیسا کھوٹا ۵ | بیٹھ نوح میں ناو چلایا ۵ |
| ناو ۵ بنی نوح میں ناو بنائی | دل میں رکھا عداوت کینا |
| جسکی بات سویوں بتلائی ۳۹ | کافر قسا ملعون کینا ۱۳۶ |
| کاروان کاروان جب دہاں کتری ۹۱ | گھونٹ ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا |
| مٹی زمین جو خاصی ستھری ۹۱ | جس کی کیا تعریف کہی جا ۲۳۲ |
| درہم ۵ سترہ درہم کھٹیاں بھی | عمر ۵ بارا برس عمر جب پایا |
| حاضر ہیں جے لیو تم ابھی ۹۲ | اسے خدا میں خواب دکھایا ۸۳ |
| سال ۵ سنہ و ساتویں سال جو آئی | بات ۵ سارو میں یہہ جیو کر آیا |
| بلے مھر کے لوگ لگائی ۱۰۹ | عجب بات یہ منجھے دکھایا ۱۴۷ |
| دلاسا اب میں تیری کروں جو آسا | گھات تجھ سوں پر یہ گھات نکالا |
| تو کر میری خوب دلاسا ۲۵۵ | ماں میں منجھے ندی میں ڈالا ۱۵۲ |
| بہوش جا کر انکے سچ چھائی | قوم ۵ سو نپا قوم اسکیوں سارا |
| کہیں کسی کو بہوش نہ آئی ۷۱ | چلا خدا کن بنی پیارا ۱۶۶ |
| من ۵ کہا اگر تیری من مانی | کتاب ۵ رو دین سوں خوب بنچایا |
| کر و خوشی ہو کر مہانی ۲۸۳ | بھی کتاب تکوں پہنچایا ۱۵۵ |
| غم ۵ پھیر بنی میں یوں بتلائی | رحمت ۵ جس میں حق کی رحمت پایا |
| تجھے قوم کی غم کیوں آئی ۲۴۲ | جس میں علم لدنی سکھایا ۱۵۷ |

درم کیتیاں درماں کمول نکالیاں چادر خواجہ خضر کوں دیکھا لیٹا
 لے طباخ کے آگے ڈالیاں ۳۷۵ مکھ پر چادر لیا اپیتا ۱۷۷
 سفر بات ان دونوں کی سنہر پائی جان سنہر بیان الحان بنی کا
 سفر شام کی آگے آئی ۳۷۶ بہت لرزتا جان سبھی کا ۲۷۷
 انار بھری آدمیوں سوں یوں مرقی روزی ناشکری کا یہہ پھل لاگیا
 جیوں انار دانوں سوں بھرتی ۲۷۹ مٹا حلال روزی سو بھگا ۲۷۸
 التک جب رسول سجدے میں جا کر ساچہ کہا سانچ تو لاگے کر وا
 التماس کی جیو لگا کر ۲۷۷ نیب اک کا جیسیں چر وا ۲۷۲
 درو موئے کے وہ در دکھتکتی نظرہ سنہر اغلغلہ باہر آیا
 بات بولتے جیجہ اٹکتی ۱۷۷ کعبہ کافی نظر چلایا ۳۱۵

مونث

دانہ ۷ سکل شت جن ایسے جانا جیوں ہاتھ مانہ راہی کی ملنا ۷
 قصہ ۷ جگ سوں بپا چار سو حصا اس کی سنہر و سمجھ کر قصا ۷۱
 رج ۷ بھنک تانہ سروں جا پری رج آئے کے کی کرسی ۷۶
 شہر ۷ فخر ہوئی جبرائیل آئے چر سوں ساری شہر اٹھائے ۷۸
 مجھے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض الفاظ محض تافہ کی غرض سے لگروہ
 مونث میں تو مذکر یا مذکر ہیں تو مونث لائے گئے ہیں۔ ایسے موقعے اس تالیف میں کثرت
 سے ملتے ہیں۔ مثلاً بات اُردو میں مونث ہے اور اس کتاب میں بھی سینکڑوں جگہ
 مونث باندھی گئی ہے۔ چنانچہ ۷

سنہر و پھیر یوسف کیاں تاں کہے بیچ میں دوی نکاتاں ۷۱
 ۷ ہاں مکر نہیں بات پوئی جنسوں مرو نہ ہو جے کوئی ۷۱

۴۱ سواے باتاں جب یوسف لگے کیاں سواختہ کرو ہانسون بھاگے لقا
تاہم متعدد موقعے لیے موعود ہیں جن میں غالباً بضرورت قافیہ بات کو مذکر لایا گیا ہے
مثال میں یہ دو شعر ملاحظہ ہوں :-

۴۲ تڑت عاں بن عوج بلایا اسے بات یونکر سمجھایا لقا
بلایا کا فاعل حضرت نوح ہیں اور بلایا چونکہ قافیہ ہے اسلئے دوسرے مصرع میں
'بات سمجھائی' کو بات سمجھایا میں تبدیل کر دیا۔ شعر آئندہ میں بھی یہی صورت معلوم ہوتی ہے
۴۳ جب کلیم جذبے میں آیا بات قوم سوں یوں بتلایا لقا
یہی سلوک میں سمجھتا ہوں 'ناو' اور 'لکھات' کے ساتھ کیا ہے۔ جنہیں ضرورتاً مذکر
لایا گیا ہے :

'راہ' اردو میں مؤنث ہے اور مصنف کے نزدیک بھی مؤنث ہے۔ تاہم بغرض
قافیہ وہ اس کو مذکر لایا ہے۔

۴۴ دنیا پر یوں حکم چلایا حق کی سیدی راہ بتایا لقا
دوسرے مصرع میں بتائی آنا چاہیے تھا +

الف زائدہ

لفظ کے آخر میں ایک زائد الف بیسیوں جگہ لایا گیا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں :-

۴۵ تو جو غیب سوں ہے بے خبر لا تطیق بخی ہرگز 'صبرا' لقا
دو گیرہ ایسی جوت بنے گلزارا مانو پھولے پھول ہزارا لقا
دو گیرہ اسکا میں جو لیا اُدھارا دیا ہاتھ میں اس کے سارا لقا
دو گیرہ لیا مال بوچی نے سارا آئی گھر کوں شکر گذارا لقا
دو گیرہ آتھ مہینے دوپے گھوپرا ایتا دسترخوانا چوپرا لقا
دو گیرہ ایک بادشاہ تھا کفرانا بدلا ملی بلونت سیانا لقا

| | | | |
|--------|---------------------------|-------------------------------|-----|
| (دیگر) | سپرے ندیکھے نا کچھ جانپے | پتھر ہے سب لوگ بچاپے | ۲۹۲ |
| (دیگر) | جنگلوں روٹے عالم سارا | عرس کر س میں پر اپکارا | ۲۹۳ |
| (دیگر) | آج گھاس منجھے دے اوھارا | گر لگے جی تنجکوں پیارا | ۲۹۴ |
| (دیگر) | میں خدای کا بندہ اخصا | میرا اب تم سپر و خلاصا | ۲۹۵ |
| (دیگر) | دی کتاب موہ کیا بیتا | اَوْصَانِیْ مَا دُمْتُ حَیًّا | ۲۹۶ |
| (دیگر) | نیک عمل کوں کرو وسیلا | ہے کریم حسان و کیلا | ۲۹۷ |
| (دیگر) | زرا سالناروٹی کھاپرا | میوا بجی کورا دا پرا | ۳۳۵ |
| (دیگر) | تھا اُسکنے جو صحنی صحیفہ | جو کلام انجیل لطیفہ | ۳۳۸ |
| (دیگر) | منجھے مل گیا وہاں بت پارا | اس میں لیا سویرا بھاپرا | ۳۳۹ |
| (دیگر) | ہاتھ چلچلی بھی استوا | ہیرے موتی لال جراوا | ۳۴۳ |
| (دیگر) | ایتا ہوتا شور پکارا | سنے تو مرجا عالم سارا | ۳۴۷ |
| (دیگر) | بیٹھ سانپ کے منہ میں سارا | گیا بہشت میں وہ مکارا | ۳۴۸ |
| (دیگر) | آؤ بیٹھ میرے مہانا | ہم تم بل کر کھالیں کھانا | ۳۴۹ |
| (دیگر) | دُکھ بن ملے نہ درجا خاصا | دُکھ بن سکھ کی کریں نہ آسا | ۳۵۰ |
| (دیگر) | اول احدا تھا کرتارا | آپ اکیلا سرجن ہارا | ۳۵۱ |
| (دیگر) | عرض کری جب اے کرتارا | منجھے قوم کا کر سردارا | |

یائے زائدہ

یائے زائدہ فارسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی تقلید میں پنجابی اور اردو قدیم میں بھی آتی ہے۔ ہمارا مصنف ہندی الفاظ میں کم اور مسلمانی الفاظ میں زیادہ استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ امثال :-

س کہیں ایک تھی بودھی بی بی مومن نہیں بہت غریبی ۱۵

| | | | |
|-----|------------------------------|--------------------------|--------|
| ۷۳ | جس یقین سارے ہیں ناراضی | جب بولا وہ فتنہ بازی | (دیکھ) |
| ۱۵۵ | بولا انکوں ہو نا راضی | جب فرعون کیسہ بازی | (دیکھ) |
| ۱۶۷ | عرض خردا کن کرسی شتابی | دیکھ نبی نہیں جب تر تابی | (دیکھ) |
| ۱۷۷ | پھیر بوجھ لی بات بھلی | اٹھ سلام کی دہلی | (دیکھ) |
| ۱۲۵ | کر سلام دل سوں آدابی | گھوڑے سوں جب ار تابی | (دیکھ) |
| ۱۴۸ | سو کلیم کے ہوئی نصیبی | بیٹی بدی صفورا بی بی | (دیکھ) |
| ۲۰۳ | جو دیکھے سو ہو ناراضی | وہ زبوں ایسا ہوا ماضی | (دیکھ) |
| ۲۱۱ | جو کچھ کرے اسی کی مرضی | بنا پو کچھو رکھے نہ غرضی | (دیکھ) |
| ۲۱۷ | برامانتے وہ مرداری | وہ دکھاتا رہیں جو ساری | (دیکھ) |
| ۲۱۸ | وہاں بھیٹہ کریں بتلایا | بہت غوری منیں لیا | (دیکھ) |
| ۲۹۴ | یونکر بول اٹھا وہ بازی | بادشاہ ہو کر ناراضی | (دیکھ) |
| ۲۵۷ | جس نہیں سانچہ کرسی کہانی | اس پرستی یوسب آسانی | (دیکھ) |
| ۲۵۸ | ظہر پر ہی تھی میں نہیں جد کی | کرسی سلام علیکی کدکی | (دیکھ) |
| ۲۶۵ | یہی نشانی جاڑ و خاصہ | کہا بھول جن کرو اداسی | (دیکھ) |
| ۳۱۲ | اتھا شتابی سوں دھالی | جاگ پر جب کرسی خوشالی | (دیکھ) |
| ۲۷۳ | بھیچہ سالنا نان کبابی | آسمانوں خوان شتابی | (دیکھ) |
| ۳۳۵ | پہلے کوئی کرے یوں پرتے | اولی سلام علیکی کرتے | (دیکھ) |
| ۳۴۴ | ایک لاکھ چوبیس ہزارے | ہوے انبیا جوں سارے | (دیکھ) |
| ۱۴۴ | ترت مر گیا وہ مرداری | کافر کے یوں موکی ماری | (دیکھ) |
| ۸۰ | کرسی دعا خاصہ و حال | گوشت کھاے جب بھی خوشی | (دیکھ) |
| ۷۳ | حکم نما نا حال حضور | عز ازل نہیں کیسا غوری | (دیکھ) |

مصدر

اُردو میں مصدر کی علامت 'نا' ہے۔ مگر 'نا' والا مصدر کتاب ہذا میں قلت کے ساتھ ملتا ہے۔ میں بعض مثالیں دیتا ہوں :-

۷ دعا ہمارے حق میں کرنا آخر ہے تمکوں بھی مرنا ۷۵
(دیگر) شام طرف کا کیا پانا اب نسال طرف کول جانا ۸۱
۸ لیکن یاد خدا کی ہو پرا وہی او پھنپرا وہی پھوپرا ۸۵
(دیگر) دو بے سال دیاب گنا بنانا ج کھو کھو کر رہنا ۱۰۹
اس مصدر میں تصریف بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کتاب میں یہ تصریف بہت کمی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ چنانچہ :-

۹ جب تو سارے یوسف آگے بہت عاجز پایا کرنے لاگے ۱۱۴
(دیگر) بھائی ایک جو ہم سول لیجے اسے باپ کن جانے دیجے ۱۱۵
۱۰ اس پر حق ہمارا آوے اب یو کہاں سو جانے پاوے ۱۱۵
(دیگر) رکھے خواہے بھائیوں آگے مہتر یوسف کنے لاگے ۱۱۶
(دیگر) ایک روز مایوں بتلاوے کیوں نہ کھیلنے کون تو جاوے ۲۶۵
(دیگر) عیسے کو رسول الہی جب وہ دھوپ کی گت یاہی ۲۷۲

جس مصدر کا عام رواج ہے وہ وہی ہے جو گوالیری اور راجستانی میں مستعمل ہے۔ یہ مصدر صرف 'ن' پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور تصریف اس میں جاری نہیں ہوتی۔ مثالیں :-

۱۱ اس نین پکر چکے سارے یوسف آیا من تہارے ۹۳
(دیگر) جب محبوب مصر میں آیا دیکھیں کول سب لوگ لبھایا ۱۱۷
(دیگر) یوسف کول تم دھونڈن جاؤ بن یا مین کی بات چلاؤ ۱۱۹

- (دو گزیر) آن پر پی بچہ نگر پھر پھر ہی ہوتا
 (دو گزیر) تو وہ صحتی سر اہن جو گا
 (دو گزیر) کسی گانوں میں رہن نپاویں
 (دو گزیر) کیٹی ایک دن کرن مزدوری
 (دو گزیر) شاید اس کے بیٹا ہوگا
 (دو گزیر) مہتر موسے اٹھ کر بھاگے
 (دو گزیر) موسیٰ ان سول بوجھن لاگے
 (دو گزیر) پھیر آدمی ملیں جو ویتے
 (دو گزیر) یہ تو بنی خدا کا پیارا
 (دو گزیر) بدلا اڑو صا ہو کر بھاگا
 (دو گزیر) ساروں نے جب چلن بچارا
 (دو گزیر) کھٹا یوشع بن نون جو بیٹھا
 (دو گزیر) جب تم موسے رہے اُس جاگا
 (دو گزیر) نئی ناؤ تیار کر مری تھی
 (دو گزیر) جب وہ بیٹا بوجھن آوے
 (دو گزیر) دِگا جیو جب نکلن لاگا
 (دو گزیر) بہت بار رو رو کھپتایا
 (دو گزیر) ہوں تیار میں تیرے آگے
 (دو گزیر) جب کلیم انسول بتلائے
 (دو گزیر) میں ہوں عزرائیل فرشتا
 (دو گزیر) دیں دیں سول دیں بھاگی
- ہاتھ جھاکیں اٹھ چلے نبی مبارک فالت ۱۲۵
 جیوں تو کے سوویا ہوگا ۱۲۹
 سبھی گھیرتے سانھے آویں ۱۳۲
 بہت بار کھوں بھٹی ضروری ۱۳۲
 بادشاہ کے مارن جو گا ۱۳۹
 پیچھا پھر پھر دیکھن لاگے ۱۴۵
 لیا وکیوں نہ تم بکریاں آگے ۱۴۷
 لگے دول کا دھن کون جیتے ۱۴۷
 بھاری بوجھ نہا ہن ہارا ۱۴۷
 لکری رستی نکلن لاگا ۱۵۵
 لیا مانگ کر ابھرن سارا ۱۶۲
 وضو کرن پانپس میں بیٹھا ۱۶۶
 میں اٹھ وضو کرن کول لاگا ۱۷۶
 پار چلن کول خوب بھری تھی ۱۷۸
 ماں صاحب کو سوتی پاوے ۱۸۹
 موسے آسا لے کر بھاگا ۱۹۴
 دعا کرن حجرے میں آیا ۱۹۷
 جب جم جیو نکالن لاگے ۲۰۰
 کیا تم آج ملن کول آئے ۲۰۲
 جیولین کار کھوں شرتا ۲۱۱
 خلعت ساری آون لاگی ۲۳۸

| | | | |
|-----|--------------------------|----------------------------|--------|
| ۲۵۳ | موٹھی کھول سو دیکھن لاگا | کس لال میں لیس کر بھاگا | (دگیر) |
| ۲۵۴ | یعنے غسل کرن کوں بیٹھے | آپ سمندر ما نہیں پیٹھے | (دگیر) |
| ۲۵۵ | دیکھ تاشا بوجھن لاگیاں | تزت وکھہ ہم ساریاں بھاگیاں | (دگیر) |
| ۲۵۶ | تلیات سجاون لاگے | پری جن سب مونہہ کے آگے | (دگیر) |
| ۲۶۰ | تجھ لین کوں جیون لاگے | دُلا وکھہ کسائی بھاگے | (دگیر) |
| ۲۶۳ | ناکوئی قضا جھگڑا لیاوے | کوئی ایک نہ آونہ پاوے | (دگیر) |
| ۲۶۵ | بجھن کارنے ہمیں ہنڑائے | کسا ہم نہ یہاں کھیلن آئے | (دگیر) |
| ۲۶۲ | اے کپرو نکے دھوون ہارے | انکوں کسا بلا کر سارے | (دگیر) |
| ۲۶۷ | وہ بھیجاں پکارن لاگا | بادشاہ کوں مارن لاگا | (دگیر) |

افضل کے بارہ ماہ میں بھی یہ غیر منصرف مصدر نظر آتا ہے مثلاً -

ملن پا چھے بچھڑناں بھی کھن ہے
 کہو اب زندگی کا کیا جتن ہے
 ہنس کھیلن کی سب سو ہو دھن ہی
 سپا بن سیج ری ناگن بھٹی ری
 جعفر زلی کے ہاں بھی موجود ہے -

چو کی لکھیں اور حاضری کھاوین پاپن جری
 تسپر چلاوین ناٹری یہ نوکریکا حظ ہے

اسم فاعل

عربی فارسی اسم فاعل کے علاوہ جو بہت کم استعمال ہوئے ہیں ایسے ہندی اسم فاعل جو 'نت' اور 'ار' پر ختم ہوتے ہیں بہت قلت کے ساتھ ملتے ہیں۔ مثلاً بھاگوت - دیوانت - گنوت - سانوت - لچوتا - دھنوتا - ستوتا - آدھار - نرا دھار - واتار - کر نہار - کرتار وغیرہ - اسی طرح گوپال - پرتپال - گنی - دھنتر - بسیا - بھی ندرت کے ساتھ آئے ہیں :

ایک اور اسم فاعل ہے جو اسم اور والا کی ترکیب سے بنتا ہے۔ اس تالیف میں

اگرچہ ملتا ہے مگر کمی کے ساتھ متعل ہے۔ یہ اسم فاعل پنجاب سے تعلق رکھتا ہے جہاں وال اور والہ کی صورت میں ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے شہروں اور قصبات کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ جیسے ملکوال۔ بگوال۔ دھاریوال۔ گوجرانوالہ؛ یہ وال غزنویوں کے دور میں بلکہ شاید ان سے بھی پیشتر فارسی میں پہنچ گیا ہے گو تو وال (کوٹ وال) بمعنی محافظ قلعہ ہندی الاصل ہے۔ اور فردوسی کے شاہنامہ میں استعمال ہوا ہے۔

چو آگاہ شد کو تو وال حصار براونخت بارستم نامدار
 پنخیر وال بمعنی شکاری ایک اور لفظ ہے۔ جو فرخی کے دیوان میں موجود ہے۔
 پنخیر وال ان مملکت را شاگرد باشد افزون ز بہرلم
 والا اسم فاعل کی بعض مثالیں اس تالیف سے :-

- | | | | |
|-----|---------------------------|-----|---------------------------|
| ۹۱ | اس میں پول کوئے میں ڈالا | ۹۱ | بھيجا پانی کا دھن والا |
| ۱۰۱ | جیو جان سب تجھے حوالا | ۱۰۱ | نگہبان میرا رکھو والا |
| ۱۳۱ | تیرے اونٹ چراون والا | ۱۳۱ | بیچہ رہ گیا میں رکھو والا |
| ۲۱۷ | ہونٹھ ہو گئے ان کے کالے | ۲۱۷ | تجھے جو دھاک پر یون والے |
| ۲۲۵ | دیکھ نبی یہہ کھپا گوا لیا | ۲۲۵ | بول اٹھا جب جھار و نوالا |
| ۲۵۲ | باغ برانا تجھے نسو جھا | ۲۵۲ | جب وہ بکریوں والا بوجھا |
| ۲۲۶ | سینچے جتن کرے رکھو والا | ۲۲۶ | باغ سنبھالے بکریوں والا |
| ۲۵۲ | بول اٹھا وہ لکڑیوں والا | ۲۵۲ | دیکھ نبی کانور اجالا |
| ۲۵۵ | جال سمندر میں جا ڈالا | ۲۵۵ | اسی منظور اک مچلی والا |
| ۲۶۰ | عورت میٹھی کھائے نوالا | ۲۶۰ | پھیر رہا وہ پیلوں والا |
| ۲۲۵ | اسی باغ والے کوں لیاں | ۲۲۵ | جب وے ساربان کنیاں لیاں |

(دیگر) بول اٹھے پھر آون والی ہم بھی نہیں علم سوں خالی ۲۵
سات سو صفوں کی ایک تالیف میں اس اسم فاعل کا استعمال اس قلت کے
ساتھ ہونا بظاہر تعجب خیز ہے۔ کیونکہ 'والا' اردو میں کثرت کے ساتھ آ رہا ہے مگر ان
ایام میں اس کا رواج بہت کم تھا۔ چنانچہ کوئی تالیف سیرس میں جو ۱۹۲۵ء میں لکھی
جاتی ہے بالکل نامعلوم ہے۔ تاریخ غریبی میں جو اسم فاعل کثرت سے آ رہا ہے۔ وہ
راجستانی مصدر پر ہمارا کے اضافہ سے بنتا ہے چنانچہ:-

| | | |
|----|--------------------------|---------------------------------|
| ۱۵ | مصحف یاد سناون ہارے | سہ حافظ ہوئے دنیا میں بھائے |
| ۱۶ | درزی بھٹے جو سیون ہارے | (دیگر) باویں انگری پوٹھ نہارے |
| ۱۷ | امت پار لنگھاون ہارے | (دیگر) بھٹے انبیاء جگ میں سارے |
| ۱۸ | زانو دکھین ہارن سازے | (دیگر) سپوراجن دیکھا غازی |
| ۱۹ | حق کا حکم بجاون ہارے | (دیگر) اس نہیں کئے ملائک سارے |
| ۲۰ | اونکی سنہر وید پائی سارے | (دیگر) جو وے عرش اوٹھا ونہارے |
| ۲۱ | وے پانی میں بخش نہارا | (دیگر) لکھ جاتیں کیسا سوچ بچارا |
| ۲۲ | دوزخ آگ جلاون ہارے | (دیگر) اسمیں پتھر بھرے میں سارے |
| ۲۳ | حق کا حکم بجاون ہارے | (دیگر) ہوئیں اسی کی صورت سارے |
| ۲۴ | چاروں بپے ملا یک پیارے | (دیگر) چاروں عرش اٹھا ونہارے |
| ۲۵ | سوت کات کر بچن ہاری | (دیگر) اتنا اکھر گئی بچاری |
| ۲۶ | تختے بت کوں پوجن ہارے | (دیگر) قوم ناد کے مل کر سارے |
| ۲۷ | جگمیں دین جگا ونہارا | (دیگر) ابراہیم خلیل پیارا |
| ۲۸ | بکریاں پال چراون ہارا | (دیگر) متقا یعقوب غریب بچارا |

دوسرا اسم فاعل مصدر میں تصریف کے ساتھ ملتا ہے یعنی:-

| | | | |
|---|-------------------------|----|-------------------------|
| ۱۶ | بھٹے کتاباں لکھنے ہارے | ۱۷ | انگری درس پرس جو دارے |
| ۱۸ | سہو نہٹا کچھ کریں بچارے | ۱۹ | وے نماز جو کرنے ہارے |
| ۲۰ | ان کے دفتر اس میں سارے | ۲۱ | ہیں جو آگ میں جلنے ہارے |
| ۲۲ | جیو جنت سب ہلنے ہارے | ۲۳ | جتنی خلق دنیا میں ساری |
| ۲۴ | میری میری کہنے ہارے | ۲۵ | کہاں گئے تم عالم سارے |
| ۲۶ | کافر ہیں سب جلنے ہارے | ۲۷ | ایتے ذکر کئے جو سارے |
| ۲۸ | کلمہ طیب کہنے ہاری | ۲۹ | اُمت ہوئی نبی کی ساری |
| ۳۰ | بھٹی ایکانترے چرنے ہاری | ۳۱ | رہی اونٹن پر وہاں بچاری |
| ۳۲ | فخر و گناہ پڑھنے ہارے | ۳۳ | جو کہ کاٹلی خود بچارے |
| ۳۴ | سبھی گھٹات تو لے ہارے | ۳۵ | وہاں بسیں تھے کافر سارے |
| ۳۶ | دکھی ہوئے دکھ دینے ہارا | ۳۷ | سکھی ہوئے مظلوم و کمبار |
| ۳۸ | کریں عاجزی کمرے بچائے | ۳۹ | جب وہ سجدے کرتے ہارے |
| الغرض اسم فاعل کی یہ دو قسمیں ہیں۔ جو اس تصنیف میں بکثرت ملتی ہیں + | | | |
| جملوں میں بے ربطی | | | |

اُردو کے دستور کے برخلاف مصنف دو جملوں یا ایک ہی جملے کے اجزائی تہیہ و تعلق قائم رکھنے میں کئی موقعوں پر بے ربطی سے کام لیتا ہے۔ حروف عاطفہ و استدراک اور ضمیر وغیرہ حذف کر دینے سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے اور اصل مفہوم کے سمجھنے میں وقت پیش آتی ہے۔ میں چند مثالیں دیتا ہوں :-

۱۔ جب دوپہرے ملعون لیٹا جا کر کپڑے ابراہیم لٹا
اس جملے میں ابراہیم فاعل بھی مانا جاسکتا ہے اور مفعول بھی جس سے معنوں میں تناقص پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ”تب کافر ملعون دوڑے (اور انہوں نے)

جا کر حضرت ابراہیم (کو) پکڑ لیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس جملے میں یہ بے ربطی حرفِ عطف و ضمیرِ فاعلی و علامتِ فاعل و مفعول کے حذف کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ مثالِ گیرہ
 اسی بخور ایک مچھلی والا جال سمندر میں جا ڈالا ۲۵۵
 یہاں جملے کے دونوں ٹکڑوں میں ایک بے تعلقی پائی جاتی ہے۔ اگر مچھلی والا کی جگہ مچھلی والے اور اس کے بعد نے، علامتِ فاعل ہوتی تو مفہوم صاف ہو جاتا۔
 مثالِ گیرہ جب کلیم نہیں زمین پکاری پکڑے تینوں مرداری ۱۸۵
 یہ شعر قارون اور اس کے ساتھیوں کے زمین میں اتارے جانے کے ذکر میں آتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کلیم نے زمین (کو) پکارا تب اس نے (یعنی زمین نے) ان تینوں مرداروں (کو) پکڑ لیا۔ خطوطِ ہلالی میں جو عبارت ہے وہ ادا ہونے سے رہ گئی :

مثالِ گیرہ ہاں ماندگی جب کچھ پاتا مرکب ہو کر خوب چدھاتا ۳۱
 یہ بیت عصائے موسوی کی تعریف میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب عصا حضرت موسیٰ میں کچھ خشکی دیکھتا (تب) مرکب بن کر (اپنی پشت پر) ان (کو) چڑھا لیتا :
 مثالِ گیرہ اور انگوٹھی لیا تے ساتھ سلیمان کے آئی ہاتھ ۳۲
 دونوں مصرعوں میں ربط دینے کے لئے (جو) درمیان میں آنا چاہیے :

مثالِ گیرہ پیچھے سوس مریم کا پیالا آپہنچا جی کا دھن والا ۲۸
 یہ شعر حضرت مریم کی وفات کے بیان میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی غیبت میں حضرت مریم کا پیالہ عمر بڑھ گیا اور جان نکالنے والا آپہنچا :

مثالِ گیرہ ایک بات میں کہوں بھیتجا لاجوں تو سوں نہیں کہی جا ۳۳
 اس میں دونوں جملوں کے درمیان مگر حرفِ استدراک چاہیے :
 مثالِ گیرہ کہا موت آئی تو مر جا خبر ہنسی کی موکوں کر جا ۲۶

دونوں مصرعوں کو ربط دینے کے لئے وہی حرف استدراک آنا چاہیئے ؛
 مثال ۱۶۰ پیکر بختیج خونِ پازمی گردن مار کر دیا ماضی ۱۶۱
 اور نقلِ نص سے قطع نظر دونوں مصرعوں کے درمیان حرفِ عاطفہ اور آنا ضروری ہے
 مثال ۱۶۲ جو بہا پرہاں چل کر آیا ایک ایک سچہ رہنچایا ۱۶۵
 دونوں مصرعوں کے درمیان ضمیر غائب 'اُس' اور 'نے' علامتِ فاعل آنی چاہیئے ؛
 فاعل اور مفعول کی علامتوں کا حذف

اسی طرح فاعل اور مفعول کی علامتیں کیسی موقوفوں پر ترک کر دی گئی ہیں۔
 بعض امثال :-

۵ یوسف نین جب ویکہ بشارا بھائی یہود اترت پکارا ۱۶۸
 یعنی یہود اکو

(دیگر) اس کا میں جولیا اوصارا دیا ہاتھ میں اس کے سارا ۲۲۲
 'میں جولیا' یعنی میں نے جولیا

(دیگر) فضل خدانیں جب یوں کیا جوتیں مانگا سو ہم دیا ۱۶۹
 یعنی جو تو (نے) مانگا وہ ہم (نے) دیا۔

(دیگر) جب بلائے میرے پر آئی میں ضرور بہ بات چلائی ۹۶

(دیگر) منجھے بھاگسی میں کیوں دیا میں کیا کہو نہ ہا رالیا

کا پدھ یہاں سوں منجھے بلاؤ میں کیا کیا سو منجھے بتاؤ ۱۰۳

(دیگر) جب وے بولے بھائی گیارا ہم جو کیا لیا کہو نہ ہا ۱۱۴

ان چاروں شعروں میں 'نے' علامتِ فاعل محذوف ہے ؛

(دیگر) جب طاوت فتح کر آیا انہیں کن داؤ بلا یا ۲۲۰

(دیگر) جب خلیل آگ میں ڈالا جبریل نہیں جاے سنبھالا ۱۰۴

دیگر، کارواں اتری وہاں اگر یوسف کا چہا پول لگا کر ۱۱۶
دیگر، ترست علاج بن عوج بلایا اسے بات یوں کر سمجھایا ۱۲۸

ان چاروں شعروں میں 'کو' علامت مفعول محذوف ہے ؟
فعل کی فاعل و مفعول کے ساتھ عدم مطابقت

اُردو میں قاعدہ ہے کہ فعل لازمی ماضی میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے اور فعل متعدی بعض مستثنیات کے ساتھ مفعول کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کتاب میں بھی اسی قاعدہ پر عمل درآمد ہے۔ لیکن ایسے موقعے بھی بہت نظر آتے ہیں جب فعل نہ فاعل کے مطابق آتا اور نہ مفعول کے مطابق ہوتا ہے میں کچھ مثالیں نقل کرتا ہوں

۱۔ ترست زلیخا کوں دھمکائی کہا تجھے کچھ لاج نہ آئی ۹۷
یہاں دھمکائی کا فاعل عزیز مصر ہے۔ اور فعل بظاہر اپنے مفعول زلیخا کے مطابق معلوم ہوتا ہے مگر اُردو کا قاعدہ ہے کہ جب جملہ میں 'کو' علامت مفعول مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد مذکر آتا ہے مثلاً دا، عزیز نے زلیخا کو دھمکایا اور زلیخا نے عزیز کو دھمکایا، پہلی مثال میں مفعول مونث ہے۔ دوسری مثال میں مذکر ہے۔ لیکن فعل ان کے ساتھ تطابق سے بے نیاز ہے ؟

مثال دیگر یہی سمجھ اک رائدِ بلائی پاس بٹھا کر یوں سمجھائی ۸۴
اس شعر میں فاعل فارون ہے۔ جو حضرت موسیٰ پرہمت لگانے کے لئے ایک فلمشہ عورت کو بلواتا ہے اور اسے سکھاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں 'اسے' یا 'اس کو' مفرد ہے اور فعل 'سمجھائی' بصیغہ واحد مذکر ہونا چاہیے۔ یعنی سمجھایا۔

مثال دیگر ایک تھانہ پتھر کا لیاٹے بہت خلق میں اُسے اٹھائے ۲۹۲
'اٹھائے' اپنے مفعول 'اسے' کی مطابقت میں 'اٹھایا' چاہیے ؟

مثال دیگر سودا گروں یوں بتلائے یہ غلام جو تم نہیں پائے ۹۲

برادران یوسف فاعل ہیں اور غلام مفعول ہے۔ اسلئے اس کا فعل 'پائے' بصیغہ واحد مذکر پایا آنا چاہیئے،

میں نے یہ چار مثالیں مفعول کے ساتھ فعل کے عدم تطابق کی دی ہیں اور ایسی مثالیں کثرت کے ساتھ اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ جن کا کوئی حل نہیں ملتا اور نہ قواعد میں کوئی مضابطہ پایا جاتا۔ کافی غور کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مصنف قافیہ کی خاطر اس بے قاعدگی کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

۱۰۹ یوسف نہیں جب حکم چلایا زمین مصر کی خوب بسایا
پچھلے مصرع میں فعل 'بسایا' اپنے مفعول 'زمین' کی مطابقت میں 'بسائی' آنا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ پہلے مصرع میں قافیہ 'چلایا' ہے۔ اس کے تطابق میں 'بسائی' کا 'بایا' کرنا مثال دیگر آدم نہیں فرد زند بلائے ایک ایک کوں یوں سمجھائے ۱۱۰
چونکہ پہلے مصرع میں قافیہ 'بلائے' ہے۔ اسلئے دوسرے مصرع میں فعل 'احد کو فعل جمع بنا
مثال دیگر لوک خدا کی طرف بلائے بھانت بھانت کر انکو سمجھائے ۱۱۱
دوسرے مصرع میں قواعد کی رو سے سمجھایا آنا چاہیئے۔ لیکن پہلے مصرع کے قافیہ کی بنا پر جمع میں لایا گیا +

مثال دیگر رہے دس برس گوال کہائے بکریاں اکبیاں خوب چرائے
فاعل حضرت موسیٰ ہیں اور فعل 'چرائے' اپنے مفعول 'بکریاں' کی مطابقت میں 'چرائیں' آنا اگر مصرع اول میں قافیہ 'کہائے' جمع نہ کہے۔ اس کی بنا پر 'چرائیں' کی جگہ 'چرائے' لایا گیا
مثال دیگر جب صلح پیغمبر پیارے دو رکعت کرو وضو گزارے ۱۱۲
دو رکعت کی مناسبت سے فعل 'گذاں' لایا جاتا لیکن قافیہ 'پیارے' تھا اسلئے 'گذاں' رقم کیا مطلب یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت ادا کریں +

بعض اور مثالیں درج ہوتی ہیں :-

- ۵ بار ابرس عمر جب پایا اسے خدا نین خواب دکھایا ۸۳
یعنے عمر جب پائی،
- (دیگر) انگیاں بکریاں پاس منگیاں ایک ایک کوں خوب دھپایاں ۱۴۶
یہاں دھپایا چاہیئے،
- (دیگر) اس لپکی کوں لے کر آئے موسے کالب اسے لگائے ۱۴۷
’لگایا صحیح ہوتا،
- (دیگر) جب اسحق بنی اٹھ بولے جو کچھ بات ہوئی سو کھولے ۱۴۸
’کھولی درست ہوتا،
- (دیگر) کیتے برس شام میں رہے ایک روز بی بی سوں کہے ۱۴۹
بروے قواعد کما آنا چاہیئے،
- (دیگر) بی بی بدی جو اول آئی چھ بیٹے تو اس نے جائی ۱۵۰
یعنے ’جائے‘ جمع میں آتا،
- (دیگر) ترت خدا نین اسے جلائی اشقی گورسوں باہر آئی ۱۵۱
’جلایا‘ چاہیئے،
- (دیگر) دنیا پریوں حکم چلایا حق کی سیدھی راہ بتایا ۱۵۲
’بتائی‘ درست ہوتا کیونکہ راہ مؤنث ہے،
- (دیگر) جھوٹا روج روتے آئے سارے جگ کا بھرم گنوائے ۱۵۳
’گنوائا‘ صحیح ہوتا،
- (دیگر) حق نین قدرت یوں دکھلائی اسی دھار صندوق چلائی ۱۵۴
’چلایا‘ درست ہے۔ کیونکہ صندوق مذکر ہے،
- (دیگر) آٹھ روز تک دودھ نہ پیا اپنی انگلی مونہہ میں لیا ۱۵۵

’انگلی منہ میں لی‘ درست ہوتا +

(دیگر) برس روز لک پھر پھر آئے کہیں ایک دن مہینا پائے ۱۵۱
’بیٹھا پایا صبح ہے‘ +

(دیگر) تر ت عار ج بن عوج بلایا اسے بات یوں کر سمجھا یا ۱۵۸
’بات سمجھائی‘ درست ہے +

(دیگر) اسے تخت پر سوتے پائی تزل جائے چھٹی پہنچائی ۲۴۲
فاعل ہذہ ہے اور پائی‘ کا مفعول مکہ بلقیس ہے۔ اسلئے پائی کی جگہ پایا آنا چاہیئے

(دیگر) بی بی سارا کن آ بوے وہاں کی بات جو تھی سب کھولے ۶۴
’کھولی‘ درست تھا +

(دیگر) ان لوگوں میں ہمیں چد چلائے کرا حسان بھٹک کر یائے ۱۴۸
چد چلائے کی جگہ چڑھایا چاہیئے +

(دیگر) بحینت وہاں اک ٹوٹی پائی خواجہ خضر نہیں اسے بنائی ۱۷۹
’بنائی‘ کی جگہ بنایا چاہیئے +

(دیگر) میں نہیں شیث خلیفہ کیا اسے نبوت حق نہیں دیا ۴۲
گویا نبوت حق نے ’دی‘ +

(دیگر) ایک نوکری سا ہمیں آئی عیسیٰ نہیں اسکوں بتلائی ۲۷۵
’بتلایا‘ چاہیئے۔ یہاں بتلانا کے معنی بات کرنا ہیں +

(دیگر) جب دونو یا ہی بتلائے بادشاہ نہیں ہمیں بلائے ۱۵۳
’بلا یا‘ درست ہوگا +

ذیل کی مثال ایک عجیب استثنائاً قائم کرتی ہے :-

۷ ایک بنی نہیں اسکوں چاہی کر نکاح لے گھر میں باہی ۱۸۸
اردو کے محاورہ کی رو سے دونو جگہ فعل مذکر آنا چاہیئے۔ یعنی چاہا اور باہا +

نے کا استعمال

قواعد کی رو سے 'نے' ماضی مطلق 'قریب' بعید اور شکہ میں فاعل کے ساتھ متعدی افعال میں آتا ہے۔ اور بعض مصادر لانا۔ بولنا اور چلنا وغیرہ کے ساتھ نہیں آتا۔ مگر ہمارا مصنف ان مصادر کے ساتھ بھی 'نے' استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ :-

'بولنے کی مثالیں :-

| | | | |
|-----|-------------------------|-----|---------------------------|
| ۹۶ | مالک بھولے وہاں ہنڈولے | ۹۷ | متر پست نہیں جب بولے |
| ۹۵ | منجھ خوارست کرے الہی | ۹۸ | یوسف نہیں جب بولا یا ہی |
| ۲۲۲ | ہمتو خانازادہ کے | ۹۹ | اس نہیں بولا نبی خدا کے |
| ۲۳ | کمو گامی وہ بولے کیونکر | ۱۰۰ | جب رئیس نہیں بولا یونکر |
| ۳۱۲ | عجب ہوا یو فضل الہی | ۱۰۱ | اس نہیں بول اٹھا جب یا ہی |

لانے کی مثالیں :-

| | | | |
|-----|--------------------------|-----|--------------------------|
| ۵ | اس نہیں اس کا بھید بتایا | ۱۰۲ | اس نہیں شرع جو چرگشت لیا |
| ۶ | اس نہیں لیا اس کا کھوج | ۱۰۳ | اس نہیں لیا بھاری بوجھ |
| ۱۷۶ | عجب تاشا منجھ دکھایا | ۱۰۴ | یوشع بنی دل میں یوں لیا |

چلنے کی مثال :-

| | | | |
|-----|---------------------|-----|---------------------------|
| ۲۲۶ | چلی دعا کر پیرا گیا | ۱۰۵ | بو پھی نے جب لیکر تھیلا |
| ۲۷۶ | چلے وہاں شکر بجا کر | ۱۰۶ | ایک ایک دونوں نہیں کھا کر |

ذیل کی مثال بھی عجیب معلوم ہوتی ہے :-

۲۵۲ دیکھ چیل نہیں اسکو آئی کہا گوشت کی بو پائی

افعال

اس تصنیف میں افعال کی کئی قسمیں ایسی موجود ہیں۔ جو اب اردو کے دائرے سے

خارج ہیں۔ بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) بعض قدیم زبانوں میں دیکھا جاتا ہے کہ امر حال مضارع مستقبل بلکہ مصدر کے لئے بھی ایک ہی فعل کام دیتا ہے۔ اس کے کچھ آثار اس کتاب میں بھی نظر آتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف جانا، کھانا اور جاننا وغیرہ مصادر سے متعلق ہے مثلاً جانا مصدر سے امر 'جا' اور مضارع 'جائے' ہے لیکن اس تالیف میں مضارع 'جا' واحد میں اور 'جاں' جمع میں آتی ہے۔ اسی طرح کھانے سے مضارع 'کھا' اور جمع میں 'کھاں' آتا ہے، مثلاً مینٹی سول پھریوں بتلائی دیکھ کہاں جا تیرا بجائی ۱۳۹

یعنی کہاں جاتا ہے۔ 'جا' یہاں مضارع بھی ہے اور حال بھی +

شال گیر مارٹا پنچہ اسکوں برجا کیا جا نو مو کی سول مرجا ۱۵۱

یہاں 'مرجا' مر جائے گا کے مفہوم میں ہے +

شال گیر سیرناج دا ہے ایک لتا ایک روز مرجا البتلاظ یعنی بنگا

(دوگر) بارغ پھیر کر ہوجا ایسا پہلے سے جیسے کا جیسا ۲۲۶

یہاں 'ہوجا' ہو جائے مضارع ہے +

(دوگر) ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا جس کی کیا تعریف کہی جا ۲۳۴

'پی جا' پی جائے اور کہی جا کہی جائے ہے +

(دوگر) او لے سول بھی ٹھنڈا ہوجا ایسے قتل اسی کی کھوجا ۲۳۴

(دوگر) گچھل گچھل دیکھے سول مرجا جیونکر لوز پریں پا پریں بھر جا ۲۸۳

(دوگر) اگر اسے تو لے جا بی بی تیرے نعمت ہوئی نصیبی ۳۱۸

(دوگر) عت خلیل کا گنا جتیا سارو نہیں یہ نقل چلی جا ۷۷

(دوگر) مال اونٹ میں چاہوں بھیجا اگر محمد تو دے لے جا ۲۳۴

جمع کی مثالیں :-

| | | | |
|-----|----------------------------|-----------------------------|--------|
| ۲۸۳ | ترت نورسوں قبرال بھر جاں | کلمہ کہہ کر سارے مر جاں | ۷ |
| ۲۸۳ | پھیر کدی نا اپنپیں گھر جاں | اسی غاریں جیوں دے مر جاں | (دیگر) |
| ۲۹۷ | ڈال پھول پھل بھر کر سو جاں | کہو جہاں جینے نہ تیں ہو جاں | (دیگر) |
| ۳۰۶ | ان تینوں پر آئی کھاری | جی میں ہو جاں گوراندھاری | (دیگر) |
| ۳۲۹ | اگر بیت جاں سب دن رات | کہاں کہہ سکیں اسکیاں باہاں | (دیگر) |
| ۱۶۲ | مومن خوشی خور می گھر جاں | دوب دوب کافر سب مر جاں | (دیگر) |
| ۱۶۲ | ترت بھاگ جاں پریں بچائے | سنپڑیں بنی اسرائیل سارے | (دیگر) |
| ۲۴۱ | غافل ہو جاں وہی بچاریاں | دیکھیں اسکوں چپتیاں ساریاں | (دیگر) |
| ۳۹ | یہہ انجیر جو کھا جاں سارا | اسی واسطے لاگے پیارا | (دیگر) |
| ۲۱۶ | بیل چلے جاں الہو اے | ساتھ نکوئی گمیرن والے | (دیگر) |

کھانے کی مثال :-

| | | | |
|-----|--------------------------|-------------------------|--------|
| ۱۹۱ | ہو جاں اس کی دیہی چنگی | کھا مریض جو وہ نارنگی | ۷ |
| ۲۲۹ | روز بھون کھاں بیٹھے وہیں | کر کباب راکھے گھر باہیں | (دیگر) |

جاننے کی مثال :-

| | | | |
|----|-----------------------------------|---------------------------------------|--------|
| ۳۶ | وہی جان ہے کیا کیا باہا | اس میں باہا جو کچھ چاہا | ۷ |
| ۷۱ | وہی جان ہے وا کی کرنی | کون کہہ سکے وا کی برنی | (دیگر) |
| | وا کی واہی جان ہے جو کچھ کیا بچار | دوہرو خاکی صفت نہ کر سکے پاکی اہم پار | |

میں اس امر کی تشریح سے قاصر ہوں کہ ان مصدروں میں یہ خصوصی مضارع کیوں لائی جا رہی ہے۔ مضارع کی یہ قسم راجستانی سے تعلق رکھتی ہے جو ہریانہ میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ درونامہ محبوب عالم :-

۷ مرے پاچھے نہ کہت تہہ پرپراں صبر کی جو جب سراو پرپراں

(دو گیارہ) کہا یہ خدا نے جو ترکان مال مرے تو محمد اور اے بھی مرال
(۲) مضارع کی ایک اور قسم ہے جو برج اور اودھی میں ملتی ہے۔ یہ مضارع امر پر
ایک نئے نئے کے اضافہ سے بنتی ہے۔ چنانچہ۔

| | | |
|--------------------------------------|------------------------|-----|
| اور بات ہم جانت ناہیں | پیدا پایا گونری ماہیں | ۱۱۷ |
| (دو گیارہ) دامنہ میں باؤں ہوئے اشارا | گر ترورب دیت بشارا | ۳۱۹ |
| (دو گیارہ) پکڑگو دیں بیت بیبا | کرے کھری یوں با دیا | ۱۴۳ |
| (دو گیارہ) بولا پس رو ہی سن بات | جے توں دور نہیں ہو جات | ۷۹ |
| (دو گیارہ) کھلک ہلک یا کی دونیا | جاسوں دیت جگت کوں سینا | ۲۸۰ |
| (دو گیارہ) لالچ کام بگاڑت سارے | نہیں لالچی حق کے پیارے | ۲۴۷ |

یہی مضارع ماضی کے معنے میں دیتی ہے۔ جن میں حالیہ اور ماضی ناتمام زیادہ

نمایاں ہے :-

| | | |
|------------------------------------|-------------------------|-----|
| کوئی کرے تھی خدمت گاری | گھر آگن دیت بہاری | ۱۴۵ |
| (دو گیارہ) سبھی ہیلیاں بلبل گیتاں | ایک ایک سب لیت بلیاں | ۱۱ |
| (دو گیارہ) کئی بہت تھوڑوں میں ملے | تھوڑے جیت زیادہ ہارے | ۲۱۷ |
| (دو گیارہ) سب بہشت کیاں حوراں کیاں | دیکھ دیکھ سب لیت بلایاں | ۳۱۴ |
| (دو گیارہ) زرد برن کنچن جیوں سوہے | و کھیت ہی سن مورت موہے | ۱۸۹ |

(۳) یہی مضارع ہے کے اضافہ سے حال بن جاتی ہے :-

| | | |
|-------------------------------------|------------------------|-----|
| جاکارن کہ سکوں نہ توکوں | یہی لاج آوتے ہو کوں | ۳۳۷ |
| (دو گیارہ) جنت سوں کا پوچھا آدم کوں | اب گمراہ کرت ہے تم کوں | ۱۷۷ |
| (دو گیارہ) دتئی اس کے تن پر نہیں | سب کوں نکھت ہے بن بن | ۳۱۱ |
| (دو گیارہ) جانت ہیں سبھی پرہین | جھلک جوت جاکلی لیس | ۷۲ |

(دیگر) کوئی فتنہ کے بھی معنے کھول کہت ہیں ایسیں یعنی ۲۵۱

(دیگر) جا کا دن کہہ سکوں نہ تو کوں یہی لاج آوت ہے موکوں ۲۳۲

مذکورہ بالا مضارع سے گویا مضارع اور ماضی کا افادہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی مضارع کا کام دیتی ہے اور کبھی ماضی کا۔ افضل کے بارہ اسے میں بھی یہ مضارع استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ:-

۱۔ اندھیری ہو چلی روت مری نین نہیں یکدم مجھے دن رین میں چین
(دیگر) پیہا پیہ پیہ نس دن پکارا پکارت داورو جھنگر چنگارا
(دیگر) کہ جس کے بچہ پیہ آتش پری سے وہی دن رین سلگت ہے سر پرے
(دیگر) تم اوروں سے پیارے سکھ کرت ہیں ہم سی بڑنی سو دکھ بھرت ہیں
(۴م) صرف امر باضافہ 'گا' علامت مستقبل فعل استقبال بن جاتا ہے۔ امثال ۱۔

۲۔ بے شعور ہو جا گا ایسا بنا جیو مردا ہو جیسا
کی شتاب تو ہی مر جا گا کیا جور و ناتجکوں لا گا ۱۱۸
(دیگر) یہ قساروں زمیں میں جا گا ہو بد بخت ہلاک ابا گا ۱۸۵
(دیگر) اس میں بیٹھا اگر جا گا ایسی بھانت ترت مر جا گا ۲۶۶
(دیگر) لیکن فتح سو ہوگی تیری کھلک بھاگ جاگی بہتری ۳۳۱
جمع کی مثالیں:-

۳۔ پوپ پوپ سب مر جائے ایک ایک غوطے سب کھائے ۱۴۵
(دیگر) رسی چنپری لیاؤ ہاتھ لیجا گئے ہم اپنے ساتھ ۶۷
(دیگر) کما دوست کے گھر کو جائے وہاں جائے مہمانی کھائے ۷۳
(دیگر) فخر بچھر جائے سب بھائی پھر یہ گھری منجھے کہاں پاٹی ۹۲
(دیگر) سولی پر اسکوں لیجا گئے وہاں پنکھیر واسکوں کھائے ۱۰۳

- (دگیر) برس روز تو روتیاں کھا گئے موٹے کے نزدیک نہ جا گئے ۱۵۸
- (دگیر) اتن کیا تو بجھے جا گئے نہیں سرجوتیاں کھا گئے ۱۴۳
- (دگیر) پرپی سانجھ اب ہم کہاں جا گئے اور کہاں سوں کھا پڑا کھا گئے ۱۴۹
- (دگیر) جیتی مار پرے سو کھا گئے ہمتو طرف خدا کے جا گئے ۱۵۶
- (۵) ماضی میں ایک اور شکل ہے جو اسی مضارع سے ملتی جلتی ہے اور تھا، یا تھی، کے اضافہ سے استمراری بنتی ہے۔ یہ بہت نادر ہے۔ صرف ایک مثال مجھے ملی ہے۔
- ۳۶۴ اور ایک دائی تھی ساتھی الت مدینہ سوں جب جاتھی
- (۶) معمولی مضارع ماضی استمراری کا کام دیتی ہے۔ بعض مثالیں درج ہیں۔
- ۲۲۱ بدل ہمیں تن کمری کاری پھروں گلیوں میں شب بیداری
- (دگیر) بیابان میں دو نور ہتے ککی سنیں نہ اپنہیں گتے ۲۲۵
- (دگیر) بی بی ساراں کہیں سو کرتے حکم انوں کا دل پر دھرتے ۶۲
- (دگیر) پرپی جن اور دیو پچارے مسجد چنہیں کماویں سارے ۲۶۲
- (دگیر) خوشی خوشی کیاں لہراں آویں کھیرے خدا کا شکر بجاویں ۲۶۳
- (دگیر) بدپاشہر کفان جو خوب جہاں لیں ہتر یعقوب ۱۱۰
- (دگیر) ایک باب بولیں داؤدی پھول رہی داؤدی او دی ۲۶۴
- (دگیر) کھیرے خوشی وہاں لیکر آسا دیکھیں چاروں طرف تماشا ۲۶۳
- واحد کی مثالیں۔

- ۳۶۳ سارا عالم حکم بجاوے بے فرمانی کہیں نپاوے
- (دگیر) باو حکم میں فوج چلاوے کو جہاں یگی پہنچاوے ۲۶۳
- (دگیر) چلانگ بنہیں سوں آوے ہوئے ہوئے قدم اٹھاوے ۲۵۲
- (دگیر) اس زمین میں چٹیاں ساریاں رہیں بلوں میں سدا بچاریاں ۲۶۱

(۷) مضارع پُر تھا، پڑھانے سے بھی ماضی استمراری بنتی ہے :-

| | | |
|-----|----------------------------|----------------------------|
| ۲۵۸ | سلیمان پنخیںد پیا را | چلا جائے تھا شکر سارا |
| ۳۱۴ | کوئی کرے تھی خدمت گاری | گھر آگن ویت بھاری |
| ۱۰۶ | اے چکاویں عتیاں ہم ساریاں | یوسف جتیا ہم سب ہاریاں |
| ۲۴۳ | گیاں بلوں میں چتیاں ساریاں | کاچھیں عتیاں سامان بچاریاں |
| ۱۵۷ | مسلمان پاروس رہیں تھے | کافران کو برا کہیں تھے |
| ۲۲۳ | لوگ خدا سول بہت پڑیں تھے | آپس میں احسان کریں تھے |
| ۱۴۵ | سپر دوہاں کی کھت اکھاپڑیں | لوگ بھرے تھے اس میں پازیں |
| ۱۴۹ | جہاں لبیں تھے مانا بھائی | ملاقات کی من میں آئی |

(۸) مضارع کی ترکیب سے افعال مرکب :-

| | | |
|-----|--------------------------|----------------------------|
| ۹۹ | کھائے چکیاں جبکنا پڑاں | سنو پھیر کیا کیساں تیاریاں |
| ۲۵۵ | نہاے دھوے دریا و کنارے | بیٹھے تھے وہاں نبی پیارے |
| ۲۶۸ | بول اٹھاوے ہی دور و قیاں | لیاے دیاں سوتھلیاں موتیاں |
| ۱۱۲ | سو اسکوں ہم لیکر آئے | بادشاہ کن لیاے بھٹا ئے |
| ۱۱۳ | جب گلاب کا شیشا لیا ئے | مونہہ دھلاے کریوں بتا ئے |
| ۲۱۱ | سوے رہو تو ہو رکھ والا | خوب سوچو کی دینے والا |
| ۳۲۴ | گھوپرا ہانک شتابی آیا | پاس جائے کریوں بستلایا |
| ۱۰۷ | کھا پکاے یوں لذت چاکھو | مختوپرا بیجہ واسطے راکھو |
| ۲۴۹ | وہاں جائے کر ہم شرما ئے | جائیں چور چور کر لیا ئے |
| ۱۰۷ | ہوے جائیں دو ٹکڑے میرے | کوئی کہیں دو سا بھہ سنویرے |
| ۲۶۷ | ایسی کرمی نہایت زاری | روئے ٹکی سپید ایش ساری |

(۹) افعال مزید فیہ :-

| | | | |
|-----|------------------------------|----------|-------------------------------|
| ۱۴۵ | مردوں میں آتیاں شرمایاں | ۵ | بیدیاں دوے سو بکریاں لیاں |
| ۲۳۷ | گھوڑاں سب بھونیاں جاتیاں | (دو گہر) | بکریاں چار ہزار جواتیاں |
| ۲۴۹ | جیوں دریا و کیاں اہدیں موجاں | (دو گہر) | نہیں یہاں آونگیاں فوجاں |
| ۲۴۹ | کمر باندھ تھا چھیاں بہتیریاں | (دو گہر) | مرد برن جوتھیاں وے چیریاں |
| ۲۴۹ | جنگے لوگ تماشے لاگے | | بیٹھ گیاں پا پزیریں لے آگے |
| ۲۴۹ | دھریاں ہیاں سب ٹھیکازے | (دو گہر) | وے تینوں ایناں سر ہازے |
| ۳۱۷ | کھیریاں جھلاویں جگ کا دولہا | (دو گہر) | کے بہشت میں دالیں جھولا |
| ۳۱۷ | لیا پہنچاتیاں کمی سرکے | (دو گہر) | پال پوس دو چار برس کے |
| ۳۱۷ | پھر میں دھونڈتیاں دنیا داری | (دو گہر) | کہیں نیستی میں سب خواری |
| ۹۹ | کات کات نیو برکتیاں | (دو گہر) | تھیاں جو گوشت روٹی وے کھاتیاں |

(۱۰) استعمال کر :- یہ کڑا حلفہ کے علاوہ اور سنوں میں بھی آتا ہے۔ امثال :-

| | | | |
|-----|---------------------------|--------------------|----------------------------|
| ۱۹۵ | آسا کپڑے پتھر میں مارا | (۱۰) حلفہ امثال :- | سنہر کر اٹھا جو سولی پیارا |
| ۱۹۸ | دعا کری یہہ من میں لیا کر | | کرنساز سجدے میں جا کر |
| ۳۵ | اول دنیا میں دیو بنائے | رب بھنے امثال :- | کوئی روایت یوں نہ لیا |
| ۵۹ | میں مرض ہوں آؤں کیونکر | (دو گہر) | جب غلیل میں بولا یونکر |
| ۶۱ | منجھ بتا تو دیسے جیونکر | (دو گہر) | کہیں باپ جب بولا یونکر |
| ۷۱۲ | کہہ تو آج کسا کر آیا | (دو گہر) | دیکھ اسے پھر یوں بتلایا |
| ۱۹۳ | بخش دیئے اے ہم نہیں سارے | (دو گہر) | تیری دعا سب کر پیارے |
| ۱۳۸ | جو تو مانگے سو ہی دیونگی | (دو گہر) | بہت خوشی کر تحسوں لڑونگی |
| ۷ | دین ذوق سوں جا تو جاؤ | (دو گہر) | کسی بھانت کر پیا آؤ |

- (دو گہ) باغ پھیر کر ہو جا ایسا پہلے غصا جیسے کا جیسا ۲۲۶
 (دو گہ) تجھے نپٹ کر ایذا دیگے اختلاف اور جڈہ کرینگے ۳۴۱
 (دو گہ) اسے لے گئے مل کر بھائی جس کی پسر کر خبر نہ آئی ۱۱۰
 (دو گہ) جو حاکم کا حکم نہ مانے اسکوں پکڑ پھیلین کر جانے ۲۳۲
 (دو گہ) بڑے چاہنی جو باب ہمارا بھانت بھانت کر کھی بچارا ۱۱۷
 (دو گہ) یہہ شہطان جو ہے ابلیس ات کر نہیں آنے ریس ۳۷
 (ج) مہنی پر مثال سے ہر کوئی جو دہا کر آوے سوداگر لے اسے باوے ۶۳
 (دو گہ) کاروان جب وہاں کر آئی ترت سیورے میں سپر پائی ۲۲۶
 (دو گہ) بنی محمد یہاں کر آوے اس پر بادل چھا نہ کر آوے ۷
 (د) میں کر = بذریعہ - ذریعے - مثال :-

۷ اب تیری کیس کروں بدائی ساقی میں کر عرض کرا ئی ۱۱۷
 یعنی ساقی کے ذریعے سے

- (دو گہ) اکیوں کے سر دھپر نہا نہیں ہے سوراخ سو گردن ہا نہیں
 اس میں کر وے کھانین حج پیوں اسی بھانت وے جگ میں حج ہیں ۳۷
 (۷) برابر و طرح - مثال :-

- ۷ بات بنی کی ایک نمائی ساری جھوٹے غلط کر جانی ۷۵
 (دو گہ) اس میں کیا سو حق کر مانو اپنی خیر اسی میں جانو ۱۲۷
 ان مثالوں کے باوجود ذکر کا استعمال ابھی اور بھی وسیع ہے +

لازمی و متعدی

کئی افعال جو اردو میں متعدی ہیں اس کتاب میں لازمی کی طرح برتے گئے ہیں
 اور کئی جو متعدی متعدی ہیں متعدی منے گئے ہیں - بعض مثالیں یہاں نقل ہوئی ہیں :-

(۱) متعدی مثل لازمی :-

- ۱۶۳ ۱۔ جب نیک چل کافر آئے
 'چراغے' یعنی ڈرے ؛
- ۱۶۶ ۲۔ وہاں جاٹے دو نو تھراٹے
 'ٹھراٹے' یعنی ٹھہرے ؛
- ۲۸۹ ۳۔ زمین آسمان بھی لرزائیں
 یعنی زمین و آسمان لرزیں ؛
- ۳۲۱ ۴۔ بھجن کار نے ہم اپجائے
 (دیگر) یہاں نہ کھیلن کوں ہم آئے
 یعنی اچھے (پیدا ہوئے) ؛
- ۱۴۷ ۵۔ عجب بات یہ منجھے دیکھایا
 (دیگر) ساروں میں یہہ جو کر آیا
 'دکھایا' یعنی دکھی (نظر آئی) ؛
- ۲۶۲ ۶۔ جان پر سورج چاند نکالا
 (دیگر) مسجد میں یوں ہوئے اجالا
- ۱۵۷ ۷۔ ہو غریب ایسے بتلائے
 (دیگر) مہتر موسے کن جب آئے
 'بتلائے' یعنی بولے ؛
- ۱۱۴ ۸۔ لادو دکر سبھی چلائے
 (دیگر) گیکھوں بھر کر گوزاں لیائے
 یعنی چلے (روانہ ہوئے) ؛
- ۲۶۶ ۹۔ بوپھے سب یوں بتلائے
 (دیگر) سلیمان باہرسوں آئے
- ۱۵۸ ۱۰۔ سو گند کھا کر یوں بتلائے
 (دیگر) پھیرنی کن دوپے آئے
- ۲۲۳ ۱۱۔ کیا خوف رو رو بچھتائے
 (دیگر) جب داؤد بنی لرزائے
- ۱۳۸ ۱۲۔ سن سنبھال موسے کی مائی
 (دیگر) اسی وقت میں وحی جو آئی
- ۱۱ ۱۳۔ میں تو اسپر بہت لبجائی
 (دیگر) یہی بات اٹھ بولی دائی

(دیگر) اس میں دیکھ مور شرابا اپنی چھب پر آپ لبایا یعنی رکھا
 (دیگر) شہر کے کن چل کر آئے گہری ایک لک وہاں ٹہرائے ۳۲۳
 (دیگر) اسی شور وہ بادل پایا اسی جہاں پر ٹہرایا ۳۲۴
 (دیگر) ہوتے کون کہاں سوں آئے ہکوں تم جاسوس دکھائے ۱۱۱
 (دیگر) ویتا وہاں سوں دور دکھایا جب مردود بہت شرابا ۱۶۱

(ب) متعدی متعدی مثل متعدی - امثال ۱ -

۱۔ شیث نبی کے بیٹا جایا اس کا نانا نوش دھرایا ۴۳ دھرایا یعنی رکھا
 (دیگر) کیا طاقت نزعون دھراے تیرے اوپر ہاتھ چلاوے ۱۵۱
 (دیگر) مدین میں جو نگر بایا مدین اس کا نانو دھرایا ۱۳۲
 (دیگر) نبی ہود کے بیٹا جایا ساروغ جس کا نانو دھرایا ۵۱
 (دیگر) ہم کا پمیں تو باہر آوے تو نہ آپ میں سکت دھراوے ۴۶
 (دیگر) ڈالیں جال سو مچھلیاں لیاں پکڑ پکڑیوں دھیر کر اویں ۲۴۲ یعنی ڈھیر کریں
 (دیگر) ایسا نیک کہاں پھر پاؤ بکریوں پر تم اسے رکھاؤ ۱۴۸ یعنی رکھو
 (دیگر) کیتوں کی یوں بھانت تباہیں ہانتی کی سی سو نہ رکھاویں ۲۴۲ یعنی رکھیں
 (دیگر) ہے جو دودھ پلایا بھائی اسی واسطے وہ رکھوائی ۳۱۸ یعنی رکھی
 (دیگر) دس ہزار روٹیاں واکھتا کدی فی اس کا پیت بھرتا ۱۵۱ یعنی بھرتا
 (دیگر) کہا وہی دونو بستلاویں بت پوجا کو منع کراویں ۲۱۱ (منع کریں)
 (دیگر) کہا نبی عیسیٰ جو آیا اس میں ہکوں بھیجہ دلایا ۲۱۵ (بھیج دیا)
 (دیگر) حکم ہوا تم جن اکتاؤ چار یار کوں بھیجہ دلاؤ ۲۰۵ (بھیج دو)
 (دیگر) یعنی دوئے فرشتے آئے وے خدا میں بھیجہ ویلے ۳۲۱
 (دیگر) مہتر عیسیٰ نے سہر پایا ترت تیسرا بھیجہ بلایا ۲۶۹

(دیگر) یہ نہیں ہاتھ کسی کے آیا
(دیگر) ناجوان نابود پی لیاؤ

بدے بھاگ جو تجھے ملایا ۳۱۸ (ملا)
درمیان کی ذبح کراؤ ۱۸۷ (ذبح کرو)

مخافیه

قافیہ میں مصنف فن قافیہ کے قواعد و ضوابط کی پیروی نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر صوتی اشتراک و مماثلت کی پابندی کرتا ہے۔ ’س‘، ’کو‘، ’ص‘، ’کا‘، ’ز‘، ’کو‘، ’ض‘، ’کا‘۔ حائے خطی کو ہائے ہوز کا، ت کو ط کا ہم قافیہ لے آتا ہے۔ صحت الفاظ کی پروانہ کرتے ہوئے طر ز کو گز کا بوی کو ہوے کا ذات کو ساتھ کا، صعی (صحیح) کو وحی کا کھلک (خلق) کو ملک کا قافیہ لایا ہے۔ ادھر ع کو الف سے اور بعض وقت می سے بدل لیا ہے۔ بعض وقت حذف کر دیا ہے مثلاً یں :-

۵۔ مجھے موزن کریں جماعت پانچ وقت کی بانگِ صلوٰۃ ۱۶

یہاں مصنف نے جماعت کو 'جات' بروزن صلوٰۃ پڑھا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ طبقہ آج بھی جات بولتا ہے ۛ

(دیگر) جب نماز کی باندھی نیت حق کی طرف کری جمعیت ۱۷۱
 تہی کو مشدوکر کے جمعیت کا عین گرا دیا ہے ؛

(دیگر) اسے دیکھ کر کرے مٹالا اسی وقت دل ہو جا کالا ۶۹
(دیگر) الت گئے جب نذروں والے کہا ہمارے پھوٹے تارے (طالع) ۲۴۹

(دو گرا) مسلمان مارو گے ہم سے جیوں فعلت نفساً بالاس (۱۲۴)

(دیگر) چہری او پھبنا کر ہمیں کہا میں جو آیا ہوں عیص نہ

(دیگر) سپر فرعون جو ہو کر غصہ
کہا کیا کر لیا و تم اسے

(دیگر) بادشاہ نہیں بہت تلاش کر کر یوسف سوں اخلاص

پاس بہتھائے ایک دن صبحی بات کھول کر ایسی کہی

- (دیگر) بی بی نہیں جب ہو کر غصہ دیا جواب کھول کر اسے ۱۵۳
- (دیگر) کہا بھول جن کرو اداسی یہی نشانی جان پر و خاصی ۲۶۵
- (دیگر) کیا غریب ادنیٰ کیا خالص آئے سارے لوگ تھامے ۱۵۴
- (دیگر) بھانت بھانت کری دلاسا پھیر منگایا کھانا خاصا ۱۴۷
- (دیگر) چاہے تمکوں یہی خدایا اول ان کی کرو دلاسا ۱۴۶
- (دیگر) اگر نہ اس کا قول زبٹنا کہتی بیٹیا مارو مست نا ۱۴۱
- (دیگر) بداد ہی جس نہیں حق راضی وہی جیت گیا سا بنی بازی ۱۳۵
- (دیگر) جب فرعون کینا پازی بہت ہوا انسوں ناراضی ۱۳۶
- (دیگر) آپ لعین کینا پازی چرنا بھاگا ہو کر ماضی ۱۵۲
- (دیگر) جبرائیل جو لیا دے وحی اس کی صفت سنو تم صبحی ۲۹
- (دیگر) سات اسانگی سب ملک اور ملاؤ ساری کھلک ۳۳

کھلک یعنی خلق کو تجزیک اول و دوم لایا گیا ہے :

- (دیگر) یہہ میں تمکوں راہ بتاوی کہو کیا کرو گے سن بعدی ۱۲۸
- (دیگر) دل میں رکھو نہ غصہ کی بوی اب تم دیکھو کیا کیا ہوے ۸۹
- (دیگر) سونا تھا پھر ہوا سوکند رکندن دیکھو بجائے سورج چند ۳۶
- (دیگر) بھائی سارے آئے گھر کوں ہتر پوسن چلے مصر کوں ۹۳
- (دیگر) کہو باپ نہیں چلتے ہمسوں کیا کیا قول کئے تھے تم کوں ۱۱۷

یہاں غالباً تم کو بفتح اول لایا گیا ہے۔ جیسا کہ راجستانی میں دستور ہے :

- (دیگر) یہاں نادرے ذکر انوں کا لکھا کھول مذکور نبیوں کا ۴۷

اس میں نبیوں کی ب' متحرک اور می غلط ہے۔ اور نبیوں بروزن انوں آیا ہے :

(دیگر) گھرے گھرے لاکھ قندیاں اینیاں چوپیاں منو دیلاں قندیل بانوں غنہ بروزن دیلاں

- (دیگر) عادتوں میں عجیب طرز کی کہیں ایک سو اس کی گز کی ۵۵
'طرز' تحریک راہ و زن غرض بند حلقہ +
- (دیگر) دونوں چلے مبارک ذات ہوا تیسرا یوش ساتھ ۵۶
معروف و بھول کا قافیہ بھی بہت آتا ہے۔
- ۵۷ جاخیل کے چروں لاگی اکھت پدھانی کھت یوں جاگے ۵۸
اس میں ناعل حضرت سارا ہیں +
- (دیگر) کھینچ نکال ڈول بھر پازیں تو ہم تیری غیرت جازیں ۵۹
گویا پانی کا قافیہ جانیں ہوا +
- (دیگر) غلاموں کفر میں پڑا باندھ لیا سن میں منصوبا ۶۰
(دیگر) بے قرار ہو کر چرلائے اب تو موت کنارے آئی ۶۱
پہلے مصرع میں ناعل قارون اور اس کے دوسرا تھی ہیں جب زمین میں وہ جھکے تک
دھنس گئے ہیں +
- (دیگر) ایک ایک روٹی مٹی ایسی گاڈی کا پایا ہو جیسے ۶۲
(دیگر) لگی تیاس ہکوں میں بازپے اب تم بیگ رنگاؤ پازیں ۶۳
(باقی دارد)

حافظ محمد محمود شیرانی

سرسید کے ہم خیال علماء کے دینی نظریے

مذہبی افکار اور علم کلام کی تبدیلیوں کے متعلق ہم بہت کچھ سرسید احمد خاں کے ذکر میں کہہ آئے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہی مانوں میں ایک نئی فکری تحریک کے بانی تھے۔ انہوں نے ہی اجتہاد اور تنقید مذہب کا دروازہ کھولا اور اصول مذہب کی از سر نو چھان بین کرتے ہوئے مداخلت مذہب کے لئے جدید علم کلام قائم کیا۔

اگرچہ اس موضوع پر گذشتہ سطور میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور یہاں ان مطالب کے تکرار کی گنجائش نہیں۔ تاہم یہ ذکر نا ضروری ہے کہ سرسید جس تحریک تجدید فکر کے بانی تھے۔ اس میں ان کے دیگر رفقاء بھی برابر کے شریک تھے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ سید صاحب اپنے خیالات میں جس غیر معتدل انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ اس کو ان کے عزیز ترین دوست اور رفیق بھی پسند نہ کرتے تھے۔ تاہم یہ اصول میں سارے متفق تھے۔ اُن کے اہم خیالات میں اتحاد عقائد البتہ ان کے رفقاء بعض اوقات اپنے خیالات کی شکلیں تبدیل کرنے کے لئے انہیں زیادہ مقبول لباس میں پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن سید صاحب نے جو رجحان پیدا کیا اس کو تسلیم یا انکار بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور آج تک مصلحین بہت حد تک انہی کے خیالات کو اپنے لئے بنیاد اور مبنی قرار دیتے ہیں +

نواب محسن الملک | ان کے عزیز ترین دوستوں میں نواب محسن الملک دروہی چراغ علی تھے۔ جنہوں نے اگرچہ کوئی اہم اور قابل ذکر تصنیف نہیں کی۔ تاہم دونوں سید صاحب کی تحریک کے زبردست اور پُر جوش مدینے تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق میں پے در پے مضامین لکھ کر زبان اردو کو سید صاحب کے خیالات سے مرشار کر دیا۔

نواب محسن الملک کا نام سید مہدی علی تھا۔ آپ ۱۸۳۷ء میں اٹاؤہ میں متولد ہوئے۔ ان کے والد میر ضامن علی شیعہ تھے۔ لیکن انہوں نے شخص اور تحقیق کے بعد آبا فی مذہب ترک کر کے سُنی ہونے کا اعلان کر دیا اور اسی ضمن میں ایک کتاب آیاتِ نبیات لکھی۔ جس میں مذہبِ سُنی کی فضیلت اور حقانیت کے دلائل پیش کئے۔ سید مہدی علی پہلے مولوی محترم تھے۔ پھر غدر کی بعض خدمات کے بدلے سرِ رشتہ دار، تحصیلدار اور انجام کار ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ اٹاؤہ میں تحصیلداری کے زمانے میں سر سید سے شناسائی ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ واقفیت گہری دوستی تک پہنچ گئی۔ ۱۸۶۷ء میں مولوی مہدی علی کی خدمات سلطنت حیدر آباد نے حاصل کیں۔ چنانچہ نواب محسن الملک محسن الدولہ کا خطاب وہیں کی یادگار ہے۔ ۱۸۹۳ء میں نواب صاحب نے حیدر آباد سے نشن حاصل کر لی اور علیگڑھ کالج کے معاملات میں سید صاحب کے دست و بازو بن گئے۔ ۱۸۹۹ء میں سید صاحب کے انتقال کے ایک سال بعد آپ کالج کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں شملہ کی بلندیوں پر وفات پائی۔

سر سید کے ساتھ محسن الملک کے تعلقات اس درجہ گہرے تھے۔ کہ اول الذکر کبھی کبھی انہیں 'لمک لُحی' اور 'مُحبت' اور 'مُحِبوب' وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ ان دونوں بزرگوں میں خیالات کا کمال سے کمال اتفاق تھا۔ وہ ۱۸۶۷ء میں سید صاحب کی سائنٹفک سوسائٹی کے ممبر بنے اور اس کے لئے سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ انہوں نے خطباتِ احمدیہ کی تالیف میں بہت مدد دی اور تہذیبِ الاخلاق میں سید صاحب کے مشن کی حمایت اس دلکش اور پُر زور انداز میں کی۔ کہ لوگوں پر اس تحریک کا بہت عمدہ اثر ہوا۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:۔ مضامین تہذیبِ الاخلاق، مکمل مجموعہ لکچر تفسیر علی بالحدیث کتاب المحبت والشوق، مکاتیب، مسلمانوں کی تہذیب اور آیاتِ نبیات۔

یہ تمام کی تمام کتابیں بہت بلند درجہ کی نہیں۔ البتہ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں بہت عمدہ اور وقت ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کہ نواب صاحب کے مضامین میں کوئی جدید خیال موجود نہیں۔ کیونکہ وہ دراصل سید صاحب کے ترجمان تھے اور انہی کی پیروی کیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں انہیں سید صاحب کے مذہبی خیالات سے بہت اختلاف تھا۔ بلکہ ان کے سیاسی ارادوں کے متعلق بھی بدظن تھے۔ لیکن بعد میں سیاسی معاملات میں کامل یک جہتی ہو گئی تھی۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ بعض مذہبی مسائل میں ان کا سرسید سے آخر وقت تک اختلاف قائم رہا۔ چنانچہ ایک موقع پر بیان کرتے ہیں کہ ۱۔

”مجھ سے زیادہ سرسید کا جاننے والا۔ ان کی عزت کرنے والا۔ ان کی خوبوں کو سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن پھر بھی ۱۸۶۴ء سے ان کے اخیر دم تک میرے اور مرحوم کے درمیان بحث و تکرار قائم رہی۔ چنانچہ ان کی زندگی کے آخری دور میں بھی ایک مضامین کا سلسلہ عرصہ دراز تک بطور خط و کتابت کے جاری رہا۔“

نواب صاحب نے جس خط و کتابت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا مجموعہ مکاتبات المخلصان کے نام سے طبع بھی ہو گیا ہے۔ جہاں تک راقم نے اس پر غور کیا ہے۔ اس میں سید صاحب سے جزئیات میں تو اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن بڑے بڑے مسائل میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواب صاحب سید صاحب کے زبردست مقلد ہو گئے تھے۔ اسی لئے ہم اس موقع پر ان کے اس مختصر فکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ کمنا قرین انصاف ہو گا۔ کہ وہ اصول تفسیر و قرآن میں سید صاحب کی طرح اسلامی پس منظر سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ بعض اوقات سلف کے دینی نظریوں اور مذہبی افکار سے ضرور متاثر ہوتے تھے۔

مولوی چرغ علی | اس دور میں مذہبی مناظرہ کا جو جوش پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قبل ازیں

ہو چکا ہے۔ مختصر اُیہ کہ خیالات کی آزادی اور عام حریت فکر کی وجہ سے مذہبی اور دینی مناظرات کو بہت فروغ ہوا۔ اور لوگوں میں تقابل مذاہب کے متعلق ایک نام دلچسپی پیدا ہو گئی۔ ہمارے دیگر مصنفین کی طرح مولوی چراغ علی نے بھی سید صاحب سے ملاقات ہونے سے پہلے مذہبی مناظرہ اور تحقیق کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کا جواب تعلیقات کے نام سے لکھا۔ جس میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی ترجیح کے وجوہ پیش کئے اور تاریخ محمدی کے آخذ کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔ علاوہ ازیں مولوی صاحب اکثر متفرضین اسلام کی تردید میں رسائل لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہ شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی براہین احمدیہ لکھنے میں مدد دی۔ اگرچہ یہ بھی ایک دینی خدمت تھی۔ لیکن سرسید نے جس طریقہ مدافعت دین کی بنیاد ڈالی۔ وہ اس مناظرہ کے رنگ سے کہیں زیادہ موثر تھا۔ تاہم دونوں کی غرض ایک تھی اس لئے وحدت ذوق نے مولوی چراغ علی کو سید صاحب کے قریب تر کر دیا۔

مولوی چراغ علی کشمیری الاصل تھے۔ ان کے آبا و اجداد کشمیر سے پنجاب میں آئے۔ ان کے والد مولوی محمد بخش میرٹھ میں آباد ہوئے اور وہیں ملازم ہوئے۔ اور مختلف فرائض کی انجام دہی کے بعد ۱۸۵۶ء میں انتقال کر گئے،

بوقت وفات مولوی محمد بخش کے سب سے بڑے لڑکے چراغ علی کی عمر ۱۲ سال سے زائد نہ تھی۔ اس یتیمی کے فیصل ابتدائی تعلیم ناقص رہ گئی۔ اس پر حالات نے جلد ملازمت اختیار کر لینے پر مجبور کیا۔ ابتدا مولوی محرمی سے ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ انگریزی ملازمت میں رہنے کے بعد حیدر آباد میں ملازمت مل گئی۔ جہاں وہ ترقی کرتے کرتے مسمدی مالگنداری تک پہنچے۔ اور وہاں ہی صوبہ داری کی عزت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۸۹۵ء میں ہوا۔

مولوی صاحب کی اکثر کتابیں انگریزی میں ہیں۔ حالانکہ ان کی انگریزی تعلیم باقاعدہ

نہ ہوتی تھی۔ ان کی انشا پر داری کی تعریف بڑے اہل قلم کیا کرتے تھے۔ ان کے مضامین انگلستان کے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہوتے تھے۔ اور ان کی تصانیف پر نہایت عمدہ ریویو انگریزی رسالوں میں لکھے گئے؛

انہیں عبرانی اور سریانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ اسی زبان دانی کا نتیجہ تھا۔ کہ ان کے مضامین حد درجہ محققانہ ہوتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اسی وسعت نظر کا مالک صحیح طور پر داؤ تحقیق دے سکتا ہے۔ انہوں نے انگریزی میں جو کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :-

Critical Exposition of the popular jihad. (۱)

Reforms under Moslem Rule. (۲)

Muhammad, the True Prophet. (۳)

ان کی اُردو کتابوں کے نام یہ ہیں :-

تعلیقات - اسلام کی نبی برکتیں - قدیم قوموں کی تاریخ - ماریہ قطبیہ - بنی ہاشم جو تعلیق نیا زمانہ - ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ تھا (العلوم الجدیدۃ والاسلام) لیکن افسوس کہ موت نے فرصت نہ دی۔ رسائل چراغ علی کے نام سے ان کے کچھ رسالے بھی طبع ہو چکے ہیں۔ نیز جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ مولوی صاحب رسالہ تہذیب الاخلاق کے زبردست مضمون نگار بھی تھے۔ اور در اہل انگریزی کتابوں کے بعد ان کی قابلیت کی سب سے بڑی تماشگاہ یہی مضامین ہیں،

یوں تو رفقاء سربید سب کے سب ان کے مقلد اور متبع کہلاتے ہیں۔ لیکن مولوی چراغ علی کو سید صاحب سے جو اتفاق رائے متاواہ شاید کسی اور کو نہ تھا۔ اور اس لحاظ سے اگر "نچری" کے لفظ کا اطلاق سید صاحب پر ہو سکتا ہو تو ہم مولوی چراغ علی کو ان سے "کم نچری" نہیں کہہ سکتے؛

مولوی چراغ علی کا موضوع تحقیق بھی قریباً وہی تھا۔ جس پر سید صاحب نے اپنا اسلام زور قلم صرف کیا ہے۔ وہ موٹے موٹے مسائل جن کی طرف مولوی صاحب نے خاص طور پر توجہ فرمائی یہ ہیں۔ کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا۔ اسلام کی لڑائیاں مدافعت تھیں۔ فقہ و حدیث بطور ایک حجت شرعی واجب التسلیم نہیں۔ قرآن میں جہاد محض 'محنت' اور 'مشقت' کے معنوں میں آیا ہے۔ اسلام نے لوڈی غلام بنانے کا حکم نہیں دیا۔ اور بنی ماریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم نہ تھیں۔ وغیرہ ذالک؛

مولوی صاحب نے غیر مسلموں کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ کی مفصل تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اسلام کی نظر میں دنیاوی طور پر مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب *Proposed political, legal and*

"Social Reforms under Moslem Rule" میں جس کا اردو ترجمہ "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" (۱۹۱۸ء) کے نام سے مولانا عبدالحق نے کیا ہے۔ ریونڈ ٹائٹل صاحب کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کہ مذہب اسلام ترقی کا مانع نہیں۔ اسلام پر زمانے کی معاشرت کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حدیث عقیدہ نامیروی کے قابل نہیں۔ اسلامی سول لاکے بعض حصے از سر نو لکھے جائے چاہئیں۔ مذہب اور سیاست الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسلام میں رائے کی آزادی ہے۔ غلامی۔ جنگ و جدل اور جہاد کا اسلام میں کوئی ذکر نہیں، اسلام نے عورت کی پوزیشن کو بہت بلند کر دیا ہے یہ وہ چند اہم اور موٹے موٹے خیالات ہیں۔ جو مولوی صاحب نے اپنی کتابوں میں ظاہر کئے ہیں۔ ان کا طرز استدلال جدید اور سید صاحب کے طریق پر ہے۔ ان کی تحریرات میں سید صاحب کا اثر بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ جس ہوشیاری اور قابلیت سے اسلامی لٹریچر سے اپنے مطلب کی بات نکالتے ہیں۔ اس کا دل پر عرب پڑتا ہے۔ علی الخصوص اس سے بھی کہ علامہ مغربی تاریخ کے انجیل۔ تورات اور دیگر کتب آسمانی کے اقتباسات سے

اسلام کی تائید کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں اُردو میں کم ہیں لیکن جو ہیں خشک ہیں۔ اور ان پر سید صاحب کا رنگ بہت گہرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پڑھنے والے کم ہیں۔ کیونکہ سید صاحب کے مذاح خود سید صاحب کی کتابوں سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں اور مخالفوں کو سید صاحب اور مولوی صاحب دونوں کی تحریروں میں کوئی دلچسپی اور غرابت نہیں معلوم ہوتی ۛ

قصہ کوتاہ! یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سید صاحب کے عقاید اور خیالات کی تبلیغ کے لئے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیتوں کو پورے طور پر صرف کیا۔ اور اس پر زور طریق پر ان عقاید کو پھیلا یا۔ کہ آہستہ آہستہ یہی خیالات غیر محسوس طور پر سب لوگوں کے عقاید کا جزو بن گئے۔ چنانچہ آج بے شمار لوگ سید صاحب سے اختلاف رکھنے کے باوجود کہتے اور مانتے وہی ہیں جو سید صاحب، نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی کہتے اور مانتے تھے۔

مولوی نذیر احمد خاں | سید صاحب کی جماعت میں دو بزرگ ایسے تھے جنہوں نے علاوہ دیگر شعبہ ہائے علم کی طرف توجہ کرنے کے، اپنی زبردست تصانیف کے ذریعے دینی افکار میں بھی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یعنی مولوی نذیر احمد خان اور شبلی نعمانی۔ ان دونوں بزرگوں کا اصلی میدان عمل دوسرا تھا۔ اور ان کی شہرت کا دار و مدار بھی ان دوسری تصانیف پر ہی ہے۔ تاہم ہندوستان میں دینی افکار کی ترقی اور انقلاب کی تاریخ ان کے ذکر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ نذیر احمد کا اصلی محور عمل "مغلطی ناول" تھا اور شبلی فن تاریخ کے امام تھے۔ نذیر احمد کی طبیعت میں محقق ہونے کے باوجود سلامت و استقامت تھی۔ لیکن شبلی کو قدرت کی طرف سے جو انقلاب آفرین مجتہدانہ قابلیت عطا ہوئی تھی۔ اس نے اکثر موقعوں پر شبلی کو سرسید کے دینی نظریہ سے اختلاف کرنے پر مجبور کیا ۛ

نذیر احمد جن کی سوانح عمری کا یہ عمل نہیں آغا زکار سے ہی مذہب کے معاملے میں محقق واقع ہوئے تھے۔ جس زمانے میں نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہوئے ان دنوں میں ہاں

اور خفیوں کا اختلاف بہت زوروں پر تھا۔ شروع شروع میں نذیر احمد اسلامی فرقوں کی کسی خاص جماعت کے خلاف تعصب نہ رکھتے تھے۔ بلکہ موقع اور محل کے لحاظ سے مصلحت کا تقاضا ہوتا تھا۔ شامل ہو جا کر تے تھے۔ رفتہ رفتہ جب ان کے خیالات میں کچھ آگئی۔ تو انہوں نے بہت سے مسائل کے متعلق محققانہ رائے قائم کی۔ جس پر وہ سختی سے قائم رہتے تھے۔ عام طور پر لوگ انہیں بھی "نچری" ہی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا سرسید کے ساتھ بہت سے عقائد میں اتفاق رائے تھا۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت جو سرسید کے ساتھ ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ سرسید کی طرح رائے اور عقل کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ تقدیر، توکل، خیر و شر وغیرہ کے متعلق ان کا نظریہ وہی ہے جو سرسید کے دور کا مخصوص نظریہ تھا۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ وہ ہمیں اوروں کی نسبت معتدل نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے۔ کہ وہ مغرب کے خیالات سے سید صاحب کی طرح واقف نہ تھے اور اس ناواقفیت کی بدولت مداح بھی نہ ہو سکتے تھے۔ انہوں نے موقع بہت سرسید کے خیالات و مسلمات سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں وہ اجتہاد، آزادی رائے اور جرأت نہیں جو شکی کا خاصہ ہے۔ انہوں نے نہایت متین اور معتدل طریق پر سید صاحب کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا۔

جن لوگوں نے مولوی نذیر احمد کی تکفیر و تفسیق کی ہے۔ ان کے لئے صرف اسی قدر کافی تھا۔ کہ انہوں نے عقل اور قیاس کو جو اس دور کے اکثر مذہبی مفکرین کا جزو و شتر ہے مذہب میں استعمال کرنے پر زور دیا ہے۔

نذیر احمد اپنی اکثر کتابوں میں تعلیم جدید کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی بعض خرابیوں سے قوم کو متنبہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں توکل کا جو غلط مفہوم رائج تھا۔ اور مسئلہ تقدیر کی جو یاس انگیز تفسیر کی جاتی تھی۔ نذیر احمد اس کے خلاف بہت زوردار دلائل دیتے ہیں۔ -

ترک دنیا کا خیال بھی ان کے نزدیک غیر اسلامی خیال ہے۔ انہوں نے اس دور کے اکثر مصنفوں کی طرح اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ اسلام ترقی کے منافی نہیں۔ مذہب مین فطرت کے مطابق ہے۔ سائنس اور دین آپس میں متعارض نہیں۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا اور مسلمان حکومتوں کا از روئے مذہب برابر کا اور عمدہ سلوک ہونا چاہیئے۔ ”ذمیوں“ کا مسئلہ ایک ایسا موضوع ہے۔ جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سرسید کے اکثر دوستوں کے لئے مرکزِ توجہ بنا رہا۔

مولوی نذیر احمد نے اپنی کتاب حقوق و الفرائض میں جہاد کا باب تک قائم نہیں کیا، کیونکہ ان کے خیال میں جن مجبوروں کے ماتحت جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ وہ انگریزی عملداری میں موجود نہیں۔

نذیر احمد کی قابل ذکر دینی تصنیفات میں ترجمہ قرآن مجید اور ان کی مشہور فقہی کتاب الحقوق و الفرائض ہے۔

ترجمہ قرآن مجید اردو میں ہے۔ اور غالباً شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین صاحب کے بعد سب سے پہلا استوار اور جدید اردو ترجمہ قرآن ہے۔ اس کے خلاف یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض اوقات سوتیانہ محاورات جو ناول کے لئے تو موزوں ہیں۔ لیکن قرآن کے تقدس کے منافی ہیں۔ استعمال کئے گئے ہیں۔ باوجود اس کے نذیر احمد کا ترجمہ آج تک ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت مقبول ہے۔ اس ترجمے کی پیروی میں بے شمار ترجمہ شائع ہوئے۔ جن کا رتبہ بہر حال بلحاظ ترجمہ معمولی ہی ہے۔

نذیر احمد کی دوسری مہرکہ الآراء تصنیف الحقوق و الفرائض ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے۔ یہ دراصل مفصل فقہ اسلامی ہے۔ جسے جدید اصول پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں عقائد عبادات۔ معاملات اور معاشرت کے متعلق خالص اسلامی نقطہ خیال سے بحث کی گئی ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کتاب کا جیسے علم کلام کی اہم تصنیف کہا جاسکتا ہے، طرز استدلال جدید نہیں۔ بلکہ اس کا رنگ شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر مسلم حکماء سے ملتا جلتا ہے۔ نذیر احمد کی کتابوں میں بہت کم جدید مغربی حکمت و فلسفہ سے استفادہ نظر آتا ہے۔ اور ان کا سامان زور دلیل قدیم طرز کا ہے۔

بملاحظہ ایک کتاب کے اس کی ترتیب اور طرز تصنیف ایسی نہیں کہ بہت مقبول ہو سکے افسوس ہے کہ اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔

نذیر احمد کا دینی نظریہ معلوم کرنے کے لئے صرف یہی ایک کتاب کافی ہے۔ اس میں جا بجا سرسید سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اور اپنے آپ کو ”نچر یانہ“ الزام سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نذیر احمد کی کچھ اور کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں ان کتابوں کا رنگ شبلی کی تصانیف کے سامنے پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نذیر احمد اس آرٹ سے غالباً واقف نہ تھے۔ کہ کیونکر ایک دینی کتاب کو مدلل اور دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔

شبلی نعمانی شبلی نعمانی جن کا مفصل تعارف تاریخ کے ضمن میں آئے گا۔ غیر معمولی مجدد و اوصاف کے مالک تھے۔ درحقیقت سرسید کے بعد یہی بزرگ ہیں۔ جن کی تصنیفات میں ہم جدت، آزادی رائے اور فکری گہرائی پاتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد انہیں مذہبیات میں سب سے پہلے وہابیوں اور حنفیوں کے باہمی جھگڑے سے عمیق دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے عربی کا ایک ”الاسکات المتمدی“ وہابیوں کے رد میں لکھا۔ ان پر اس ابتدائی تحریک کا اثر اتنا گہرا اور دیر پا ہوا۔ کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت کی روایت سے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کی نسبت کو لازم قرار دے دیا۔ اور آخری عمر میں بھی جبکہ آزادی اور عقل پسندی کے زبردست علمبردار مانے جاتے تھے۔ حنفیت کی مدح و ستائش کو نہ چھوڑا۔

بھائی ہمدی کے داخلہ علیگڑھ کالج نے انہیں ایک نئے ماحول میں پہنچا دیا جہاں انہیں سرسید سے تعارف کا موقع نصیب ہوا۔ اس زمانے میں آرنلڈ صاحب بھی علیگڑھ میں تھے۔ ان سے بھی ملے۔ سید صاحب نے ایک عمدہ لائبریری اسلامیات کے متعلق جمع کر رکھی تھی۔ اس کے معائنہ سے بھی محفوظ ہوئے۔ سید صاحب نے انہیں جو بہر قابل سمجھ کر علیگڑھ کالج کا پروفیسر مقرر کر لیا۔ غرض یہ ماحول تھا۔ جہاں شبلی نعمانیؒ کے دل میں پہلے پہل عقلیت کی طرف میلان ہوا۔ اس نئی فضا میں انہیں محسوس ہوا کہ قدیم علوم کو نئے رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ علی الخصوص تاریخ کی تدوین نئے مذاق کے مطابق اور بھی ضروری ہے +

جب تک سید صاحب زندہ رہے۔ شبلی علیگڑھ کالج کے پروفیسر رہے۔ وہ اگرچہ بعض مذہبی خیالات میں سید صاحب کے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ تاہم انہیں سید صاحب کا غلو اور افراط پسند نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مواقع پر اس سے اظہارِ برکت بھی کیا ہے باین ہمدی شبلی عقل پسندی کا جو رنگ چڑھ چکا تھا۔ اس کا اُترنا آسان نہ تھا +

شبلی کا میدانِ عمل اپنے دوسرے رفقاء سے کچھ الگ نہ تھا۔ انہوں نے اپنی اکثر تحریروں میں اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ مذہبِ اسلام کو جدید علوم اور جدید تمدن سے مطابقت دی جائے۔ اور فلسفہِ محال کے ان مسائل کی تشریح کی جائے جو مذہب سے بظاہر ٹکراتے نظر آتے ہیں +

نظریہ دینی ہیں۔ اُن میں اور سرسید میں فرق یہ تھا۔ کہ سید صاحب اسلامی عقاید کو تو مرموز و رازِ علومِ جدید سے تطبیق دیتے تھے۔ لیکن شبلی مسائلِ علومِ جدید کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ کہ اُن سے حقیقی اسلام کی تائید ہو۔ سید صاحب کا ماحول مغربی تھا اور شبلی کا ماحول اسلامی۔ منزل اگرچہ دونوں کی ایک ہی تھی۔ کہ مذہب کو جدید فلسفہ و سائنس کے حلوں سے محفوظ کیا جائے لیکن راستے مختلف معلوم ہوتے ہیں +

شبلی نے سید صاحب کے خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ اس موضوع پر علاوہ مضامین کثیرہ کے انہوں نے چار کتابیں بھی لکھیں۔ علم الکلام۔ الکلام۔ الغزالی اور سوانح مولانا روم۔ مؤخر الذکر کا کچھ حال اہم سوانحیوں میں بیان کریں گے۔ ہر دست علم الکلام اور الکلام کے اہم مضامین کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ علم الکلام در اصل مسلمانوں کے کلام یا فلسفہ مذہبی کی تاریخ ہے۔ شبلی لکھتے ہیں کہ ”مدت سے میرا ارادہ تھا کہ علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے مطابق مرتب کیا جائے لیکن میں نے اس کے لئے ضروری سمجھا کہ پہلے علم الکلام کی تاریخ لکھی جائے“ گو یا یہ جدید علم کلام کو مرتب کرنے کے لئے مبادیات کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ شبلی اپنے ماحول کو ہر حالت میں اسلامی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کتاب میں متعدد مرتبہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ علم کلام کی از سر نو ترتیب ہونی چاہیے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بزرگان سلف کے مقرر کردہ اصول کا سر رشتہ کہیں ہاتھ سے نہ جانے پائے“

علم الکلام میں شبلی ایک اہم خیال پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عقاید کا اختلاف اکثر اوقات سیاسی وجوہ کی بنا پر پیدا ہوا۔ چونکہ شبلی سید صاحب کے رفقاء میں سے واحد شخص تھے جو سیاسیات کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں فلسفیانہ استخراج نتائج کا ملکہ تھا۔ اس لئے وہ ادبی اور فکری تحریکوں میں اکثر سیاسی اثرات و اسباب کا سراغ لگاتے رہتے ہیں۔ یابیوں سمجھنا چاہیے کہ وہ ہر مسئلہ میں تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ انکے نزدیک علم کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مسلمانوں کے اندرونی فرقوں کے اختلافات سے بحث کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو فلسفہ کے مقابل میں ایجاد ہوا۔ شبلی ان علمائیں سے تھے جنہوں نے فلسفہ اور علوم عقلیہ کی ترویج پر بہت زور دیا ہے اور قدیم فلاسفہ اسلام کے ایسے اقوال پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ کی تعلیم مسلمانوں میں ہمیشہ رائج

رہی ہے ؟

شبلی نے اس خیال کی بہت تردید کی ہے۔ کہ مسلمانوں کا فلسفہ یونانی فلسفہ سے ماخوذ تھا۔ ان کی رائے ہے۔ کہ مسلمانوں نے فلسفہ میں یونان سے استفادہ ضرور کیا۔ لیکن اس میں اپنے اجتہاد اور تفکر سے بہت قابل قدر اضافے بھی کئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ ہمارے مصنف کے محبوب رہنماؤں میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فلسفہ کی دکان کو اکثر مواقع پر انہی کے اقوال سے آراستہ کیا ہے ؟

الکلام [شبلی کی دوسری کتاب الکلام در حقیقت ان کے فلسفہ مذہب اور نظریہ دینی کی بنیاد ہے۔ اگرچہ خود شبلی کی رائے اس کے متعلق زیادہ اچھی نہ تھی تاہم یہ کتابیں اس عظیم الشان تغیر اور انقلاب کا پتہ دیتی ہیں۔ جو اس دور میں علوم جدیدہ کے تصادم سے مسلمانوں میں پیدا ہوا ؟

شبلی کے نئے علم کلام کا دائرہ بحث کیا ہے ؟ خود ان ہی کی زبان سے سُن لیجئے۔
 ”قدیم علم کلام میں صرف عقاید اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے۔ عقاید ہی کے متعلق تھے۔ لیکن آج کل تاریخی۔ تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے۔ یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقاید اس قدر قابل اعتراض نہیں۔ جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعدد و تکاح، طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کی جاتی ہے۔“
 شبلی اس بات کو نہیں مانتے۔ کہ علوم جدیدہ مذہب کو متزلزل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مذہب انسان کے لئے ایک فطری چیز ہے۔ اور وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پس جب مذہب کا ہونا ضروری ہے۔ تو لامحالہ ایک نہ ایک مذہب کو ترجیح دی جائے گی۔ شبلی

اس مذہب کو اسلام کی شکل میں موجود پاتے ہیں +
 مذہب اور عقل کی جنگ میں شبلی قدر تا عقل کے استعمال کو ضروری خیال کرتے
 ہیں۔ ہاں ایک سرحد ایسی بھی آجاتی ہے۔ جہاں عقل بے کار ہو جاتی ہے +
 الکلام میں شبلی نے مذہب اسلام کے اصولوں کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی
 کوشش کی ہے۔ اور اپنے دلائل کو مغربی مصنفین کی تحریروں سے مربوط کیا ہے۔ معجزہ اور
 خرق عادت کے متعلق شبلی کی پوزیشن معتدل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ”اشاعرہ اور آج کل کے
 عام مسلمانوں نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے۔ اس کی رو سے ہر قسم کے
 محالات اور حقیقی ناممکنات بھی خرق عادت کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور حاشا ہم ان کے
 امکان کا دعوے نہیں کرتے۔“ شبلی خرق عادت کو مانتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے
 نئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ جو نظر نہیں آتے۔ گویا شبلی کی رائے اس بارے میں سرسید اور عام
 مسلمانوں کے درمیان درمیان ہے +

سب سے بڑا اور محرکہ الآرا مسئلہ جس نے اس دور کے مصنفین اور مفکرین کو عرصہ تک
 پریشان رکھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ کیا اسلام تمدن و ترقی کا مانع ہے؟ شبلی کہتے ہیں۔ کہ تمدن کی ترقی
 کے جتنے اسباب ہیں۔ وہ سب اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مساوات۔ مذہبی بے تعصبی،
 آپ اپنی عزت کا خیال۔ جمہوریت، تقسیم عمل، انسانوں کا مختلف المراتب ہونا۔ علمی ترقی کی انتہا،
 دین و دنیا کا باہمی تعلق، علمی زندگی کا وجود، اور ربانیت سے نفرت وغیرہ وغیرہ۔ قوموں کے
 باہمی تعلقات کے متعلق بھی ان کے خیال میں اسلام نے جو راہ عمل واضح کی ہے۔ وہ اُسے ترقی
 اور تمدن کا بڑا مؤید قرار دیتی ہے۔ نیز اسلام کا قانون وراثت اور اسلام کا عورتوں کے متعلق
 قانون نہایت منید اور معقول ہے اور دنیا کے دیگر قوانین اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے +
 بہر حال شبلی کی آواز سید صاحب سے کوئی جدا آواز نہ تھی۔ لیکن شبلی کی نظر عالمانہ تھی۔

اور عوام کے لئے مانوس۔ اس لئے جہاں سید صاحب کا نام سن کر لوگ متوحش ہو جاتے ہیں۔ وہاں شبلی کی بات کا بدل و جان خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو شبلی کا دلچسپ مختصر طرزِ تحریر۔ اور دوسرا ان کا طرزِ استدلال جس کی بنیاد اس عقیدہ پر تھی کہ ”قدیم خیالات کا سرِ رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے“۔ برخلاف سرسید کے کہ انہوں نے جدید پرستی پر زیادہ زور دیا ۛ

یہ بات بالیقین کہی جاسکتی ہے کہ اس صدی میں شبلی کی تصنیفات مذہبی نے جدید تعلیم یافتہ گروہ کو جننا متاثر کیا ہے۔ اتنا کسی اور عالم کی تصانیف نے نہیں کیا۔ سید صاحب کا اثر بہت گہرا اور دُور رس اور ہمہ گیر تھا۔ لیکن ان کے نام کے ساتھ بعض ایسے عقاید منسوب ہو گئے تھے جو عوام بلکہ خواص کی نظر میں بھی پسندیدہ نہ سمجھے جاتے تھے لیکن شبلی نے ان الجھنوں سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں بجا طور پر کہتے ہیں :-

کہ ”مجھ کو اس بات کا غرہ ہے کہ اس نہی زندگی کے پیدا کرنے میں میری بھی حصہ ہے۔ اور اس جوڑ مذہبی کو برا ٹھیکہ کرنا میری قسمت میں بھی تھا ۛ“

سید محمد عبداللہ

بابا فرید گنج شکر شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بات اگست ۱۹۳۸ء)

۳۸۔ اپنے عیبوں کو دیکھتا رہ +

۳۹۔ خوار ہو کر بھی ہنر حاصل کر +

۴۰۔ اپنی نیکیوں اور بدیوں کو پنہاں اور پوشیدہ رکھ +

۴۱۔ دین کی علم سے حفاظت کر +

۴۲۔ بلندی چاہتا ہے تو غریبوں (شکستہ حالوں) کے پاس بیٹھ +

۴۳۔ آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر +

۴۴۔ اس بات کی کوشش میں رہ کہ موت تیرے لئے زندگی جاوید ثابت ہو

بہاؤ الدین بخد مت شیخ (فرید) کاغذے نوشت . . . سخن این بود کہ میان

ماوشما عشق بازی است۔ جواب این معذرت شیخ (فرید) بنشت: میان ماوشما

عشق ہست و بازی نیست +

اب فرید گنج شکر کی کرامات کا ذکر ہوتا ہے ۔

دفرید، نماز بلند اور کردہ بود و سر بر زمین نہادہ و مستغرق شغل برین ہمیات

بسیار بودے . . . درین میاں یکے بیاد و باواز بلند سلام گفت . . . شیخ

ہم چنان سر بر زمین نہادہ بود . . . گفت این کس کہ آمدہ است زنجیر و میان

دارو۔ (سلطان المشائخ) جواب دادم آری۔ باز فرمود کہ در گوش چیرے ارد

من درود دیدم ہم چنان بود . . . این بار کہ گفتم آری حلقہ در گوش دارو شیخ

فرمود اور ابگو کہ برو۔

[شیخ فرید کو سیر الاولیاء میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین شیخ کبیر لکھا ہے]

سلطان المشائخ مے فرمود کہ مادر اجداد میر تقییم - در صحرائے سرسی
مرا مارگزید شیخ (فرید) گفت اگر کسے بر کسے تہور راند و آن کس تحمل کند و
اگر او ہم از آن خود بر اندر و ا باشد - شیخ (فرید) گفت کہ اسے بیچارہ اگر خواند
بر اسے بدل است مخواں - و بخلق ایذاے مر سال و اگر بر اسے عمل است
ہمیں قدر کافی است کہ مے خواند و عمل مے کنند - مقصود از خواندن علم شریعت
بر اسے عمل است نہ از بر اسے ایذاے خلق *

جہاں پنجابی کتابوں میں جو سکھوں اور ہندوؤں کی تصنیف ہیں -
بابا فرید کے متعلق بہت سی باتیں اور کراماتیں درج ہیں وہاں بابا فرید کی والدہ
کے متعلق بھی ایک آدھ خاص بات مذکور ہے - اس لئے ہم سیر الاولیاء سے دو چار
اقتباسات اور دیتے ہیں :-

شیخ کبیر (فرید) را والدہ بود - بس بزرگ . . . تالشے دزدے در خانہ در آمد
اہل خانہ خفتہ بودند و والدہ شیخ بیدار بود و بخت مشغول . . . والدہ شیخ کبیر دعا
کرد و او بینا شد و برفت . . . الغرض برکت آن ولیعہم ہمہ مسلمان شدند -
شیخ (فرید) را زحمت خلد شد - بدال زحمت حلت کردند -

پوشیدہ نہاند کہ تولد شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر در ۶۵۶۹ھ
وفات حضرت ایشال در ۶۶۶۵ھ و عمر حضرت ایشال نو و پنج باشد -

نواید الفواد میں فرید کی عمر (صفحہ ۵۳) نو دوسہ سال - ۹۳ برس لکھی ہے
وہاں فرید کو شیخ کبیر اور شیخ الاسلام لکھا ہے *

بیت مناسب این معنی بر زبان شیخ (فرید) گذشتہ است و آن بیت

این است :-

رودل بہ کسے دہ کہ نمیرد تا تو از در و فراقی اوگری باری (صفحہ ۴۴)
 درین معنی کہ خواجہ منصور را کہ پیش آمد بر زبان شیخ (فرید) این باغی بار ہا گذشتہ
 از نور جلال مرد مطلق خیمہ زد و از شوق خدا نگر چہ رونق خیمہ زد
 این خاطر مردان چہ عجائب بحرے است چون موج زند ہمہ انا الحق خیمہ زد
 پیش شیخ (فرید) در اہاجت و حرمت سماع کہ در آل اختلاف علما است
 ذکر کردند - فرمود سبحان اللہ کیے سوخت و خاکستر شد و دیگرے ہنوز در اختلاف
 است - تفاوت بر ہیں - شیخ سعدی گوید :-

آتش اند بخیمکال افتاد و سوخت خام طبعال ہم چنان افسر وہ اند
 و نیز از شیخ (فرید) نقل کرد کہ . . . یعنی سماع آوازے موزون در جنبش مے آرد
 لہائے شنوندگان را و مے افروزد آتش شوق را در سینہ ہائے مشتاقان
 شیخ بدرالدین از شیخ (فرید) سوال کرد کہ بے ہوشی اہل سماع از کجاست
 حضرت فرمود از آنکہ ندائے اُست بر یکم شنیدند بے ہوش گشتند - ازال روز
 باز بے ہوشی در ایشان مرکوز است چوں سماع شنوند آں بے ہوشی در ایشان
 اثر کند - حیرت و حرکت در ایشان ظاہر شود ؛

روزے خواجہ خضر بخدمت شیخ (فرید) آمد و در ویشاں سماع آغاز کردند -
 شیخ (فرید) بر سر سجادہ نشستہ بود - ہر دو دست مبارک خود بر آورد و این بیت
 بلند خواند :-

صاحب دروے کجاست تا بنمایم صدگریہ زار زیر خیمہ ڈھولش

وقتے شیخ (فرید) این بیت خواند :-

نظامی این چہ اسرار است کہ خاطر میاں کی کسے ہریش نے اند زبان و لکش زبان و لکش

ہر بار کہ این بیت بر لفظ مبارک مے راند تغیرے پیدا مے شد۔

در آں ایام ماضی قاضی بود . . . از غایت خصومت بر ملتان رفت۔
 با صدور و ایتم ملتان گفت کہ کجار و ا باشد کہ یکے در سجد نشیند و آنجا سماع فرماید
 و گاہ گاہ در قص ہم باشد +

بر لفظ کمر بار شیخ (فرید) رفتہ بود . . . مے باید کہ فرزند آدم بطاعت
 و تقویٰ بیرون آید خواہ مرد باشد خواہ زن +

امیر حسن کی فواید الفواد کا ذکر سیر الاولیا میں موجود ہے۔ لہذا اب ہم
 فواید الفواد سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ یہ کتاب امیر حسن المعروف
 حسن دہلوی کی تالیف ہے (نولکھنور سنہ ۱۹۰۸ء) تکمیل تالیف کا سن ۱۳۲۲ھ ہے
 حسن بابا فرید کو شیخ الاسلام لکھتا ہے۔ اس کی بیشتر اطلاعات صاحب سیر الاولیاء
 نے شامل تحریر کر لی ہیں +

شیخ الاسلام فرید الدین ہر شب آدینہ فرمودے . . . شیخ کبیر فرید الدین
 قدس اللہ سرہ العزیز . . . چہار شنبہ بست سوم ماہ محرم سنہ اثنی عشر و سبعمائتہ . . .
 بعد ازاں (نظام الدین اولیا) فرمود کہ من وقتے بخدمت شیخ کبیر (فرید) دراجودین
 بودم۔ جوگی بود۔ بیام۔ من از او پرسیدم کہ شما کدام راہ میروید۔ اصل کار در میان شما
 چیست۔ او گفت در علم ماہم جنیں آمدہ است کہ در نفس آدمی دو عالم است۔ یکے
 عالم علوی دوم عالم سفلی۔ از تارک تا نواف عالم علوی است و از نواف تا قدم عالم
 سفلی است۔ سبیل کار آں است کہ در عالم علوی ہمہ صدق و صفا و اخلاق خوب و
 حسن معاملہ باشد و در عالم سفلی نگاہداشت و پاکئی و پارسائی۔ خواجہ (نظام الحق والدین)
 بر لفظ مبارک راند کہ مرا این سخن او خوش آمد (صفحہ ۸۴-۸۵)

وقتے شیخ بہاء الدین ذکر کیا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب الدین بختیار کاکی

درملتان بودند۔ لشکرِ کافر سے زیرِ پائے ملتان آمد

دیگر خومت آں بود کہ ہمد راں ایام بعضے سوداگران از لہا و ر طرف گجرات رفتہ اند
. . . . در انٹائے راہ شنیدند گفتار نگوں ساریا مند و لہیا و ر را خراب کردند +

شیخ (فرید) در دہلی بود۔ چوں او بہ نماز جمعہ رفتے پیش از وقت رواں شدے تا
مزاحمت خلق کتر باشد۔ خلق ہم چنان پیش سے آمدند دست سے بوسیدند تا از خلق کیے
حلقہ شدے ہم بدیں نوع تائنگ آمدن گرفت۔ بعد ازاں خسرین گفت کہ این
نعمت خداست چرا تئنگ سے آئی۔

. . . . تا چنان شد کہ بعد از ہر نماز سے وہ بارے گنیم کہ شیخ فرید الدین۔ پس آں
محبت بگاہیتے رسید کہ جملہ یار راں مرا ازین خبر شد۔ تا چنان شد کہ اگر از من سخنے پرسیدند
و خواستند کہ سے سو گند دہند گفتند سے سو گند شیخ فرید بخور (صفحہ ۱۴۹)۔

جج کے رو دکے اور اپیر نباشد۔ خواجہ (نظام الدین) چوں این سخن بشنید چشم پر آب
کرد بعد ازاں فرمود کہ بعد از نقل شیخ (فرید) مرا اشتیاق جج عظیم غالب شد۔ گنیم بارے
در اجودین بروم۔ بزیارت شیخ۔ القصہ چون بزیارت شیخ الاسلام رسیدم آں مقصود من
حاصل گشت +

وقتے پیرے بندست شیخ (فرید) آمد کیے جوانکہ برابر خود آور وہ بود۔ آں
پسر او بود۔ آں پسرک بے ادب . . . در بحث آمد و گستاخ وار با شیخ بحث کردن گرفت۔
چنانکہ سخن بلند شد شیخ ہم سخن بلند کرد۔ مولانا شہاب الدین در آمد و آں پسرک را سیلے زد۔
پسرک طیرہ شد خواست کہ با مولانا بسفاست در افتد۔ من (نظام الدین) دست آں پسرک
گیرنم۔ دریں میاں شیخ کبیر فرمود کہ صفا کنید۔ مولانا شہاب الدین جا کی تقریباً و رد و مبلغ
سیم بدل پسر و پدر داد۔ ہر دو خوشنود شدند و باز گشتند +

شیخ کبیر (فرید) چوں افطار کرد سے پس از آں مشغول شدے مشغول شدنی عظیم

تا آنگاہ کہ نماز ختم و راکعہ سے - از وقت افطار تا نماز ختم مسافتمی ہست
شیخ احمد نہروالی شیخ ہماء الدین ذکر یا کا اہم عصر تھا۔

حکایت دریں افتاد کہ شیخ احمد نہروالی مرید کہ بود - فرمود کہ واللہ اعلم مرید کہ بود -
بعد ازاں (نظام الدین) فرمود چہیں گویند کہ اور انعمت از فقیہ ماضو رسیدہ بود - و این فقیہ
ماضو امام مسجد جامع اجمیر بود - روزے شیخ احمد ہندوی سے گفت در عہد جوانی آوازے
خوب داشت - ہندو یہاں خوش گفتے - چوں فقیہ ماضو بشنید گفت چہیں آوازے کہ تو داری
در بلیغ باشد کہ در سرود ہندوی خرچ کنی - فقیہ ماضو فرمود کہ قرآن یاد گیر - شیخ احمد قرآن
یاد گرفت در آن سماع کہ واقعہ شیخ قطب الدین بختیار بود شیخ احمد نیز
در آن مجلس حاضر بود (صفحہ ۴۱، ۴۲)

شیخ (فرید) فرمودے کہ ہر کہ بر من سے آید چہیزے سے آرد - اگر مسکین بیاید و چہیزے
نیار و ہر آئینہ مرا چہیزے بدو باید داد -

شیخ (فرید) وقتے در حجرہ در بستہ کردہ بودند - من بنوعے نظر کردہ دیدم کہ ہر بار
ایستادہ سے شد و در سجدہ سے رفت - و این مصرع سے گفت - از سر تو میرم از برے تو زیم
شیرخان والی اچہ و ملتان در حق شیخ (فرید) چنداں اعتقاد نہ داشت - تا بار بار
شیخ در معنی او این دو مصرعے بگفتے

خواجہ (نظام الدین) فرمود کہ بنگر در یاد حق (فرید) چگونہ مستغرق بودہ است کہ
پرسوئی را از چندین تنہیم و تعریف بجا آورده -
وہم ہنوز دانشمند سے بودند (صفحہ ۲۴۴)

خواجہ (نظام الدین) گفت کہ وقتے بخد مت شیخ (فرید) بودم - آنجا جوگی حاضر
بود - سخن در آں افتاد کہ بعضے فرزندان بے ذوق بیروں سے آئند - از آں است کہ
مردان وقت مباشرت نمے دانند - بعد ازاں جوگی آغاز کرد کہ مہے سی روزے باشد و

نہ روز باشد۔ ہر روز را غایتی است۔ . . . چوں آں جوگی سخن تمام کرد (خواجہ فرمود)
من اثر آں روز را را پسیدن گرفتیم . . .

مردے بودیوست نام از مریدان شیخ (فرید)۔ وقتے بخدمت شیخ عتاب گو نہ کرے
کہ من چندیں سال در بندگی مے باشم ہر کسے از خدمت شیخ بخشش یافت۔ مر ابلیتے
کہ بیش از ہمہ بودے۔ شیخ (فرید) فرمود کہ از جانب من تقصیرے نیت از جانب تو
استعدادے وقابلیتے مے باید۔ ونیز من از آن خودے کم۔ اگر خدائے تعالیٰ ندمد آں
چہ توان کرد۔

لکھا ہے (صفحہ ۳۰) کہ بابا فرید جو کچھ کتنا تھا۔ خواجہ نظام الدین اُسے لکھ لیتا تھا +

دیوانہ وقت صبح بر وزیر استاده بود . . . (صفحہ ۲۹)

سخن در نگاہداشت فرمان پیر افتاد۔ فرمود کہ وقتے شیخ (فرید) دست بدعاٹے
برداشت مے فرمود کہے باشد کہ ایں یاد گیر . . . من (نظام الدین) یاد گرفتیم +

از شیخ (فرید) شنیدم کہ در مدت عمر خود یک جرات کردہ بودم۔ بخدمت پیر خود۔
و آں چناں بود کہ وقتے من از شیخ اجازت طلبیدم تا یک چلہ برآرم۔ و عزت گیرم۔ شیخ
قطب الحق والدین بختیار فرمود کہ حاجت نیست۔ ازین شہرت حاصل آید۔ از خواجگان ما
ہم چنین نیامدہ است۔ من جواب دادم . . . کہ من برائے شہرت نئے کم۔ حضرت
قطب العالم . . . ساکت شد۔ بعد ازیں در ہمہ عمر خود پشیمانیا خوردم و استغفار ہا کردم
کہ چہ جوابے دادم کہ نہ موافق حکم ایشان بودہ است +

ایں لفظ آں روز از خدمت ایشان (فرید) شنیدم (نظام الدین) کہ پیر مشاطہ
مرید باشد۔

(۲۹) اوپر کی شہادتوں سے جو چودھویں صدی عیسوی کی ہیں۔ ہم ذیل کی باتیں اخذ
کر سکتے ہیں :-

- (۱) شیخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر کو مختصراً "شیخ فرید" کہتے تھے۔ اس کی جین میں۔
- (۲) شیخ کی والدہ کرامت کی مالکہ اور خدا پرستی میں ممتاز تھیں۔
- (۳) شیخ نے اوائل عمر ہی میں درویشی کی راہ اختیار کی۔
- (۴) شیخ کا طریق صوف میں طرہ امتیاز زہد و ریاضت تھی۔ جس کو وہ انتہائی بلندی تک لے گیا تھا۔
- (۵) شیخ کا مسلک یہ تھا کہ بڑائی کے عوض میں بھی بے بلا ہی کیا جائے،
- (۶) شیخ نے طویل عمر پائی،
- (۷) شیخ کے پاس جوگی بھی آتے تھے،
- (۸) شیخ نے پہلے مکوس کھینچا،
- (۹) چونکہ شیخ نے کھتوال۔ ملتان۔ لاہور۔ دہلی۔ ہانسی میں اکثر اقامت کی اور ان شہروں کے بلاوہ اورچ۔ سندھ۔ غزنی۔ اجیر۔ لکھنوی۔ ناگور۔ بداؤں۔ گجرات۔ سرسہ۔ کیستل۔ سیوستان وغیرہ سے آنے والوں کے ساتھ ان کی ہمکلامی اور صحبت رہی۔ لہذا انہیں ان بلاوہ کی دیسی زبانوں سے کما حقہ واقفیت رہی ہوگی۔ یہ تو غیر ممکن ہے کہ کھتوال میں تولد ہونے والا تام مریدوں۔ نوکروں۔ درویشوں سے فارسی ہی میں بات چیت کرتا ہو۔
- (۱۰) شیخ اپنے فرمودات و ارشادات کو نہایت احتیاط سے دوسروں سے قبل بند کرتے اور ان کی صحت کی ضمانت کے لئے اُن تمام پرہیزگار نظر ڈالتے تھے۔
- (۱۱) اگرچہ ریاضت اور زہد سے شیخ کو خاص رغبت تھی۔ پھر بھی وہ قرض و سرودا و سماع کی جہس مگرم کرتے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔
- (۱۲) شیخ کو اولے ناز و سہدہ اور شتولی اور اوراد و وظائف سے اس قدر وابستگی تھی۔ کہ وہ عام باتوں کو بھی بھول جاتے تھے اور انتہائی انہماک کا اظہار کرتے تھے۔
- (۱۳) شیخ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ تنہائی پسند تھے۔ سب سے میل جول کے پابند

- اور حسن اخلاق کی صفت سے مزین تھے +
- (۱۴) شیخ کا اثر صحبت بہت دُور دُور پہنچا +
- (۱۵) شیخ کا دروازہ سب کے لئے کھلا تھا۔ غصہ و غضب سے وہ دور تھے۔ آنیوالوں کو ان کے لنگر سے حسب منشا حاضر ضرور ملتا تھا +
- (۱۶) شیخ کے تصوف آمیز اسلام کا دائرہ بہت وسیع تھا اور تعصب اس میں نام کو نہ تھا
- (۱۷) شیخ کی نان زنبیل ایک خاص ذکر کے قابل چیز تھی +
- (۱۸) شیخ کا باپ شیخ کے بچپن میں فوت ہو چکا تھا اور ماں کی عجیب و غریب موت بھی انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھی +

- (۱۹) معقول اور دلپسند جائے عبادت کی تلاش میں اور ویسے اپنی خلوت پسندی کے زیر اثر شیخ جنگلوں اور ریگزاروں میں پھرا کئے +
- (۲۰) شیخ نے گذرگاہ و اجودہن کا انتخاب کیا اور وہاں اتانت مستقل اختیار کی۔ اُس گذرگاہ کے ارد گرد کے نظارے اور وہاں کی انسانی اور نباتاتی زندگی کا ان کی زبانِ مہیاں پر اثر پڑا ہو گا +

- آگے چل کر شیخ فرید کے کلام کے مطالعہ کے وقت ہم دیکھیں گے۔ کہ یہ سب باتیں اور حالات کلام سے بھی چمکیں +
- (۲۱) شیخ فرید کے متعلق جو باتیں سکھ اور ہندو حلقوں اور تصنیفوں میں پائی جاتی ہیں اب ہم ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔ ۱۔

شیخ فرید کا ذکر ان گوشوں یا فرضی ملاقاتوں میں آتا ہے۔ جو گورو نانک کے متعلق بعد میں سوانح نویسوں نے اسلئے لکھیں کہ وہ طرفین کے خیالات کا موازنہ اور مقابلہ کر سکیں اور آخر میں نانک کی غلطی کا سکھ دوسری پارٹی کے دل پر بیٹھا دکھا سکیں۔ ان فرضی ملاقاتوں اور فرضی گفتگوؤں میں جن منامات کا ذکر ہے۔ وہ بھی فرضی ہیں۔ یہ بات سوانح نویسوں نے

نہیں چھپائی۔ نہ ہی وہ چھپا سکتے تھے۔ کیونکہ صدیوں پہلے اور صدیوں بعد آنے والے تاریخی اصحاب کو نانک سے لامبڑایا ہے۔ دو جنم ساکھیوں سے میں اقتباسات دیتا ہوں (اول) انڈیا آفس کی جنم ساکھی جو سترھویں صدی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔
مطبوعہ ۱۸۸۵ء

(دوسری) مہنائی بالاکلی جنم ساکھی۔ مطبوعہ ۱۹۲۵ء
اول۔ شیخ فرید سے گوشت (مکالمہ۔ مجادلہ۔ بات چیت) شیخ ابراہیم سے گوشت سے پہلے آتی ہے۔ عبارات یوں ہیں :-

تب پھر آسا دس میں آیا۔ آگے شیخ فرید تھا۔ جنگل میں بیٹھا۔ تب وہاں بابا بھی آیا۔
تب شیخ فرید بولا۔ اللہ اللہ درویش۔ تب گورو بابا نے جواب دیا۔ آوازہ اللہ۔ اے فرید زہدی۔ ہمیشہ آؤ۔ شیخ فرید زہدی۔ اللہ۔ اللہ۔ تب ”دست پنچم“ لے کر میٹھا گیا۔ تب شیخ فرید بابا کی صورت دیکھ کر بولا :- شیخ فرید نے گوشت کی اور بابا سے پوچھا۔ کہا :

۱۔ اکے نال لڑمندی اکے نال لڈ لوڑ :- دوہوں بڑیں نال لت حضرت ونجو وکھر بوڑ
تب گورو بابا نے جواب دیا۔ سلوک ۱۔

دوہیں بڑیں لت دھردہیں وکھر چاہڑ
کوئی بڑی دُبی کوئی لنگھے پا ر
ب۔ نال پانی نال بڑیاں نال دُبتے جائے
ناکھت وکھر سچ جن سبجے رہیا سائے
تب شیخ فرید نے کہا :-

ج۔ سلوک :-

فرید اچوڑی سیوں رتیاں نیا کوڑا بھیت
نانک اٹھیں وکھدیاں اُتھر ونجے کھیت
تب گورو بابا نے جواب دیا :-

د۔ فرید اُتھروں شروع ہوندا آہیا چوڑی سیوں
ناکھت کھیت نہ اُتھرے بے راکھا ہوئے ٹھیت
د۔ تب شیخ فرید بولا۔ سلوک :-

فرید اتن رہیا من پھٹیا طاقت رہی نہ کائے پری طیب تھو کاری دارولاے
 س - تب گورو بابا نے جواب دیا - سلوک :-
 سجن سچ پرکھ مکھ الاون تھو تھرا نانک من منجھا ہوں لکھ تھوں دوناں پری
 ش - تب شیخ فرید نے کہا - شبد راگ سوہی میں -
 بیڑا بن نہ سکيو جاں بہن کی ویلا بھر سرور جب اُچھلے تب ترن دیلا

ہنس چلے گا ڈمنا ایہ تن خاک رلیسی

تب گورو بابا نے جواب دیا - شبد کہا - راگ سوہی میں -

ص جب تپا بندہ بیڑا جت لنگھیں دیلا ناں سرور ناں اُچھلے لے ایسا پنٹھ سہیلا (۱)
 تیرا آنا نام مجھ پھڑا جت راتا میرا چولا - سچ رنگ ڈھولا

رہاؤ

سجن چلے پیار یا کیوں میلا ہوئی جے گُن ہو دیں گنھریاں میلے گا سوئی (۲)
 ملیا ہوئے نہ پھڑے جے ملیا ہوئی آواگون نور اسی سچ دیوے سوئی (۳)
 ہوں میں مارن بڑیے ستیا میرا چولا گور بچیں سہہ پانیا سہہ کے امرت بولا (۴)
 نانک کہے سہلیو سہہ کھرا پیارا ہم سہہ کیریاں داسیاں سچا خصم ہمارا (۵)
 تب شیخ فرید بولا - شبد راگ آسا میں -

ض - رائے عشق خدا ہے ہنگ دیدار کے شیخ فرید اخیر دستہ بندگی
 ض - تب بابا بولا - شبد - راگ سوہی میں -

جاں توں تاں میں سبھ کوئے توں صاحب میری راس چوئے

اک نانک کی ارداس جیوئے

تب بابا اور شیخ فرید دونوں ایک رات اکٹھے رہے جنگل میں۔ تب ایک بندہ خدا کا آنکلا۔ وہ دیکھ کر گھر کو اٹھ گیا۔ تب ایک طبل باز دودھ کا بھر کر لے آیا۔ اس میں چار تھریں ڈال کر پھلی رات کو لے آیا۔ تب شیخ فرید نے اپنا بخڑہ پالیا۔ اور گورو کا بخڑہ رکھ چھوڑا تب شیخ فرید بولا :-

ط۔ سلوک :-

جو جاگن سے سائیں پاسوں لین دات پہلی رات سلیم و اہل ہی پھلی رات
(رات کے آخری پہر میں)

تب بابا نے جواب دیا۔ سلوک :-

ظ۔ داتیں صاحب سندیاں . . . اٹھال

تب بابا بولا۔ شیخ فرید۔ اس دودھ میں ہاتھ پھیر کر دیکھ کیا ہے۔ جب شیخ فرید نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاروں تھریں موجود ہیں۔ تب وہ طبل باز چھوڑ کر جاتا رہا۔ تب گورو بولا۔ شبد۔ راگ تنکھاری :-

ع۔ چھشت۔ پہلے پہرے نین سلوڑیئے رین اندھیاری رام . . . اندھیریاں . . .
نانک سُر سب دلائے تن پر بھ کارن کیا (۵)

تب بابا اور شیخ فرید وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب وہ آدمی لوٹا۔ اس نے فرمایا کہ طبل باز پڑا ہے۔ اٹھایا تو اُسے سونے کا پایا۔ تھروں سے لبالب بھرا تھا۔ تب وہ ہچٹانے لگا۔ اس نے کہا۔ وہ دنیا و لد فقیر تھے۔ اگر میری توجہ دوسری طرف ہوتی۔ تو میں دوسری چیز یعنی دین حاصل کرتا۔ دنیا لایا تھا۔ دنیا ملی۔ تب وہ طبل باز لے کر گھر آیا۔ تب وہاں سے گورو بابا اور شیخ فرید آسائیں میں آئے۔ تب آسائیں کا راجہ سمندر تھا۔ وہ مرچکا تھا۔ اکی کھوپڑی جلتی نہ تھی۔ کئی جتن کئے۔ تب جوتشیوں سے پوچھا۔ جوتشیوں نے کہا۔ اس نے ایک بار جھوٹ کہا ہے۔ اُس سے اس کا جی دکھ رہا ہے۔ آسائیں کے لوگ است گوتے

دو کیمو نوڈ الفوا و صفحہ ۱۱۷۔ وہاں لاہور کی تباہی کا قصہ ہے۔ لاہور کے سوداگر گجرات گئے گجرات کے تہا می باشندے راست گوتے۔ کیا آساویں سے مراد گجرات کاٹھیاوار ہو سکتا ہے؟ دن کو بیچتے تھے اور رات کو کھاتے تھے۔ تب آساویں کے لوگوں نے ہائے ملے کر نام شروع کیا۔ تب جوتیشوں نے کہا کہ اس کی نجات تب ہو سکتی ہے کہ کسی سا دھو کے پاؤں اس کی کھوپری سے چھوئیں۔ تب لوگوں نے آساویں کا راہ بند کر لیا۔ ایک دروازہ کھلا رکھا تھا اگر کوئی فقیر اندر آئے گا تو اسی دروازے سے آئے گا۔ تب بابا اور شیخ فرید وہاں جا نکلے۔ جب نزدیک پہنچے تو گورونانک نے کہا۔ شیخ فرید۔ پیر دھر۔ تب شیخ فرید نے کہا۔ میری کیا مجال ہے جو میں آگے پاؤں رکھوں۔ تب بابا نے پاؤں رکھا اور کھوپری پھوٹ گئی۔ اُس جی کو نجات ملی۔ تب سارا آساویں اگر پاؤں پڑا۔ تب بابا بولا۔ شبد۔ راگ مارویں۔

غ . مل مات پتا پسند کما یئا کہہ نانک دیوے کا ہو (۴)
تب روٹیاں لانے لگے۔ جو شخص شیخ فرید کو دے اُسے شیخ جواب دے ہیں کہا بھی چکا ہوں اور دامن میں بھی باندھ لی ہے۔ تب آساویں کے لوگوں نے کہا۔ اونبے خدا کے۔ تو کوئی اُسی ملک کا دروغ گو ہے۔ جس ملک میں فرید رہتا ہے۔ کہ روٹی تو اُنکی کاٹھ کی ہے۔ مگر جب کوئی اُسے روٹی دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کہا بھی چکا ہوں اور میرے دامن میں بندھی بھی ہے۔ تب شیخ فرید نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور کہا ایک دفعہ دروغ کہنے کے بدلے راجہ کو اتنی عقوبت ملی۔ تب بابا خوش ہوا۔ شیخ فرید کو وداع کہا۔ تب بابا بولا شیخ فرید۔ سچ منج تم میں خدا ہے۔ مگر تو کوئی پیر کپڑ۔ تب شیخ فرید نے کہا۔ بہت اچھا۔ تب شیخ فرید روانہ ہوا۔ گلے ملے۔ تب گورو بابا نے کہا۔ شبد۔ راگ سری راگ میں۔

آوہ جینوگل طوانگ ہسلیہیریاں نانک سچا پاتشاہ آپے لئے ملائے (۴)
دوم۔ بھائی بالاک جیم ساکھی میں یہی واقعات یا روایات اور یہی اشعار دیئے ہیں۔

راجہ کا نام سمند کے بجائے شام سندر دیا ہے *

(۳۱) ظاہر ہے کہ فرید اور نانک کے کلام میں کچھ مماثلت اور اختلاف دیکھ کر اُن کی ملاقات کی کہانی گھڑی گئی ہے۔ جہاں کچھ گنجائش دیکھی وہاں کسے اسامہ اور مضامین کے گرد تانا تن دیا اور اُن پر مشتمل ساکھیاں بنا ڈالیں۔ یا زبان کی مماثلت دیکھی۔ یہ فیصلہ کیا کہ فیلاں علاقہ کی زبان ہو سکتی ہے۔ وہاں کے کسی مشہور صاحبِ قلم اور صاحبِ کرامت کے ساتھ گورو جی کی ملاقات اور بات چیت کرادی۔ اور دورانِ گفتگو میں وہ کلام گورو نانک کے منہ سے نکلوا کر ارشادات کے مواقع بہم پہنچائے۔ کلام کی تشریح زمان و مکان کے لحاظ میں خوب ہو جاتی ہے۔ اور یہی سوانح نویوں کا مقصود اعظم تھا؛

اب ذرا اس کلام کے متعلق جو اور پرنمبر ۳۰ میں آیا ہے۔ کچھ تحقیق کرنی چاہیے؛
ا۔ گورو گرنتھ صاحب میں نہیں۔

ب۔ ایضاً

ج۔ "

د۔ "

ہ۔ "

س۔ گورو راجن دیو کی تصنیف ہے۔ راگ مارو۔ وار

ش۔ ص۔ ض۔ ا۔ گورو گرنتھ صاحب میں موجود ہیں۔ ان میں ش۔ ض۔ ا۔ اور ط۔ فرید کے
ض۔ ط۔ ظ۔ ا۔ ہیں۔ اور باقی گورو نانک دیو کے؛
ص۔ راگ سوہی میں ہے۔ ض۔ ۲۔ راگ سوہی میں؛

(۳۲) اچھے کلام کی تلاش سکھ گورو صاحبان ہی کو نہ تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی تھی۔ پھر جن عارفوں اور درویشوں کا کلام سکھ گورو صاحبان کی نظر میں متنازع ثابت ہو چکا تھا۔ اُن کے کلام معرفت آموز کی تلاش کا جاری رکھنا ایک غیر متوقع بات نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ شبہ شلوک مجموعہ میں جو کسی سندھی صاحبِ ذوق کی تالیف ہے۔ کلام شیخ فرید وجود

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ ہے۔ جس میں فرید کا کلام ہے۔ (سلوک) وہ نسخہ ۱۸۰۳ء میں نقل کیا گیا ہے

حفظ العلوم لائبریری میں بھی ایک قلمی کتاب ہے جس میں فرید کا وہی کلام جو یونیورسٹی کے نسخے میں ہے۔ متورے بہت اختلاف کے ساتھ درج ہے۔ وہاں پر ان شکوک کو نصیحت نامہ کہا گیا ہے۔ اس فریدی نصیحت نامہ کا ایک شعر تو ضرب الثل ہو چکا ہے۔ ہاں اس شعر کی صورت بس ایک مصرع کی رہ گئی ہے۔ اصل شعریں ہیں :-

نسخہ یونیورسٹی :- مَوَّسے انتھاموت تے ڈھونڈے کائے گلیہ

نسخہ حفظ العلوم :- مَوَّسے انتھاموت تے ڈھونڈے کائے گلی

چارے کنڈاں ڈھونڈیاں اگے موت کھلی

عوام کی زبان پر فقط اتنا ہے :- مَوَّسے انتھاموت توں اگے موت کھلی۔

میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب پنجابی (ہسٹری آف پنجابی لٹریچر) میں دونوں نسخوں سے عبارت نقل کر دی ہے :

(۳۳) اُردو دان اصحاب فارسی کی شہادتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ ایک تو اس خیال سے اور دوسرے اس لحاظ سے کہ زبانی روایات جو پنجاب میں رائج ہیں۔ تحقیقاتِ حشری میں آگئی ہیں۔ اور وہی روایات سکھ صاحبان کے لئے ماخذ رہی ہیں۔ ہم یہاں پر تحقیقاتِ حشری سے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں :-

احوال مکان چلہ بابا فرید جس کو عام لوگ پھلیدانہ بولتے ہیں۔ اصل نام اسکا فرید آتش ہے۔ خواجہ سعود اجدہنی الشہور بابا فرید گنج شکر واسطے زیارت حضرت داتا گنج بخش کے گاہوں میں تشریف لائے۔ بابا فرید نے اس ٹیلہ پر ادائے عبادت اور طلب امداد حضرت انا صاحب کے واسطے چند مدت اعتکاف کیا ہے :

تجربہ اور تفرید بابا فرید کی نہایت مشہور و معروف ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو

معنی رکھتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے ان کو نفرت تھی۔ اس نظر سے شہر بشہر اور جا بجا پھرتے رہتے تھے۔ اجودہن کے باہر بہت درخت کریر کے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کے کپڑے میلے کچیلے ہو گئے تھے۔ ایک شخص آپ کے واسطے ایک پیراہن لایا۔ اور آپ نے زیب تن فرمایا۔ اور بہن کر اسی وقت اُتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین متوکی کو جو آپ کے حقیقی بھائی تھے بخش دیا۔ اور کہا کہ جو لطف اس پیراہن کہنے میں تھا اس پیراہن نو میں نہیں۔ اور اوقات بسری آپ کی ایسی تھی کہ حضرت ہمیشہ صائم رہتے تھے۔ جس کو ڈری میں آپ بیٹھے رہتے تھے اسی کو بوقت شب اوپر لے کر استراحت فرماتے تھے۔ اور وہ گوڈری اتنی لمبی نہ تھی کہ تمام بدن کو ڈھانپ سکے۔ اگر سر پر لیتے تھے۔ تو پاؤں برہنہ ہوتے تھے اور اگر پاؤں پر لیتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ دو خلفاء ان میں سے بڑے ہادی، صاحب خانوادہ ہوئے۔ ایک تو علی احمد صابر اور دوسرے حضرت نظام الدین دہلوی۔ حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ جب ہم بخدمت حضرت بابا کے حاضر تھے تو ان کے گھر میں ڈیلی جس روز پکتا اور ہم سیر ہو کر کھاتے تھے تو ہم کو عید ہوتی تھی جب موسم ڈیلی کا نہ ہوتا تھا۔ تب نان گدائی سے اوقات بسری موتی تھی۔ ایک روز ایک خادم حضرت کا ایک درم نمک قرض لایا۔ اور کھانا پکایا۔ جب کھانا آگے آیا تو آپ نے نور باطن سے یہ حال دریافت کر کے فرمایا کہ اس طعام سے ہم کو بوئے اسراف آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو چیز گھر میں موجود ہے وہ اپنے خورد و نوش کے تصرف میں لے آئی اسراف نہیں ہے اور قرض لا کر کھانا عین اسراف ہے۔

حضرت کو لوگ زبدا الانبیاء بھی کہتے ہیں۔ آپ پر اول بے ہوشی غالب ہوئی بعدہ جب ذرا ہوش میں آئے تو خادموں سے پوچھا کہ ہم نے نماز عشا پڑھی ہے یا نہیں۔ - خادموں نے عرض کی کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور بھی سہی۔ اور اسی طرح تین دفعہ آپ کو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد اس کے تین دفعہ یا حتی یا قیوم پڑھ کر جان بحق تسلیم فرمائی ۛ

اور یہ بھی حضرت کا مقولہ ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ آفت تدریر میں ہے اور سلامتی تسلیم میں ہے۔ اور عالم لوگ سب آدمیوں سے اشرف ہیں۔ یعنی بہترین اور فقیر لوگ بہترین بہترین۔ اور فقیر عالموں میں ایسا ہے جیسے کہ چاند ستاروں میں ۛ

ایک شخص حضرت کے پاس آیا۔ حاضر کیا اور عرض کی کہ میرے واسطے سلطان غیا الدین کے نام خط لکھ دو کہ آپ کی سفارش سے میرا کام سر انجام پا جاوے۔ حضرت نے یہ رقمہ لکھا ترجمہ اس کا یہ ہے۔ کہ سپرد کیا میں نے خرشہ اس کا طرف اللہ کی اور بعد اس کے تیری طرف۔ اگر تو بخشے اس کو کوئی چیز نے الاصل بخشے والا اللہ ہے۔ اور تو شکور ہوگا اور اگر تو نہ بخشے اس کو کچھ تو منع کرنے والا اللہ ہے اور تو معذور ہے ۛ

اور حضرت بحین حیات بارہ برس صائم رہے [اس اطلاع کا مخرج کیا ہے؟] اس عرصہ میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور گھلے میں ایک روٹی کا ٹکڑی رکھتے۔ جب بھوک بہت غلبہ کرتی۔ تو آپ اس روٹی پر دانت مارتے تھے۔ چنانچہ اس روٹی پر نشان دانتوں کے اب تک دکھائی دیتے ہیں۔ بعد اس محنت بارہ سال کے جب اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے ذکر چوبی روٹی کا سنا تو فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے کہ کاٹھ کی روٹی رکھتے ہو گویا ابھی حرص روٹی کی نہیں گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنوز نفس تم پر غالب ہے۔ جاؤ اور بغیر روٹی چوبی کے صائم رہو۔ چنانچہ حضرت نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور پھر بارہ سال تک صائم رہے رجم سکھی سے مقابلہ کرنا چاہیئے)۔

یہ مقام فرید آستانہ المعروف چلی دانہ ہر سال بتاریخ پنج محرم میلہ ہوتا ہے اور اکثر حجام وہاں موجود رہتے ہیں۔ اور آواز دیتے ہیں کہ سر سنا جا اور کھل دھلی، گڑ کھا جا۔ اکثر مریدانے سر منڈاتے ہیں (جو گیوں کی رسوم سے مقابلہ ہو) اور کھل گڑ کھاتے ہیں۔ اور کئی لوگ رشتہ یا بطوریلی جس کو پنجابی زبان میں پیرو لے تے ہیں۔ بیچتے ہیں۔ وہ لوگ تبرکاتے کر پہنتے ہیں (وہاں) (۳۴) اخبار الاخبار فی اسرار الابرار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلی کی تصنیف ہے۔ گوروناما دکن کو

شیخ فرید مٹانی کلام ملا۔ کیا کوئی اور شیخ فرید یا شیخ فرید الدین مشہور صوفی بابا فرید کستواہی کے علاوہ گورونانک سے پہلے شہرت پا چکا تھا جو مٹانی زبان میں شعر کہتا ہو؟

اخبار الاخیار کی رائے اس بارے میں قابل وثوق ہے۔ سیر الاولیاء کو ہم دیکھ چکے اب اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ محدث دہلوی سترھویں صدی کا بزرگ ہے۔ اور جابح اور اراق گرنہ بھی ۱۶۰۶ میں ملک بقال کے راہی ہوتے ہیں +

(صفحہ ۸۵) شیخ فرید الدین نمبر ۱ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی است۔ مرید خلیفہ و صاحب اتحادہ جذبزگوار خود است۔ سرور الصدور کہ از ملفوظات شیخ حمید الدین است او جمع کردہ در وقت سلطان محمد تغلق از ناگور بدلی قدم آورده بود و ساکن گشت۔ قبر اور در قلعہ شہر قدیم است۔ سنگ خراس در آنجا افتادہ است۔ مردم گویند کہ شیخ ایں رادر حالت ہجر در گردن داشت و ہم بدال حالت از ناگور بدلی آمدہ۔ و اللہ اعلم +

شیخ فرید ناگوری تھا۔ بدلی میں آکر رہا اور وہیں مرا۔ سلطان محمد تغلق کا زمانہ ۱۲۲۵ء سے ۱۲۵۱ء ہے +

شیخ حمید الدین۔ شیخ فرید الدین شکر گنج (اخبار الاخیار میں شکر گنج لکھا ہے بجائے گنج شکر کے صفحہ ۳۶) کا ہم عصر تھا۔ شیخ فرید کی جانب ایک کتب بھی لکھا تھا +

(صفحہ ۶۴) فرمود۔ کار گرم خود را بن سخن سر در دمان بناید گذاشت۔ فرمودہ

دوشینہ شہم دل جو نیم گرفت و ندیشہ یار ناز نیم گرفت

گنم ہر و دیدہ روم بر در تو اشکم بدویدہ حسنین گرفت

(۳۵) اب اتنا کہ کہ بابا نانک نے جو شیخ فرید کی طرح اپنے کلام کی صحت سے قلعبندی کر لیں اس قدر کوشاں اور محتاط تھا۔ ابراہیم سے پن میں ملاقات کے وقت ضرور تحقیق کر لی ہوگی کہ وہ کلام جو ابراہیم سے ملا ہے ابراہیم جانشین فرید کا ہے۔ یا خود فرید کا ہم گو گرنہ صاحب میں بیج کلام شیخ فرید کا اور ترجمہ دیتے ہیں تاکہ کلام کی اندرونی شہادت پر غور کر کے نمبر ۲۰ میں یہی ہوتی شہادت سے اسکا موازنہ کر لیں اور اسکا تطابق دیکھ لیں۔ اسکے بعد زبان فرید اور قدامت زبان مٹانی کے متعلق لکھیں گے +

موتی نانک دیوانہ

(باقی دو اردو)

سلطان ناصر الدین قباچہ اور اسکے رباری شعر

سلطان ناصر الدین قباچہ سلطان معز الدین محمد بن سام کا غلام تھا۔ ایک عرصہ تک سلطان موصوف کی خدمت کرتا رہا۔ اور حُسنِ خدمات کے صلہ میں افسر لشکر اور والی ملک بنا دیا گیا۔ لیکن جب ۶۲۰ھ میں سلطان موصوف اندخود میں لشکرِ خطا و ملوک ترکستان سے جنگ آڑا ہوا اور ملک ناصر الدین اتیم والی اُچہ و ملتان نے غیر معمولی دلاوری اور مردانگی کا ثبوت دے کر جامِ شہادت نوش کیا تو سلطان نے موصوف کی جگہ قباچہ کو حضرت اُچہ کا والی مقرر کیا۔ قباچہ اُچہ پہنچا اور ملتان کو سر کرنے کے بعد اپنے مقبوضات کی توسیع میں مصروف ہو گیا۔ اور سیوستان۔ دیبل وغیرہ کے علاوہ مملکتِ سندھ کے اور بہت سے شہر بھی اپنے قبضہ میں لے آیا۔ اب اس نے اپنے لئے سپہر شاہی اختیار کر لیا اور تبرِ حند (بھندہ) کھرام و سرستی بھی فتح کر لئے۔ بلکہ لاہور پر بھی بعض وقت حکمرانی کرتا رہا ہے۔

ناصر الدین قباچہ ایک دُور بین اور ذمہ شناس سلطان تھا۔ عقل و سیاست میں درجہِ نہایت رکھتا تھا۔ کاروانی۔ تمیز۔ حذاقت اور روانی میں مشہور تھا۔ ایک جبری سپاہی ہونے کے علاوہ علم کا شائق۔ علمی صحبتوں کا دلدادہ۔ شعر و سخن اور علماء و شعراء کا بے حد قدر شناس تھا۔ اس کی اس قدروانی کی وجہ سے اطراف و اکنافِ عالم سے اگر آسمانِ عربی کے کئی درخشندہ ستارے اس کے دربار کو منور کر رہے تھے۔ جن کی وجہ سے ساتویں صدی ہجری کے ریحِ اول میں دربارِ ناصر علی علمی و فنی نقطہ نظر سے ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہو گیا۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ زمانہ کی تہہ و سوس اس ہمد کی باقیاتِ صالحات و دیگر علمی خزانِ ہم تک بہت کم پہنچیں۔ اور اسی لئے اکثر اس صدی کے پہلے ثلث کو خشک زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ

اول تو شعراء کا تمام کلام ہم تک نہیں پہنچا اور قدرے قلیل جو ہمدانی قسمت میں آیا وہ اس عہد کی شاعری پر پوری روشنی نہیں ڈالتا۔ لیکن جو کچھ حاضر ہے اسے ہی غنیمت جانتے ہوئے ہم یہ کہنے میں یہاں تک حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ کہ دربار ناصری نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ متاخرین کے کہکشانی دور میں بھی مقابلہ کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ اور شعرو فنون میں دبستان غزنہ کی روایات کا بھی مقتد تھا۔ جو سلطان محمود کے وقت سے مستقلاً قائم ہو چکا تھا :

سلطان ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ ہونے کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کی دامادی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اور اس طرح دہلی و ملتان میں تعلقات دوستی ایک مستحکم اساس پر قائم ہو جاتے ہیں۔ جن سے ناصر الدین کی امتیازی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ شاہانہ لوازم جو مشرقی حکومتوں میں سلاطین کے رُعب و داب اور قدر و منزلت کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے۔ پیدا ہو جاتے ہیں :

ناصر الدین ایک بڑا فیاض سلطان تھا۔ اس کے جو درو سخا اور شاہانہ عواطف و انعام و اکرام کے دروازے کس و ناکس۔ یقیم و مسافر۔ امیر و غریب اور عامی و عالم پر ہر وقت کھلے رہتے۔ خواہ رزم ہو خواہ نرم۔ اس کا دست کرم بھر بے پایاں کی طرح معجزن تھا۔ مولانا سنہ ۶۲۵ھ میں ملتان اور اُچھ پھنچے تھے لکھتے ہیں :-

”وچوں مالک سندھ بروی قرار گرفت در حوادث کفار چین اکابر خراسان و غور و غزنین بسیار خدمت او پیوستند و او در حق ہنگنان انعام و اکرام وافر فرمود“
سنہ ۶۲۱ھ میں جب مغلوں کی یورش مام ہوئی۔ چنگیزی افواج طونان قیامت کی طرح ہر طرف وارد ہوئے لگیں۔ جلال الدین خوارزم شاہ اپنے ملک کو چھوڑ کر پناہ بگھڑے

دریائے سندھ پر چنگیزی حشم سے مقابلہ آرا ہوا۔ اور شکست کھانے کے بعد سندھ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ اور دیول و محران کی طرف چلا گیا۔ اس حالت میں تو یون مغل ایک لشکر گاہ لے کر ملتان پر حملہ آور ہوا اور چالیس دن تک شہر کا محاصرہ کئے رہا۔ سلطان ناصر الدین نے شاہی خزانہ کے دروازے کھول دیے اور لوگوں پر بے حد احسان کرنا شروع کئے۔ اور ولاوری و دانشمندی اور جلاوت و مرزائی کے وہ جوہر دکھائے کہ صفحہ مرو زگار پر قیامت تک باقی نہیں گئے۔

اس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد غور کے ملوک کفار کے مظالم سے تنگ آکر ناصر الدین کے دربار میں حاضر ہوئے۔

سلطان ناصر الدین طبقہ صوفیہ سے خاص شغف رکھتا تھا اور ان کی صحبت کا دلدادہ تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں اپنے ملک میں سکونت پذیر دیکھنے کا ہمتی تھا۔ اکثر اوقات ان کے وسیلہ سے امداد غنیمی کا طالب ہوتا۔ اور جنگ کے مواقع پر ان کی برکات کا خواہاں رہتا۔ چنانچہ مغلوں کی جنگ کے حملہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد بن قاسم فرشتہ لکھتا ہے:-

”سلطان ناصر الدین قباچہ ماکم ملتان بمدافعہ قیام نمودہ از خواجہ قطب الدین کاکی دعا و ہمت استعانت جست“

اور آگے چل کر کہتا ہے:- ”بفرمان خدایتعالیٰ“ انگاہ بہر دوزر گوار عازم سفر شدہ شیخ جلال الدین تبریزی بغزنی رفت و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی متوجہ دہلی گردید و ہر چند ناصر الدین قباچہ تضرع و زاری نمود کہ خواجہ در ملتان توطن نماید قبول نہ نمودہ“

۶۲۵ھ میں سلطان شمس الدین التمش ناصر الدین قباچہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور غنیم کو ایک شکست فاش دیتا ہے۔ ناصر الدین اپنے بیٹے بہرام شاہ کو التمش کے پاس بھیجتا ہے جو اسے قید کر لیتا ہے۔ جس سے ناصر الدین بد دل ہو کر اور سلطنت سے ناامید ہو کر خود کو

آپ سندھ میں غرق کر دیتا ہے۔ اور اس طرح اس مشہور سلطان کا ۲۳ سالہ دور حکومت ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن علمی اہمیت کے لحاظ سے آج تک قائم نظر آتا ہے۔ علماء و فضلاء اور شعراء نے اس کے دربار کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اس عزت میں ایک حد تک اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین حسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری جیسے بیدار مغز۔ علم پرور۔ عدالت گستر۔ اور معارف نواز وزیر کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ جس کی مدح و توصیف میں بہت سے شعراء نے قصائد لکھے اور انعام و اکرام سے نالاں ہوئے۔ سلطان اور وزیر کے علمی شغف کی شہرت عام اس قدر پھیلی کہ جس عالم فاضل یا شاعر نے ہندوستان کا رخ کیا وہ پہلے پہل اسی دربار میں حاضر ہوا۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ محمد عوفی بخارا سے نکلا تو پھر تاپھر اتا دربارِ ناصری میں ملتان پہنچا۔ اسی طرح مولانا منہاج سراج مصنف طبقاتِ ناصری بھی سب سے پہلے اسی دربار میں رسائی حاصل کرتے ہیں؛

محمد عوفی اس ضمن میں دربارِ ناصری پر حقائق افروز تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔
 ”ہر چند این حضرت مشحون است بعلم و فضلا آسمانیست کو اکب ثاقب ارباب آثار و مناقب دروی لایح شدہ ، بوستانیست ازاہ فی فضل و شگوفہ ہنر دروی فاتح گشتہ پادشاہی عدل گستر و وزیری عالم پرور تیغ اکب بالقلم این لایق درخور جہاں شاہ و وزیر اعتدال ایام بہار یافتہ فاضل جہاں ذرہ وارد رہوای این آفتاب ہو اگر فتنہ و کال مہر مہرہ با حقن آغاز کردند۔“

سلطان ناصر الدین قباچہ کے مختصر حالات کے اندراج کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزیر مالی مرتبت کے متعلق جو کچھ میسر ہے اسے پر قلم کیا جائے؛
 عین الملک فخر الدین حسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری

ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے تھا۔ ابتدا سے قباچہ کا وزیر رہا۔ لیکن ۶۲۵ھ میں قباچہ نے ڈوب کر خودکشی کر لی اور اس کا تمام ملک لقمش کے قبضہ میں آ گیا۔ تو عین الملک اور اسکے بھائی بھلم الملک تاج الدین الحسن نے بھی سلطان لقمش کی ملازمت قبول کر لی۔ چنانچہ سلطان موصوف نے عین الملک کو اپنے بیٹے شہزادہ رکن الدین فیروز شاہ کا وزیر مقرر کیا۔ اس عہد کے بعد اس کے حالات نامعلوم ہیں۔

بہاء الملک بھی ناصر الدین قباچہ کے وزیر میں سے تھا اور رکن الدین فیروز شاہ بن لقمش کے زمانہ تک زندہ تھا۔ لیکن ۶۳۳ھ کے آخر یا ۶۳۴ھ کے اوائل میں جبل مراد نے فیروز شاہ سے بغاوت کی تو یہ اس کے ترک غلاموں کے ہاتھ سے امراتازیک کے ساتھ قتل ہوا۔

عین الملک کی قابلیت اور علم دوستی کی وجہ سے دربار میں ہر وقت مہم و فہم کا چرچا رہتا۔ شعراء طبع آزمائی کرتے اور صلہ پاتے۔ وزیر نہ صرف وزیر سلطنت تھا۔ بلکہ دربار شاہی کی شمع انجمن بھی تھا۔ کہ جب تک جلتی رہے پروانے آکر اس پر گرتے رہے۔ عین الملک کی تعریف میں شعراء نے بے شمار قصائد لکھے ہیں۔ جو اس کی شہرت اور تغیر قلوب پر دلالت کرتے ہیں۔ خود محمد عوفی اس کے معاصر نے لباب الالباب میں کئی مقامات پر قطعاً اور مدحیہ نظمیں اس کی شان میں کہی ہیں۔ اور اسے بڑے بڑے القاب اور معزز الفاظ سے یاد کیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہہ گیا ہے کہ وزیر نظام الملک اور

ابوموسیٰ شہسور صحابی اور حکیمین میں سے ایک تھے۔ لباب اور طبقات ناصری ۱۲۵۳ھ میں حسن کی تحفہ عین الملک تھا ہے۔ تاریخ فترتہ اور راوی نے حسن لکھا ہے جو بقول مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی ہو ہے۔ اسلئے کہ دونوں مصنفین کا ایک نام غیر معهود ہے۔ ہم یہاں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ عین الملک کا نام شعرا میں کئی جگہ حسین اور صاحب کے ساتھ لکھا ہوا ہے اسلئے دوسرے کا نام حسن ہونا چاہیئے۔ سہ طب ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱،

صاحبِ عباد بھی اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ حالانکہ یہ دونوں مرقی علوم نہ صرف اپنے وقت میں بلکہ ہر دور میں اپنی علمی سرپرستی کی بنا پر ضربِ اشل کا حکم رکھتے ہیں۔ عوفی کا یہ قول ہم نہیں جانتے کہاں تک درست مانا جائے۔ اس نے ہم خیال کرتے ہیں کہ قلمی مبالغہ سے کام لیا ہے۔ ساتھ ہی یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس نے اپنی تصانیف وزیر موصوف کے نام پر معنون کی ہیں۔ اس لئے اس کو یہ رتبہ دینے میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہے۔

وہ لکھتا ہے: ”اگر شعرار ایچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدرالوایان جمال و ماہ آسمان کمال و یگانہ بشرو دوم مطر و سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل مؤید مظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزراء است ضاعت اللہ لک تماست بہر جواہر فاخر کہ خاطر فضلاء عصر و ردائع این دولت در سلک کتب می کشد واسطہ عقد منافر صدور غابر و وزراء اول و آخرت صاحبی دولتی کہ اگر نظام الملک با این ہمہ انتظام در احیاء بودی و رصف خدام ایستادہ و اگر صاحب عباد با این استبداد جہاننا نوشیدہ بودی در عبادت نظام یافتی لاجرم دہماء عالمیان ہوا و ولایہ این حضرت منطق است و زبانہاء جہانیاں بنماء و دماء این دولت منطق“

ہمیں افسوس ہے کہ دانشمند اور مقبول عام وزیر کے حالات تفصیلاً دستیاب نہیں ہوتے جس سے ہمیں یہ موقع مل جاتا کہ ہم اسے ”وزاری اسلام“ کی صف میں شامل کر سکتے اور اس عمد کی ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود ہمارے لئے فخر کا باعث ہوتا۔

ان پر آگندہ سطور سے قارئین کرام اندازہ کر سکتے ہیں کہ دربارِ ناکسری میں علم کا چرچا کہاں تک تھا اور اس کے وجود سے علوم و فنون کی گرم بازاری اور شعر کی قدردانی کہاں تک تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ ہمارے مضمون مواد کے لحاظ سے کوئی بڑی گنجائش

نہیں رکھتا۔ اس لئے شعرائے کرام اور ان کے نام اور کلام سے مجھلا ہی بجمت کی جاسکتی ہے ۛ

محمد عوفی جو اس دربار کا ایک مشہور تذکرہ نگار ہے۔ درباری تبصرے کے بعد صرف ان شعرا کا ذکر کرتا ہے۔ جن سے وہ خود ملاتی ہوا۔ یا جن سے اسے کچھ شناسائی تھی شعرائے سابق کے متعلق وہ اس لئے خاموش ہے کہ ان کا تذکرہ اجل محترم مجد الدولۃ والدین سید الاناضل والکتاب دام فضلہ نے اپنے دیوانوں میں کیا ہے۔ اور ان کے اشعار تمام وکمال درج کئے ہیں۔ جوامع الحکایات اور لباب الالباب کو بار بار اسلئے دیکھا گیا کہ اجل محترم کے متعلق کچھ حالات دستیاب ہو سکیں اور اس تحریر کا بھی جسے محمد عوفی نے اتنی اہمیت دی ہے کچھ پتہ لگ سکے لیکن واسطے ناکامی کہ یہ سب تلاش ابھی تک باور نہ ہوئی۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ تحریر ہے جس کی بدولت ساتویں صدی کے ابتدائی علمی دور کی احیا ہو سکتی ہے لیکن یہ جب تک منظر عام پر نہیں آتی یہ باب مکمل نہیں ہو سکتا ۛ

شعراء کے کلام سے سوائے مدحیہ قصائد اور قطعات کے اور کچھ نہیں ملا۔ ہاں بعض رباعیاں بھی نظر پڑتی ہیں۔ لیکن یہ ذخیرہ تبصرہ کے لئے کافی نہیں۔ لباب میں جن بزرگوں کا ذکر موجود ہے۔ ان کی تصانیف کے موجود نہ ہونے کی بنا پر ہم مفصل رائے زنی سے قاصر ہیں۔ تاہم کہا جاسکتا ہے کہ ان کے قصائد نہایت صاف اور سادہ زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں قدیم شعرا کی تقلید اور تتبع کی کوشش موجود ہے ۛ

یہاں یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف تذکرہ نگاروں نے بھی اس باب میں ہماری مدد نہیں کی۔ آتشکدہ آذر۔ گل رعنا۔ مجمع الفصحا وغیرہم میں کسی قسم کی جدید اطلاع دینے سے قاصر ہیں ۛ

شمس الدین محمد بلخی

عوفی نے اسے سید القدام، تاج الفضلاء، منفر القدام کے القاب سے یاد کیا ہے وہ

ایک بے نظیر نوجوان شاعر تھا جس سے بہتر شخص زمانہ نے اب تک نہ دیکھا۔ وہ ایک اعلیٰ پایہ کا کاتب بھی تھا۔ یہاں تک کہ ابن البواب اور ابن مقفلہ اس کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے اور اعلیٰ پایہ شعر اس پر صادق آتا ہے۔

از ہر فنی کہ باز جوئی اورا کن فن بیامدست گوئی اورا
عونی اس کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ”در شعر مدیل انوری و در خط عطار و ش
مشرقی۔“ اس کے علاوہ بڑے فضائل کا حامل۔ وسیع الاخلاق۔ کریم طبع لطیف مزاج
دوست پروری اور مردم داری میں مشہور تھا۔ اور شاہ قباچہ کے مداحوں میں شامل تھا
اس کا مشہور قصیدہ یہ ہے۔

امی لب لعلت مزاج آب ہیواں یافتہ [برہبان دلبری حسن تو فرماں یافتہ]
شہسوار حسن در میدان خوبی مر ترا برکیت دلربائی تیسر جلال یافتہ
روز عید از گردگیر انت مشام عاشقان نکمت مشک نتار از خاکت ال یافتہ

فضلی ملتانیؒ

یہ سید عالم اور فاضل محترم صاحب فضیلت و شہاں ابنائے کبار اور علمائے نامدار
میں سے تھا۔ فضلی محمد عونی کا ہم کتب ہے۔ اور بخارا میں قاضی امام فخر الدین جان کی تالیف
جامع الصغیر دونوں نے ساتھ ساتھ حفظ کی تھی۔ چنانچہ اس کے الفاظ میں ”چہ جامع الصغیر
قاضی امام فخر الدین جان را تمام یاد میدارد و در بخارا شریک غم این داعی بود و ہر دو این
لباب جلد دوم ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱“
ماصل کیا ہے۔ پورے قصیدے کے لئے دیکھو باب جلد دوم ۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱
شاعر کا نام نہ کہ نہیں۔ لیکن گل رضا میں لکھا ہے کہ صاحب گل رضا نے اسے ملتانی لکھا ہے۔ اسے میں نے بھی تقلید
ملتانی لکھ دیا ہے۔ ۵ باب جلد دوم ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔

تالیف را حفظ کردند و بحث کروائے علماء دانند کہ ایں چہ سرمایہ است۔

بخارا میں یہ تالیف ان ایام میں مقبول عام تھی۔ علماء اس کو برہی وقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محمد عوفی آگے چل کر لکھتا ہے۔ ”ناما چوں ہدی دیار و بلاد ایں نوع را و سلیت حصول مقصود خود بشناخت و شعر شاعرار و نفی دید۔۔۔ بدانت شیوہ نمود شعر او از شعر متقدمان۔۔۔“ لچھی زائن گل رعنا میں لکھتا ہے ”فضلی مثنوی ملقب بتاج الفضلا از علماء ملتان بود و در خدمت ناصر الدین قباچہ بصر میرد۔“

ایک قصیدے کے علاوہ چند رباعیات بھی ہیں جو مختلف مواقع پر ناصر الدین قباچہ کی شان میں جسے عوفی صاحب قرآن کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ لکھی ہیں۔
قصیدہ ذیل سلطان ناصر الدین کی مدح میں کہا گیا :-

| | |
|--|------------------------------------|
| اے ظفر ہمد ترا از بخت برآ آمدہ | نامہ تائید تو انا فتحت آمدہ |
| ناصر دیں خسرو دنیا قباچہ شاہ شہرق | امی حمہ چہ تہ تو برگردون مینا آمدہ |
| از پی علماء دیں نصرتن اللہ درازل | بر منصور شامی تو طغرا آمدہ |
| حلیہ خطبہ ز القاب تو زینت یافتہ | چہرہ سکہ ز انساب تو زیبا آمدہ |
| رباعی آئندہ اس نے شرف الملک رضی الدولہ والدین کے حق میں کہی۔ | |
| ای صدر بغر ملک عجم چون تو نیافت | شہ صاحب فرخندہ قدم چون تو نیافت |
| بیار بگشت روز و شب دست بدت | تنخ و قلم و عدل و کرم چون تو نیافت |

ضیاء الدین سجزی

فخر الشعرا کے لقب سے مشہور تھا۔ دربار کے سرکردہ فضلاء میں سے ہونیکے علاوہ

لہ باب جلد دوم ۲۳-۲۴، لچھی زائن نے صرف مطلع پر ہی اکتفا کی ہے، سہ باب میں صرف خط لکھا ہوا ہے کہ پورے قصیدے کے لئے دیکھو باب جلد دوم ۲۵-۲۴۔

اقبال بھی اس کے آستانہ نشینوں میں تھا۔

یہ ایک قصیدہ اسی کا ہے :-

خیل لالہ کرکین گاہ بہار آمد پدید
برسایط باغ آنک بازمانہ دروغاست
ابر خلقتان خرقہ رابر چاروی شش بہت
پیر بن عشاق وارا از آرزوی گل قباست
از گل سوری پدید آمد مگر سور چمن
ارغنون پرداز سوری عند لیغش فواست
گرچہ از طفلان نوع دست پر آغوش باغ
قد خنبوی بنفشہ از غم پیروی تباست

” ————— “

ایک اور شاعر باب الالباب میں جس کا نمبر (۱۶۶) ہے۔ اور صدر الابل جس کی ابتدا میں آتا ہے۔ نسخہ اصل کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے نام ضائع ہو گیا ہے۔ تصنیف ذیل کا مالک ہے۔ بقول عوفی 'صاحب الیاف والقلم' اس کا خطاب ہے۔ اور سلطان جلال الدین نے اس کو بغروش، خطاب دیا تھا۔ یہ شاعر ایک مدت تک مالک بامیان میں مقیم تھا۔ اور ریاست ہمنگان اور تنبرک پر ممتاز تھا۔

ذیل کا قصیدہ جو سوال و جواب پر مشتمل ہے۔ عین الملک اشعری وزیر قباچہ

کی مدح میں ہے :-

گفتم بدان نگار کہ نو شید انوری
گفتا زوی نکوترم از نیک بنگری
گفتم کہ در بانی باناز عاشقان
گفتا بر لاف عنبری و چشم عبہری
گفتم مہ چہارودہ بر سپہر حسن
گفتا مہ راست ہزارا ز تو مشتری
گفتم بہذ گئی نوا قہراری کنم
گفتا چو تو بسیت کنونم بچا کری
گفتم کہ جان ہمز تو آرم بخد متی
گفتا کہ تخفہ ایست ز بنی سیمی وزری

ملہ پورے تصدیق کے لئے دیکھو باب جلد دوم صفحہ ۲۶۶-۲۶۷ لے باقی کے لئے دیکھو باب جلد دوم صفحہ ۲۶۹

سدید الدین محمد عوفی

سدید الدین محمد عوفی کی شخصیت محتاج بیان نہیں۔ لباب الالباب جو شعر اکا مشہور تذکرہ ہے۔ انہی کے قلم کی یادگار ہے جب تک تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے محققین کو اس شاہکار کے بغیر چارہ نہیں۔ ان کی ایک اور تالیف جوامع الحکایات ہے۔ جو اپنے موضوع پر ایک چونی کی کتاب ہے۔ اول الذکر پروفیسر براؤن اور مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی کے زیر ترتیب شائع ہو چکی ہے۔ جوامع الحکایات کے مطالب اختصار کے ساتھ ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے بزبان انگریزی تحریر کئے ہیں عوفی کے مکمل حالات میرے پیشروں نے قلمبند کر دیے ہیں۔ یہاں ناظرین کرام کے تعارف کی خاطر ان کے مختصر واقعات زندگی پیش کئے جاتے ہیں:-

سدید الدین محمد حضرت عبدالرحمن بن عوف صحابہ رسول صلعم کی اولاد سے تھے اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو عوفی کہتے ہیں۔ ان کے جد امجد قاضی امام شرف الدین ابوطاہر یحییٰ علماء ماوراء النہر سے تھے۔ اور ایک بڑی شہرت کے مالک تھے۔ انکے خالو شرف الزمان مجد الدین محمد بن ضیاء الدین عدنان السمرقندی سلطان قلیق ملغاج خان بن ابراہیم کی سلک خدمت میں طبیب خاص کی حیثیت سے سرفراز تھے۔

محمد عوفی قرن ششم کے اواخر میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اس شہر میں حاصل کی۔ امام رکن الدین بخارا میں اٹکے اتاد تھے۔ اسکے بعد تلاش علم و نیایشون کے لئے بخارا سے نکلے اور مختلف مقامات مثلاً سمرقند۔ خوارزم۔ نیشاپور۔ ہرات۔ اسفہر

لہ محمد عوفی کا لقب مدت سے نور الدین چلا آتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نظام الدین نے ثابت کیا ہے کہ سدید الدین صحیح ہے چنانچہ ہم بھی اختیار کرتے ہیں۔ ۷۰۰ کے حالات لباب جداول ۱۸۱-۱۸۹ پر دیکھیں ۷۰۰ جوامع الحکایات

غزنی وغیرہ میں کئی سال اقامت کرتے ہیں۔ اور اس اثنا میں قلع ارسلان خان نصر الدین عثمان بن ابراہیم کے دربار سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور بڑا قرب پاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہیں سلاطین کے لگ بھگ دربار ناصری میں دیکھتے ہیں۔ یہاں انکی اقبالندی کا ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ اور تیزی کے ساتھ عروج کی منازل طے کرنی شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ افاضل وقت میں شمار ہونے لگتے ہیں :

دربار ناصری میں پہنچتے ہی وہ اپنی قابلیت کی بنا پر ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو واعظ اور امامت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بس یہاں سے ہم ان سے ایک ہندوستانی فارسی شاعر اور تذکرہ نگار کی بنا پر متعارف ہوتے ہیں :

عمیدین کے دنوں میں سنہرے کھڑے ہو کر خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انکا ایک عربی خطبہ جو سلاطین کے ابتدائی ایام میں پڑھا گیا۔ لباب میں سبب سے منقول ہے۔ اس سے مصنف کی عربی دانی کا پایہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے۔ اس خطبہ میں بعض سیاسی امور پر بھی تبصرہ ہوا ہے :

اب ہم تذکرہ نگار کے چند قطعات۔ رباعیات اور قصائد درج ذیل کریں گے جو مختلف کوائف سے تعلق رکھتے ہیں :

نصرۃ الدین شاہ کبود جامہ جو سلاطین میں حکم سلطان علماء الدین خوارزم شاہ قتل کر دیا گیا۔ عوفی اپنے سیر و سفر کے دوران میں شہر نو میں جو کبود جامہ کا شہر ہے پہنچتا ہے۔ اور رسائی چاہتا ہے۔ نصرۃ الدین عیش پرست اور شراب دوست تھا۔ اسے دربار میں بلانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ عوفی ناچار رباعی ذیل اس کی خدمت میں بھیجتا :

اسی شاہ بزدل بھر و کافی دگری در قباب عدل جانی دگری
زالان روی کبود جامہ میخواندند کز رفعت و قدر آسمانی دگری

۱۔ لباب جلد اول صفحہ ۱۵۱ : کبود جامہ کہنے کی وجہ رباعی مذکور کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ
زالان روی کبود جامہ میخواندند : کز رفعت و قدر آسمانی دگری : صاحب عجیب اصفا جلد اول صفحہ ۱۵۱ : کبود جامہ پر یوں بحث کرتے ہیں۔
کبود جامہ نعمتی است کہ در میان استرآباد و خوارزم فی شہر اند و شہر نو (نصرۃ الدین) پادشاہ کان طائفہ بود :
۲۔ ماقہ اول : ۱۰۰

زیادات و تصحیحات

ذیل کے مطابق اضافہ و تصحیح کر لی جائے۔

الکُبَرَش کے تحت بخرج کی بجائے بَحْرَج پڑھیں۔

ابن احمد ۱۷ : ۱۸ ، ۱۲۹ : ۱۰۵ ؛

الْأَخْصَص ۱۸ : ۴۹ (؟) ؛

الْأَحْوَلُ الْيَشْكُرِي (اسمہ یَعْلَى) ۱۷ : ۴۰۰ ؛

أَبُو أَخْزَمِ الطَّائِي ۱۷ : ۱۱۰ ؛

الْأَخْطَل ۱۷ : ۲۹۶ ، ۱۸ : ۱۱۴ ؛

الْأَسْدِي ۱۷ : ۹۲ ؛

الْأَشْعَرُ الرِّقْبَانِ کے آخر میں لکھیں : (نیز ملاحظہ ہو عمرو بن حارثہ)۔

الْأَعَشَى ۱۷ : ۱۹ ، ۲۱ ، ۲۷ ، ۳۷ ، ۴۷ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۵۶ ،

۸۸ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۴ ، ۱۰۱ ، ۱۰۳ ؛

الْأَعَشَى الْحَرَمَانِي ۱۷ : ۲۴ ؛

أَعْصَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ قَيْسٍ ۱۸ : ۲۱۸ ؛

الْأَخَرَّ ۱۷ : ۳۸۲ ؛

الْأَخْلَبُ الْعَجَلِي ۱۷ : ۳۷ ، ۴۸ : ۲۵۴ ؛

أُمِّ الْبَنِينَ بِنْتُ عَتِيْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ ۱۷ : ۳۶۰ (؟) ؛

أُمِّيَّةُ بْنُ الصَّلَاتِ الثَّقَفِي ۱۶ : ۲۳ (؟) ؛

الْأَجْثَمُ بْنُ سَمِي کے آخر میں لکھیں : (بحوالہ کتاب الشرا و کتاب الاشتقاق صحیح لقب

الْأَهْتَمَ ۛ

تَبَع ۛ ۛ۰ : ۛ۹۳ ؛

جِرَانُ الْعُود ۛ۹ : ۛ۳۴ ، ۛ۰ : ۛ۱۰ ؛

أَبُو جَزُولُ الْبُحْشَى (اسمہ ہند) ۛ۷ : ۛ۴ ؛

جَرِير ۛ۷ : ۛ۱۵ ، ۛ۱۸ : ۛ۱۸۹ ، ۛ۰ : ۛ۱۲۳ ؛

أَبُو جَعْفَرٍ الْمَنْصُور — ملاحظہ ہو منصور (۳۳ س ۛ۱۵ کے بعد لکھیں)

جَنْدَل (؟) ۛ۱۸ : ۛ۱۰۵ ؛

جَنْدَلُ بْنُ الْمُثَنَّى الطَّمُوِي ۛ۷ : ۛ۳۴ ، ۛ۱۸۸ (؟) ؛

جَبِيبُ بْنُ مَرٍّ (؟) کی بجائے جَبِيبُ بْنُ مَرْقَالِ الْبَدِيِّ (أَوِ الْعَنْبَرِيِّ)

پڑھیں -

جَحَلُ بْنُ نُضَلَّة ۛ۰ : ۛ۳۷۴ (؟) ؛

الْحَذَلَيْتِيُّ ۛ۷ : ۛ۱۳ ، ۛ۰ : ۛ۲۱۳ ؛

حَذَّيْفَةُ بْنُ بَدْرٍ (جَدَّ جَرِير) — ملاحظہ ہو الْخَطَفِيُّ (فہرست ۳۳ س ۛ۱۳)

کے بعد لکھیں -

الْحَزِينُ اللَّيْثِيُّ ۛ۷ : ۛ۳۷۹ (؟) ؛

الْمَحْطِيَّةُ ۛ۱۸ : ۛ۹۶ ؛

بَنْتُ الْحُمَارِيس ۛ۰ : ۛ۲۷۰ ، کی بجائے ۛ۰ : ۛ۳۷۰ پڑھیں -

حَمِيدُ بْنُ ثَوْرٍ ۛ۱۸ : ۛ۶۸ ؛

حَنْظَلَةُ بْنُ شَرْقِيٍّ — ملاحظہ ہو أَبُو الطَّحْطَحَانِ (۳۳ س ۛ۸ کے بعد لکھیں)

۳۳ س ۛ۱۳ جَيَّانُ کی بجائے حَيَّانُ پڑھیں -

خَالِدُ بْنُ جَعْفَرٍ بِنِ كَلَابِ کے تحت ۛ۷ : ۛ۱۶۴ ، قَلَمُزْنِ کر دیں -

خطام الجاشعی ۱۷ : ۴۱ (۹)؛

خفاف بن مندبة ۱۹ : ۳۲۸؛

ذکین بن نحاء ۱۷ : ۵۷ (۹)؛

دلم العبشمی ۲۰ : ۸۴ (یہاں ابو ذعب مرقوم ہے)؛
ابن الدُمینة (۴۹ س ۱۸۰۱۷) دو مرتبہ اندراج غلط ہے۔ ایک ہی مرتبہ
ہونا چاہیے۔ نیز ۱۱ : ۲۸۱ کی بجائے ۱ : ۲۸۱ پڑھیں)

ابودوداد الایادی ۱۷ : ۲۳۷ (۹) ، ۳۴۱؛

ذوالرمة ۲۰ : ۳۴۱؛

ابوذئیب ۱۷ : ۱۰۹ کے بعد لکھیں : (یہاں ابو ذئیب مرقوم ہے۔) ،

۱۴۶ ، ۱۸۰ : ۱۶۸ ، ۲۹؛

ابن الرقاع ۱۸ : ۱۸۰؛

رؤبة ۱۷ : ۴۲ ، ۲۰ : ۱۸۲ ، ۲۴۵ ، ۲۶۴ ، ۲۷۳؛

ابو مزید الطائی ۱۶ : ۲۹۴ ، ۱۷ : ۱۳۷ ، ۵۳؛

زہیر (بن ابی سُلَیْم) ۱۷ : ۷۲ ، ۲۷۳ ، ۲۸۱ ، ۳۱۰ ، ۱۸۰ : ۶۰؛

زیاد الاحجم ۲۰ : ۳۲۱؛

زید بن حارثة ۱۷ : ۲۲۲ (۹)؛

زید بن کثوة (کثوة أمّہ) ۲۰ : ۷۹؛

سالم بن دارۃ (التعلبی) ۱۷ : ۲۵۹ (۹)؛

ابوسیدرة الاسدی (راوالہجینی) ۱۷ : ۴۲۴؛

ابن السکیت ۱۶ : ۱۶۲؛

سلیمان بن ربیعۃ بن دَبَاب ۱۶ : ۲۲۱؛

الشَّامِرُ دَل بن شريك اليربوعي ۲۰ : ۲۰۵ (۹) ؛
ضابئ البنجي ۱۷ : ۹۲ (۹) ، ۲۱۱ کی بجائے ۱۷ : ۹۲ (۹) ، ۱۸۱ ؛
۲۲۱ ، پڑھنا چاہیے ۔

الطائي ۲۰ : ۱۶۷ ؛

طرفة ربن العبد ۲۰ : ۱۶۸ ؛

الطرماح ربن الحكيم ۱۰ : ۲۹۱ (۹) ، ۱۷۱ : ۲۲ ، ۱۹ : ۶۹ ، ۲۴۵ ؛
طَرْجَم ۱۷ : ۱۲۱ ؛

طفيل ۲۰ : ۱۹۰ ؛

ابو الطحان ۱۷ : ۱۷۷ کے بعد لکھیں : (یہاں ابو الطحان مرقوم ہے)
۱۹ : ۳۱۱ ، پڑھنا چاہیے ۔

عامر بن الجعدان المذلي کے آخر میں لکھیں : (نیز ملاحظہ ہو ابن الجعدان المذلي)۔
عامر بن مؤالَة واسمه معقل ۱۸ : ۱۵۱ ؛

العامريّة ۲۰ : ۱۳۷ ؛

عبد الله بن عَمّة الضبي ۱۹ : ۱۴۳ (۹) ؛

عبد الله بن هَمّام السلوي کے آخر میں یہ اضافہ کریں : (نیز ملاحظہ ہو
ابن هَمّام السلوي)۔

عبد بنی الحساس ۲۰ : ۳۶۵ کی بجائے ۲۰ : ۲۶۵ ، پڑھیں ۔
بنت عبد الحرث اليربوعي ۱۷ : ۳۶ (۹) ، کی بجائے ۳۶۰ (۹) ،
پڑھنا چاہیے ۔

عبد الرحمن بن الاحوص ۱۸ : ۸۰ (۹) ، (عبد ربه السلمي
کے بعد لکھیں)۔

عبدالمسیح بن عسلۃ ۲۰ : ۱۱۷

العجاج ۷۱ : ۲۰ : ۱۹۰ ، ۲۳۶ ، ۳۱۲ ، ۳۱۹ ، ۳۴۷ ، ۳۷۰ : ۲۰

؛ ۱۸۳

حدی بن نرید ۱۹ : ۳۲۵

عُثْرُو بن شداد ۲۰ : ۳۱۲

غادِیۃ الدبیریۃ ۷۱ : ۱۵۳ (۹) ؛

الفرّیغۃ بنت فہّام رهی اُمّ الحجّاج ۲۰ : ۱۶۳

قعب بن ام صاحب ۷۱ : ۴۹

ابوقلابۃ الہذلی ۷۱ : ۱۰۰

قیس بن ذُرّاحم ۱۸ : ۲۲۱

قیس بن زہیر ۱۰ : ۲۸۶ (۹) ؛

کعب بن زہیر ۷۱ : ۳۳۴

الکیمیت بن زید الاسدی ۱۸ : ۲۵۸ ، ۲۰ : ۲۴۳

لبید ۷۱ : ۳۸۵ ، ۴۱۴ ، ۲۰ : ۱۶۲ ، ۲۰۷

لیلی الاخیلیۃ ۲۰ : ۸۳ ، ۲۰۵ (۹) ؛

المأثور المحاربی (جاہلی) ۱۸ : ۱۱۹

مالک بن الریب المازنی ۷۱ : ۹۳

ابومالک بن الریب کے تحت ۷۱ : ۹۳ ، قلزن کر دیں۔

ابن حکمان ۲۰ : ۲۰۷ ، ربحکان کی جگہ محکان پڑھنا چاہیے ، دونوں

مقامات پر ایک ہی شعر درج ہے۔

ابومحمد الحذلی ۲۰ : ۲۷۶

المخبل السعدی ۱۹ : ۵۹ ؛

مُذْرِك بن حصّین ۱۷ : ۱۵۳ (۹) ؛

مسافر بن ابی عمرو ۲۰ : ۱۰۰ ؛

مُغَلِّس الاسدی ۱۹ : ۱۹۱ ؛

ابنہ المنذر ۱۰ : ۲۹۹ ؛

منصور کے بعد توہین میں لکھیں (ہو ابوجعفر المنصور)

منظور بن مرشد ۱۹ : ۱۱۲ (۹) ؛

ابن مَيَّادَة ۱۷ : ۲۵۹ (۹) ؛

نابغة الجعدی ۱۷ : ۲۰ ، ۲۴۱ ؛

نابغة (الذبیانی) ۱۷ : ۲۳۷ ، ۱۹ : ۴۸ ؛

ابوالضّم ۱۸ : ۲۴۰ ؛

ابو خَيْلَة (ہو ابوالمضاء) ۲۰ : ۱۵۳ ؛

ابو خَيْلَة السعدی ۲۰ : ۱۷۲ ؛

نصیب ۱۷ : ۴۲۹ ؛

النعمان بن فضّلة العدوی ۱۸ : ۱۴۸ ؛

ابو وَجْزَة ۱۷ : ۱۸۹ ؛

وَرَقَاء بن زھیر ۱۷ : ۱۶۴ ؛

یزید بن المُعَرِّخ الحمیری ۱۸ : ۲۹۷ ؛

نوٹ (۱) فہرست اسماء الشعراء لسان العرب میں ان نسبتوں کو تو شامل کر لیا گیا ہے، جو یائے نسبتی کے ساتھ مذکور ہیں۔ جیسے الہذلی، التیمی وغیرہ۔ لیکن جہاں اشعار کو اس طرح منسوب

کیا گیا ہے : قال "رجل من بنی فزادۃ" یا "امرأۃ من بنی کلاب" یا "احد بنی یدجوع" وغیرہ تو ان صورتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ۛ

(۲) فہرست میں بعض جگہ "معجم الشعراء" کا حوالہ درج کیا گیا ہے، اس سے مراد معجم الشعراء اور المؤلف والمختلف ہیں، جو تصحیح ڈاکٹر کرکو، مکتبہ قدسی کی طرف سے اکھٹی شائع ہوئی ہیں یہ سہت کی خاطر صرف معجم الشعراء پر اکتفا کیا گیا ہے ۛ

عبدالغفور

اطلاع

فہارس لسان العرب

فہرست دوم
فہرس بالقوافی

لسان العرب میں جس قدر اشعار اور انصاف الابیات
مذکور ہیں۔ ان کی فہرست اب بالکل تیار ہے، اس کو
باقسط ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز ۛ



فہارس لسان العرب

حصہ دوم

فہرست قوانی

مرتبہ

عبدالقیوم، ایم اے،

میکلوڈ و بک ریسرچ سٹوڈنٹ

پنجاب یونیورسٹی

۱۹۳۸ء

فہرست القوافی

چند تشریح طلب امور

اس فہرست قوافی کی ترتیب میں "عیون الاخبار" مطبوعہ دارالکتب المصریہ کی فہرست القوافی کے اصول پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ یعنی شعر کا کلمہ اول و آخر صد البیت اور قافیہ کے ماتحت ترتیب ہجائی اور بیان عروض کے ساتھ مندرج ہیں۔ ہر حرف کے ماتحت بحور کے اعتبار سے علامت رومی (ء)، (ـ)، (ـِ)، (ـَ)، (ـِ)، (ـِ) کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ؤ، ھا، ھ، ۛ ترتیب ہجائی کے تحت بحور و اردن ذکر ہیں۔ البتہ عَمَّاء، سواھا، یلقاھا وغیرہ قبیل کے قوافی کو حرف "ھ" کے تحت ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔

اشعار رجب میں مصراع اول کا ابتدائی اور آخری کلمہ درج کیا گیا ہے لیکن جہاں کسی رجب شعر کے دونوں قافیے یکساں نہیں ہیں، اس جگہ عام دستور کے مطابق مصراع ثانی کا قافیہ مرقوم ہے (۱۶ : ۱۵، سطر اول)۔

بعض مقامات پر شعر رجب کا ہر یک مصراع صوتی اعتبار سے تو ہم قافیہ ہے۔ لیکن شکلی اور صوری لحاظ سے آخری حروف جدا گانہ ہیں، جیسے ظ اور ذ (۷ : ۱۸۳، سطر نیچے سے ۵)۔ ایسے اشعار دونوں حروف کے تحت درج فہرست میں ہیں۔

بعض اوقات بحر رجب میں مصراع اول و ثانی کے قوافی مختلف حروف کے تحت آسکتے تھے، جیسے عجان کا شعر (۱۱ : ۷۴)۔

وَمَزِيدًا عَلٰی مَنْ تَشْرَفَا اَشْرَفْتُهُ بِلَا شَيْءٍ اَوْ شَيْفَا

لیکن دستور کے مطابق مصراع اول کا کلمہ آخر ہی داخل فہرست کیا گیا ہے ۛ
 جب ایک بیت کے دونوں "قافیے" یکساں واقع ہوئے ہوں (۱۶ : ۱۶۶،
 شعر لبید) تو مصراع اول کے آخر کلمہ کو درج کیا گیا ہے ۛ
 بعض جگہ روی ————— قافیہ کا حرف آخر ————— م، ن،

ن اور م اکٹھے کر دئے گئے ہیں (۱۸ : ۲۶۷)۔ ایسی صورت میں
 چاروں قافیہ اپنی اپنی جگہ پر شامل فہرست میں ۛ

نیز بعض جگہ "اقواء" کے سبب رفع (ُ) و جرد (ـ) کا اجتماع ہو گیا

ہے۔ (۲۰ : ۱۷۱)۔ ایسی حالت میں دونوں صورتیں شامل فہرست میں ۛ

اگر ایک شاعر کی ایک ہی نظم کے ایک سے زائد اشعار ایک ہی صفحہ پر درج ہوئے

ہیں تو صرف پہلا شعر داخل فہرست کیا گیا ہے۔ باستثنائے (۲۰ : ۱۷۲) یہاں

شعر اول چند سطروں کے بعد ایک لمبی نظم میں مکرر مذکور ہے۔ اس صورت میں شعر اول

نظر انداز کر کے بعد کی نظم کا بیت اول درج فہرست کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی صفحہ

پر ایک شعر کے اندراج کے بعد کچھ فاصلہ پر اس کے ماقبل و مابعد اشعار درج ہوئے ہیں

تو وہ شامل فہرست نہیں کئے گئے۔ (۷ : ۱۶۴، سطر ۱۵) پر ایک شعر مندرج ہے

اور مابعد کے دو شعر ۱۶۵ پر منقول ہیں جو شامل فہرست نہیں کئے گئے۔ صرف ۱۶۴ کا

شعر درج فہرست ہے ۛ

اگر ایک شعر یا اس کا کوئی مصراع ایک سے زائد مرتبہ ایک ہی صفحہ پر مذکور ہے

تو ہندسہ صفحہ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ اور اگر کسی دوسرے صفحہ پر منقول ہے۔ تو قوسین میں

اس صفحہ کا حوالہ دے کر مصراع اول کے لئے (ص) اور مصراع ثانی کے لئے

(ع) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایک شعر مختلف مقامات پر آیا ہے، اور کہیں اسکے

ساتھ اسی قصیدے کے زیادہ اشعار درج ہیں اور کہیں کم، تو کم اشعار کا حوالہ

توسین میں علامت مساوی کے ساتھ درج کیا گیا ہے ۔

جہاں ایک سے زائد مرتبہ شعر مذکور ہے اور مختلف مقامات پر کلمہ اول یا آخر میں اختلافِ قرارت ہے تو ایسی صورت میں اس کلمے کے ساتھ توسین میں باضافہ ”کو“ درج کر دیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ اختلافِ قرارت کا حوالہ نہیں دیا گیا ۔

جلی ہندسہ جبر و اخفی صفحہ پر دال ہے بیشک لوگ مقامات کے لئے علامت استفہام (؟) استعمال کی گئی ہے ۔

اس جگہ یہ ذکر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ فہرست ”انصاف لابیات“ میں جو اس فہرست کے بعد آئے گی وہ مصاریح کئی درج ہوں گے جو صاحب ”لسان العرب“ نے نقل کرتے وقت اس طرح لکھے ہیں : ”وفی حدیث سطح“، لیکن سطح کو فہرست شعراء میں درج نہیں کیا گیا ۔

لسان العرب کی فہارس کی ترتیب و تکمیل میں میں اپنے محترم استاد پرنس محمد شفیع صاحب (ایم، اے۔ کینڈب) مدظلہ۔ رئیس دارالعلوم مشرقی و صد شیعہ بنی پنجاب یونیورسٹی کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی گونا گوں مصروفیتوں کے باوجود ہر موقع پر میری رہنمائی فرمائی۔ مجھے یہ کہنے میں بالکل باک نہیں کہ اگر اتنا ذکر کم کی شفقت آمیز ہدایات اور مسلسل عانت ساتھ نہ ہوتی تو اتنا بڑا اور اہم کام کبھی تکمیل پذیر نہ ہو سکتا تھا ۔

عبد القیوم

۲۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء

صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة



| | | | | | |
|---------|----|-----------------------------|-------|----|-----------------------|
| ١٥٢ | ٢ | بَنَتْ النُّوَّاهَا طویل | ٩ | ٣ | فلا سَوَاءُ طویل |
| ١٤ | ١٢ | لَعْنُ فَضَاوُهَا | ٤٠ | ٢ | اذا وِراءُ |
| ٩٨ | ١٩ | وَجَانَتْ دَاوُهَا | ٣٤٢ | ٨ | وَيَسْتَانِ سَوَاءُ |
| ٢١٠ | ١٩ | بِهَا الضُّوْنُ صَحَاوُهَا | ١٨٠ | ٩ | فَجَاءَتْ لَوَاءُ |
| ١٤٥ | ١ | فَأَخْرَجَهُمْ مُهْجَعِي | ٣٨٣ | ١٥ | وَلَقِي رِخَاءُ |
| ٣٦٥ | ١٤ | فَلَوَّهْ أَوْفَاوُ سَمَاءُ | ١٢٤ | ١٤ | صَوْمُنْ أَدَاءُ |
| ١٥٦:١٨ | | | ٤٠:٤١ | ١٨ | لَعَلَّكَ بَدَاءُ |
| ١٨٩ | ١٩ | فَقُلْتُمْ صُدَاءُ | ١٤٤ | ١٨ | فِيَا جَبَّ جُمَاءُ |
| ٢٩١ | ١٠ | وَوَفَّرَاءُ بِرِشَاءُهَا | ١٢ | ١٩ | كَيْلِي رِثَاءُ |
| ٢٢٣:١٩ | | | ٢٢ | ١٩ | لَهُمْ فَقَضَاءُ |
| ١٩ | ١٣ | مِنْ لَكَيْنِ الْمَاءُ | ٢٢ | ١٩ | رَفَعْتُ رَدَاءُ |
| ٢٠٢ | ١٨ | أَلَى مُهْرَأُ | ١١٣ | ١٩ | فِيَا بَعْدَ سَفَاءُ |
| ٥٥٢ | ٥ | طَعَنْتُ أَضَاءَهَا | ١١٣ | | وَمَا سَفَاءُ |
| ٢٤:١٠٦٥ | | | ١١٣ | ١٩ | يَجْبُنُ سِفَاءُ |
| ٩٦ | ٤ | مَلَكْتُ وَرَاءَهَا | ١١٥ | ١٩ | عَلَيْكَ قَلَاءُ |
| ٣٨٥:١٢ | | | ٤٠ | ٢٠ | تَرُضْ هُمَاءُ |
| ٢٢٩ | ١٤ | وَكُنْتُ غِطَاءَهَا | ٢٢١ | ٢٠ | أَبَا مَكَاكَ عَزَاءُ |
| ٣٢ | ١٨ | ثَامَرْتُ لِنِزَاءَهَا | ٢٤٩ | ٢٠ | |

| صدرالبيت قافيته بحره مجلد صفحه | صدرالبيت قافيته بحره مجلد صفحه |
|--------------------------------|-------------------------------------|
| وَجَبْرِيْلُ كِفَاءُ ١٨٢ ٥ | وَأَعْرَضَ الطَّوَاءُ وَافِر ١٠ ٢١٢ |
| فَاتَكُمُ الْعَبَاءُ ٥ ٣٣٨ | وَلَمْ وَالْتِطَاءُ ١٠ ٣١٥ |
| أَنَا ابْنُ مَرْدَاوُ ٦ ٢ | ٢٢٣:٢٠ |
| وَأَنْصَابُ الدِّمَاءِ ٦ ٢١٦ | ١٨٩ ١١ |
| أَنَا الْفَقْرُ هِنَاءُ ٦ ٣١٤ | ٣٩٢ ١٢ |
| أَوْشِنَاءُ ١٣:١٠٥ | هُنَالِكَ الْإِنَاءُ ١٣ ٢٤٠ |
| تَقَلُّ النِّسَاءُ ٤ ٢٠٩ | ١٨:١٩١:٣٣١ |
| ٢٠٢:١٥ | فَسَبَّطُ كَرْبَلَاءُ ١٢ ١٠٦ |
| فَاتَ جَلَاءُ ٤ ٢٠٨ | وَجَاءَتِ الرِّعَاءُ ١٥ ١٩٣ |
| ١٠:١٨٥:٢٠٣ | فَقَبَّحَ الدِّمَاءُ ١٥ ٣٨٣ |
| وَيَحْلِفُ مَرَوَاءُ ٨ ٢٠٨ | ٣٥٥:١٤ |
| فَاتَ وَقَاءُ ٩ ٣٢ | وَمَا نِسَاءُ ١٥ ٢٠٨ |
| وَقَالَ النِّقَاءُ ٩ ٢٩ | ٢٤٤:١٦ |
| بَلِيدُ الْخِفَاءِ ٩ ١٤١ | أَذَاكَانَ الشِّتَاءُ ١٤ ٢٢٤ |
| يُرْجِعُ الدِّلَاءُ ٩ ٢٢٢ | يَرَاهُ وَالْإِبَاءُ ١٨ ٣ |
| ١٥:٢١ | يَشْتَمَنُ الْعَبَاءُ ١٨ ٣٠ |
| وَتَوْقَدُ لَوَاءُ ٩ ٢٠٥ | هُمُ الْإِسَاءُ ١٨ ٣٦ |
| أَذَاكُمْ تَشَاءُ ١٠ ٨١ | وَلَنْ أَسَاوُ ١٨ ٣١ |
| أَكَا هَوَاءُ ١٠ ٣٤٩ | فَاتَكُمُ الرِّكَاءُ ١٨ ٢٦ |
| ٢٢٤:٢٠ | |

| صدا البيت قافينه بحره مجلد صفحه | صدا البيت قافينه بحره مجلد صفحه |
|---------------------------------|---------------------------------|
| وانتيت - الاناء وافر ١٨ ٥١ | ولاخيت اللحاء وافر ٢٠ ١١٠ |
| والرئت ٢٠ ٨٥ | فبيتي المشاء ٢٠ ١٥١ |
| يبارين الظماء ١٨ ٤٤ | فان هدا ٢٠ ٢٣٢ |
| جوارم والتلاء ١٨ ١١٣ | تقطع الجري ٣ ٦٤ |
| كان وماء ١٨ ١٢٩ | أبعد الهراء ١ ١٤٨ |
| ١٨ ١٤٢ | تربع الشتاء ١ ٣٨٣ |
| ١٨ ١٩٨ | غداة الصلاء ٦ ٩٢ |
| ١٨ ٣١٥ | وجمعت البشاء ٩ ٢٠٩ |
| ١٩ ٦٣ | اذ الصحاء ١٠ ٢٤ |
| ١٩ ١٢٨ | الا بالفناء ١١ ٤٢ |
| ١٩ ١٣٨ | طلبتي البيط ١٢ ١٩٨ |
| ١٩ ٢٦٤ | أنا ابن السماء ١٢ ٢١٩ |
| ١٩ ٣٠٨ | ١٤ ٢٢٣ |
| ١٩ ٣١٠ | ولانمت السماء ١٤ ٢٢٣ |
| ١٩ ٣٤٣ | اذ الحساء ١٨ ١٩٣ |
| ٢٠ ٣ | فقلت بداء ٢٠ ٤١ |
| ٢٠ ٥٤ | وددت خلا ١٢ ٣٨٨ |
| ٢٠ ٨١ | فقولا فداء ١٩ ٢ |
| ٢٠ ١٠٨ | الم داء ١٩ ٢٤٠ |
| ٢٠ ١٠٨ | ولولا الحاء ٢٠ ١٠٨ |

| | |
|-----------------------------------|-----------------------------------|
| صدر البيت فآيته بحره مجلد صفحة | صدر البيت فآيته بحره مجلد صفحة |
| وَشَجَّ الْمُخْرَاءُ كَامِل ٣ ١٢٨ | وَشَجَّ الْمُخْرَاءُ كَامِل ٣ ١٢٨ |
| عَمِلَ الْجَوْنَاءُ ٤ ٨٠ | عَمِلَ الْجَوْنَاءُ ٤ ٨٠ |
| وَكُنَا الْمَاءُ ١٥ ٣٩٩ | وَكُنَا الْمَاءُ ١٥ ٣٩٩ |
| وَلَقَدْ ثَنَاءُ ١٤ ٢٩٠ | وَلَقَدْ ثَنَاءُ ١٤ ٢٩٠ |
| كَثُرَتْ الْأَطْبَاءُ ١٩ ٢٢٤ | كَثُرَتْ الْأَطْبَاءُ ١٩ ٢٢٤ |
| أَكْرَمَ مَضْنُوها ١ ١٠٦ | أَكْرَمَ مَضْنُوها ١ ١٠٦ |
| هَيْهَاتَ سَفَاوْها ٦ ٢٦٢ | هَيْهَاتَ سَفَاوْها ٦ ٢٦٢ |
| قَدْ مُوَامِئُهُ ١ ١٩٤ | قَدْ مُوَامِئُهُ ١ ١٩٤ |
| بَيْضَاءُ الْقُرَاءُ ١ ١٢٥ | بَيْضَاءُ الْقُرَاءُ ١ ١٢٥ |
| وَالرُّءُ بِالْوُضَاءِ ١ ١٩٠ | وَالرُّءُ بِالْوُضَاءِ ١ ١٩٠ |
| لَيْسَتْ بِغِرَاءِ ١ ٣٠٨ | لَيْسَتْ بِغِرَاءِ ١ ٣٠٨ |
| وَمُسَوِّفَ نِدَاءِ ٢ ٢٣٣ | وَمُسَوِّفَ نِدَاءِ ٢ ٢٣٣ |
| وَأَمْرَى الْأَدْمَاءِ ٥ ٢٢٢ | وَأَمْرَى الْأَدْمَاءِ ٥ ٢٢٢ |
| أَوْ نَوَاءِ ٦ ٣٥٤ | أَوْ نَوَاءِ ٦ ٣٥٤ |
| كَانَتْ سِقَاوُهُ ٨ ١٤٤ | كَانَتْ سِقَاوُهُ ٨ ١٤٤ |
| وَلَقَدْ الشُّعْرَاءُ ٤ ٤٣ | وَلَقَدْ الشُّعْرَاءُ ٤ ٤٣ |
| لَيْتَنِي الدَّلْفَاءُ ١١ ١٠ | لَيْتَنِي الدَّلْفَاءُ ١١ ١٠ |
| لَمَّا عَجْرَاءِ ١١ ٣٠٤ | لَمَّا عَجْرَاءِ ١١ ٣٠٤ |
| وَاللَّهُرُوتْنَاءِ ١٢ ١٤٤ | وَاللَّهُرُوتْنَاءِ ١٢ ١٤٤ |
| وَلَقَدْ وَالْجَنَاءِ ١٤ ٣٣ | وَلَقَدْ وَالْجَنَاءِ ١٤ ٣٣ |
| وَأَذَا جَرْبَائِهِ كَامِل ١٠ ٣٤٢ | وَأَذَا جَرْبَائِهِ كَامِل ١٠ ٣٤٢ |
| حَقَّ لِقَفَائِهِ ٢٠ ٥٢ | حَقَّ لِقَفَائِهِ ٢٠ ٥٢ |
| لَمْ غُلُوْها ٣ ١٢٢ | لَمْ غُلُوْها ٣ ١٢٢ |
| فِي كَيْلَةِ عِشَائِها ٦ ١٣٠ | فِي كَيْلَةِ عِشَائِها ٦ ١٣٠ |
| يَا عُنْمَ بَمَائِها ٨ ٣٨٦ | يَا عُنْمَ بَمَائِها ٨ ٣٨٦ |
| مَرَأَتْ بِهَائِها ١١ ٢٢٦ | مَرَأَتْ بِهَائِها ١١ ٢٢٦ |
| أَنْتَ كَدَائِها ٢٠ ٨١ | أَنْتَ كَدَائِها ٢٠ ٨١ |
| لَمَّا نَسَائِها ٢٠ ١٩٢ | لَمَّا نَسَائِها ٢٠ ١٩٢ |
| وَالْأَصْلُ لِسَوَاءِ ١٢ ١٤٨ | وَالْأَصْلُ لِسَوَاءِ ١٢ ١٤٨ |
| فَطَيَّعُ فَطِي ١ ١٠١ | فَطَيَّعُ فَطِي ١ ١٠١ |
| وَالسَّيْرُ أَخْزِيوُهُ ١ ٢٨ | وَالسَّيْرُ أَخْزِيوُهُ ١ ٢٨ |
| كَانَتْ أَفْتَجَاوُهُ ١ ١١٥ | كَانَتْ أَفْتَجَاوُهُ ١ ١١٥ |
| نَغْشَى أَقْرَاوُهُ ٢ ١٦ | نَغْشَى أَقْرَاوُهُ ٢ ١٦ |
| وَلَمْ كَادَاوُهُ ٢ ٣٤٤ | وَلَمْ كَادَاوُهُ ٢ ٣٤٤ |
| كَانَتْ سِقَاوُهُ ٨ ١٤٤ | كَانَتْ سِقَاوُهُ ٨ ١٤٤ |
| لَيْسَ مَضَاوُهُ ١٢ ٣٦٠ | لَيْسَ مَضَاوُهُ ١٢ ٣٦٠ |
| هَانَكُنْتُ أَكْرَاوُهُ ١٢ ٣٩٣ | هَانَكُنْتُ أَكْرَاوُهُ ١٢ ٣٩٣ |
| بِحَضْرَتِي بُدَاوُهُ ١٨ ٤٢ | بِحَضْرَتِي بُدَاوُهُ ١٨ ٤٢ |
| فِي مُسْتَبَاوُهُ ١٨ ٢٢٣ | فِي مُسْتَبَاوُهُ ١٨ ٢٢٣ |
| وَبَلَى أَعْمَاوُهُ ١٩ ٣٣٢ | وَبَلَى أَعْمَاوُهُ ١٩ ٣٣٢ |

| صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحه | صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحه |
|-------------------------------------|-------------------------------------|
| مُشْتَبِهَ يَتَهَاوُهُ ٢٠ ١٢٠ | تَهَيَّنُهُ الطَّوَاهُا مرجز ١١ ١٤٢ |
| خَلَّ سِقَاوُهُ ٢٠ ٢٩٩ | لَا تَرْهَبُ أَطْلَاهَا ١٣ ٢٠٢ |
| وَبَلَدَةُ أَصَوَاهَا ١٤ ٢٢٠ | فَصَادَقَتْ أَبْلَاهَا ١٨ ٩١ |
| وَمَنْهَلٍ نَائِيٍّ أَوْنَاهُ ٣ ١١٣ | لَا يَعْرِفُونَ دَهْيَاهَا ١٨ ٣٠٢ |
| ٩٢: ١٨ | دُهْمًا مُرَاهَا ١٩ ٢٣٤ |
| يَا لَكَ رَشِيشَاءُ ٣ ١١٦ | وَمَنْهَلٍ أَفْقَائِهِ ١ ٢٥٩ |
| ١٢٩: ٢٠٣: ٨ | لَمْ يَبْقَ ثَرِيَّائِهِ ٢ ١٤٤ |
| قَدِ كُنْتُ عَلَاءً ٤ ٢٩٤ | وَأَيَّائِهِ ١٨: ١٢٠: ١٢٠: ١٨ |
| ١١: ٣٣٣ | أَلَصَقَ غِرَائِهِ ١٥ ٢٦٢ |
| قَطَعْتُهَا أَبْلَاءً ١٠ ٣٢١ | يَعْنَى عَشَائِهِ ١٩ ٢٩٢ |
| بَشْرَجَ الْأَنْسَاءُ ١١ ٣٤٨ | إِذَا التَّرِيَّا عَشَاءُ ٩ ٣٤٣ |
| وَهَبْتُهُ سَوْدَاءً ١٣ ١٣٢ | قَدْ غَتَّى الْأَصْوَاءُ ١ ٤٦ |
| يَا لَكَ لِشَاءُ ١٨ ١١٥ | فَهَنَّ الْبِيدَاءُ ١ ٨٠ |
| شَمَ ذَا الْحَقَاءُ ١٨ ٢٠٤ | أَمْسُوا الْمَيْطَاءُ ١ ١٩٣ |
| مَخْتَنِي الْفَدَاءُ ٢٠ ٩ | ١٩: ٣٤٩ |
| كَأَنَّ أَمْعَاهَا ٢ ٢٢ | يُزْنَنَ بِالذَّقَاءُ ٥ ١٤٤ |
| لَعَوَى عَوَاهَا ٤ ٣ | ١١: ٣٢٦ |
| يَوْمُ قَدْ عَاهَا ١٠ ١١٤ | يَسْتَمْسِكُونَ الْإِلْقَاءُ ٩ ٣٨٢ |
| حَتَّى رَاَهَا ١١ ٢٢ | وَيَمْسِكُونَ ٢٠: ١٢٢ |
| فَدَحَ أَكْسَاهَا ١١ ١١٠ | غَيْرَهَا الْأَلْوَاءُ ٩ ٢٥١ |

| صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد | صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد |
|---------|-------------------------------------|--------|-----------------------------------|
| ٢٥٢ | عَلِقَ خَوْثَاءُ خَفِيف ٢ | ٣٠٠ | قَدْ بِالْأَطْبَاءِ رَجَز ١٥ |
| ٢٥٥ | اعْلِينَا الْجَزَاءُ ٣ | ٣٨٥ | ثُمَّتْ رِدْنَاءُ ١٤ |
| ٣٣٩ | مِنْ عَدَاءُ ٣ | ٩٢ | بَاتَتْ الْإِبْلَاءُ ١٨ |
| ١٣١٩: ٤ | | ١٢٢ | حَتَّى الظَّلْمَاءُ ١٨ |
| ٨ | فَاتَرَكُوا الدَّاءُ ٢ | ٢٢٢ | كَأَنَّمَا الْمَعْرَاءُ ٢٠ |
| ١٢٠ | لَيْسَ الْحَدَاءُ ٢ | ٢٥ | يَا عَقِيدَ بِالْفَنَاءِ ٥ |
| ٤٩ | أَذْمُنُوهُمْ أَشْرَاءُ ٥ | ٣١ | وَبُوتَتْ صُبُوءُهُمَا مَسْرُوح ١ |
| ٢٢١ | عَنَّا { الْطَبَاءُ ٥ | ٢٩ | بَاتَتْ تَحْضُوهُمَا ١ |
| ٢١١: ٤ | | ٨٦ | خَوْدَ مَهْدُوهَا ١ |
| ١٤١: ٩ | أَوْعَنَّا { | ١٢١ | إِنْ سُلِمَى يَكْلُوهُمَا ١ |
| ٣٠٠ | نَرَعُمَا الْوَلَاءُ ٤ | ٩٣ | نَضْرِبُ نَسْلُوهَا ٤ |
| ١٠٣ | فَتَنَوَّرَتِ الصَّلَاءُ ٤ | ٢٦١ | أَمَّا بَعْ وَأُجْزُهُمَا ٩ |
| ١٩٥ | وَأَذَكُرُوا الْكِفْلَاءُ ٤ | ٣٥٤ | لَسْتُ أَسْلُوهَا ١٠ |
| ١٠٩ | إِذَا حَلَّ الْعَوْصَاءُ ٨ | ١٣ | نَضْرِبُ نَسْلُوهَا ١١ |
| ٢٥١ | أَوْتَقَسَّيْنَاهُ وَالْإِبْرَاءُ ٨ | ٢٢٢ | خَيْرُ أَكْلُوهَا ١١ |
| ٢٢٥ | أَيُّهَا بَقَاءُ ٨ | ٢٠٥ | أَمَّا نَأْنِي أَمْرُ نَوْهَا ١٩ |
| ٣١٣ | أَوْقَدَتْهَا الضِّيَاءُ ٨ | ٢٣٩ | أَكْرَعُ أُجْزَأُهَا ١٠ |
| ١٨٢ | وَنَقَى الْحَرْبَاءُ ١٠ | ١٥٩ | أَنَسْتُ الْإِمْسَاءُ خَفِيف ١ |
| ٣٠٢ | فَهِيَ أَهْمُ الْأَشْقِيَاءُ ١٠ | ١٣١: ٤ | |
| ٣٤٨ | وَبَكَرَكَدَا السِّقَاءُ ١٠ | ٣٨٢ | وَهُوَ بَلَاءُ ١ |
| ٣٦ | يَزْفُونِ سَقْفَاءُ ١١ | | |

| صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة |
|--------------------------------|--------------------------------|
| انه لواء خفيف ١٢ ٢٢ | فسل كداء خفيف ٢٠ ٨١ |
| وطرائق الضحراء ١٢ ٨٩ | أفقرت كداء ٢٠ ٨١ |
| فحياة فالوفاء ١٢ ٨٤ | أفكرت كداء ٢٠ ٨١ |
| وفالحياة ١٢ ٨٤ | كيت عناء ٢٠ ٣٤٠ |
| كيف شعواء ١٥ ٥٥٤ | ظل شعواء ١ ٩٠ |
| بعد الخلاء ١٥ ٢٢٠ | ليس الرعياء ٢ ٣٩٦ |
| وألونا زهراء ١٥ ٢٢٢ | مرفعوا الملجاء ٣ ٢٢٢ |
| فناوت ألقاء ١٨ ٥٥٥ | شامدا الطلاء ٥ ٣٠ |
| ١٢٢:٢٠ | ١٢٢:٢٠ |
| لوعلى بداء ١٨ ٤١ | طلبوا بقاء ١٤ ٨٢ |
| إن أحفاء ١٨ ٢٠٢ | ١٢٥٤:٢٠ |
| مفهورا صباء ١٩ ٢٥٥ | ثم بالبقاء ١٤ ٥٣ |
| وكان العباء ١٩ ٣٣٣ | فمكنا السماء ٢٠ ٤١ |
| أجمعوا ضوضاء ١٩ ٢٢٢ | ومأى مأى ٢٠ ١٣٦ |
| أوغوغاء ١٨ ٣٨٠ | ولكن أجوء متقارب ١ ١٤ |
| فأمننا العدا ١٩ ٢٦٢ | فهاوا تبدؤ ١ ١٠٦ |
| لائحنا الأعداء ١٩ ٣٥٤ | نزاعك يفتوة ١ ١٠٤ |
| يجسب فتاء ٢٠ ٢ | ١٢:٢٢٢ |
| مثلها أفلاء ٢٠ ٢٣ | ١٣:٣١٩ |
| أذننا الشواء ٢٠ ٤١ | ١١:١١١ |
| | ١٢:٢٢٢ |
| | ١٣:٣١٩ |
| | ١٤:٣٣٥ |

| صد البيت قافيته بحره مجلد | صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد | صفحة |
|-----------------------------|--------|---------------------------|--------|
| ولاني مَرْتَوْهُ مُتَقَارِب | ٣٢ | وجاءت الشواء متقارب | ١٠ ٨٠ |
| تراه يَلْتَوُّهُ | ١ ١٢٦ | اذا ما يَبْتَأُهَا | ١ ١٤ |
| فلما اَهْدَوْهُ | ١ ١٥٩ | كَيْسِرُ خَفَاء | ٢ ١٨٩ |
| اُخْرَى يَبْدُوهُ | ١٨ ٣٣٥ | كَيْسَتُ الْعَلَاءِ | ١١ ١٥٤ |
| | ٣٣٦ | تَظَلُّ الرِّضْمَاءُ | ١٩ ٢٠٥ |



| | | | |
|---------------------------|--------|---------------------------|--------|
| وماء دَبِي طویل | ٣ ١٨٦ | وَأَشْطَطُ أَتْلَى طویل | ١٨ ٣١ |
| وَصَبَقْتُهُمْ فَاسْتَوَى | ٣ ٣٣٦ | رَأَيْتُ قَدْ زَوَى | ١٨ ٣١٨ |
| فِيَا لَيْلَةً تَجَلَّى | ٣ ٤٢ | عَجِبْتُ وَالرَّحَى | ١٩ ٢٨ |
| فَأَوْمَاتُ فَتَى | ٥ ٢٢٣ | قَدَرُ أَنْتَمَى | ١٩ ١٢٤ |
| | ٢٢١ | قَطَّاطَاتُ وَالضُّوَى | ١٩ ٢٠٤ |
| فَلَمَّا حَبَّوْكَى | ٥ ٢٣٣ | وَكَاثِنُ فَالْغَوَى | ١٩ ٣٤٨ |
| على بَكَى | ٨ ٣٨٩ | مُعْظَمَةُ غَوَى | ١٩ ٣٤٩ |
| | ٣٥١ | مَنْ السَّلَى | ٢٠ ٢٤١ |
| تَكْسَبَتْهَا الْخَصَى | ٩ ٢٥٢ | مَنْ ابْنِ وَقْدَى بَسِيط | ١٩ ٨٢ |
| فَبِتْنَا وَالْكَلَى | ١٢ ١٨٠ | لَا التَّكَلَى وَافِر | ١٨ ٨١ |
| فَقُلْنَا بَلَى | ١٢ ١١٨ | إِنِّي وَالْقَلَى كَهْل | ٣ ١٩٠ |
| | ٣٥٣ | وَبَرُوضَةُ النُّبَى | ٣ ٣٣١ |

| | |
|-------------------------------|-------------------------------|
| صد البيت قافيته بحره جلد صفحه | صد البيت قافيته بحره جلد صفحه |
| مراحو وأنى كامل م ٤٠ | مراحو وأنى كامل م ٤٠ |
| ٢٥٣:٢٥٣:٥ | ٢٥٣:٢٥٣:٥ |
| لكن غنى م ٢١ | لكن غنى م ٢١ |
| قد العى ا ٣٢٥ | قد العى ا ٣٢٥ |
| ٢٤٠:٢٠ | ٢٤٠:٢٠ |
| كادت مضى م ٢٨٩ | كادت مضى م ٢٨٩ |
| للفد وثقى م ٢٩٨ | للفد وثقى م ٢٩٨ |
| لما وانتنى م ١٢٤ | لما وانتنى م ١٢٤ |
| لما دمردى م ٢٣:٤ | لما دمردى م ٢٣:٤ |
| قد لقيت بزمى م ٢٩١ | قد لقيت بزمى م ٢٩١ |
| يا أم بالبشرى م ٢٨١ | يا أم بالبشرى م ٢٨١ |
| ٢٨٣:١٣ | ٢٨٣:١٣ |
| عقوا البحرى م ١٣٢ | عقوا البحرى م ١٣٢ |
| حيوا مضى م ٣٩٣ | حيوا مضى م ٣٩٣ |
| فانث الشوى م ١٤٨ | فانث الشوى م ١٤٨ |
| ١١٣٩٠:١٤ | ١١٣٩٠:١٤ |
| في مؤط والظى م ٢٨٥ | في مؤط والظى م ٢٨٥ |
| ولقد القرى م ٢٤٤ | ولقد القرى م ٢٤٤ |
| يجرجن فاضطلى م ٢٤٠ | يجرجن فاضطلى م ٢٤٠ |
| ولقد التدى م ٩٤ | ولقد التدى م ٩٤ |
| في والظى م ١١٢ | في والظى م ١١٢ |
| لابن لبنى م ٣٤٥ | لابن لبنى م ٣٤٥ |

| صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد | صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد |
|------|--------------------------------|--------|---------------------------|
| ٣٣٢ | فشامَ القُصَى مجز ١٢ | ٣٣٢ | فهُنَّ الهَوَى متقاب ٣ |
| ٥ | دَعَتْ (هِنْ) فُتًى ١٢ | ١١١:٨١ | ١٢ |
| ١٩٣ | لَمَّا جَمَادَى ١٢ | ١٢ | الْأَذَى ٥ |
| ٩١ | أُخْضَى الثُّرَى ١٥ | ٢٠٠ | لَهَا بِالْوَحَى ١٠ |
| ٤٤ | مَاذَا الْعُرَى ١٨ | ٢٠٤ | بُهَا الْكُرَى ١٤ |
| ١٤٩ | لَسَأَلْنِي فَقَى ١٨ | ١٠١ | وَقُوسُكُ الْغَضَى ١٤ |
| ٢٣٩ | حَايِرُنْ أَقَى ١٨ | ١١٢ | وَنُؤَى الْفَحَى ١٩ |
| ١٣ | أَمَّا تَرَى ١٩ | ١٣١ | كَأَنَّ النُّعَايَى ١٩ |
| ١٠١ | حَتَّى جَلَى ١٩ | ١٠٣ | وَلَيْسَ وَاللَّأَى ٢٠ |
| ١٣٣ | يَلِدْهُ اهْتَدَى ١٩ | ٢٠١ | رَفَى مُنْتَصَى ٢٠ |
| ١٤١ | شَكَا السُّمَى ١٩ | ٢٠١ | رَفَى مُنْتَصَى ٢٠ |
| ٢٢٥ | تَالَلَهُ إِشْوَى ١٩ | ١١٥ | تَقُومُ غَلَا طَوِيل ١ |
| ١٤ | جَاوَرَتْهُ أَفْضَى ٢٠ | ١٤٥:٨ | (أَوْجِشُ) |
| ٢٢ | إِذَا تَفَلَّى ٢٠ | ٢٠٣ | فَلَمَّا حَبُوكِرَا ١ |
| ٢٣٣ | كَيْفَ الدَّلَنْطَى ٢٠ | ١٣٩ | فَقَلَّتِ النَّسَا ٨ |
| ٨٦ | لَمَّا دَوْدَرَّى ٢٠ | ١٢٥:١٢ | |
| ٢٢٢ | كَأَنَّ وَدَى ٢٠ | ١٩٠ | رَجَوَتْ غَدَا ٩ |
| ٢٢٣ | أَوْدَى الْمُنَى ٢٠ | ٢٢٩ | أَفَى مَرْضَا ١٢ |
| ٢٥١ | ثُمَّ جَزَى ٢٠ | ٣٨٢ | أَغَرَّ خَسَا ١٥ |
| ٢٢٤ | لَقَدْ لَمَّا الْقِرَى متقاب ٣ | ١٢٨ | وَمُسْتَبَحٍ أَوْمَضَا ١٩ |

فہرست مضامین

جلد ۱۵- عدد ۲ بابت ماہ فروری ۱۹۳۹ء عدد مسلسل ۵۶

| نمبر شمار | مضمون | مضمون نگار | صفحہ |
|-----------|---|---------------------------------------|------|
| ۱ | تاریخ غریبی | پروفیسر شیرانی | ۳ |
| ۲ | بابا فرید گنج- شیعہ ابراہیم اور فرید ثانی | ڈاکٹر مہین گنگھ صاحب دیوانہ ایم اے | ۴۴ |
| ۳ | سلطان ناصر الدین قباچہ اور | | |
| | اس کے درباری شعراء | آغا عبدالستار خاں ایم اے ایم او ایل | ۷۲ |
| ۴ | دیار عرب کے مغربی سیاح | ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے پی ایچ ڈی | ۸۳ |
| ۵ | سر سید کے زیر اثر ادبی تنقید کی ابتدا | سید محمد عبداللہ ایم اے ڈی لیٹ | ۹۲ |
| ۶ | تنقید و تبصرہ | ادارہ | ۹۹ |
| ۷ | ادارہ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس | ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی | ۱۰۵ |
| ۸ | فہرس القوانی | مولوی عبدالقیوم ایم اے میکلوڈ | ۱۷ |
| | (جو لسان العرب میں درج ہیں) | عربک ایسریچ سٹوڈنٹ پنچاب یونیورسٹی | ۷۲ |

نوٹ: - ضمیمہ صرف عربک اینڈ پریسین سوسائٹی کے ممبروں یا خریداران میں تقسیم ہوتا ہے
 پٹناتی ایکٹرک پریس لاہور میں باہتمام مٹھی نظام الدین پرنٹر جمپا اور بابو محمد بقی احمد خاں نے اور پبلش کالج لاہور سے شائع کیا

اورنٹیل کالج میگزین

عرض واجب

اغرض مقاصد | اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحداً امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت

عربی، فارسی اور دوسری زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں +
کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے۔ | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں

ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں بغیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کتب خانہ کے بعض مفید رسائل بھی باقتضا شائع کئے جائیں گے +

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بھجڑ و فارسی)، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بھجڑ و گورکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے +

وقت اشاعت | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست میں شائع ہوگا +
قیمت اشتراک | سالانہ چند حصہ اردو کے لئے پھر اورنٹیل کالج کے طلبہ سے چند داکٹمنٹ کے وقت وصول کیا

کسی سرمایہ رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت سالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ اسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے +

خط و کتابت و ارسال زر | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ارسال زر صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج کے نام ہونی چاہیئے مضامین کے متعلق جلد مراسلہ ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت | یہ رسالہ اورنٹیل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے +

قلم تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورنٹیل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ جی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

لے چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے +

تاریخ غزبی

(سلسلہ کے لئے دیکھیو یہی سال بابت نومبر ۱۹۳۸ء)

راجستانی اثر

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت اس کا وہ عنصر ہے۔ جسے ہم راجستانی اثر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اثر افعال تک میں مرئی ہے۔ جا۔ کھا۔ مضاع، جاٹگا۔ کھاٹگا۔ مستقبل دیت اور لیت قسم کی مضاع اور استمراری وغیرہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اسی کے ذیل میں داخل ہیں۔ ایک مستقبل جو امر پر ہی کے اضافہ سے بنتا ہے اور مارواڑی وغیرہ زبانوں میں رائج ہے۔ اس تالیف میں بھی ندرت کے ساتھ مل جاتا ہے۔ مثالیں :-

حکم مان لے وہی اُبڑ ہی اور لوگ سب پردر پردہ مر ہی ۳۲۸
اُبڑ ہی یعنی بچے گا۔ رہائی پائے گا۔ اور مر ہی۔ مرینگے ۴

دیگر، جو تو بچن کہے سو کر ہی ایسے مورکھ منت سدھر ہی ۱۰۲
کر ہی = کرے گا۔ سدھر ہی = سدھرے گا ۵

دیگر، سو تو پدا ہمارا پیارا جاکوں کدی نکر ہوں نیسارا ۴۲
کر ہوں = یعنی کروں گا ۶

دیگر، محض میا تیری من دھر ہوں جیوں گناہوں بلیں ابرہوں ۱۵۱
دھر ہوں = دھروں گا۔ ابرہوں = بچوں گا ۷

دیگر، ان کی نینوں انجن دے ہوں سرت گیان انکے سب لیہوں ۱۵۲
دیہوں لیہوں، یعنی دونگا لونگا۔ اس مستقبل کی گردان ہے :-

اور مری - بے مرہی (جمع غائب) تو مری - تھے مرہو (جمع مخاطب)
ہوں مرہوں - مھے مرہاں (جمع منکلم)

جے خطابیہ جو امر پر بغرض تاکید لایا جاتا ہے۔ پھر راجستانی اثر معلوم ہوتا ہے مثال

۱۰۳ جے جب شہ کا تو ہوے حضوری کیجے میری عرض ضروری ۱۰۳

(دیگر) اسکوں یہ بات بتا جے بچن ایک بھی اور سنہرا جے ۱۰۹

اُردو میں اس کا استعمال 'جو آپ' خطابیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بہت محدود کر دیا گیا

ہے۔ اور صرف چند افعال کے ساتھ جو زیادہ تر دوسری ہیں اور ی پر ختم ہوتے ہیں ملتا

ہے۔ مثلاً دیکھ۔ لیجے۔ کیجے اور پی جے واحد حاضر میں اور دیجے لہجہ، کیجو اور بیجو جمع حاضر

میں۔ دعائیہ ہو تو یہی اسی میں شمار ہونا چاہیئے۔ مگر قدیم زمانہ میں اس کا استعمال بہت عام

تھا۔ گوجری میں اس کی ایک اور شکل جمع مشکلم میں 'جیں' ملتی ہے۔ چنانچہ ۱۔

۱۰۴ اپن گردن اوپر ناخون لیجیں یہ مطلب ہے پدرسوں دور کیجیں

(یوسف زلیخا۔ از امین گجراتی)

پہلی دو شکلیں یعنی 'جے' اور 'جو' اس تصنیف میں بکثرت ملتی ہیں۔ بعض اشغال

تحریر ہوتی ہیں :-

۱۰۵ ۱۰۵ بیٹو محمد رسول بتا جے ایس میری بات چلا جے ۲۲۵

(دیگر) نہر بانگی سول تو رہے پاس بلا کر اسکوں کہہ جے ۱۰۹

(دیگر) اسکوں اپنے پاس بلا جے بھانت بھانت کر سمجھا جے ۸۱

(دیگر) یوسف آگے نہیں نوا جے چرن لاگ کر مات کر ا جے ۹۷

(دیگر) تو انسوں یہہ بھید چھیل جے ہرگز نایو بات چلا جے ۱۱۴

(دیگر) خوب بھانت تو دودھ پا جے ہمیں ساتویں دن دکھلا جے ۱۴۲

(دیگر) انکیاں کبریاں بول لا جے پانپس انکوں کا پدھ پلا جے ۱۴۷

(دیگر) کہا اسے تو ساتھ لیا ہے گردن پکڑ شتابی آجے ۱۸۹
 (دیگر) جو میں کہوں سو وہی کیجے موسیٰ کے سر تہمت دیجے
 بھری سب جائیں منکھ آجے ۱۸۴
 (دیگر) فضل کرم کر جو بنچا ہے میرا منجھسوں آن ملا ہے ۱۳۹
 (دیگر) کہا پھیر مت کھول دکھا ہے خبر دار ہو کر لیجا ہے ۲۵۳
 (دیگر) کہا بھلا پنہر جھوٹ نہ کہہ ہے اور سو منانے جیوں رہجے ۷۵
 (دیگر) اس کا ناؤ محمد دھڑ ہے جو ہم کہیں سو وہی کر ہے ۲۱۲
 (دیگر) جو کچھ مانگے اسے کھلا ہے خدمت گاری خوب بجا ہے ۳۲۵
 (دیگر) اب ہم کہیں سو وہی تو کیجے اور بات کا ناؤ نہ لیجے ۹۲
 (دیگر) کہا یہ بات کسے نہ کہہ ہے بلکہ آپ چپکے ہو رہے ۲۳۹
 (دیگر) ہنسا اور کھیل شکار لاجے دیوار کوں نیو دلا ہے ۲۱
 (دیگر) بنا حکم میرے مت دیجے جو میں کہوں سو وہی کیجے ۱۸۹
 (دیگر) خبر دار یہ کام نیکجے پھر بہشت کا ناؤں نہ لیجے ۲۰۳
 'جے' ان مثالوں میں 'نا' تاکید کی کام دیتا ہے۔ ابیات آئندہ میں خطایہ نہیں بلکہ یا تو جھوٹ
 ہے۔ یا متکلم بحالیکہ صیغہ مذکور نہ ہو۔ ۷

اسے چھوڑ کر کیونکر جا ہے بھلا اسے اب کھول بتا ہے ۲۹۱

جا ہے اور بتا ہے یعنی جائے اور بتائیے یا جایا جائے اور بتایا جائے ۴

(دیگر) کہا پڑھا نہیں کیسیں کیجے بنا علم کیا او تر ویجے ۳۴
 یہ شعر آریہ کریمہ اقرأ باسم ربک اللہی خلق کی تفسیر میں آتا ہے۔ تائل رسول اللہ ہیں۔ اور
 مخاطب حضرت جبرئیل ہیں۔ کیسیں کیجے = کس طرح کیا جائے۔ (کیا کروں)۔ او تر دیجے
 جواب دیا جائے (جواب دوں)

دوگر) کیا شمار دازن کا کہہ جے بھلا ہی آپ چکا رہے (۱۹۱)
کچے رہے یعنی کہیے اور رہیے۔ (کہوں اور رہوں)۔

دوگر) کیا کہو دل کیونکر دھوبے کیونکر اسکی کالک کھوبے (۲۴۲)
یعنی دل دھویا جائے اور کالک کھوئی جائے :

آنے والی مثالوں میں جے 'یے' کا قائم مقام ہے 'سی' 'جیم' سے بدل جاتی ہے

سے بہت چاہے تو وہاں جساؤ جو نہاںیں سو بھر پاؤ (۳۳۴)
چاہے یعنی چاہیئے۔

دوگر) پیاد اچلوں منجھے موخواری منجھے چاہے اب اب اسواری (۲۵۷)

دوگر) مال مینچہ کر پیسے کیجے تجھے چاہے سو تو لیجے (۳۳۳)
تجھے چاہے = تجھے چاہیئے :

ذیل کی مثال دغائیہ مافی جا سکتی ہے :-

سے ایسا کہی نہو جے سارے جیسا میرا میاں ہوارے (۲۶۱)

نہو جے یعنی نہ ہو جیو :

'جیو' جمع مخاطب ذیل کی مثالوں میں آیا ہے :-

سے سارے اُسکے تابع رہیو جو کچھ کہے سو کر جیو کہیو (۳۲)

دوگر) پاس باجر کے مت جا جیو دور مبتلہ کر سو بتلا جیو (۶۴)

دوگر) اپنے دل میں نہجیا کیجیو ستقیم ہو کر جی دیجیو (۱۶۷)

دوگر) قدم راہ پر ثابت دھر جیو جو کچھ خدا کہے سو کر جیو (۱۲)

دوگر) اسپر تم ایساں لیا جیو اسکے چرنوں سیس نوا جیو (۲۸۳)

دوگر) اسکے پانوں پیریاں دیجیو بہت گھبانی تم کیجیو (۹۲)

دغائیہ کی مثال :- سبکوں اللہ کی دیجیو : خیر عاقبت انکی کیجیو (۸۵)

یو۔ تو۔ مو۔ نماڑ اور یا۔ وا۔ جا اشاریہ کے علاوہ اکثر ایسے الفاظ جن کا ثانی صرف علت ہے۔ اور اردو میں بتجنیف بولے جاتے ہیں۔ راجستانی کے ذخیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً آچھا (اچھا)۔ پاچھا (پیچھا)۔ باحا (بجا)۔ گا جا (گر جا)۔ جاگا (جگہ)۔ لاگا (لگا)۔ ساچا (سچا)۔ پھاٹا (پٹا)۔ پایا (پتیا)۔ کھاندے (کندھے)۔ راکھا (رکھا)۔ چاکھا (چکھا)۔ گھبرا (گھبرایا)۔ بیگل (بیکل)۔ باچھی (بجھیا)۔ پیادل (پیدل)۔ چھات (چھت)۔ مانت (منت)۔ تا نہیں (تنیں)۔ نا نہیں (نہیں)۔ سانکپری (سکڑی)۔ مانی (مٹی)۔ لاکپری (لکڑی)۔ موکی (مکّا)۔ بوڑھا (بڈھا)۔ ٹوک (ٹکڑا)۔ اوکڑو (اکڑو)۔ موٹھی (مٹھی)۔ سودھی (سودھ)۔ پیور (پسو)۔ دینا (دکھنا)۔ ڈیگنا (ڈگانا)۔ دیکھلانا (دکھلانا)۔

لیکن سب سے اہم وہ ذخیرہ ہے۔ جو راجستانی زبان کے الفاظ اور محاورات کی شکل میں ملتا ہے۔ یہاں بعض ایسے الفاظ مع مثالوں کے درج کر دیئے جاتے ہیں۔۔۔
کائی۔ طرف سے۔ دتوار اور جمعہ جو آوے۔ مشرق کائی کو چ کر اوے ۱۲
نیگا۔ چھی طرح۔ اچھا۔

بدن مبارک نور نبی کا۔ جدا جدا دیکھا سب نیگا ۱۵
گل (سگلا)۔ سب۔ تمام۔

سورج چاند ستارے سارے۔ کہیں پیر کوں گل سنوارے ۲۱۔
تھاوڑ۔ نیچر۔ تھاوڑ کھیل شکار لیا جے۔ دتوار کوں نیو دلا جے ۲۱۔
آچھا۔ اچھا۔ سودھ۔ ایک پہر تو آچھا بولیں۔ بہت مبارک ساعت کولیں ۲۲۔
گیل (گیلا)۔ راستہ۔

بسبجا ایک خدا میں بیل۔ لیا یا گھیر فرشتا گیل ۲۵۔
بڈا پاء بڑائی۔ ایسا اسکا لکھا بد پاپا۔ برس پانسو راہ مٹا پاپا ۲۵۔

بوڑنا = ڈوبنا۔ تباہ ہونا ہے

مسلمان بھٹے مومن پیارے اور بوڑ گئے مگد گنوارے ۳۴
ریس = غصہ ہے یہ شیطان جو ہے ہمیں ات کر من میں آئی ریس ۳۵
گھبرا = گھبرایا اور گھبرایا ہوا ہے

دشمن کوں دکھایا لاگا پھرے گھاہاراوتا بھاگا ۳۶
بھراننا = پھسلانا۔ سکھلانا ہے

گیہوں لیا تو پر کر کھایا آدم کوں جا کر بھرایا ۳۷
چھلوٹ = چھلکا۔ پوست ہے

کسی کسی کا مغز نکالیں کہیں چھلوٹ کیا والیں ۳۸

راچھ = اوزار ہے لوہا کا پدھ پہاڑوں سبتی راجھ کر دیئے کرے جو کھیتی ۳۹

رمانا = غصہ ہونا ہے دو پر کاگ کھیتی پر آویں آدم ان پر بہت رساویں ۴۰

بلنبا = پہنچا ہے ایسا اونچا تھا وہ لنبا سر اکاس کوں جائے بلنبا ۴۱

جھکنا = چرکانا ہے نانوا نیسا ب جھکائے ایک ایک تختی پر پائے ۴۲

مسکری = مسخرگی ہے سپر کافروں میں جب جاگے ہنسی مسکری کرنے لاگے ۴۳

سو دھی = سیدھی ہے ازری ناؤ جہاں تھی جو دھی یعنی وہی پہاڑی سو دھی ۴۴

پوٹھی ہونا = باز آنا۔ بازگشت کرنا۔ پشت کرنا۔ الٹنا ہے

بھٹی استری ایسی جھوٹی کدی کفر سوں ہوئی نہ پوٹھی ۴۵

ساہیں = سامنے۔ آگے ہے

بنی پاس دیا جو آتی انکوں ساہیں جا سمجھاتی ۴۶

ٹیہا = ٹیلہ ہے جہاں خدا کا گھراب دھرا تھا بالو کا ٹیہا بھرا ۴۷

باو = ہوا ہے تھنڈی باو سخت یوں باجی ہوئے ہلاک منافق باجی ۴۸

ایک آنترے = اکا نترے۔ ایک دن بیچ سے

رہی اونٹنیں وہاں بچپاری معنی ایک آنترے چرنے ہاری ۵۸
نستارنا = نجات دینا۔ پارا تارنا سے

خبر نہیں جو انکو ماریں لے تنکوں کیونکر ستاریں ۶۰
بیگے = جلد سے کہا اسے بھی لیکر جاؤ دال آگ میں بیگے آؤ ۶۱
کھوسنا = پھینا۔ پھین لینا سے

اس کافر نے ظلم کیا تھا اس بی بی کوں کھوس لیا تھا ۶۲
جایا = جنا سے فضل خدا کا ایسا آیا بی بی میں وہاں بیٹھا جایا ۶۳
کلیک = خرابی سے یہہ قصاصن سوں میں لگا ان میں بہت کلیک کرونگا ۶۴
لاٹ = پیشانی۔ ماتھا

اپر جانا = اُدھر جانا سے

کوئی کسیوں دے جو دمیری اپر جائے سب میری چہری ۶۵
گھا آنا = ڈالنا سے جو زکوٰۃ کوں نہیں نکالے کام آج کا آگے گھالے ۶۶
دھول باہنا = خاک ڈالنا سے

جارے بوڑھے نامتقول تیرے مونہ میں باہوں دھول ۶۷
سارا = قابو سے میں تو ہوں مسکین بچارا میرا نہیں رہا کچھ سارا ۶۸
سانکڑی = سکڑی سے

پیم گلی ات سانکڑی جہاں نمائے بال لوکوں لاوے لا کڑی کون گانوں کی چال ۶۹
برجنا = منع کرنا۔ روکنا سے

تنجوں بھی حق دے گا درجا وہ نار ہے کسی کا رجب ۷۰
آنٹے بانٹے = اُلٹے سیدھے سے

سب نگرى کے جھگرے بھانٹتے کہیں آپ میں آنتے بانٹتے ۸۴
 لیا لی - بھیڑیا - کوئی باگھ گھیرا لیا لی یوسف کوں جو پاوے خالی ۸۵
 نیا را - الگ - علیحدہ -

تو بے میرا بیتا پیارا کہاں چلا اب ہو کر نیا را ۸۶
 آڈے - آڑے - آڑیں -

جب یعقوب نظر سول آپوے ہوئے جو نہیں بھیاں سو کا پے ۸۷
 بھاپ - بھائی پن - اخوت - برادری -

جیو جان سول خدمت کروں بھاپ کا دعویٰ نادھروں ۸۸
 بوڑا - بہرا - ایک حد نہیں ایسے مانڈھے کانوں بوڑے آنکھوں آنڈھے ۸۹
 لوہی - لوہو - لہو -

لوہی سول بھر کر سب جاما کیا جھوٹھ کا سا را سا ۹۰
 اُمنان - اندازہ - قریب -

بہتر یوسف ہوئے جوان ہیں سچیں برس اُمنان ۹۱
 لار - پیچھے - اتنا بول سوا ٹھکر بھاگے لار زینجا یوسف آگے ۹۲
 تر - جھٹ - درمی زینجا غاوند سیتی تہمت ترٹ اٹھائی اتنی ۹۳
 ٹاٹر - جوی - اہل و عیال -

دیکھ دوسری اسکا بتیا تیرے ٹاٹروں کیا کیت ۹۴
 چھانی - خفیہ - پوشیدہ -

آخر پرگھٹ ہوئی کہانی کون بھانت کہو رہتی چھانی ۹۵
 لوگ لگائی - مرد عورت -

بھنک تاہ سروں میں آئی اٹھ بول یوں لوگ لگائی ۹۶

روح - گرہ - رونا

لانا روح گیت جیوں گایا پہلے اس میں راہ چلا لیا ۳۸
ہبتا ڈالنا - ہاتھ ڈالنا - دست درازی کرنا

آپ غلام جو گھر میں پالا اسکے اوپر ہبتا ڈالا ۹۸
رانڈ = رنڈی - چھال رگالی کے طور پر ۷

جاری رانڈ خد کی ماری بچوں کی ڈالی پیشکاری ۹۸
بھاگسی = قید خانہ ۷

منجھے بھاگسی میں لیجاوے ان رانڈوں سے گیل چھڑوے ۱۰۱
کلمہ کلیس = دکھ اور جھگڑا ۷

ایسے ہوتا دوراہنا ایسے ہوتا دوراہنا ۱۰۲
بندوا = بندی - قیدی ۷

گیا بھاگسی میں جب پیارا ہوا بندواراضی سارا ۱۰۲
والدر = دلدر - مصیبت - سخت ۷

انکے سبھی والدر گئے آترتے سو آند بھٹے ۱۰۲
جھاڑ لینا = تلاش لینا ۷

تم ساروں کا جھارا لینے پھیر سزا ہوگی سودیگے ۱۱۲
کھوٹے دن = بُرے دن ۷

تکوں اب کھوٹے دن لاگے کیونکر بچو ہمارے آگے ۱۱۶
آنا - لانا ۷

جول بچھا ہو سو جانے اور نہ کوئی نہیں آنے ۱۱۸
بار - دیر ۷

کئی ایک دن کرن ضروری بہت بار کہوں بھی ضروری ۱۳۲
رویں - غصہ ۷

یوں بچارو گند تارو روس ریس سب من میں چارو ۱۳۲

کھاتی = بڑھی ہے ہتر موسیٰ کی جب مائی کھاتی کے گھر چل کر آئی ۱۳۸
 برتی گار = خراب مٹی کا۔ بد شرت۔ بد طینت ہے

بری گار تو ہے بد پیشا جہاں تہاں لڑے ہمیشا ۱۳۹
 گوال = گوالا، گریباں مقصد گذریا ہے

رہے دس برس گوال کہاٹے بکریاں انکیاں خوب چرائے ۱۴۰
 گل کنڈ لگانا = گلے لگانا ہے

بھائی سا ہمیں ملا جو آکر کیا ہیت گل کنڈ لگا کر ۱۴۱
 رضا دینا = اجازت دینا۔ رخصت کرنا ہے

موسیٰ کوں دے رضا چلاٹے بدے آدمی پاس بلاٹے ۱۴۲
 اوگھد = دوا ہے بہت دور میں رسی لیا کر دالی اوگھد عجب لگا کر ۱۴۳
 اپوتھے = برگشتہ۔ پھرے ہوئے۔ لوٹے ہے

رہے قول سول کافر جھوٹے نہیں کفر سول ہوئے اپوتھے ۱۴۴
 لار چھپانا = پیچھا چھڑانا ہے

قول کیا ایمان لیاویں اگر جنوں سول لار چھپاویں ۱۴۵
 جاتے بلیاں = جاتے وقت ہے

جنواں گیاں جب انگھر بھاگے جاتے بلیاں کہنے لاگے ۱۴۶
 چپٹی = چوٹی ہے ایسی جوت جھلک بھکانی چپٹی وہاں نہ دھونڈھی پاشی ۱۴۷

آراہ رکھنا = دوستی اور یارانہ رکھنا ہے
 اے علم ہے تجھسوں زیادا سیکھو جا کر رکھو ارادا ۱۴۸

نگوڑا = نگوڑا۔ نکمٹا۔ نکارہ ہے
 کپھر اکیماسکوں چھوڑا جدارہ گیا آپ نگوڑا ۱۴۹

ٹھیک پاڑنا = پتہ چلانا - خبر لگانا ہے
 ٹھیک پاروے اس کا سارا
 یہ سوداگر کس نین مارا ۱۸۷
 باجنا = کھلانا - مہووم ہونا - مشہور ہونا ہے
 مانج عمنق کا بیٹا باجے
 بات کرے بادل جیوں گاہے ۱۹۱
 جام پھل = امرود - سفری ہے
 جنے جام پھل جا کر کھایا
 ہون خوشیاں منیں سکھ پایا ۱۹۱
 بھرم ڈوبنا = اعتبار کھونا - ساکھ گنونا ہے
 امرنا کھانا پڑا کھویا
 انپراں سارا بھرم ڈوبیا ۱۹۵
 تیاں = پیاس ہے لگی تیاں بھکوں میں بازیں
 اب تم بیگ منگاؤ بازیں ۱۹۵
 رائپ = عورت - بیوی ہے
 اس بند کی رائپ کمینی
 جس کے من میں تھی بیدینی ۱۹۶
 سارے ہونا = قابو چڑھنا ہے
 گیار رائپ کے ہو کر سارے
 دیکھے دوی بھونگم کارے ۱۹۸
 گوڈنا = گودنا ہے
 او بھوں میری لارنچھوپے
 بھات بھات کر سنجکوں گوڑے ۲۰۰
 بیر لانا = دیر لگانا ہے
 یہ سنہر کر عزرائیل بھائی
 تڑا تھ چلے بیر نہ لائی ۲۰۲
 تھرلنا = تھرانا - لرزنا - تھر تھرانا ہے
 بے شمار بریں یوں تیر
 دیکھ تھرلیں باون بیر ۲۰۵
 پھلنگ = پھلانگ - چھلانگ - کھانچ ہے
 یوں پھلنگ ماریں تھے غازی
 ہنر و مان کیسا ہوگا بازی ۲۰۷

کھلا کھلیان سے کات نہ کھلا کریں اداویں یہ نہیں دھیر ناج کا پاویں ۲۰۸
اُدامہ = فساد - شور سے

کیتے برس پیٹ بھر کھایا آخر کوں اُدامہ اٹھایا ۲۱۲
بھوم = زمین سے ان کی بھوم چھوڑ کر بھاگے اور کہیں آ رہے ابھاگے ۲۱۳
چھینپا = کپڑا چھپانے والا سے

دھوبی چھینپے ملے جو کھاتی لکھی آزمائش کی چپاتی ۲۱۵
کرود غصہ سے کہہ جانے ظاہر کیا خلاصا ناکرود نہیں پرکاشا ۲۱۵
جنادرہ جانور سے بات سیکنا کی اب کہتا اس میں ایک جانور رہتا تھا ۲۱۶
گڑھی = روڑھی سے

لیج کر گڑھی میں گاڈا جتن کیا وہاں حکم گا دھکا ۲۱۶
دھاکر = راج کر - پیٹ بھر کر سے

جنے دھاپ کر پانی پیہ بدگناہ جو اس میں کیا تھا ۲۱۷
ہیلا مارنا = آواز دینا سے

میرا ساتھی سنگ ہیلا یہی فوج میں مارا ہیلا ۲۱۷
نامتی = ناتھ سے خدا مبارکوں کا ہے ساتھی اسکے ہاتھ انہوں کی نامتی ۲۱۸
سانکل = زنجیر سے سانکل ایک سرگ سولہی اس کی یوں تاثیر بتائی ۲۱۹
نیاو = انصاف سے اگر کوئی دوجہ پڑا لیاویں جھوٹے سانچہ کا نیا دھکاویں ۲۲۰
نٹنا = انکار کرنا - منکر ہونا سے

نٹنے سوا سکوں بولوسارے تو سنگ خدا کی کمارے ۲۲۱
منگڑاں = منگنی سے

کوئی ایک جو منگڑاں کرتا اگر دوسرا دل پر دمقرا ۲۲۲

مانگ = منگیتراہ اسے بولتا سپر میرے بھائی تیری مانگ منجھے خوش آئی ۲۲۳ھ
 نہورے کھانا = منت خوشامد کرنا = منت سماجت کرنا

منجھی غریب کی وہ بھی چاہے مانگے بہت نہورے کھا ہے ۲۲۴ھ
 ایوڑ = ریوڑ سارا ایوڑ چلکر آیا جہا پر باغ کا تھا سوکھا یا ۲۲۵ھ
 برانا = پرانا = بیگانہ

جب وہ بکریوں والا بوجھا باغ برانا تجھے نہ سوچھا ۲۲۵ھ
 جن = کلمہ نفی = مت = نا

کہا کہو جن راکھو چھپانی وہ جو بات تیرے من مانی ۲۲۵ھ
 پکار = فریاد کسی بات کی حاجت لیا شی یا کچھ پکار لیکر آئی ۲۲۶ھ
 نیا وچکانا = قضیہ فیصل کرنا

ابھی باو کوں پکپ بلاؤ میرا اس کانیا وچکاؤ ۲۲۷ھ
 چوٹ باہنا = وار کرنا = ضرب لگانا

کری ندا نگری میں یاہی جس نہیں چوٹ اسی پر یاہی ۲۲۷ھ
 اچے آنا = سامنے آنا = آگے آنا

جب بولی وہ ساچنی مائی میں جو کہی سو اچے آئی ۲۲۸ھ
 بھانا = توڑنا = کچلنا = تباہ کرنا

جو حکم کا حکم نہانے اسکوں پکپ پھلپس کر بھانے ۲۲۹ھ
 پانکھہ = پرہ مرغ ذبح وہاں ایتے کرتے کئی اونٹ پاکھوں میں بھتے ۲۳۰ھ

چھلے = چھلکے اور پیاز لہسن جو آتے چھلتے بھر بھراؤنت لیجاتے ۲۳۱ھ
 دھاؤنا = دوڑنا کے کروڑ نیا چل کر آویں سلیمان کے گھر کو دھاویں ۲۳۲ھ

پسارنا = پھیلانا کھوٹا یہی بات سپر چلی بھاگی مونہہ پسار کر کھانپیں لاگی ۲۳۳ھ

کونٹ = کھونٹ۔ کونا۔ گوشہ سے

اسی واسطے دہی بدائی چارکونٹ کی دولت آئی ۲۴۰
مسکانا = مسکرایا سے

سلیمان من میں مسکانا چیتی کا جب سب پہچانا ۲۴۱
ننگ = بلا دوساں۔ ننگن۔ بے پروا سے

چلاننگ بنہری سول آئے ہوئے ہوئے قدم اٹھاوے ۲۵۰
بندیوان = قیدی۔ بندیوان رہیں گے سائے سدا سدا ہم لوگ بچارے ۲۵۱
اٹ پٹنا = لڑکھڑانا سے

پانوات پٹیں سیس جو بٹے دیہہ ڈنگے ایس چلے ۲۵۲
بھارا = گھٹا۔ پشتارہ سے

چال دیا بوڑھے نہیں بھارا لیا لال اب چلا بھارا ۲۵۲
موٹھی موٹھنا = مٹھی بند کرنا سے

لیا لال محکم کر پیا موٹھی موٹھنے چلا بھارا ۲۵۲
رپٹ پڑنا = پھسل جانا سے

اس میں رپٹ پڑا سو چوڑا بول گیا آچھا منصوبا ۲۵۳
کما کجا کر = کما کر۔ خوب بندگی تو بکرے کما کجا کر پرتل بھرے ۲۵۳
پڑو کوئے میں = بیزاری کا کلمہ۔ جیسے چوٹے میں پڑے۔ بہنم میں جائے سے

جے ایساں ہوا ستارا پر کوئے میں اور پارا ۲۵۳
بٹ پاڑا = ہٹا۔ راہزن سے

مجھے مل گیا وہاں بٹ پارا اس نہیں لیا سو میرا بھارا ۲۵۴
اکھٹ پڑھانا = نکاح پڑھانا سے

اور کہیں کوئی مرد نہ پایا ۲۵۵
 ۲۵۵ جنوائی - دالادہ - آفران کے جی میں آئی بیٹھی دے کر کیا جنوائی ۲۵۵
 دہشتی - سخت - گراں -

کہا سنہروری سکمی ہیلی لگی بوتسکوں بات دہیلی ۲۵۷
 چار - علف - اتنا سنہر کر ہیل بچا کھرا ہور ہا چھوڑا چار - علف - ۲۶
 تار کرنا - موٹی کاٹم سیر ہو جانا -
 آج اگر تو گھاس چریگا پازیں پی کر تار کریگا ۲۶
 چرنا - چرنا - چھکنا - بولنا -

جب یوں بول اٹھا وہ مرنا خاوند کوں بھا کر چرنا ۲۶۱
 ۲۶۱ گھائی - نسبت - کوئی کہیں گے لوگ لگائی لوگوں میں مل کر سی سگائی ۲۶۱
 گھینلا - سوٹا - سنہر خاوند کے ہوا اجالا لیگ گھینلا کا غڈ ڈالا ۲۶۱
 جیو ڈنا - دل کا ڈنگنا -

اب تم گھری نہ فرصت پاؤ کاہے کارن جیو ڈلاؤ ۲۶۲
 ٹوک کھلانا - ٹکڑا کھلانا - روٹی کھلانا -
 کرمی ماجزی ٹوک کھلایا پانہری پلا کر پاس دلایا ۲۶۶
 الٹل جانا - پھرل جانا -

بچاٹ جھاپ بیٹھے زکریا الٹل گیا اب سنہر بھیا ۲۶۶
 موڈی - شریر - جب وہ ہوئی جوان نکو پی بول اٹھی اسکی ماو پی ۲۶۷
 بہاری دینا - جھاڑو دینا -

دے گی مسجد ماہر بہاری سدا کرے گی خدمت گاری ۲۶۹
 جہر رکھنا - بند کر کے رکھنا -

میں کیسا پاپ کیا بھاری - بگینا ہر کھی بھاری ۲۷۲
 مائی گونہہ = مٹی گوندھ کر ہے

مائی گونہہ جانور کیا اس وقت ہاتھ میں لیا ۲۷۳
 نکلتی = لٹری ہے ایک نکلتی ساہیں آئی عیسیٰ میں اس کو بتلائی ۲۷۵
 سرتا = گذارا ہونا - بسر ہونا ہے

بھوکہ لگے جب یوں بتلائے اب کیوں سرے کہو بن کھائے ۲۷۸
 سواد لگنا = خوش ذائقہ معلوم ہونا ہے

جو سواد لگے سو کھاؤں جگ میں آچھا بد اکھاؤں ۲۸۰
 ادب بجانا = تعظیم بجالانا ہے

دیوار کا ادب بجھاؤ متاور کا سب عمل افتاؤ ۲۸۱
 بیگایک = جھٹ پٹ ہے

اس میں بیگایک پکار رکھیاں انکے آگے لیکر ۲۸۵
 رانجہ رانجہ کرنا = مویشی کا رانجنا - چیننا - چلانا ہے

آپ میں سبھی پکاریں رانجہ رانجہ کر سارے ہاریں ۲۸۹
 بیجہ ماہنا = تخم ریزی کرنا - بیج ڈالنا ہے

جیبہ باکر کھیت اگایا ناج کا چھہ پس پکویا ۲۹۳
 کھوڑا = لنگڑا ہے میرا بیٹا گونگا پورا آنکھوں اندھا پانوں کھوڑا ۲۹۴
 ہارے ہونا = تھک جانا ہے

جانت جانت کر منجوں مارے اوجھول نہیں ہوئے تم ہارے ۲۹۵
 بڈارنا = نکالنا - تارنا ہے

اور نبی ایوب بھارا گاؤں گانوں سے بدارا ۲۹۷

ایو الیا = گڈریا سے بوچھا ملا سو بکریوں والا کھرچر اوے تھا او الیا ۲۹۸
گوالیا = گڈریا سے طارہ میں بکریوں والا یعنی جسکوں میں گوالیا ۳۰۲
بھو = خوف سے جیوں دنیا کو دین سکھاویں بھوسا گرسوں پالنگھاویں ۲۹۸
پہرا = زمانہ - وقت سے

اس پھر لیکا زر کیوں آیا اسکوں کیں خزانایا ۳۰۴
کاکھہ = بغل سے کوٹ جو اونچا بدھا کھایے کمر کا نکلے سول نیچے آوے ۳۰۶
گاجنا = گرجنا سے بھانت بھانت کرے سب باجے دھرن گنگن بادرجیوں گاجے ۳۱۱
استاوا = بدھنا سے ہاتھ چلی بھی استاوا ہیرے موتی لال جیوا ۳۱۳
جایا = جنا سے بی بی نیں جب بیٹا جایا نبی محمد جگ میں آیا ۳۱۴
دھورے = قریب - نزدیک سے

نکل نور نیوں کے دورے عرش کرس کوں لاگے دھورے ۳۱۵
رنا = زبان سے اول جو کہ پہلے بالک بولا ایسے سو جیں رسنا کھولا ۳۲۰
ہیلاہیل = آواز پر آواز سے

اپنے اپنے گھر کوں بھاگے ہیلاہیل پکارن لاگے ۳۲۲
ساں = مانند سے جاساں دو جا کوؤ ناہیں مادھنت سب کے ناہیں ۳۲۳
دھول = طرح سے عدل نیا وایے دھول کرتے زر و میل نزل میں دھرتے ۳۲۵
انڑا چنگا = مریض - بیمار سے

مسلمان ہوتا انڑا چنگا کوئی نیک ہویا ہو بیچ چنگا ۳۲۶

عربی فارسی اثر اور انکے الفاظ میں تغیر و ترمیم

چونکہ اس کتاب کا موضوع تاریخ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اسلئے مسلمانوں کی الفاظ کی بہتات

اس میں چنداں تعجب خیز نہیں۔ مگر باوجودیکہ مصنف عربی۔ فارسی زبانوں میں اعلیٰ دست گاہ رکھتا ہے۔ اور مذہبی اعتبار سے بڑی وجاہت کا مالک ہے۔ تاہم راجستانی کے مقابلہ میں عربی۔ فارسی اثر خفیف معلوم ہوتا ہے۔ تیس مئیں فی صدی اسلامی الفاظ کا ایک ایسی تالیف میں پایا جانا جو مضمون کے لحاظ سے بھی اسلامی ہے۔ کوئی بعید نہیں۔ حیرت یہ ہے کہ ہندی اثر نہایت گہرا ہے۔ فارسی محاورے اور ترکیبیں قلمت کے ساتھ ملتی ہیں۔ میں چند یہاں مذکور کرتا ہوں :-

۲۶۔ اگر بیل تو بے کھوسینا میں بولوں سو کھڑ بہانا لفظ
'بہانہ پکڑنا' فارسی 'بہانہ گرفتن' کا ترجمہ ہے +

(دیگر) عجات عجات کرجا جت مانگی جمیں کتے پکاریں دانگی لفظ
'عاجت مانگنا' حاجت خوانتن کا ترجمہ ہے +

(دیگر) توں ملعون کیسے ناپاری نہیں دے سکے ہمکوں بازی لفظ
'بازی دینا' بازی داوان کا ترجمہ ہے +

(دیگر) نبی سال رب روزے دھرتے یوں گذران مسرب کرتے لفظ
'روزے دھرنا' روزہ داشتن کا ترجمہ ہے +

(دیگر) عزرا زیل مردود کیسنا بولاد دل میں دسر کر کیسنا لفظ
'کینہ دھرنا' فارسی کینہ داشتن کا متبع ہے +

(دیگر) کھوس لیا تا بوت کیسنا جا کر ایسویں کاچیں کیسنا لفظ
'کینہ کا دھنا' کینہ کشیدن کا ترجمہ ہے +

(ع) مصابیح میں ایسے لیا یا لفظ ۳۴
ٹھٹ فارسی یوں ہوگی 'دھابج چنیں آوردہ' +

(ع) اور واقدی میں یوں لیا یا لفظ ۳۳
یہ بھی اسی فارسی محاورہ کا ترجمہ ہے +

۳۵ کہیں بسنگی ایسی کرتے ملک فلک سب حیرت دھرتے لفظ
۱۲۹

’حیرت دھرنا‘ کی اصل فارسی ’حیرت داشتن‘ ہے :

(دیگر) یہہ انگوٹھی منجھوں پائی ۲۵۶ یعنی این انگشتری مرایافت ۔

(دیگر) باب وصیت کا یوں کھولا ۲۵۷ بالکل فارسی ترکیب ہے ’و باب وصیت پخاں کشود‘ :

(دیگر) فضل ہوا از خالق باری ۲۸۹ یہ تقریباً فارسی ہے۔ صرف ہوا اُردو ہے

(دیگر) الدانوں کوں تو با دیو گنہ معاف سب ان کے کیمو ۲۸۸ ’توبہ دنیا‘ توبہ دادن کا پرتو ہے :

ان محاورات کا ایسی ضخیم کتاب میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ادھر عربی فارسی لفاظ کے ساتھ ایک عام بدسلوکی روا رکھی گئی ہے۔ کبھی ان کے تلفظ کو بگاڑا ہے۔ کبھی ان کی صورت بدلی ہے۔ کبھی مفہوم میں تبدیلی کر دی ہے۔ لیکن مصنف اس بارہ میں مقلد کا حکم رکھتا ہے۔ نہ موجب کا۔ وہ ان الفاظ کو اسی طرح استعمال کرتا ہے۔ جس طرح عوام الناس کی بول چال میں آئے تھے۔ مثلاً مصنف ’نبات‘ (مصری) کو ’نوبات‘ کی شکل میں لکھتا ہے۔ یہ تغیر اس کی اپنی ایجاد نہیں۔ بلکہ عام اہل اُردو اسی طرح بولتے تھے۔ چنانچہ دکنی میں بھی ’نوبات‘ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس تالیف میں ’نارہ‘ (نقارہ)۔ سول (اصول)۔ اور مزدوری (مزدوری) لٹتے ہیں۔ جو آج بھی غیر تعلیم یافتہ اسی طرح بولتے ہیں :

یہاں بعض ایسے الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے :-

بے تڑہ = بے طرح ۔ مثال سے

نہیں بہت بے تڑہ کرونگی تم سوں ہرگز نا نہہ پرونگی ۱۴۲

حاضرور = پاخانہ سپر بات کو چھی چل آویں جاضرورتکوں لپٹاویں ۱۴۱

صحی = صحیح = کہا الہی قول جو تیرا صحی سانچہ یہ بیٹا میرا ۱۴۵

دیگر = صحی سلامت بیٹنا پایا بہت خدا کا شکر عجبایا ۱۴۶

بجائنا = بجالانا = وہی خواب دو بجے دن آیا اٹھ غلیل نے شکر بجایا ۶۴
 (دیگر) استیں کئے ملائک سارے حق کا حکم بجاؤں ہمارے ۱۲
 خوشی = خوش = گئے قوم کن جب مل سارے خوشی ہو گئے اللہ پرارے ۵۶
 خاص = خاص = ایک اونٹ پر گیا بن خاص جسے وکعبہ دور ہوا اسی ۵۵
 عجوبے = متعجب و حیران =

بنی بات سن رہے عجبے کہا لوگ دنیا ب دو بے ۵۲
 (دیگر) دیکھ میسر رہے عجبے کہا عجب اسکے منصوبے ۳۳
 حجت = حاجی = باران برس مکے میں رہے کوئی نہ اس کوں بھی کہے
 عذرہ کوں جب تجھ پر آوے حج کرے بھی کہلاوے ۶۵
 بشارا = بشارت =

دل میں جانو سا پنچ بشارا جو کوئی پیسا را وہی دکھیا ۲۴
 (دیگر) ہوا حزیہ اسکے پیارا جھکوں یا ہی دیا بشارا ۳۱
 (دیگر) کہا روبرو سپنا سارا بادشاہ کوں دیا بشارا ۱۵
 نقارا = نقارہ = کرندھان کا کوچ نغارا چلا غلیل خدا کا پیارا ۴۰
 سول = اصول = ایسا نکا دیے سول جیسے دھرے ڈھال پھول ۱۹
 رانا = راندہ = منی کرمی اور من کا مانا اسی وقت میں اس کوں رانا ۳۵
 اجگر = اژدر = دشمن اوپر دیسے کھائے ہوئے اژدھا اجگر بھاری ۴۱
 انڈیا = ہندوستان = جا کا منجکوں بد انڈیا اس واسطے کہوں سندیا ۵۰
 انڈیا بانن غنہ بروزن سندیا

خوشحال = خوشحال =

گوشت کھائے جب بھئے خوشحال کرمی دعا غاصی دھال ۱۸

سرمنا - سرمنا - یہ سن بہت سرمائے دوپر پکر کر سیالی لائے ۹۵
 آرمنا - آرمنا - بہت زلیخا نہیں از مایا کسی بھانت وہ ہاتھ نہ آیا ۹۵
 ساما - سامان - جھوٹ سا بچ کا یا ہے ساما یوسف کا تم دیکھو جا ما ۹۶
 (دیگر) لوہی سوں یوں بسر کر جا ما کیا جھوٹ کا سارا ساما ۱۱۶
 بے شرمائی - بے شرمی -

بدی خوار بھونڈی بھبرائی دیکھو اسکی بے شرمائی ۹۵
 (دیگر) دیکھو رانڈ کی بے شرمائی سگے خصم کوں مارن لاگی ۱۶۱
 بیش - بیش قیمت - بڑھیا -

بہت بیش وہاں فرس بھپا کر ترت دھریے تیکے لاکر ۹۹
 (دیگر) یوسف کوں مل نہ لایا بہت بیش جا ما پہنایا ۸۶
 (دیگر) چار پانچ تھیاں بیش کماڑاں اور چار نیزے سو جاڑاں ۲۳۸
 بے شرمائی - بے شرمی -

بے عقلی اور بے شرمائی چوٹی پیچھے جب مُت آئی ۱۰۱
 ارداس - عرضداشت و عرض -

یوں ارداس کروں میں تیری مان لیہ بہہ بنتی میری ۱۰۲
 پیادل - پیدل و پیادہ -

گھوڑے کوں پیادل آگے ساری کھلک تماشے لاگی ۱۰۳
 بندوے - بندی -

وہاں بندوے تھے جو سارے روئے روئے کر بہت پکارے ۱۰۴
 پائیے - پیالہ - وہی پائیے شہ کے آگے سوچر ایک تہیں بھاگے

اب جو پائیے لے کر گئے بھراؤنٹ ناں کا پاوے ۱۱۴

| | | | |
|-----|-------------------------|--------------------------|-----------------|
| ۱۵۰ | اور ہاتھ کا آسا چالو | ادب کر نعلین نکالو | آسا = عصا |
| ۱۵۰ | جس کا دیکھا عجب تماشا | جب موسیٰ نہیں ڈالا آسا | (دیکھ) |
| ۱۶۰ | عرض خدا کن کری شتابی | دیکھ بنی یوں ترتابی | ترتابی = بیتابی |
| ۳۲۲ | ہوئی حلیمہ کوں ترتابی | بالک روتے گئی شتابی | (دیکھ) |
| ۱۶۱ | جس بختیں خدا سدا نارضی | اسپر چد صاف رعون بازی | پازی = پاجی |
| ۱۶۲ | دہنے بانوں گنتی ناہی | تھے چھ لاکھ ہرول سپاہی | ہرول = ہرول |
| ۱۶۳ | مادوان لیساکر دیکھلایا | جبریل گھوڑی چدھ آیا | مادوان = ادیان |
| ۱۶۴ | اس کتے کا کھانا | مادوان پر ہوا دیوانا | (دیکھ) |
| ۱۶۵ | عالم دنیا کون چکاری | جہاں بھید کی مجلس بھاری | چکاری = چکارہ |
| ۲۴۰ | میں غریب وہاں کن چکاری | جب وہ مجھے کئے نداری | (دیکھ) |
| ۶۷ | اور کوئی وہاں کون چکارہ | پیارے سوں تہا وے پیارا | چکارہ = چکارہ |
| ۲۴۱ | جس کا ایتا کرو پارا | مال ہتھار کون چکارا | (دیکھ) |
| ۲۳۵ | پھول ہزارا کون چکارا | جس کا ایسا رنگ سنوارا | (دیکھ) |
| ۲۶۷ | اے میں کون چکارے پازی | دوست کرے سو میں ہوں ناضی | (دیکھ) |

مزدوری = مزدوری

| | | | |
|-----|---------------------------|-----------------------------------|--|
| ۱۷۹ | لئی کیوں نہ ان پاس مزدوری | بھلا کرے تھا اگر ضروری | |
| ۱۸۳ | مٹھور مٹھور تھی چونی جری | داؤن = دھن سے درداون موتن کی لہری | |
| | | ہمانیاں = ہیمانیاں | |

| | | | |
|-----|------------------------------|-----------------------------|--|
| ۱۸۴ | دیوں میں تھکوں اپنے گھر کیاں | دھوسانیاں بھریاں جو زکیاں | |
| | | خوزادی = خوزادی (خاوندزادی) | |
| ۳۲ | دین دنیا کی صمی خوزادی | دمن سو آپ مغنیب خوزادی | |

نابالغ = نابالغہ گلے چڑھانے پہنائے لپکے نابالغ چدھائے ۱۳۷
 فرعون = فرعون فرعون بھی گودی لیستا بہت پیار کر بوسہ دیتا ۱۳۳
 (دیگر) میم محمد کا منصوبا موسیٰ نجف فرعون چوہا ۳۰۹
 نوبات = نبات (مصری) =

میمہ کلیم کیاں باقی باتاں سنہرے اور شکر نوباتاں ۱۹۰
 برغلان کرنا = ورغلانا

جب لعین نہیں اسے اتھایا برغلان کریں بمبرمایا ۱۹۸
 (دیگر) برغلان تینیں کی خواری ابد ابد ہوا دکھ بھاری ۲۰۰
 مہربانگی = مہربانی =

مہربانگی میں توں ریجے پاس بلا کر اسکوں کہہ جے ۱۹۹
 ماضی = غائب و گزشتہ =

آپ لعین کیسنا پازی پڑتا بھاگا ہو کر ماضی ۱۵۲
 (دیگر) وہ زبون ایسا ہوا ماضی جو دیکھے سو ہو ناراضی ۲۰۰
 (دیگر) یہ شیطان کیسنا پازی دور بھاگا گیا ہو کر ماضی ۱۶۷
 پلٹ پلٹے گوہیا کول جب خوب پھرایا اس پلٹ کی طرف چلایا ۲۲۰
 کینخاب = کینخاب = کینخاب زلفت اٹھاے ۲۲۸
 گراں بار = متعل =

برا کہے کوئی تو سہجا گراں بار ہو چپکا رہجا ۲۳۳
 (دیگر) گراں بار ایسا تھا بھاری کیوں نہوے جکوں سرداری ۲۱۵
 پیدائش = مخلوقات =

سب پیدائش کی ہسانی کری سوہم میں چاروں کافی ۲۳۹

(دیگر) ایسی کرسی نہایت زاری روئے تکی پیدائش ساری ۲۶۷
عرس کرس - عرش و کرسی سے

جھلک جوت جھکے نورانی عرس کرس میں چاروں کافی ۲۶۸
(دیگر) جنکوں روئے عالم سارا عرس کرس میں پرا پکارا ۲۶۹
مصلحت - مشورہ سے

جس میں مصلحت کرسی سو پایا بنا مصلحت کام نہ آیا ۲۷۰
قبولنا - قبول کرنا ان باتوں پر حوا جو بھولی جب دشمن کی بات قبولی ۳۸
تائے - طالع - الت گئے جب نذروں والے کہا ہمارے پھوٹے تائے ۲۷۲
خواری - نیکی - توہین سے

پیدا چلوں منجھے ہو خواری منجھے چاہجے اب اسواری ۲۷۱
لذارتی - ہمارے کہے ہل میرا آزاری کیونکر گونہ دھروں میں بھاری ۲۷۲
(دیگر) کہا کریں چنگا آزاری دور ہوئے اسکی بیماری ۲۷۸
(دیگر) وعاکری اور بنتی زاری چنگا ہوئے گیا آزاری ۲۷۹
مانت - منت سے میں جواب یہ منت مانی سو تو یہ لیا کر گذرانی ۲۷۹
وجہ - طور - طریقہ نہیں دیکھ کر ہر خوشیالی خوب وجہ کر اسکوں پالی ۲۷۹
(دیگر) ان کے تئیں سیخ چھاؤ جاؤ اسوجہ اسیں جگاؤ ۲۸۱
خلاصا - کمال - بعید حال - الحاصل کشادہ خوش - تسکین - خالص سے

وہاں بنی کا کٹلا خلاصا وعاکری اک ہوا تاشا ۲۸۵
(دیگر) محروست پرست محکم جب خلاصا ہوا بنی کا خوب خلاصا ۲۸۱
(دیگر) میں خدای کا بند خلاصا میرا اب تم سنہر و خلاصا ۲۸۲
(دیگر) ہے بیت امور جو خلاصا اسکو اس میں رکھو خلاصا ۲۸۲

دو گراں، واہی کسلی پالی آسا ہوا نہ اسکوں جیو خلاصا ۲۶۷
 دو گراں، جھکا ہے ایمان خلاصا اکوں کر تو خوب دلاسا ۲۶۸
 دو گراں، اور رکھو میں انجن خاصا جسکا کہو نہ مان خلاصا ۲۶۹
 دو گراں، وہی منت میرا ہے خلاصا اسکن میرا جیو خلاصا ۲۷۰
 دو گراں، جاڑا ہے پیچیدہ خاصا جسکا ظاہر ہوا خلاصا ۲۷۱
 سجادا و سجادہ نشین سے

ماتا پتا سو داوی دادا چچا ابوطالب سجادا ۲۸۳
 دو گراں، یہی بول کر موا سو دادا رہا ابوطالب سجادا ۲۸۴
 رنجانا رنج دیا ہے کہا بنی کا ایک نننا بھات بھانت اسکوں رنجانا ۲۸۵
 اتباری = اعتبار والا بات مصلحت بوجھ ساری ایسا ہوا بد اتباری ۲۸۶
 خوانے = خواندہ = چھ جوان تھے بزرگ زلے بدے خوانے صاحبزادے ۲۸۷
 بخت = وقت = کون کا ج وہ نیک کمائی برے بخت میں کام نہ آئی ۲۸۸
 مسخری و مسکری = مسخرے

نکر مسخری منجھسوں پیارے خوف خدا کا کیا بھلا رہے ۲۸۹
 دو گراں، سپرین کافروں میں جب بھاگے ہنسی مسکری کرنے لاگے ۲۹۰
 ملادو = ملادہ = تھے غلیل کے بیٹے چار کہتے ہیں علما و بچار ۲۹۱
 دو گراں، یوں علما و بتاویں پدھے ابراہیم ہوئے جب بڑے ۲۹۲
 الہدی = علیحدی سے

ظاہر ہدی باطن ہدی کیونکر ہو یہ بات الہدی ۲۹۳
 کھلک = بھڑک = دوم = خلق سے
 بوند پاک سوں آشی چھلک پیدا ہوئی اسی سوں کھلک ۲۹۴

ستقیم مضبوط وقایم سے

کسی وقت پر ملیں کہیں نا ۲۱

دو گرا اپنے دلیں نجس کیجیو ۱۶۷

دو گرا مستقیم ہو رہے پیارے ۳۱

جلّا - حیلہ سے کہوں زرا کھے دلیں جلّا ہو کمان کا جیسے چلّا ۳۲

تکمت پخت سے آدم کے جب جاگے کھبت ہو اخیلا بیشتا تکمت ۳۶

آرجوئی - آرزو سے جو تو بولے سو ہم کر دیں آرجوئی تیری سب بھر دیں ۴۸

امراؤ - امراء سے سب امرا و امیر بلائے نکل سامنے باہر آئے ۱۲۳

داگ - داغ سے گل لالا کے دل کے داگ نافرمان گئے سب بھاگ ۱۲۳

تشا - پیاس و تشنگی سے

تشنگی نبی کن بھاگے التماس یوں کرنے لاگے ۱۹۵

درباو - دریا سے ہتر موئے اخضر پیارے جب دریاو کے گئے کنائے ۱۶۸

سرآپاؤ - سرآپاؤ سرآپاؤ سے

ایک شخص بیشتا سرآپاؤ سے سرآپاؤ موتی کے دانپے ۳۱۹

گرج - غرض سے راول دیول کہیں نجس دیاں ناکا ہوسوں گرج دھراویں ۷۲۹

ساقی - اس لفظ کا مفہوم صاف نہیں بعض جگہ وہ اپنے شہور معنوں میں آتا ہے - دوسرے

مقامات پر مجازاً اور اور معنی لئے گئے ہیں - مثلاً مراد بر لانے والا - نجات دینے والا -

تقسیم کرنے والا - اور کار ساز سے

کریں تہ ساری نیناں باقی آپ دیکھاویں ہو کر ساقی ۱۶۸

دو گرا بانٹا ایک رہا جو باقی ہوا انوں کا اللہ ساقی ۳۴

دو گرا رہی تیسری روٹی باقی پیٹ بھر گیا اسد ساقی ۴۹

(دیگر) یافت عام سام رہے باقی تین انکی تریا ساقی ۱۵۵
(دیگر) ہوئی خوار زندگی باقی جدا ہو چلا میرا ساقی ۲۰۰
(دیگر) لیکن عمر رہی مٹی باقی کیسا خدا نین مرغا ساقی ۲۶۱
الگزجی و الغرض سے

رانپ کہے میں رہوں نہ برجی ایسی بات کہی الگزجی ۲۶۱
مرغاشی - مرغابی سے

اونٹ گائے بکری مرغاشی سسا اور مرغی بتلائی ۳۳۶
مصنف گہرے دینی خیالات کا انسان ہے۔ اور اپنے معتقدات میں نہایت راسخ
ہے۔ اس کا مذہبی مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ وہ اس تصنیف کو ایک دینی خدمت سمجھتا ہے
جس کو بغیر کسی معاوضہ یا اجر کی امید کے اس نے سرانجام دیا ہے۔ اس کو اپنے مآخذ پر پورا
پورا عبور ہے۔ مضمون کے تعلق میں ہر آئیہ قرآنی اس کے پیش نظر ہے۔ اور بڑی سہولت کے
ساتھ ان کا مضمون اپنے شعروں میں ادا کرتا ہے۔ یا اصل آیات کو سرخیوں میں لکھ دیتا ہے۔
یا تلحج کے طور پر لے آتا ہے۔ اس طرح سینکڑوں آیتیں اس تاہیف میں منقول ہیں۔ یہ
وہی شخص کر سکتا ہے جس کو کلام پاک پر غیر معمولی عبور ہو۔ میں یہاں بعض تلیجی مثالیں
درج کرتا ہوں :-

۱۔ ببول پرور جن میسری میا صحیحی کان امر متقصیا ۲۰
(دیگر) مونہی بولی نہیں چاہوں جیسا ہائے کنت نیا منیا ۲۱
(دیگر) اسے بتاؤے کر کر سینا کلی واشربنی قری مینا ۲۲
(دیگر) دے کتاب موہ کیا بنیا اوصانی مادرت جیسا ۲۳
(دیگر) ہائے حنین بکچہ کمویا یاہتی لا تقصص رؤیا ۲۴

کلام مجید سے علاوہ اس نے اور حوالے جو حدیث تفسیر اخبار و روایت سے

تعلق رکھتے ہیں۔ ذکر کئے ہیں۔ مثلاً تفسیر پیرایہ - تفسیر حسینی - جواہر التفسیر - باب التاویل - ذراہی
مصانج - مہری - واقدی - ثعلبی - احیاء العلوم - تنبیہ الغافلین ابواللیث سمرقندی - درالمجلس
شمس العلوم - برہان العارفین وغیرہ - اور سید محمود گیسو دراز کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ
کیا ہے۔ انہی آخذ میں ایک کتاب حسینی ہے۔ جو امیر حسین کی تالیف بتائی ہے۔

اور حسینی میں یوں لیاویں آپ امیر حسین بتاویں ۲۵
موضوع کتاب کی متانت اور دینی جذبہ کے رجحان نے اس کی شاعری کو اجڑنے کا
بہت کم موقع دیا ہے۔ اور مصراط مستقیم سے بھٹکنے یا غیر ضروری مباحث کو روشناس کرنے سے
اس نے کامل احتراز کیا ہے۔ البتہ بعض حکایات سے نتائج اخذ کرنے اور سبق دینے کے لئے
پند و نصائح کا باب کھولا ہے۔ جو صرف چند شعروں پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی خوش مذاقی کی
دلیل ہے۔ کیونکہ لمبی داستانوں کے بیان کے وقت اگر موقع بوقعہ ایسا مختصر وقفہ مل جائے۔
تو طبیعت پر اس کا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ
سے بیان کیا۔ جو ان کی بھانجوں تک بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنے غاوندوں یعنی
برادران یوسف سے کیا۔ بلکہ ان کو سکھایا پڑھایا۔ اس موقع پر مصنف ایک نیا عنوان "حال
بیبیان آخر زمانہ" لایا ہے جس کے نیچے آیات آتے ہیں :-

۵ بیبیوں کی کیا کردار بدائی لائی سکھائی بانٹے آئی
دل میں ان کے بات ناوے بن سکھائے ناج نہ بھاوے
مل کر بیٹھیں کہیں ضروری باتوں کو ٹی نہ اتری پوری
آپ آپ میں ساراں دلیں بجائے بجائے کے قصے کولیں
سب مکرئی کے چھپرے بھانٹے کہیں آپ میں آنتے بانٹے
کئی آپ میں پرنے لاگیں منع کرو تو اٹھ کر بھاگیں
جو نابو لے سو ہے گنودپی چپکی کیونکر رہے گنودپی

گلا گزاری ان کی خاصی پنکڑی نکلے بلغ تماشے
گیت گائے سب بات پکاریں تو اسے مہیاں کدی نہ ہاریں
بول چال سیکو دھمکاوے واہی بی بی بدی کہاوے
اسے کھوتے پہرے کیاں مہیاں کوشی بچاریاں نیک غریباں
بنا کام نا باہر آویں بات بولتیاں بھی شرماویں
دیکھی سب اپر دیکھی کریں مہیاں نیک خدا سولہ پریں
بہشتیاں رہیں کپڑے خاموشی کریں ہمیشہ پردا پوشی
چاہیں سب کا بھلا ہمیشہ پردہ بھین کریں اندیشا
سب کوں اشد نیکی دیکھو خیر عاقبت انکی کیجیو
مٹو پری بولی گھر میں پائے بی بی وہی بہشت میں جاوے
لاج شرم ہو جس میں بجاری سو حضرت بی بی کی پیاری ۱۲۴

کتاب نہایت سادہ طرز میں ہے گنتی کے موقعے ایسے ہوں گے۔ جہاں مصنف
نے تکلف سے کام لیا ہے۔ مثلاً حضرت یوسف کے جلوس کے موقع پر اس نے گھوڑوں
اور ماتحتیوں کا بیان دیا ہے۔ اس میں ہندی کی ایک صنعت سے جس میں الفاظ کے شروع
یا آخر میں وہی حرف بار بار آتا ہے۔ کام لیا گیا ہے۔ مثلاً

۵ آب تاب سنجاب و کیاویں برن برن بادرجیوں آویں
چہر چہل خمپل بہتیرے کیا طاقت وہاں طہریں تہیرے
سب پر جرت جراؤ زین جنسوں دے زمان زمین ۱۲۵
دو گرا جہاں جہنک جہاں جبارے کھلک ملک سبھی تھر تھرے ۱۲۶

ہندی دوسرے اور سورتے جو داستانوں کے اختتام پر آئے ہیں۔ اکثر اس کے قلم
کے معلوم ہوتے ہیں بعض وقت دوسرے شعراء کے بھی لے آیا ہے جہاں کوئی حوالہ نہیں دیا مثلاً

دوہرہ
جاکوں راکے سائیاں اُرنے نکلے کوئے بال نہ بانگا کر سکے بے جگہ میری ہو ۳۳

نیز دوہرہ
لگے کہن پاچھے گئے کیا نہ ہر سوں میت اب بچتا ہے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں جگ نکلت
یہ دوہرے اس قدر معروف ہیں کہ مصنف کہہ نہیں مانے جاسکتے۔ ایک جگہ کہیں کی ایک
ساکھی دی جس کا بدین الفاظ سُرخ میں حوالہ دیا ہے۔ "ساکھی فرمود آن کال روشن ضمیر ہم با سنی کبیر۔
گپت ہیں اور ہر کوسلوں جگ میں کریں مہوری کچھ باتیں کچھ کچھ مین ایں جگت نہاں دپوری

۲۵۹

بعض دوہرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

- (۱) ابوبکر صدیق ہیں اور عمر عثمان
- (۲) اکتھ کتھا ہے ہم کی انہد اپرم پار
- (۳) منی کے سو جن کرومن مانے سوبات
- (۴) آیا حکم حضور کا آدم چلے سنگ
- (۵) چارنی ہیں جیونے کہیں لوگ یوں غلص
- (۶) پیم گلی ات سانکری جہاں ناوے بال
- (۷) آن پری بچرن گھر نی حری ہی سبات
- (۸) نامانیں سومر گئے سیس دھر گئے پاپ
- (۹) بے پرواہ بد امی بے نیاز بہہ رنگ
- (۱۰) جو سجاو جا کو بھیو دا کوں وہی سو بھائے
- (۱۱) مال کال پیچھے پرہو آج کال توہ کھائے
- (۱۲) نرادھار کو دھیر دی زرد من کوں مال
- چوتھے یار علی ولی ملی شاہ مردان ۲
- کتھنے میں دھوندت پھر میں بھولیو سنسار ۱۳
- دینی کہے سو کیجیے سکھی رہو دن رات ۱۴
- سکوں یا ہی بات ہے کہار او کہارنگ ۱۵
- عیسیٰ اور ادریس ہے اور خضر ایاس ۱۶
- لوکوں لاوے لاکری کون گا نو کی چال ۱۷
- ہاتھ جھارکیں اٹھ چلے نبی مبارک ذات ۱۸
- مومن اپنہ پڑیں گھر گئے درن دیکھا دھاپ لڑ ۱۹
- کام کاج ایسے کرے نبی ولی سب رنگ ۲۰
- کھت چرنی کسل ہے ہنور کیتی جاتے ۲۱
- بوری پانو کچال لے ندی بہتی جاتے ۲۲
- ہونگ نہ چاکر و ایسے دین دیال ۲۳

(۱۳) جو چاہے سو ہی کرے داسماں کو وناغھہ راٹھی سول پر بت کرے پر بت راٹھی ناغھہ ۲۳۱
 (۱۴) گیہوں جو اور باجر امونٹھ مونگ پھل پھول کھیت کات ایسا لوڑے جیسا باہامول ۲۵۹
 ذیل میں کتاب سے بعض نمونے دیے جاتے ہیں :-

۱۷ مصر کی عورتوں میں زلیخا کافی بدنام ہو چکی ہے۔ وہ طرح طرح سے اس کو مذمت کرتی ہیں۔ مصنف نے اس موقع پر کئی عنوان قائم کئے ہیں۔ ایک ہندوستانی زبان میں۔ دوسرا دکھنی میں۔ تیسرا عربی میں۔ گویا مختلف قومیتوں کی عورتوں میں اس کی بدنامی سلم ہے چنانچہ

طعنہ زبان ہندوستان

| | |
|-----------------------------|---------------------------|
| اور جو بی بیاں ہندوستانی | طعنہ انکی سپرو زبانی |
| آپس میں وے کریں جو باتاں | بیٹھ بیٹھ کر ہاتھ باتیاں |
| اے سپنہ اتم نہیں وہ پھر کی | ہوئی اسے تاثیر کدھر کی |
| بدی خوار ہونڈی بجر اگی | دیکھو اسکی بے شرماگی |
| بدی بے حیا خوار لگاٹی | ارمی اسے کچھ لاج نہ آئی |
| ساکھ باپ دادا کی کھوٹی | اگلی پھلی بات ڈبوئی |
| ہنچوں میں کیا مونہ لے بیٹھے | کوڑ جو اسکے گھر میں پیٹھے |
| کہو لے جو بازری بھر چہرے | ناک ڈبو مر اس میں اپنچے |
| آپ غلام جو گھر میں پالا | اسکے اوپر ہنستا ڈالا |
| اے بدی کچھ پھر گئی ہے | نیا و کووی جھڑ گئی ہے |
| جاہ ری راند خد کی ماری | ہنچو کی ڈالی پھٹکاری |
| ایسی راند نہ پیدا ہوتی | اورونکی جیوں ساکھ نکھوتی |
| نوج جنہری جاؤ وہ بیٹی | جو ہو ایسی بدی لپیٹی |
| اے بہنہ انکوں سول ڈبے | نہیں خبر اب کیا کیا کرے |

تین گور میں بھی دن بھاری کسے کیا خیر کیا ہو کماری ۱۷۹
 طعن برزنجیا بزبان دکھنی

| | |
|----------------------------|------------------------------|
| دکھن میں جو گلا گزاری | کون بھانت کہیں نار بچاری |
| دکھنی زبان جو ماریں طعنا | اسکے کھول کہیں یوں معنا |
| کے غول تیں سنہری ہیں باتاں | کیا ان کرسی سو کمر اں گھاتاں |
| بی بیاں ہو چھے اسکوں کرنا | اتما بھلا ہے اسکوں مرنا |
| تہینچہ ویکو ان کیا کرسی | اپنی عقل پئے پتھری دھری |
| ماٹی ملی موٹی کی بھر کی | بدے گھرا کی پنڈری پر کی |
| نانو بدیا نکا اے بھاری | ا پیچہ اپنی کر لی خواری |
| کتے غلام انکے مھاتیا | بھتا کرسی سو جاما بھاتیا |
| اونچ گئی جب خاوند ملیا | مارنچہ کی خاطر چلیا |
| اکے اماں کچھ کرسی بھانا | کیا کی کرسی مگر طوفاناں |
| یوسف پر بہتان اٹھایا | اپے کرسی سو اسے لگایا |
| خدا ناکرے بی بی ایسی | کوئی اچھنگی باندی دوسی |
| متیں نکو اسکوں بتلاؤ | اسکے کدن نکو کوئی جاؤ ۱۸۰ |

طعن برزنجیا بزبان عربی

| | |
|------------------------------------|-----------------------------------|
| عرب پریاں جو اہل کہایاں | شہر مصر میں یوں بتلایاں |
| کھلے زنجیا پر جو طعنے | انکی سنہر و عبارت لینے |
| ہَلْ نَحْتِ مَا فَعَلْتَ حُرَّةً | خَبَلْنَا الشَّيْطَانَ وَ صَرَّةً |
| قَدْ أَقْتَتْ جَلْبَابُ النِّمَاءِ | سَدَّ عَلَيْهَا بَابُ النِّمَاءِ |
| لَا صَلَاحَ فِيهَا فَدَنَلْتُ | أَقْتَتْ مَا فِيهَا وَ تَنَلْتُ |

صَارَتْ أَمَةٌ مِنَ الْأَمَاءِ عَارَتْ مِنْ إِسْمِ الْأَبَاءِ
لَا تَقْلُنْ بِي حُرَّةً مَالَتْ لِلْمَلُوكِ فَتَتْ عَنِ الطَّرِيقِ خَزْبَتٌ عَنِ التُّلُوكِ
كَيْفَ تَرَاوَدُ وَضَلْ فِتَابَا شَفَّ الْقَلْبُ بِحُبِّ خَطَا
عَنْ زَاہَا كَفَى ضَلَال وَزَنَ ذِكْرَهَا تَمَّ الْقَتَال

(۲) یہ اقتباس حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سے ہے۔ ایک شخص اگر ان سے حیوانات کی زبان سیکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اُس سے یہ وعدہ لے کر کہ کسی کو نہیں بتائے گا سکھا دیتے ہیں۔ اور صاف سنا دیتے ہیں کہ اگر کسی کو بتائے گا تو ہلاک ہو جائیگا۔

”قصۃ ان شخص کہ نزد سلیمان علیہ السلام آمدہ زبان حیوانات آموختہ

ایک روز ایک بند آیا
جانوروں کی زبان سکھاؤ
کہا سیکھ کر اگر بتاؤ
کہا کہوں نا کیسے آگے
کہا الت گھر جا تو بھائی
آیا گھر کوں چل کر وہی
گدھا بیل تھے اسکے گھر میں
جب وہ انہیں گھر میں آیا
بداسخت ہے خاوند میرا
سداناج کی گوزیں پا لے
اگر بیل تو ہے کچھ سیانا
آج گھاس دے منجھے ادھارا
صبح گھاس الٹا میں دیونگا

التماں کریوں بتلایا
جو میں کہوں سو خاطر لیاؤ
اسی وقت پر تو مر جاؤ
سلیمان جب کہنے لاگے
ہم نہیں تجھے زبان سکھائی
اور سنپو اسرار الہی
ایسا دینچتا ناں مگر میں
گدھا بیل سوں یوں بتلایا
ہم پر ظلم کرے بہتیرا
ایک روز بھی کدی نہ تائے
میں بولوں سو پکیر بہانا
اگر گئے جی تجھوں پیارا
تنکا تنکا ادا کرونگا

جو تو آج نہ گھاس چریگا
 کہے بیل میرا آزاری
 اسی بہانت ہوگی آسانی
 پیچھے میں آزاری ہونگا
 اتنی سنہر کر بیل بچارا
 خاوند ہنسا یو سنہر کرساری
 کون کاج تو ہنسا بتا دے
 کہا بیٹھ ہمیں کیا لگی
 فجر ہوئی جب ڈالا چارا
 میرا گھاس منجھے دے بھائی
 گدھا کہے نہیں سنہری کہانی
 کہا بیل میرا آزاری
 اگر مول شتابی لیجا
 اب سے ہے وہ تازہ مٹھا
 آج اگر تو گھاس چریگا
 لیجا تنکوں آج کسائی
 منجھے آج ہی دتو چارا
 دلا دیکھ کسائی بھاگے
 اتنی سنہر پھر بیل بچارا
 پھیر ہنسا وہ بیلوں والا
 پھیر خضم ہوں یونکر بوجھا
 فجر نہ تجھ پر گونہ دھریگا
 کیونکر گونہ دھروں میں بھاری
 دور ہوے سب سرگردانی
 لینے یہی بہانہ لیونگا
 کھرا ہو رہا چھوڑا چارا
 جب وہ گھر کی رانڈ پکاری
 منجھے کھول وہ بات سنوے
 یوں ہی اپنا زبان کرتگی
 بول اٹھا وہ بیل بچارا
 رات بھوکھ سوں نیند نہ آئی
 خاوند گیا کسایوں کافی
 رہا رات کوں بھوکھ ساری
 تیرا من مانے سو دیجا
 لیجا تنکوں ہوے نہ ٹوٹا
 پازیں پی کر تار کریگا
 ذبح کریگا بیشک بھائی
 باگھ مار جا ہوے دکھیا
 تجھے لین کوں جو نہ لاگے
 کھرا ہو رہا چھوڑا چارا
 عورت میتھی کھائے نوالا
 تو کیوں ہنسا تجھے کیا سوچا

کہا بیٹھ تو چکی گھر میں
 کہا اگر تو نہیں بتاؤے
 دے طلاق جیل باہر جاؤں
 کہا اگر میں تجھے کہوں گا
 کہا موت آئی تو مر جا
 دیکھ رانپ کی بے شرمائی
 میا جال لوہی رک بتا
 کوئی کہیں کے لوگ لگاؤ
 سکھی ہوئے تو لاگے پیارا
 پت بھرتا جو ہیں سو چاہیں
 سکھی رکھو یا ہو دکھ دیوا
 سنہرو پھیر باقی کا قصا
 روٹی کھائے ختم کوں بوجی
 بول اٹھا پھر وہی بچارا
 منجھے مار کر کہہ کیا لگی
 رانپ کہے میں رہوں نہ بری
 ہار مان جب گھر میں بیٹھا
 لکھی نصیحت ایسے کیجیو
 بیوی نہیں جب ایک نوالا
 دوپرا مرنا لیا شتابانی
 ظلم کیا تیں مرغے بھاشی
 نہیں نفع کچھ ایسے ذکر میں
 منجھوں پیر نہ گھر میں پاؤے
 کے میں خبر منسی کی پاؤں
 یہی جائز تحقیق مرونگا
 خبر منسی کی جھکوں کر جا
 گئے ختم کوں مارن لاگی
 ایک نہیں یو لاگے سستا
 لوگوں نے مل کر ی سگائی
 ناہیں مرو خدا کا مارا
 ہمت یوا کی اور نباہیں
 نت اٹھ کریں پایا کی سیوا
 بیچہ پرا پہرے کا حصا
 تو کیوں بنے منجھے کیا سوچی
 اری منجھے تو چاہے مارا
 اب تو چکی ہو رہ لگی
 ایسی بات کہی الگرجی
 قلمدان کاغذ لے بیٹھا
 دان دین یوں لیجیو دھیو
 ٹکڑا تو پر کتے کوں ڈالا
 کہا کتے نہیں ہائے خرابی
 ارہیہ موت دھنیر کی آئی

جب یوں بول افتادہ مرغا خاوند کو سمجھا کر چرغا
 ہوا رانپ کے جو کوئی سارے سو تو رنپدا موا بھلارے
 مان پان کر کھان کھلا ہے آچھانیکا لیاے پنہا ہے
 ایسا کدی نہ ہو جے سارے جیسا میرا میاں ہوارے
 ایسا اسکا حکم بجاوے اپراں پیارا جیو گنواوے
 میری جو نورغیاں سو جھیں کیا جال میرے سوں بوجھیں
 اسکی مقور اگر میں ہوتا مار رانپ کی سدھ بدھ کھوتا
 کے یہہ رانپ انی مرقی کے جھک مار سو توبا کرتی
 سپر خاوند کے ہوا اجالا لیا گھینلا کاغذ ڈالا
 مرد ہو یکہ ایسی ماری توبا توبا رانپ پکاری
 کدی نہ بوجھنگی پھر باتاں ایساں منجھے نارو لاتاں
 بھلا کیا یوں بنا نہتی پھیر لاڈ کیاں باتاں کہتی
 جو وہ مرغا اگر نہوتا خاوند جیو بچارا کھوتا
 لیکن عمر رہی مٹی باقی کیا خدا نین مرغا ساتی ۲۵۹ و ۲۶۰

(۳) یہ ایک لکڑہارے کا قصہ ہے۔ جس کو حضرت سلیمان تین مرتبہ نعل عطا کرتے ہیں۔ او
 وہ ہر بار کھو دیتا ہے :-

دُرّ مجالس والا لیاوے قصہ یوں کر کھول بتاوے
 ایک روز وہ بنی پیارا کسی گانہ کے پاس سدھارا
 ویرانے میں جا کر ڈیرا کیا ٹٹاٹھ سارا بہتیرا
 اسی مقور دیکھا ایک بندا کرے پیٹ کی خاطر دھندا
 ہاتھ لکڑیا کمر کھاری سیس بھرتا لکڑی بھاری

چلانگ بنریں سول آئے
 پانوات تین سیس جوئی
 پروانہ تین میں پانی
 نظر بنی کی جب وہ آیا
 بدے میاں تک آگے آؤ
 دیکھ بنی کا نور اُجالا
 سلیمان ہے نانو جو میرا
 روز اٹھوں میں بن میں جاؤں
 بچوں محنت کروں مزدوری
 لیجا بال بچوں کوں پالوں
 جب پیغمبر نہیں لیا یا
 سلیمان ہے نانو جو میرا
 سب دنیا فرماں برداری
 سلیمان ایک یہی گتیارا
 گرتا پرتا گھر کوں آوے
 یہی بول سرتاج اتارا
 اس بوڑھے کوں دیا بلا کر
 اسے بیچ گھر بیٹھے کھاؤ
 ایسی اسکی قیمت بھاری
 دال دیا بوڑھے نہیں بھارا
 بار بار میں موتی کھوئے
 ہولے ہوئے قدم اٹھاوے
 دیہہ ڈمگے ایسے چلے
 کیس میں بدے سب بانی
 رحم کیا اسکوں بتلایا
 کہو نانو کیا ہے بتلاؤ
 بول اٹھا وہ لکپڑیوں والا
 کہو کام کیا منجھسوں تیرا
 لکپڑیاں لیکر گھر کوں آؤں
 کھاؤں قوت حلال ضروری
 میں ہی اپنے مک میں ڈالوں
 پاکی تجھے کریم خدایا
 مال ملک جکوں بہتیرا
 کرے سو میری خدمتگاری
 سر پر لکپڑیاں کمر کھارا
 اسے بیچ کر کام چلاوے
 کیا لال ایک اس میں نیارا
 یہی بات بولے سمجھا کر
 پھر نہ لکپڑیاں لینے آؤ
 کدی نہو تجکوں ناداری
 لیا لال اب چلا بچارا
 دیکھ دیکھ اسکوں یوں بولے

اے کریم تو خالق باری
 ویکھ چل نیں اسکوں آئی
 جھپت مار کر لال اٹھایا
 کہا گھروں کیا لیکر جاؤں
 بالک بھوکھے مڑیں بجائے
 جاکر واہی لیاؤں بھارا
 بہت گھبرا بن میں آیا
 کہا گھروں کیا لیکر جاؤں
 یہی سمجھ کر بن میں سویا
 بالک میرے دکھی بچارے
 فخر ہوئی جب اٹھا بچارا
 اسی عقور پر چل کر آیا
 دیکھ بنی کے منہں آئی
 لال مال ہے ایسا بھاری
 ایتا ہو کر لکڑیاں لیاوے
 یہی بول اسکوں بتلایا
 کہا لال میں لیکر بھاگا
 پری توت کر چل شتانی
 خالی گھر جاتا سرمایا
 پھیر بنی نیں تاج اتارا
 بوڑھے کوں پھر پاس بلاکر
 پتھرے پر کیا جوت اتاری
 کہا گوشت کی بوٹی پائی
 روے روے بوڑھا پچھتایا
 بھلا جو دیہی لکڑیاں لیاؤں
 میری آس کریں وے سارے
 بوڑھا الٹ پھرا بچارا
 دھوندا کہاں نہ بھارا پایا
 بال بچے کینوکر سمجھاؤں
 جاگ جاگ پچھتا کر رویا
 بھوکھے مڑیں لکڑیاں سارے
 سیس دھرا لکڑی لکا بھارا
 جہاں بنی نیں تخت بچھایا
 اسکوں اتی حرص لگائی
 اسکی نسل سکمی ہو ساری
 ہاے حرص اے کام کراوے
 کہہ لکڑیوں کو پھر کیوں آیا
 موتی کھول سو دیکھیں لاگا
 تر ت لیگئی ہوئی خرابی
 الٹ پھیر لکڑیوں کو آیا
 کیا لال ایک اس تیں نیارا
 دیا بہت چوکس سمجھا کر

کہا پھر مت کھول دیکھ لے خبردار ہو کر لیجا ہے
 لیا لال محکم کر پیارا موتی مونسے چلا بچارا
 اسی راہ میں نالہ آیا پانو چل گیا غوطہ کھایا
 ہوا گھبرا دوہن لاگا ہاتھ کھل گیا اشک بھاگا
 ہوا بے خبر لال گنویا دھونڈھا تو پھر کہیں نپایا
 اشارت نصیحت پتا ونی

بے خبری جا کے گمت آئے واہی اپراں لال گنواوے
 دنیا بھی جو بہتی نالا جس میں پانو آہیں دالا
 اس میں رپٹ پرا سو دوبا بھول گیا آچھا منسوب
 غافل ہو کر لال گنویا آواز پاپے پکھتایا
 لال عمر یہ خاصی تیری جسکی قیمت ہے بہتری
 بار بار پھر ملے نہ یاہی کرے اس میں یاد الہی
 خوب بندگی توبہ کرے کما کجا کرتل بھرے
 دنیا اگر یو مل کر ساری کریں تجھے فرماں برداری
 مال ملک مل کر سارا ہوئے ملک تیری یکٹھارا
 مرتے جو ایمان نہاوے کہ وہ کام تجھے کیا آوے
 بے ایمان ہوا نستارا پڑو کوے میں اور پسارا
 لال ہوا تو سب کچھ پایا خوار ہوا جن لال گنویا
 سپرد لال کیاں پھر کر باتاں بیچے کھگئے چار نکاتاں
 بوڑھے میں جب لال گنویا پھیر سچارا بن میں آیا
 لکھیاں باندھ بھڑتا بھاری گھر کوں چلا سو کرتا زاری

ہاے ہمارے بالک سارے روتے ہو گئے سبھی بچارے
 پھیر مل گیا نبی پیارا بوڑھے کوں پھر یہی پکارا
 لکڑیوں کوں تو پھر کیوں آیا کہا نبی میں لال گنوا یا
 پھیر نبی میں تاج امارا کیا لال ایک اس میں نیارا
 بوڑھے کوں جب دیشتابی کہا نکچے پھر خرابی
 باندھ لال گریمیں چلتا نگہبان رکھوالا اللہ
 ایک سوارا چانک آیا لال کھوس گھوڑا دوپرایا
 ہو زاس جب بوڑھا بھاگا آئے نبی سوں کہنے لاگا
 منجھے مل گیا وہاں بٹ پارا اس میں لیا سویرا جاپارا
 وہی لال لیکیا سویرا میں میں کیسا شور بہتہیرا
 ہرگز اسکوں جسم نہ آیا ایسی بھانت گھوڑا دوپرایا
 کہا نبی میں سپرے بھانی میں تو بہت بہت چلائی
 خدا سچا ہے میں جو چاہوں کون بھانت یہہ اور بناہوں
 کہا نبی تم میں بہت سیری کری دستگیری سب میری
 جیوں نصیب میرے ہیں ابھی راکھے محکوں آپ الہی
 یہی بول کر بن میں آیا لکڑیاں لیا کر کام چلایا ۲۵۵ و ۲۵۶

باز آمدن بسوی قصہ آن سپر سیر کم کش

اسی وقت پر تخت اٹھایا اسی گانوں جا پہنچایا
 جہاں بے قنادر گشتیار وہاں جاے کر تخت امارا
 بمیہ آدمی اسے بلایا اس میں یوں پیغام کہلایا
 پیادہ اچلوں منجھے ہونواری منجھے چاہے اب اسواری

کہا بنی نہیں دولت آئی
 گھوڑا بھیجا اسے بلایا
 کہا بنی نہیں کہہ رہے بھائی
 کہا بنی میں وہی گتھیا را
 جب تم گئے کوی میں زاری
 کرسی بنی نہیں منجھ دلاسا
 لیکن وہ سب تجھے نہ بھائے
 اب میں تیری کروں جو آسا
 اتنا بول بنی میں آسا
 چیل گھونسلے میں تھیاں لکپیاں
 تیسوں لال سی میں پائے
 سدا کروں حق کا شکر انا
 ہے خدای سب باتوں جوگا
 جب اس نہیں یوں بات چلائی
 جب وہ گھوڑے چدھ کر آیا
 کون بھانت بہہ دولت آئی
 بن سوں لکپیاں لیا دن ہارا
 اے کریم تو خالق باری
 تین لال بجھے تھے خاصا
 تینیں تینوں لال گنوائے
 تو کر میری خوب دلاسا
 ایک بھاڑ پر نظر چلایا
 میں نہیں دیہی جا کر پکپیاں
 جب میں نہیں اے تھا تھ بنائے
 پدپھوں ساراں اور دوگانا
 ایسا کوئی ہوا نہ ہوگا

۲۵۷ و ۲۵۸

حافظ محمد محمود شیرانی

بابا فرید شکر گنج شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی یگزین بابت ملہ فرستائے)

راگ آسا - شیخ فرید جیو کی بانزیں

(اصل اشعار میٹھی سلسلہ کے رسالہ میں صفحہ ۳۱-۳۲ پر درج ہیں)

۱۔ جن کو اُس (خدا) سے دلی محبت ہے۔ وہی سچے (راست باز اور راست کار) ہیں

جن کے دل میں کچھ اچھوٹے اور زبان پر کچھ اور وہ خام (کار) (درگاہ سے) روکے جاتے ہیں

۲۔ (مبارک ہیں) وہ لوگ جو خدا کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور جو رنگ دیدار

میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو خدا کے نام کو دل سے بھلا چکے ہیں وہ اُس میں

کے لئے (نافی قابلِ برداشت) بوجھ ہیں +

۳۔ اس کے در کے درویش وہی بن سکتے ہیں جن کو وہ خود اپنے دامن سے وابستہ کرنا

چاہتا ہے۔ مبارک ہے وہ ماں جس کے بطن سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کا اس

دنیا میں آنا بار آور ہے +

۴۔ اے پروردگار تو عدد و دے بیرون ہے۔ وہم و قیاس کی تجھ تک پہنچ نہیں۔ تو

بے کراں ہے۔ جن لوگوں نے (تجھ) حق کو پہچانا۔ میں ان کے پاؤں چومنا چاہتا ہوں

۵۔ اے خداوند میں تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ کہ تو بخش دینے والا ہے۔ شیخ فرید

تجھ سے تیری عبادت اور متابعت کی خیرات مانگئے آیا ہے +

۱۔ شیخ فرید کہتا ہے۔ جو (اس کے) پیارے ہیں یا (وہی اس کے) پیارے ہیں

جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں (یا جنہوں نے اس سے رجوع کی) (اُس سے

رجوع کر لینا ہی زندگی سے اپنا بہترین بھلا ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ، یہ تنہا
ایک دن بیچاری گور کے گھر میں جا کر خاک ہو جائے گا۔

۲۔ شیخ فرید کہتا ہے۔ کہ آج ہی وصال (خداوند سے) میسر آسکتا ہے اگر میں اپنے

دل کی خواہشات کو جو کونجوں کی طرح رو بہ پرواز رہتی ہیں روک لوں۔

۳۔ اگر سچ مچ ہمارے دل میں یہ یقین ہو۔ کہ موت کے بعد قصہ ختم ہے اور دوبارہ

حیات نصیب نہ ہوگی۔ تو ہم اس بھوٹی دنیا سے محبت کر کے اپنے آپ کو برباد

نہ کر لیں۔

۴۔ حق اور مذہب کے مطابق بات کہنی چاہیے۔ جھوٹ نہ بولنا چاہیے۔ جس راہ پر

چلنے کی مرشد ہدایت کرے اس پر کمال مریدی سے کامزن رہنا چاہیے۔

۵۔ جواں مردوں (مردان حق) کو دریا (سے ہستی) سے پار جاتے دیکھ کر بندی کو بھیست

بندھی (کہ ہاں سالک کے لئے کامیابی مشکل نہیں) اور مجھ پر یہ بھی عیاں ہو گیا۔ کہ

جو لوگ دنیا کے زرو مال سے رجوع کرتے ہیں وہ (عاقبت میں) آرزو سے چیرے

جاتے ہیں۔

۶۔ اے شیخ تیری عمر عمر رواں ہے۔ کسی کے جسم کو بقا نہیں۔ جس اسن پر ہم بیٹھے

ہیں۔ ہم سے پہلے بہت بیٹھے چکے ہیں۔

۷۔ جیسے لاکھ کے مہینے میں گونجیں سہاتی ہیں۔ چیت میں رنجل کی (اگ اور راو)

میں بھلیاں۔ ایسے ہی سرا میں محبوب کے گلے میں بائیں زیب دیتی ہیں۔

۸۔ فانی کو فنا لادبی ہے۔ دل میں ذرا سوچو تو کہ رستی سے رستہ جوڑنے میں توچھ

ماہ لگتے ہیں۔ مگر ٹوٹنے میں ایک چمن۔

۹۔ اے فرید زمین آسمان سے (عبث) پوچھتی ہے۔ کہ وہ عظام کہاں گئے؟ جسم قبروں

میں پڑے مڑتے ہیں اور رومیں اتہامات بدی بھگت کر رہی ہیں۔

راگ سُوی بانیں شیخ (سکیم) فریدی کی۔

۱۔ تب (فراق) کہیں مبتلا ہوں۔ (خمر غم کے ہاتھوں بگر) پاش پاش ہو رہا ہے۔ ہاتھ مروڑتی ہوں۔ بانلی ہو کر اس محبوب کی تلاش میں پھرتی ہوں +

۲۔ اے خاوندِ حقیقی مجھ سے خفا نہ ہو۔ میں تو سرسبز گنہگار ہوں۔ اور تو ہر قسم کی لوث سے بری +

۳۔ مجھ بد بخت پر تیری ذات کی حقیقت نہ کھل سکی جوانی کھو چکی ہوں۔ اور اب پہنچاتی ہوں +

۴۔ اے کالی کوئل۔ تو کس وجہ سے کالی ہے؟ اس لئے کہ اپنے پر تیم کے فراق کی آگ نے مجھ کو جلا دیا ہے۔ محبوب کے بغیر سکھ چین کہاں؟ جب وہ مالک مہربان ہوتا ہے۔ تب نعمتِ وصال سے سرفراز کرتا ہے +

۵۔ (دنیا کو دکھا کر) ایک اندھیرا کنواں ہے جس میں بے ہوش تن تنہا پڑی ہوں۔ نہ کوئی ساتھی ہے۔ نہ بلی۔ مگر آبا۔ مالک مہربان ہوا اور مجھے صحبتِ صالح عطا ہوئی۔ اب جو میں کہتی ہوں تو میرا دُکار دیا اور اللہ رحیم ہے +

۶۔ سفرِ آخرت بہت مشکل ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور نہایت تنگ۔ اُس راہ سے مجھ کو گزرنا ہے +

۷۔ اے شیخ فرید اس سفر کی تیاری میں جلد سے جلد مصروف ہو +
سُوی للت۔

۱۔ جب بیڑا پار کرنے کا وقت تھا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ اب جب بھر موج لہریں لے گا۔ تب تیرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس (رنگِ عارضی) پر نہ جا۔ اے دوست تیرا ہاتھ مل جائے گا +

۲۔ مبارک ہیں وہ جنہوں نے اپنی آبرور کھ لی۔ اور محبوب کے احکام کی پیروی کر لی۔

ظاہر ہے کہ دودھ تن سے نکل کر پھر تن میں نہیں بھر سکتا۔ حیاتِ انسانی دوبارہ نصیب نہیں ہوتی ۛ

۳۔ فرید کہتا ہے۔ اے سیلیو۔ محبوب ہم سب کو جلد بوا بھیجے گا۔ رو میں خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر چل دیں گی اور اجسام ہمیں ڈھیر ہو جائیں گے ۛ

ملوک شیخ فرید کے

۱۔ جس دن عورت کی نسبت ہوئی (بیاہ کے) اوقات لکھو (معین کروا) لئے گئے۔ ملک (الموت) جسکے متعلق سنتے سنتے ہیں وہ (وقت مقررہ پر) آمنہ دکھائے گا۔ بیچاری زندگی کو ہڈیاں ٹوڑ توڑ کر نکالے گا۔ مقررہ اوقات (نس) میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اے انسان تو اے اچھی طرح سمجھ لے۔ موت خاوند ہے اور زندگی اس کی منسوب عورت۔ وہ ضرور اے بیاہ کرے جائے گا۔ جب وہ اے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگے گا۔ تو یہ (بھاگ کر) کس کے گھسے چپے گی۔ اے لوگو تم نے بال سے باریک پلصراط کے متعلق کچھ نہیں سنا ۛ اے فرید ادھر سے آوازیں آرہی ہیں۔ تم یہاں قیام کے خیال میں ہست اپنے آپ کو مروانہ لینا ۛ

۲۔ اے فرید خدا کے دروازے کا درویش ہونا بہت مشکل کام ہے۔ میں تو دنیا ہی کی طرح چل رہا ہوں۔ (اس طرح سے) میں نے (گناہوں کی) ایک پوٹی اٹھالی ہے۔ بتاؤ۔ اس بوجھ کو کیسے سر سے اتاروں ۛ

۳۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا ایک آتش زار پہنائی ہے۔ میرے مولانے بخشش فرمائی ورنہ میں بھی جل جاتی ۛ

۴۔ اے فرید اگر میں سمجھتی ہوں۔ کہ تم عورتوں سے ہیں تو مجھے سمجھل کر مٹھی میں پکڑنے چاہیں اگر میں جانتی ہوں۔ کہ میر (خاوند ابھی طفل ہے) جو ان نہیں) تو مجھے عورتوں سے

کرنا چاہیے ؟

۵۔ اگر میں سمجھتی ہوں کہ میرا دامن پھٹ جائیگا۔ تو مجھے گرہ مضبوط دینی چاہیے۔

تجربہ سا عظیم الشان دنیا میں اور کوئی نہیں۔ میں نے اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے۔

۶۔ اے فرید اگر تو عقل لطیف کا مالک ہے۔ تو سیاہ کار نہ بن۔ سر نہ پا کر کے اپنے

گریبان میں دیکھ ؟

۷۔ اے فرید جو لوگ تجھے مکے مارتے ہیں۔ تُو بدلہ میں ان کو نہ پیٹ۔ اُن کے

پاؤں چوم اور اپنے گھر لوٹ ؟

۸۔ اے فرید جب سچی کمائی کا موقعہ تھا۔ تب تو دنیا داری میں مصروف رہا۔ موت کی

بنا پختہ ہوتی جاتی ہے۔ جونہی بیڑی بھر گئی۔ چل دینا ہوگا ؟

۹۔ اے فرید دیکھ کہ کیا حال ہو گیا۔ ڈارمی بھوری ہو گئی ہے۔ عاقبت نزدیک اچلی

ہے۔ اور دنیا بہت پیچھے رہی جاتی ہے ؟

۱۰۔ اے فرید دیکھ کہ کیا تغیر ہو گیا۔ شکر زہر ہو گئی ہے۔ اس دُکھ کی حقیقت اپنے مولا

کے بغیر میں کس سے کہوں ؟

۱۱۔ اے فرید تماشائے عالم سے آنکھیں سیر ہو گئیں (یاد دیکھنے سے رو گئیں) انور شہ عالم

سے کان بھر گئے، شاخ ہستی خشک ہو چلی ہے۔ اب اس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے

۱۲۔ اے فرید جنہوں نے کالے ہالوں کے وقت اُسے خوش نہ کیا۔ وہ اُنکے سفید

ہو جانے پر اُسے کیسے خوش کر سکیں گے۔ مولا سے پریت لگا۔ تاکہ تیرا رنگ

نیا اور تازہ ہو جائے ؟

گورو امر داس

[اے فرید۔ کالی اور سفید ڈالھی کے اوقات کا تعین فضول ہے۔ خداوند قایم و دایم

ہے۔ جب کوئی چاہے اس کی یاد میں محو ہو سکتا ہے۔ کوئی کمزوری تنہا کرے۔ اُس

مالک کی مرضی کے بغیر اس سے محبت کا رشتہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کا عشق ایک پیالہ ہے جس کو وہ خود ہی عنایت کرتا ہے جس پر اس کا کرم ہو۔

۱۲۔ اسے فرید دنیا کو مسح کرنے والی آنکھیں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک وہ دن تھے۔ جب سُرمہ کی لکیر بھی ان پر گراں تھی۔ اور اب ان کے خولوں میں جانوروں کے بچے بیٹھے ہیں ۝

۱۵۔ اسے فرید ہر روز ان کو آوازیں پکاریں سنائی دیتی ہیں۔ ان کو نصیحتیں دی جاتی ہیں۔ مگر جن لوگوں کو ایک دفعہ شیطان نے مغلوب کر لیا ہے۔ وہ دل کو دنیا کی طرف سے کب ہٹاتے ہیں ۝

۱۶۔ اسے فرید اگر تو مالک کل تک اپنی رسائی چاہتا ہے۔ تو پاؤں تے کی دیار تے کی (دوب ہو جا۔ پہلے اسے کاٹتے ہیں۔ پھر اسے دباتے ہیں۔ مگر اس کے بعد وہ مالک کے گھر میں جا داخل ہوتی ہے ۝

۱۷۔ اسے فرید خاک کو بُرا نہ کہہ۔ خاک کے برابر کس کا رتبہ ہے؟ ہماری زندگی میں تو یہ ہمارے پاؤں کے تے ہے۔ مگر مرنے کے بعد یہ اوپر اور ہم نیچے ۝

۱۸۔ اسے فرید جہاں ہوس ہے وہاں عشق کا کیا کام۔ جہاں حرص و ہوس ہیں وہاں کا پیار جھوٹا ہے۔ اگر چھت شکستہ ہو تو بارش میں وہاں کیسے گزر سکتی ہے؟

۱۹۔ اسے فرید تو جنگلوں میں کیوں مارا مارا پھرتا ہے۔ اور کیوں بن کے کانٹوں سے الجھتا ہے۔ خدا تو تیرے دل میں بتا ہے۔ اور تو اس کی تلاش جنگلوں میں کرتا ہے ۝

۲۰۔ اسے فرید وہ دن بھی تھے جب ان چھوٹی سی ٹانگوں سے میں تل اور ڈونگر (ریٹیلے میدا نول) میں آزادانہ اور بے زحان پھرا کیا۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ قریب پڑا ہوا کوڑھ میرے لئے سوکوس کے فاصلے پر رکھی ہوئی شے ہو گئی ہے ۝

۲۱۔ اے فرید راتیں بڑھ گئیں۔ عضو عضو میں آگ لگی ہے۔ حیف ہے ان کی زندگی پر جن کو محبوب کی آمد کی اُمید باقی نہیں رہی (یا تق ہے ان کی زندگی پر جن کو کسی دوسرے بیگانے کی آس ہے) ۛ

۲۲۔ اے فرید دوست کی آمد پر میری ہستی مکمل طور پر اس پر قربان ہو جاتی ہے۔ میری حالت اس وقت وہی ہوتی ہے۔ جو انکارے پچھلے کی ۛ

۲۳۔ اے فرید۔ دیکھ۔ جاٹ بوتا تو لیکر کے بیج ہے۔ مگر چاہتا ہے بجوری داکھ۔ کانتا تو اُون ہے۔ اور چاہتا ہے کہ میں ریشم بہنوں ۛ

۲۴۔ اے فرید گلیوں میں کچر ہے۔ گھر دُور ہے۔ ادھر پیارے کی محبت (جو شہنشاہ ہے)۔ اگر جاتی ہوں تو کب مل سکتا ہے۔ اگر نہ جاؤں تو رشتہ محبت ٹوٹتا ہے ۛ

۲۵۔ اے کب مل سکتا ہے۔ تیرا ہو جا۔ میرا اللہ مینہ برسا رہا ہے۔ میں ضرور جاؤں گی۔ اور محبوب سے جا کر ملوں گی۔ محبت کے وعدے کو نہ توڑوں گی ۛ

۲۶۔ اے فرید دیکھ۔ تو تو اپنی گڑھی پر مٹا ہوا ہے۔ اور احتیاط کرتا ہے کہ میلی نہ ہو جائے مگر احمق یہ نہیں سوچتا۔ کہ گڑھی تو گڑھی رہی۔ تیرے سر تک کو ایک روز مٹی کھا جائے گی ۛ

۲۷۔ اے فرید شکر۔ کھانڈ۔ نہات۔ گڑ۔ شہد۔ بھنیں کا دودھ سب شیریں چیزیں ہیں مگر رو خدا کی مذہبت کو نہیں سمجھتیں ۛ

۲۸۔ اے فرید میری روٹی چوبی ہے۔ اور بھوک سالن ۛ

جو لوگ چُپڑی روٹیاں کھاتے ہیں۔ اُن پر عذاب (بقدر عیش) اور بھی زیادہ ہوگا ۛ

روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی لے۔ اے فرید دوسرے کی چُپڑی دیکھ کر نہ

لپٹا ۛ

- ۳۰۔ آج کی رات ہی میں خاوند کے ساتھ نہیں سوئی۔ دیکھو دردِ فراق سے میرے عضوِ ضو ٹوٹ رہا ہے۔ ذرا ان بدبختوں سے تو پوچھو کہ تم فراق کی راتیں کیونکر بسر کرتی ہو
- ۳۱۔ نہ تو سسرال میں اُن کو پناہ ملتی ہے۔ نہ میکے میں ان کے لئے جگہ ہے۔ خاوند اُن سے باتِ حقیقت نہیں کرتا۔ پھر بھی یہ عورتیں سہاگن کہلاتی ہیں +
- ۳۲۔ [سسرال اور میکے کا ذکر کیا ہے۔ فکر تو رضائے خاوندی (خداوندی) کی ہے۔ اور وہ پیارا خاوند تقسیم سے بالا اور بے پایاں۔ اسے ناکہ جو عورت اس بے پروا کو پسند آگئی وہی سہاگن ہے (بن گئی)۔]
- ۳۳۔ جوا بظاہر نہاتی دھوتی اور یاد کرتی ہے۔ اور بے فکر سو جاتی ہے۔ اسے فریڈ اس کی بیڑی میں لنگ سے لدرہی ہے۔ نہ کہ کتوری سے +
- ۳۴۔ جوانی کے چلے جانے کا ڈر نہیں۔ بشرطیکہ محبوب کی پریت دل سے نہ چلی جائے۔ اسے فریڈ میں نے کتنے ہی جو بن دیکھے ہیں۔ جو پریت کے بغیر کھلا گئے +
- ۳۵۔ اسے فریڈ فکرِ عاقبت میرا کھٹولا ہے۔ زُہدِ میرا بان ہے۔ اور دردِ عشق بچھونا اور اڑھنا۔ اسے مالکِ حقیقی یہی میرا جیون ہے۔ تو برا و کرم آدیکھ +
- ۳۶۔ لوگ فراق کو بُرا کہتے ہیں۔ مگر فراق تو سب سے مقدم اور سب سے محترم ہے اسے فریڈ جس تن میں فراق نہیں آگا وہ گورستان سے پیش نہیں +
- ۳۷۔ اسے فریڈ یہ عورتیں (زہر کی شاخیں ہیں۔ جن کو نبات سے لپٹا دیا گیا ہے۔ بہت سے تو اس کے بونے میں رہ گئے اور کچھ بوئی ہوئی کو اجاڑ گئے +
- ۳۸۔ اسے فریڈ چار (پہر) تو تو نے کام میں گزار دیئے اور چار (پہر) سوکر۔ اسے بندے۔ خداوند تعالیٰ احباب پوچھے گا۔ تو کیسے بسر کر رہا ہے !
- ۳۹۔ اسے فریڈ میں نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ ایک گھڑیاں ہے۔ جسے بے گناہ

- پیٹ رہے ہیں۔ اگر یہ حال ہے تو ہم گناہگاروں کا کیا حال ہوگا ؟
- ۴۰۔ گھڑی گھڑی اُسے مارتے ہیں۔ پہر پہر اُسے سزا دیتے ہیں۔ ہم گناہگار بھی اسی طرح دکھ اٹھائیں گے ؟
- ۴۱۔ شیخ فرید بوڑھا ہو گیا۔ بدن کا نپٹنے لگا۔ اگر پورے سو برس جیا تو بھی کیا۔ آخر اس بدن کو خاک ہونا ہے ؟
- ۴۲۔ فرید کتاب ہے۔ (اے خدا) مجھے کسی دوسرے کا دروازہ نہ دکھا۔ اگر مجھے دوسروں کے در پر بٹھانا ہو۔۔۔ تو روح کو بدن سے قبض کر لے ؟
- ۴۳۔ اے دنیا دار۔ تیرے کندھے پر کھڑا ہے۔ میرے سر پر پانی کا ایک گھڑا ہے اور تو بن میں درخت کے پاس پھرتا ہے۔ فرید تجھ سے کہتا ہے کہ (دیکھ۔ تجھ میں اور مجھ میں کس قدر فرق ہے۔ اس شجر زارِ عالم میں تو ایندھن ڈھونڈھتا ہے اور میں اپنا محبوب ؟
- ۴۴۔ اے فرید آج یہاں کسی کے پاس تو ورثہ میں پایا آتا ہے اور کسی کے پاس نمک بھی نہیں۔ اگلی دنیا میں چل کر بعید کھلے گا۔ کہ ان میں سے کون کس چیز کا اصلی حقدار ہے اور کون سزا کا مستوجب ؟
- ۴۵۔ جن کے پاس دامنہ تھے۔ جن کے سروں پر پھرتے تھے۔ (دروازوں پر) نفیری (بجتی تھی) (جھکے لئے) قصیدہ خواں قصیدے کہتے تھے۔ وہ سب گورستان میں پہنچ گئے اور (عالم بے چارگی میں تپتیوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں ؟
- ۴۶۔ اے فرید مکان، منڈپ، محل تعمیر کرانے والے چل دیئے۔ انہوں نے جھوٹ کا (یا جھوٹا) بیوپار کیا۔ آخر قبروں میں چل بے ؟
- ۴۷۔ اے فرید گڈری (مکنتا۔ جو گیوں کی گڈری) کو زیادہ دیر تک چلانے کے لئے تو نے کپے ٹانگے میخوں کی طرح سے لگائے ہیں۔ مگر روح کو جسم میں قائم رکھنے کیلئے

- کوئی میخ نہیں۔ اپنی اپنی باری پر شاتخ اور شیخ سب چل دیئے ۛ
- ۴۸۔ اے فرید دیکھ دو چراغوں کے جلتے ملک (الموت) آ بیٹھا ہے۔ اس نے قلعہ تسخیر کر لیا۔ خزانے کے گھرے کو لوٹ لیا۔ اور چراغ بجھا کر چلتا ہوا ۛ
- ۴۹۔ اے فرید دیکھ کپاس کے ساتھ کیا ہوا اور تلوں کے سر پر کیا گذری۔ پھر اکیہ کے ساتھ کیا ہوا۔ کاغذ کو کیا کیا سہنا پڑا اور مٹی کی ہانڈی نے کیا کیا مصیبت بھیلی۔ کوئلہ کو کیا درپیش آیا۔ جو بدعل ہیں ان کو یونہی سزائیں ملا کرتی ہیں ۛ
- ۵۰۔ کاغذ سے پر مٹنے ہے۔ گلے میں صوف۔ گردل میں چھری اور زبان میں شیرینی۔ باہر سے تور وٹن دکھائی دیتا ہے۔ گردل میں شب تار کا اندھیرا ۛ
- ۵۱۔ اے فرید۔ اگر کوئی اُن کے بدن کو چیرے تو اس میں سے رتی بھر خون بھی نہ نکلیگا جو لوگ خدا کے عشق میں گمن ہیں ان کے جسم میں خون کہاں۔
- گورو امر داس

- [یہ جسم خون سے بھرا ہے۔ خون کے بغیر جسم کہاں۔ جو لوگ اپنے خاوند کی محبت سے پُر ہیں اُن کے بدن میں ہوس اور حرص کا لہو نہیں ہوتا۔ جب لہو میں خوف خدا جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو جسم ضرور گھٹنا جاتا ہے۔ اور اس میں سے حرص و ہوس کا خون سوکھنا جاتا ہے جس طرح آگ سے سونا صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح خوف خدا بد شعاری اور بد شعوری کی آلائش کو دور کر دیتا ہے۔ اے ناکم وہ لوگ نہایت خوبصورت ہیں جو خدا تعالیٰ کی محبت کی رنگ میں رنگ چکے ۛ]
- ۵۳۔ اے فرید تو بڑے تالاب کی تلاش کرتا کہ اس میں سے کوئی چیز ہاتھ لگے۔ چھپر میں ڈھونڈھنے سے کیا ملے گا۔ سوائے اس کے کچھ دے ہاتھ پت ہو جائیں
- ۵۴۔ اے فرید چھوٹی عمر (جوانی میں) میں خاوند کو خوش نہ کیا۔ بڑی عمر میں بس موت تک پہنچے اور کچھ نہ کر سکے۔ اب بچاری عورت قبر میں فریاد کر رہی ہے۔ کہ اسے کجوب

تجھ تک میری رسائی نہ ہو سکی +

۵۵۔ اے فرید میر کے بال سفید ہو گئے۔ ڈاڑھی اور مونچھیں بھی سفید ہو گئیں۔ مگر اے

نافل دل تو اب تک عشرت پرستی پر مائل ہے +

۵۶۔ چھت پر کوئی کہاں تک نارنج کو دسکتا ہے + اے دل تو اپنے محبوب حقیقی کی

طرف سے غفلت کو ترک کر تجھ کو انے گئے دن ملے تھے۔ سو تو نے بُرے کاموں

میں اوجھڑا دھڑبھٹک کر گنوا دیئے +

۵۷۔ اے فرید مکان منڈپ اور محل۔ ان سے محبت نہ کر۔ وہ دن دُور نہیں جیب

تجھ پر کافی سے زیادہ مٹی ڈالی جائے گی اور کوئی تیرا ساتھی نہ ہو گا +

۵۸۔ اے فرید دل کو منڈپ اور مال سے وابستہ نہ کر۔ مرگ غالب کا دل میں بیان

کر۔ اس جگہ کی فکر کر جہاں تجھے آخر میں جانا ہے +

۵۹۔ اے فرید جن کاموں میں کچھ خون نہیں۔ وہ کام ترک کر۔ ایسا نہ ہو کہ ان کاموں کے

کرنے سے تو مالک کے دربار میں شرمندہ ہو +

۶۰۔ اے فرید مالک کل کی چاکری کر دل سے دوسری سب تمنائوں اور توہم کو

دور کر۔ درویشوں کو درختوں کا سائل اور صبر روا ہے زیاد رویشوں کی شجرزاروں

میں گزر کرنی چاہیئے، +

۶۱۔ اے فرید میرے کپڑے بھی کالے ہیں اور میرا بدن بھی سیاہ ہو گیا ہے۔ میں تو گناہ

سے آلودہ پھرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ درویش ہے +

۶۲۔ پانی میں بٹری (چیز کو لاکھ مرتبہ پانی میں ڈبو و تازہ اور نئی نہیں ہو سکتی۔ اے

فرید جو خدا کی ماری ہوئی ہے۔ وہ عورت کسی طرح سے شاداں و فرحاں نہیں

ہو سکتی اور ہمیشہ غمزدہ رہے گی +

۶۳۔ جب کنواڑی ہوتی ہے۔ تو بیاہ کا بہت چاڑھوتا ہے۔ جب بیاہی گئی تو پھر

جنگال میں پڑی اور معاملہ در معاملہ در پیش رہتا ہے۔ اسے فریڈیٹ کہ اب پھر کنواری نہیں ہو سکتی ؟

۶۴۔ کلروائے چھڑ میں منہس آ اترے ہیں۔ چونچیں ڈبوتے ہیں۔ مگر پتے نہیں۔ انکو تو اڑ چلنے کی فکر ہے ؟

۶۵۔ راج منہس اڑ کر کودوں کے کھیت میں چلا گیا۔ لوگ اسے اڑانے مار رہے ہیں۔ وہ غافل اور کم فہم لوگ یہ نہیں جانتے۔ کہ منہس گدُم نہیں کھاتا ؟

۶۶۔ وہ پرندوں کے جھنڈ جن سے تالاب آباد تھے چل دیے۔ اسے فریڈ۔ بھرتالاب بھی ایک دن سوکھ جائے گا۔ فقط کنول رہ جائیں گے ؟

۶۷۔ اسے فریڈ (وہ دن یاد کر جب) اینٹ تیرے سر ہانے ہوگی۔ زمین پر تو دراز ہوگا۔ کیڑے کوڑے تیرے بدن کا گوشت پوست کھائیں گے۔ اور لاکھوں جگ تجھے ایک ہی پہلو پڑے پڑے گذر جائیں گے ؟

۶۸۔ اسے فریڈ خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ آج عزرائیل فرشتہ کس کے ہاں ہمان ہوگا ؟

۶۹۔ اسے فریڈ خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ جو (خدا) دوست (مرنے سے) پہلے ہی مر چکے ہیں وہ آج (موت کا شکار ہو کر) کیوں آئیں گے ؟

۷۰۔ اسے فریڈ جو نماز نہیں پڑھتے۔ وہ کُتوں سے بدتر ہیں۔ یہ شیوہ اچھا نہیں۔ پانچوں وقت چل کر مسجد میں نماز ادا کرنی چاہیے ؟

۷۱۔ اسے فریڈ اٹھ۔ وضو کر۔ صبح کی نماز گزار۔ جو سرامک کی حضوری میں خم نہیں ہوتا اسکو دھڑ سے الگ کر دینا چاہیے ؟

۷۲۔ جو سر خدا کی حضوری میں خم نہیں ہوتا۔ اس کا اور کوئی مصرت نہیں۔ اسے کاٹ کر

ہاندھی کے نیچے ایندھن کے بجائے جلا دینا چاہیئے ؟

۷۳۔ اے فرید تیرے ماں باپ کہاں ہیں۔ جنہوں نے تجھے پیدا کیا۔ وہ تجھ سے دُور چلے گئے۔ مگر ابھی تک تجھ کو اس (سفرِ آخرت) کی خبر و فکر نہیں ہوئی ؟

۷۴۔ اے فرید من کو میدان بنا دے۔ نشیب و فراز دور کر دے۔ ایسا کرنے سے عاقبت میں تو دوزخ سپرد نہ ہوگا ؟

گوروارجن دیو

۷۵۔ [اے فرید خالقِ خلق میں ہے۔ اور خلق اپنے رب میں بستی ہے۔ بُرا کس کو

کہا جائے۔ جب اس کے بغیر اور کوئی ہے ہی نہیں]۔

۷۶۔ اے فرید جس دن نال کاٹی متی۔ اگر اس دن گلا کاٹ دیتے۔ تو خوب ہوتا۔

اتنے معاملات تو نہ پیش آتے اور ہم اتنے دکھ تو نہ بہتے ؟

۷۷۔ دانت پاؤں۔ آنکھیں اور کان کام کرنے سے رہ گئے۔ بدن نے ٹھنڈا سانس

بھر کر کہا۔ میرے دوست چل دیئے ؟

۷۸۔ اے فرید جو بُرا کرے۔ تُو اس بھلا کر۔ دل میں غصہ کو جگہ مت دے۔ ایسا

کرنے سے تجھے کوئی مرض لاحق نہ ہوگا اور تیری ہر مراد بر آئے گی ؟

۷۹۔ اے فرید پرندے مہمان ہیں اور دُنیا سہانا باغ ہے۔ نوبت بچی۔ صبح کو اٹھ کر

چل دینے کا ساز و سامان کر ؟

۸۰۔ اے فرید رات میں کستوری بھتی ہے۔ سوئے ہوؤں کو حصّہ (شوق) نہیں ملتا۔

جن کی آنکھیں خواب آلود ہیں۔ ان کو دیدار و وصال کہاں ؟

۸۱۔ اے فرید میں سمجھتا تھا کہ دکھ مجھی کو ہے۔ مگر دیکھی تو سارا جہان ہے۔ اونچی جگہ پر چڑھ

دیکھا تو گھر گھر آگ لگی ہے ؟

گوروارجن دیو :-

۸۲۔ اے فرید یہ زمین تو رگستان (عیش زار) ہے۔ ہاں اس کے عین بیچ ایک زہریلا
باغ بھی ہے جن کی پیرومرد نے نوازش کی۔ ان کو آسج نہیں گنتی ۛ

گورو ارجن دیو

۸۳۔ اے فرید لمبی عمر اور مکمل صحت یغمتیں بہت کم نصیب ہوتی ہیں انہیں کو ملتی
دیکھی ہیں۔ جن کے دل میں خدا کی محبت تھی ۛ

۸۴۔ اے (دریا کے) بہاؤ تو کناروں کو مت گرا۔ ایک دن تجھے بھی حساب لینا ہوگا
جس طرف رضاؑ خدا اشارہ کرتی ہے (یا کرے) اسی طرف بہاؤ اپنا رخ کرنا ہے
(بہاؤ کو اپنا رخ کرنا چاہیے) ۛ

۸۵۔ اے فرید دن تو دکھ میں بننا اور رات درد میں۔ پٹن والا کھڑا پکارتا ہے۔ کہ
سنبھلو تمہاری بیڑی منجھار کے منہ میں پڑتی ہے ۛ

۸۶۔ لمبی ندی کنارے کے ساتھ ساتھ بہہ رہی ہے۔ دھارا بیڑے کو کیا نقصان پہنچا
سکتی ہے۔ اگر ملاح ہوشیار رہے ۛ

۸۷۔ اے فرید بات چیت میں بیدوں دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ مگر ضرورت کے وقت
ڈھونڈھوں تو ایک بھی نہیں ملتا۔ میرے پیارے (سچے) دوستوں کے غم میں
تو میں ایسے ہک رہی ہوں جیسے گوبر کا اُپلا ۛ

۸۸۔ اے فرید یہ دل تو کتنے کی طرح بھونکتا رہتا ہے۔ اس کی باتوں کو سُن کر کون
دُکھ اٹھائے۔ میں نے تو کانوں میں روٹی دے رکھی ہے۔ اسکو بکنے دو ۛ

۸۹۔ اے فرید (وصال) محبوب حقیقی کو یا کپکپ مجھریں اور شہد کی ہستی ندیاں ہیں (جھکے
جلد جلد کوشش کرنی چاہیے)۔ جو دن جاتا ہے۔ وہ ہماری فرصتِ عمر میں

کمی کر رہا ہے ۛ

۹۰۔ اے فرید جسم سُکھ گیا۔ پنجرہ ہی پنجرہ گیا۔ یہاں تک کہ کوئے آکر میرے پاؤں کے

تلووں کو ٹھونگتے ہیں۔ مگروائے قسمت ابھی تک اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا

۹۱۔ اے کوئے تو نے میرا سارا پنجر دھونڈ لیا۔ اور سارا گوشت پوست اڑا لیا۔ مگر

تو ان دو آنکھوں کو مست چھوٹا۔ کیونکہ مجھے ابھی تک جلوہ دیدار کی امید باقی ہے

۹۲۔ اے کوئے۔ میرے پنجر کو مت چھوڑ۔ اور یہاں سے اکیدم اڑ جا۔ جس پنجر میں

کبھی نہ کبھی اگر میرا خاوند حقیقی بیگما۔ اس کے پوست کو مست چھو ؟

۹۳۔ اے فرید بیچارے قبر آواز دیتی ہے۔ کہ اے بے خانناں۔ میرے یہاں آجا۔

مجھے میرے پاس آنا ہے۔ موت سے مست ڈر ؟

۹۴۔ میرے ان آنکھوں سے دیکھتے بہت سے چل بے۔ جو باقی ہیں وہ اپنی اپنی

بسر اوقات کی فکر میں لگے ہیں۔ مگر مجھے ایک اور ہی غم ہے۔

۹۵۔ اے تم اپنی روح کے سنوارنے کی سعی کرو گے۔ تو خدا کہتا ہے کہ میں تمہیں

مل سکوں گا۔ اور مجھے ملنے سے تمہیں ہر طرح کا سکھ چین ملے گا۔ اے فرید

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اگر تو میرا ہو کر رہے گا۔ تو کل دنیا تیری ہو کر رہے گی ؟

۹۶۔ دریا کے کنارے کا درخت کب تک (جینے کی) امید لگائے رکھیں گا

اے فرید کچے برتن میں کب تک پانی رہ سکتا ہے ؟

۹۷۔ اے فرید محل خالی ہو گئے اور زیر زمین بس گئی۔ انہی بیچارے قبروں میں اب

روحیں ٹھکانا کئے ہوئے ہیں۔ اے شیخ بندگی کر۔ بس آج کل میں تجھے بھی چل دینا

ہے ؟

۹۸۔ اے فرید موت کی حدود مجھے یوں (صاف) دکھائی دیتی ہیں جیسے دریا کا

وہ پار۔ سنتے ہیں کہ آگے (عاقبت میں) دوزخ تپ رہا ہے۔ اور دوزخی پہنچ

پکار کر رہے ہیں۔ دیکھو کچھ تو سب اسرار سے آگاہ ہیں اور کچھ غافل پھر رہے ہیں

جو اعمال اس دنیا میں ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہی اس بارگاہ میں جا کر ہمارے

گواہ بنتے ہیں :

۹۹۔ اے فرید دریا کے کنارے بگلا بیٹھا کھول کر رہا ہے۔ کھیلتے ہوئے ہنس پر
یکایک باز جھپٹا۔ جب خدا کا باز آیا تو سب ہوو وعب بسر گیا۔ جو باتیں ہمارے
خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ سے وہی منشور ہوتی ہیں :

۱۰۰۔ سارٹھے تین بن کا یہ جسم ہے۔ جو غذا اور پانی کے سہارے چلتا ہے۔ انسان دنیا
میں اُمیدیں اور آرزوئیں لئے آتا ہے (اور اپنے گرد فصیل تیار کر لیتا ہے) مگر
ملک الموت جب آئے گا۔ تب سب دروازے توڑ دے گا۔ خوش واقارب
کی موجودگی ہیں لیکو باندھ لیتا ہے۔ دیکھو اب چار آدمیوں کے کندھے پر مرحوم
جار رہا ہے۔ اے فرید درگاہ میں (اور کچھ کام نہیں آیا) سوائے ان اعمال نیک کے
جو دنیا میں کئے تھے :

۱۰۱۔ اے فرید میں قربان ان پنچپیوں کے جو جگہ میں بود و باش رکھتے ہیں۔ کنکر گچتے
ہیں اور ریگستان میں بسر کرتے ہیں۔ رگر (ذکر) قرب (خدا) نہیں بھولتے :

۱۰۲۔ اے فرید موسم تبدیل ہو گیا۔ بن کانپ رہا ہے۔ پتے لگاتار جھڑک رہے ہیں۔
جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے چاروں اطراف میں ڈھونڈ لیا ہے کہیں پناہ نہیں :

۱۰۳۔ اے فرید ریشم کے کپڑوں کو پھاڑ کر تار کر دوں گا۔ اور کلی اور ٹھلوں گا۔ جس
جس لباس کے زیب تن کرنے سے وہ خاوند (حقیقی) مل سکتا ہے۔ اُسے
پہنوں گا :

گورو امر داس جی

۱۰۴۔ [تو کیوں ریشم کو بھاڑتا ہے۔ اور کیوں کالی کلی پہنتا ہے؟ ناک کہتا ہے۔ کہ
گھر میں بیٹے بھائے وہ خاوند مل سکتا ہے۔ اگر تو اپنی نیت کو راس

لائے۔] :

۱۰۵ گوروارجن دیوجی -

اے فرید جن کو اپنی بڑائی کا غور ہے۔ جن کے پاس بے انتہا دھن ہے۔ جو انی
ہے۔ وہ مالکِ گل کی محبت سے خالی رہ گئے۔ یوں جیسے مدینہ کے پانی
سے ٹیلے ۛ

۱۰۶۔ اے فرید اُن کے منہ ڈراؤنے (گھناؤنے) ہیں۔ جو خدا کے نام کو بھول گئے

ان کے لئے یہاں بھی بہت دکھ درد ہے اور وہاں بھی کوئی ملجا و ماوا نہیں ۛ

۱۰۷۔ اے فرید تو پچھلی رات (کے پچھلے پہر) نہ جاگا۔ گویا تو جیتا ہی مر گیا۔ یاد رکھ کہ

ہر چند تو نے رب کو بھلا دیا ہے۔ مگر رب نے تو تجھے فراموش نہیں کیا ۛ

۱۰۸۔ گوروارجن دیوجی -

اے فرید غاؤندھیتی بڑا رنگیلا (رنگین مزاج) ہے اور بہت "بے محتاج" (بے پڑا)

جو لوگ اللہ کی محبت میں رنگے جاتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ سب ساز و سامان

(دنیا، سچا، برحق) ہے ۛ

گوروارجن دیوجی -

۱۰۹۔ اے فرید تو دکھ اور سکھ کو ایک سا جان۔ دل سے آلائشوں کو دُور کر۔ اگر اللہ تبارک

کو تیری بھلائی منظور ہوئی۔ تب یقیناً تجھے اس کے درواز تک رسائی نصیب

ہوگی ۛ

گوروارجن دیوجی

۱۱۰۔ اے فرید (عام لوگوں کے دلوں کا تار) دنیا کے بجانے سے بچتا ہے۔ تیرا بھی

یہی حال ہے۔ مگر ہاں وہ روح اس طرح سے لرزش نہیں کرتی۔ جس کی خود

خدا تعالیٰ خبر گیری کرتا ہے ۛ

۱۱۱۔ گوروارجن دیوجی -

اے فرید دل تو اس دنیا کے کاموں میں مستغرق ہے۔ مگر یہ دنیا کسی کام کی نہیں
 فقیروں کی روش بہت مشکل ہے اور وہ اچھا نصیبہ ہو تبھی حاصل ہو سکتی ہے؛
 ۱۱۲۔ (رات کے) پہلے پہر (جاگنے سے) بھول (حاصل ہوتے ہیں) اور پچھلے پہر میں
 (جاگنے سے) چل بھی (میسر آتا ہے)۔ جو (لوگ) جاگتے ہیں وہی اپنے سائیں
 سے نعمت پاتے ہیں؛

۱۱۳۔ نعمتیں اس مولا کی ہیں جس کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ دیکھو کوئی تو جاگتے
 ہیں مگر کچھ نہیں پاتے۔ اور کوئی جو سوئے رہتے ہیں ان کو جگا کر وہ عطائیں دیتا
 ۱۱۴۔ اسے سہاگ کی متلاشی عورت۔ تجھ میں ضرور کسی بات کی کمی ہے؛ جو (دراصل)
 سہاگ ہیں ان کو کسی طرح کی توقع نہیں ہوتی؛

۱۱۵۔ صبر کی کمان میں صبر ہی کا پلہ ہو۔ صبر ہی کا تیر ہو۔ پھر محبوب حقیقی کا شکار یعنی امر
 ہو جاتا ہے۔ (پھر انسان خدا کو اپنا نشانہ بنانے میں خطا نہیں کر سکتا)؛
 ۱۱۶۔ صابر لوگ صبر میں یوں اپنا تن بدن پھونک لیتے ہیں۔ کہ خدا کے قرب کو پالیتے
 ہیں۔ مگر اس کا بھید کسی کو نہیں بتاتے؛

۱۱۷۔ صبر میں اسے بندے بڑا مزا ہے۔ اگر تو اسے اختیار کرے۔ دریا (طغیانی ضبط
 سے) اور زیادہ طرختا ہے۔ (کناروں کے) ٹوٹنے سے محض نالا نہیں رہ جاتا؛
 ۱۱۸۔ اے فرید درویشی مشکل چیز ہے۔ ہماری پریت تو اور پی ہے۔ کوئی ایک وعدہ
 ہی درویشی کی ریت کو نبھا سکتا ہے؛

۱۱۹۔ تن تنور کی طرح تپ رہا ہے۔ ہڈیوں کا اس میں ایندھن ہے۔ اگر مجھے وہ پیارا
 مل سکے تو میں پاؤں سے چلتے چلتے تھک کر سر سے چل کر جاؤں گا؛

۱۲۰۔ تن کو تنور کی طرح نہ تپا۔ ہڈیوں کا ایندھن نہ جلا۔ سر اور پیروں نے کیا تصور کیا ہے؟
 اللہ تعالیٰ کو اپنے اندر ہی دیکھ لے؛

۱۲۱۔ گورونانک دیو۔

میں تو سجن کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ اور سجن میرے پاس ہے۔ نانک کہتا ہے کہ وہ الگھ (نظر نہ آسکنے والا) ہے۔ مگر ہاں مرشد کی وساطت سے اس کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے ۛ

۱۲۲۔ ہنسوں کو تیرتے دیکھ کر بگلوں کے دل میں بھی چاؤ پیدا ہوا۔ بد بخت بگلے ڈوب مرے۔ سر نیچے اور پاؤں اوپر ۛ

۱۲۳۔ میں نے سمجھا کہ وہ راج ہنس ہے۔ اسلئے میں نے اس سے صحبت رکھی اگر میں جانتی کہ وہ کم بخت بگلا ہے۔ تو میں کیوں عمر بھر اس سے اپنا کوئی انگ بھڑکتی ۛ

۱۲۴۔ کیا ہنس اور کیا بگلا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس پر اس کی نظر کرم ہو جائے۔ اسے نانک جس کو وہ چاہتا ہے۔ کو تے سے ہنس بنا دیتا ہے ۛ

۱۲۵۔ ایک تالاب ہے۔ ایک بچھی۔ مگر پھنسانے والے پچاس۔ یہ جسم لہروں میں پھنس گیا ہے۔ اسے سچے مالک تیرا ہی آسرا ہے ۛ

۱۲۶۔ وہ کون ساحر ہے؟ وہ کونسی خوبی ہے۔ وہ کونسا من کا منتر ہے؟ وہ کونسا بھیس ہے جس کی وساطت سے میں اپنے خاوند کو بس میں کر سکتی ہوں؟

۱۲۷۔ خمیدہ سری وہ حرف ہے۔ تختل و توکل وہ خوبی ہے۔ شیریں زبانی وہ منتر ہے اسے بہن یہ تین اوصاف تو جمع کر تب کنت تیرے قابو میں آجائے گا،

۱۲۸۔ عقل ہو مگر خود کو اسخاں جانے۔ طاقت ہو مگر خود کو بے بس سمجھے۔ نکبت و افلاس میو ابھی دوسروں سے بانٹ کھائے۔ جو ایسا کرے وہی بھگت اور عارف کہلا سکتا ہے ۛ

۱۲۹۔ کسی سے بد زبانی اور درشت کلامی نہ کر۔ کیونکہ سب میں وہ سچا دھنی بس رہا ہے

کسی کا دل نہ دکھا۔ سب ہیرے انول ہیں +
۱۲۰۔ سب کے دل مانگ ہیں۔ کسی کا توڑنا اصلاً اچھا نہیں۔ اگر تیرے دل میں محبوب
کیلئے تڑپ ہے۔ تو کسی کا دل نہ دکھا +

۳۶۔ کلام مذکورہ بالا کی اندرونی شہادت ساری کی ساری فرید گنج شکر کی طرف اشارہ
کرتی ہے۔ بالخصوص شلوک نمبر ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۸-۱۹-۲۰-۲۳-۲۴-
۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۳-۳۵-۳۷-۳۹-۴۱-۴۳-۴۴-۴۷-۵۰-
۵۱-۵۲-۵۵-۶۱-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۸۴-۸۹-۹۰-۹۱-۹۸-
۹۹-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۵-۱۱۶ +

نہ صرف فرید کے حالات سے یہ شہادت لگا کھاتی ہے۔ بلکہ فرید کے فارسی و
عربی اقوال و ملفوظات اور روایات کی بھی تائید کرتی ہے۔ کاٹھ کی روٹی۔ شکر اور زہر۔
چلہ۔ طول عمری۔ ادائے نماز کی تاکید۔ تسلیم و رضا۔ حلم۔ توکل۔ جسم کی نقابت۔ تنہا پسندی
سادگی وغیرہ وغیرہ۔ زبان زیادہ تر ملتانی۔ استعارے ایسے چھجکل اور بے آب کی زندگی
سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربی لفظوں کی کثرت۔ کلام میں بے ساختگی۔ انداز میں فقیرانہ استغنا
بلاغت بیش۔ فصاحت کم۔ تصوف کے ابتدائی مدارج کا فلسفہ زہد و ریاضت نفیس کشی
رُوباری۔ توکل۔ "میا زار مومن" کی تلقین +

(۳۶ الف) وارث شاہ کی ہیر کے سب سے پرانے نقلی نسخہ میں جو ۱۸۶۳ء میں نقل ہوا۔
فرید گنج شکر کا ذکر یوں ہے۔

موجودہ تحقیق کے مطابق وارث پہلا شاعر ہے جس نے فرید کا ذکر کیا ہے۔ وارث
نے اپنی ہیر ۱۷۲۳ء میں ختم کی۔ وارث کی تحریر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ فرید کی شہرت ان دنوں
کن اوصاف پر مبنی تھی :-

- (۱) مودود والا ڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعود ہر پور ہے جی
 (۲) بائیس کتاب وچ پیر کمال جس دی عجزی ہند منظور ہے جی
 (۳) خاندان وچ چشتیاں کالمیت شہر فقر دا پٹن منظور ہے جی
 (۴) شکر گنج توں آن مکان کیتا دکھ درد پنجاب دور ہے جی
- ۳۶ ب - آئین اکبری (ابو الفضل) میں شیخ فرید کے متعلق اجمالی تذکرہ ہے وہی دو تین باتیں ہیں۔ جو عوام میں اول سے چلی آتی ہیں۔ اور جو کلام فرید سے بھی صاف نکل سکتی ہیں۔

شیخ فرید الدین گنج شکر۔ زاد و بوم اوقصہ کوئٹہ بھلمتان نزدیک۔ در سر آغا زبیر نانی جرسی دانش سرگرم بود (۱)۔ اور اسخت آویش بابانفس رفت و فیروز زند آد (۲) شیخ از قصبہ ہانسی بدیں آگہی رُم شد کی موت کی خبر سے بدلی آد (گویا یہ ایک کرامت تھی جو عام مشہور ہو گئی) فراواں کس از وہرہ داشت (۳) ابو الفضل نے ایک بڑی بات چند الفاظ میں کہہ دی۔

۳۷ - فرید گنج شکر کا فارسی میں شعر کہنا مسلم ہے۔ گو بہت کم کہا مگر کہا ضرور۔ ملتانی میں کہہ لینا کسہر شان نہ تھی بلکہ تلقین اسلام کا موثر ذریعہ وسیلہ تھا، کہند افرض عین۔ شیرانی تو کہیں فرید کا رنجیت بھی ڈھونڈ کر اس قلمی نسخہ پر ایمان لا چکے ہیں :

۳۸ - فرید گنج شکر سے پہلے ناتھ منہتی جوگی اپنا صوت باقی اصوات سے مزین ہندوی کلام سارے شمالی ہند میں عوام تک پہنچا چکے تھے۔ انہی لسانی خصوصیات والا کلام فرید نے کہا ملتانی لہجے میں اور سلمانی رنگ میں۔ گورکھ۔ چرپٹ۔ محمد رونیہ کا کلام میں انہی انگریزی کتاب "گورکھ ناتھ اینڈ میڈیول ہندوئسزم" (Gorakhnath and Mediaeval Hindu Mysticism) میں دے چکا ہوں۔ فرید کا چھوٹا نام عصر خسرو تھا

یعنی فرید کی وفات کے وقت خسرو کی عمر بارہ برس تھی۔ اور فرید کے خلیفہ کا خلیفہ ہونگی حیثیت میں فرید کا کلام اس تک ضرور پہنچا ہوگا +

۳۹۔ دہی زبانیں یکا یک تو اس قابل نہ ہو گئی تھیں۔ کہ ان میں ایسا دل پذیر اور اخلاقی آموز کلام لکھا جاسکے۔ اس لیاقت کے حاصل کرنے میں انہیں کافی عرصہ لگ گیا ہوگا۔ چرپٹ اور گورکھ وغیرہ کی زبان سے فرید کی زبان (ما سوائے خاص ملتان صوفی خصوصیات کے) زبانی اور ارتقا کے لحاظ سے زیادہ دُور نہیں۔ چرپٹ سے تو کُل ڈیڑھ سو برس کی تفاوت ہے۔ پھر گورو نانک فرید سے دو اڑھائی سو برس ہی دُور ہے۔ کبیر اور بھی قریب ہے۔ نام دیو فرید کی موت سے دو برس پہلے جنم لے چکا تھا۔ ان سب کی بیان و زبان میں بنیادی مماثلت اور صوبجاتی صوتیاتی (اصواتی) اختلاف ہے۔ تب تو دہی زبانیں اور بھی سست رفتاری سے بدلتی تھیں۔ اور ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھیں۔ ہر چند کہ وہ ذرائع آمد و رفت کی موجودہ ترقی سے نا آشنا تھیں۔ جوگیوں اور فقیروں نے زبان و بیان کو دور و دور پہنچا دیا تھا۔ اور حدوں کی تفاوت کو گھٹا اور ایسے کلام کی مماثلت کو بڑھا دیا تھا +

۴۰۔ لسانی تحقیق کے دلداد و گاموں کو دو باتوں سے خاص فائدہ ہوگا۔ ایک کلام فرید کے انڈکس سے اور دوسرے اس کے لسانی و اصواتی مطالعہ سے۔ اول میں عربی فارسی کے الفاظ و تراکیب لیتا ہوں۔ جو فرید کے کلام میں ہیں اور ان کی حالت پر غور کرتا ہوں کہ پنجابی لہجہ نے ان میں کیا تبدیلیاں کر کے اُن کو اپنایا۔ پھر میں ملتان ب و لہجہ کی اپنی خصوصیات و اسے الفاظ فرید کے کلام سے انتخاب کروں گا۔ اس کے بعد دوسری باتوں کی چھان بین ہوگی۔ فرید عرب و ایران میں ہوا اُسے تھے۔ عربی فارسی کے عالم متجہ تھے۔ قرآن کریم کے متنازع شارح و مفسر۔ ملتان اور دہلی کے علاقوں میں صدیوں سے مسلمانوں کا دُور دُور تھا۔ حکومت اسلامی کا یہ نتیجہ ہونا ہی تھا۔ کہ عام بول چال میں ہندو لوگ مذہب حکومت۔ اور

آداب مجالس سے متعلق الفاظ غیروں کے برتیں اور انہیں اپنے دسی لفظوں پر ترجیح دیں۔ یہی حال فرانسیسی اور انگریزی کا کسی زمانہ میں تھا۔

پھر اس معاملہ میں تو مصنف خود ایک مسلمان درویش ہے۔ جس کی خدمت میں باریابی کی حاکموں تک کو تنہا ہی تعجب تو اس بات کا ہے کہ غیر ہندی الفاظ زیادہ نہیں۔ کم ہیں۔ اللہ اللہ۔ اس فقیر کو اپنے ہم وطنوں اور اپنی مادری بولی سے کس قدر محبت اور اُن کی کتنی قدر ہوگی ؟

کلام فرید میں عربی فارسی الفاظ

| مبتدائی میں مستعمل صورت | اصلی صورت | عربی یا فارسی | صوتی تبدیل پر غور |
|-------------------------|--------------|---------------|------------------------------|
| نمک | نمک | ع | |
| چند | زندہ - زندگی | ت | |
| پُرسلات | پُل صراط | ف - ع - | |
| در | در | ف | |
| دروسی | دروشی | ت | خ ش ض - ف - ظ گ کھی |
| دُنیاں | دُنیا | ع | پنجابی میں نہیں گواہ ایک |
| عقل | عقل | ع | نقطہ کے اضافہ سے اُن |
| لطیف | لطیف | ع | آوازوں کو رواج دیا جا رہا ہے |
| گری دان | گریبان | ت | |
| بسر | سُر | ت | |
| دُنی | دُنیا | ع | |
| مرگ | مرگ | ت | |
| دُور | دُور | ف | |

| | | |
|--------|-------------|---|
| سکر | شکر | ع |
| ساکھ | شاخ | ف |
| سیطان | شیطان | ع |
| کھاک | خاک | ف |
| رب | رب | ع |
| کوہڑا | کوزہ | ف |
| بجوریا | بجور | |
| اللہ | اللہ | ع |
| روح | روح | ع |
| نوات | نبات | ف |
| صاحب | صاحب | ع |
| سلطان | سلطان | ع |
| درواجا | دروازہ | ف |
| حال | حال | ع |
| سیکھ | شیخ | ع |
| پھرید | فرید | ع |
| تن | تن | ف |
| بار | بار | ف |
| دمامہ | دامہ | ف |
| ایماں | یتیم کی جمع | ع |
| گوریں | گور | ف |

ڈلگا کر اسم تصنیف بنایا گیا ہے

پنجابی میں مذکر متعلق ہے

| | | |
|---|------------------|----------|
| ع | مشائخ | مساہک |
| ع | کافذ | کاگد |
| ع | عَمَل | عَمَل |
| ف | منزلے | سجائے |
| ع | مُصَدِّا | مُصَدِّا |
| ع | صُوف | صُوف |
| ف | دِل | دِل |
| ع | باہر | باہر |
| ع | مال | مال |
| ف | جائے | جائے |
| ف | شرمندہ | سرمندا |
| ف | دربار | دربار |
| ف | درویشاں | درویشاں |
| ف | گناہ رگنا ہوں گے | گنہی |
| ع | معاٹے | معاٹے |
| ع | عزرائیل | اجرائیل |
| ف | فرشتہ | پھریتا |
| ف | بے نمازا | بے نواجا |
| ع | وقت | دکھت |
| ع | وضو | اُجو |
| ف | ساز | سانج |

| | | |
|-----------|---------|-------|
| صبح | صبح | ع |
| نواج | نواز | ف |
| گجّار | گزار | ف |
| میدان | میدان | ف |
| دوبک | دوزخ | ف |
| جانی | جانی | ف |
| گستا | غصہ | ع-ف-ف |
| باگ | باغ | ف |
| نوبت | نوبت | ف |
| ساج | ساز | ف |
| رجائے | رضائے | ع |
| عمر | عمر | ع |
| بندے | بندہ | ف |
| گوراں | گور | ف |
| روحان | روح | ع |
| سیکھاں | شیخ | ع |
| بندگی | بندگی | ف |
| موتے | موت | ع |
| دریاوے | دریا | ف |
| ہول | ہول | ف |
| وے پرواہا | بے پروا | ف |

| | | |
|---|--------------------|-----------|
| ف | درگاہ - درگہ | درگہ |
| ن | گواہ | اوغاہ |
| ف | باز | باج |
| ف | بندہ | بندا |
| ع | ملک الموت | ملک الموت |
| ع | صَبْر | صَبْر |
| ف | کمان | کمانڈ |
| ع | خالق | کھالک |
| ع | خطا | کھتا |
| ف | اندر | اندر |
| ع | صابری | صابری |
| ف | نزدیک | نجیک |
| ف | خداے | گھداے |
| ف | دریا | دریاؤ |
| ف | درویش (درویشوں کی) | دروسیادی |
| ف | تنوّر | تنوّر |
| ع | مُحَبّت | مُحَبّت |
| ع | عشق | اسک |
| ف | رنگ | رنگ |
| ف | دیدار | دیدار |
| ف | نام | نام |

| | | |
|----------|------------|-------|
| پرو دگار | پرو دگار | ف |
| پنہ | پناہ - پنہ | ف |
| بکھندگی | بخشندگی | ف |
| کھیر | خیر | ع |
| بندگی | بندگی | ف |
| پھریدے | فرید (نے) | ع |
| مُریداں | مُریداں | ع - ھ |
| حیاتی | حیات | ع |
| جیتیں | زیتیں | ف |
| اسمان | آسمان | ف |
| چاکر | چاکر | ف |

ایک سو کے قریب عربی فارسی الفاظ ہیں۔ ان کو زیادہ تر پنجابی صوتیات کے تحت میں لاکر استعمال کیا گیا ہے (تحریر میں لایا گیا ہے)۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہے۔ آج کل اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے پنجابی پنجابی نہیں رہی۔ غیر زبانوں کے الفاظ کو ”پنجابیا“ کر لکھنا چاہیے۔ یہی روش قدام کی فرید سے ناک اور از جن دیو اور گورو گو بند سنگھ سے محمد بڑا اور چودھری سر شہاب الدین تک چلی آئی ہے۔ آج بھی عام پنجابی پُرسلات بولتے ہیں۔ غیر الفاظ کے اسماءے افعال بنائے گئے ہیں۔ اور اسماء کی صورت بدل دی گئی ہے۔ زیر اور زبر کو زبر اور زیر دیا گیا ہے۔

موہن سنگھ دیوانہ

(باقی دارد)

سلطان ناصر الدین قلیچہ واسکے رباری شعر

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی ٹیکڑیں بابت نمبر ۱۹۳۸)

کبود جامہ رباعی پڑھ کر متاثر ہوا اور غوفی کو کہلا بھیجا کہ میں تمہارے وعظ و تذکیر سننے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ اپنا جو مقصد ہو بیان کرو۔ چنانچہ اس شعر کے ذریعے ایک گھوڑے کی درخواست کی۔

ہر چند کہ بر بساط شطرنج ہنسر امروز شہم پیادہ میدا بد رفت
شاہ نے فوراً انعام و اکرام اور ایک گھوڑا مع ساز و دانہ فرمایا۔

اس کے بعد صنف ستمیہ میں نیشاپور میں اور ستمیہ کے قرب و جوار میں اسفہر
میں موجود ہے اور خروج مغول کے وقت ستمیہ میں ہندوستان میں دربار ناصر میں
پہنچ جاتا ہے :

یہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ ناصر الدین کے حکم سے کنبایت (کیبے) صوبہ نہروالہ جو
آج کل گجرات کا علاقہ کہلاتا ہے کا منصف مقرر کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ اپنے فرائض کے
ساتھ ”کتاب الغریج بعد الشدة“ کے فارسی ترجمہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اسی دوران
میں اسے مکمل کر لیتا ہے اور پھر سلطان ناصر الدین کے نام نامی سے معنون کرتا ہے۔
اس کا سن تالیف حساب سے ۶۲۰ھ بیٹھتا ہے۔ غالباً اسی عرصہ میں وہ کنبایت میں با
محمد غوفی نے جو امع میں ایک راے کے انصاف کا واقعہ رقم کیا جو کنبایت سے
تعلق رکھتا ہے۔ و مؤلف کتاب محمد غوفی بیکوید کہ سن مثل این حکایتی شنیدم بوقتی کہ ہر
کنبایت افتادہ بودم و آن شہر سیت بر سائل دریا و دران شہر متولند و خلقی از غربا آجنا

مقام دارند و آن شہر از اعمال ولایت گجرات و نہر والہ است ۱۰
عین الملک وزیر مملکت کی شان میں شاعر نگین نگار کہتا ہے کہ عین الملک ملک
کے لئے ایک دیدہ بصیرت تھا اور عقل کے قلعہ کا دیدبان تھا۔ وغیرہ وغیرہ

مردم دیدہ نگر چون روح در خور آمدہ بار ہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دور بینی بین کہ چون نزدیک گرد غم سم بد چون عروس شادمان در دُر و گو ہر آمدہ
آن ہشتی لعبت میمون لقا روز و شب منزل و ماوی نگر در آب کوثر آمدہ
چون مشعب ہندوی زنگی مزاجست او بین دست لعبت ہر زمان از رنگ گلگیر آمدہ
ہچو لطف صاحب صاحب قرآن تصویر نزد اہل عقل و دل با جان برابر آمدہ
آصف آیام عین الملک فخر الدین کہ است قدرا و از مرکز اسلاک بر تر آمدہ
قدوہ دوران حین آن صاحبی کر عز و جاہ ماہ را خاک درش ادنگ و افسر آمدہ

ساتھ ہی کہتا ہے: "آری ترازو را ہم عین خوانند۔ این منی بر ذات شریف لاتی تری
افتد از انک ترازو چون مقلوب کنی وزارت بود لطف الہی حضرت وزارت و زن غلیظ
گردانیدہ کہ بار عدل و داد اینجا سخته می شود"

توان وزیری کہ انصاف پا و شاہ جہان بحکم تست منور می ستودہ وزیر
ہر آنکہ جز تو کسی را وزیر پسندارد جلال و قدر تو واجب کند بر تو عزیر
توئی سراسر اسی وزارت بلی کہس زسد گرافہ دولت و انشد بالعب و نصیر
ہنوز از دہشت بوئے شیر می آید کہ ساخت رای تو و مملکت ہر شکر و ثیر
اگر نداند قدرت کسی ترا چہ نیان ضرر نباشد خورشید را ز چشم ضریر
ایک دہائیہ نظم کے بعض اشعار درج ذیل ہیں:-

تا فلک گردان بود ستو میں الملک باو دیدہ ملک جہان را نور میں الملک باو

چون بنائی ظلم از دوائی عدلش شد خراب تا بود قصر مامورین الملک باد
 راسی پریش چون غم کار ملک میخورد وایم از بخت جوان سرورین الملک باد
 ایک قطعہ میں عین الملک کو نظام الملک اور صاحب ابن عباد پر ترجیح دیتے ہوئے
 کتاب ہے:-

دوش از زبان چرخ شنیدم کہ ای خدای اقبال را مقارن این پادشاہ دار
 در سند وزارت این عین ملک را پیوستہ از قضاء افزہ در پناہ دار
 یارب تو مر حسین ابو بکر را مدام از کل حادثات زمانہ نگاہ دار
 کتاب کے خاتمہ پر ایک قصیدہ جو مکمل نہیں ہے۔ عین الملک کی توصیف میں
 یوں رقم کیا ہے:-

تو انگر مرغ و اشک از آن برسمیں کہ شد ز فرقت تو چون ز رآن چون سیم این
 پھر دوسری جگہ عین الملک کو سحبان وائل و صاحب و صباہی سے بند درجہ دیتا ہے
 اور لکھتا ہے:-

... بابا داب فضائل تدوہ سحبان وائل و صاحب و صباہی در دیوان معاملت
 پیش او کی مبتی و دیگر باقل، ذات مبارکش آرایندہ صدور ایوان و قلم کنایش دارندہ صدہ
 دیوان، دوات تاجدارش حساد را با بدار کردہ و قلم کمر بندش قاصد زرا چون کمر در بند
 لکھدہ

| | |
|------------------------------|-----------------------------|
| آن آصف دوم کشف خلق عین ملک | کز دی محیط غرقہ تشریر میرود |
| صدر جہان جین کہ از رای روشنش | آیات کمر مت را تفسیر میرود |
| آن صاحب ستودہ کہ از ہر بندگی | اندر رکاب قدش تفسیر میرود |
| ہر روز بابداد بدیوان دوشش | دایم عطار دازنی تفسیر میرود |

تاکلک در بنانش مقرر ساخت بر فلک
گر شستہ چون کمان ز حد تیر میرود
در عرصہ چمن ز نسیم مدایمش
ہموارہ شکبا و شبگیر میرود
پابندہ باد تالش خورشید جاہ او
چندان کہ چرخ بر سر تدویر میرود
ایک اور موقع پر دعائیہ قطعہ یوں کہا ہے :-

دستور شہ نشان کنت خلق عین ملک
صدری کہ بہت ذات وی از نصہ باری
آن صاحب ستودہ کہ از دست رفت ظلم
ہون فرق چرخ سودوی از پای سردری
خورشید بھو ذرہ نسا ید اگر زند
بارای نور زایش لاف برابر ی
ای آنکہ با سبانی قمع ترا زمل
چون ماہ و آفتاب بجان گشت شتری
تا نفع صور نقش طراز جلال باد
صدر بہان حسین ابوبکر اشعری

۲۵-۲۲ء میں جب سلطان شمس الدین التمش ملتان و اچہ کو فتح کرنے میں مشغول تھا۔ عوفی قلعہ بکر میں ناصر الدین قباچہ کے حکم سے جوامع الحکایات کی تالیف کر رہا تھا جب قلعہ بکر پر حملہ ہوا۔ تو جو لوگ قلعہ میں محصور ہو گئے تھے۔ عوفی بھی اُن میں تھا۔ قباچہ کے زوال سلطنت کا سن کر عوفی سخت رنجیدہ ہوا۔ اور اپنے اس کام سے روکش ہو گیا لیکن جب التمش نے یہ سارا علاقہ فتح کر لیا اور دربار ناصری کے علماء و شعراء اس کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ تو عوفی بھی ان کے ساتھ گیا۔ یہاں سلطان کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعید الجندیسی کو عوفی کی تالیف اور اس سے بددلی کا علم ہوا۔ وزیر موصوف بڑا بہرمان اور عالم پرورد تھا۔ عوفی کی اس نے بہت مدد کی اور اسے اس مفید کام کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ عوفی کی دھارس بندھی۔ اور وہ اس کی تکمیل میں از سر نو لگ گیا۔ جب یہ کام اختتام پذیر ہوا تو عوفی نے اپنی کتاب اپنے محسن وزیر کے نام نامی پھنوں کی۔ یہ تالیف تقریباً ۱۲۳۰ء میں مکمل ہوئی۔

یہاں یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ کہ مشہور مؤرخ و شاعر منہاج سرماج مصنف طبعات ناصری اس زمانے میں ہندوستان پہنچے ہیں۔ اور اسی دربار میں اپنی بقیہ زندگی گزار دیتے ہیں۔ محمد عوفی کا چند سال کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے کہ جو اسمع کے بعد نہ ہی ان کی کسی تالیف کا ذکر ملتا ہے۔ اور نہ ہی کسی اور جگہ اُن کے کوائف سننے میں آتے ہیں۔

محمد عوفی نے اس دربار میں رہ کر وزیر موصوف کی خوب مدح سرائی کی اور جا بجا اس کو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا ہے۔ ان اعلیٰ رنبات اور اعزازات کے نچھاؤ کرنے میں مصنف تاج المآثر بھی اس کا ہمنوا ہے۔ اس کو بڑی بڑی ہمت۔ اس کے عدل انصاف۔ غریب پروری اور غربانوازی کے ساتھ ساتھ اسے مرنی ملوم و فنون بھی کہا ہے چنانچہ قصائد اس کے کیر کپڑ کو بخوبی نمایاں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اسکے مصاحبین کا تقرب پا چکا تھا۔ اب ہم مدحیہ قصائد اور قطعات یہاں درج کرتے ہیں :-

قلعہ بکر کی فتح پر لکھتے ہوئے کہتا ہے :-

| | |
|--------------------------------|-------------------------------------|
| از شہر ملائکہ در قصر شہر یار | بستند قہما در جنات و در کشاد |
| و شب فلک ہرچ خضر آسمان | از ہر کلمہ فوتمہ بنوق غور کشاد |
| یعنی کہ تیغ آصف ثانی نظام ملک | دستور شاہ قلعہ بکر گز کشاد |
| سلطان نشان محمد یوسف لک تیغ | برخ ز رشک گلکش سلک گہر کشاد |
| صدر قضا نفاذ کہ فرمان ابو بخیر | از مایکون حلقہ بند قدر کشاد |
| گردون بزم محمد در شمس ان ببت | چون از مہیب بیت تنیش گم کشاد |
| انکہ یغیض پر تو رای منسیر او | در روز بہر دیدن کوکب لہر کشاد |
| ہر کشی کہ سز نہد بردش بطوع | در پائے دار تیغ از و بند و کمر کشاد |

ترک سنان کوہ در سینه دوزاو از بازو سپہر کمانکش پر کشاد
تیری کہ باز جست نزارغ کمان او از شیر بردناخن و از سر پر کشاد
باز از گریہ قامتش ملک خندہ لب از چشم ابر نالہ سر شک مطر کشاد

پیر این بقاعی جووش با سحتی از دست حادثات زمانہ دریدہ باد
ہر سر کہ خاک در گاہ نیست تلخ آن از تیغ بیدریغ زمانہ بریدہ باد
مہرش میان خلق جہاں تابرو جوشتر در دل بشادانی و در سر چو دیدہ باد

وزیر کی مدح میں کہتا ہے :-

شاہ عالم آنکہ در مردی بود پیش او در وقت حملہ رای زن
تا قیامت بادشاہ رای زن شاد و مہر م زین وزیری رای زن

پھر وزیر موصوف کے متعلق گویا ہے :-

”ہمہ ارباب صفا و اصحاب صفہ در صفت دولت او خراماند - فقیر و فقہراد
دریدہ گریان بر بساط نعم دامن کشان لاجرم ہمہ این میگوبند از میان دل و جان :-
سپہر مجد و محالی وزیر روشن رای کہ نیست عرصہء بخش بکام نیک سخن
نظام ملک محمد کہ مرد رازیب ہزار چاکر بچون نظام ملک حسن
جنید نسبت شبلی صفا کہ اہل عبا شوند مالک دینار از و خلق حسن

۱۔ جوامع الکلیات حصہ اول قلمی مکتوب ، یہ کتاب دو جلدوں میں یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے

اس نسخہ میں کئی غلطیاں ہیں جن کی اصلاح اشارہ میں کی گئی ہے۔ ۲۔ ایضاً - صفحہ ۱ ، ۳

ایضاً صفحہ ۱ ، ۳ ایضاً صفحہ ۱ ،

جناب کچھ مثالیں کہ قبلہ کرم است ہمیشہ بادِ سلم ز حادثاتِ من
یہاں وزیر کے جنیدی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور قبلہ شیرانی صاحب نے
بھی ایک شعر اس کی تائید میں پیش کیا ہے جو تاجِ ریزہ کا ہے۔

گو ہر آلِ جنیدی وزیرِ انتہائے تو مالکِ دنیا شد ہر کوئی ان آمدہ است
جمعِ انصحا میں رضا قلی خاں لے عونی کے چند اشعار نقل کئے ہیں :-
تو انگرہم برخ وزان برسیمین زمانہ آید ازین خاتمتِ بزرگمین
گذشتہ نالہ من در فراقِ طلعت تو چو آبِ سدا جاش فرو شدہ بزمین
خیالِ محبت اور در ضمیرِ اہل سخن گذشتہ راتھ سیرت تو از سیرت
مگر ایادی جو در آبِ سجده طبع ہمیں کتاب کہ ہر صفتِ دولتین
زمانہ رازِ یار تو با وجہ یار سپہ رازِ یار تو با وجہ یار

سلطان کی مدح میں کہتا ہے۔ ایک کینہ شہسوار بھی اس کے زمانہ میں قیصر و
کسرے سے بہتر ہے۔

شبابِ مست جہازِ از انکست جہاں ازین مشعبد رعنا طمع مدار مدار
گہی بکسری کسری در آورد ز قضا گہی بر آورد از قیصر و رائی و مار
دہستاند و در گوشِ عاتقان گوید ندائے فاتحہ و امنہ یا اولیٰ البصار
نظامِ ملک محمد قوامِ دولتِ دین کہ مصر جامعِ دین رازِ راسی است و حصار
زمینِ ملک چوں آسمانِ صنوں لودی زریں مادہ و سنگِ مذہر و غدار
وگر بعد شہنشاہِ ماندی پر ویز ز رشک و غیرتِ نشا خستہ یوں یار
خدا یگانِ سلاطینِ عہدِ سلطین کہ کانِ دربارِ ازین دست یار
کینہ بندہ او بہ ز قیصر و کسرے کہینہ چاکر او بہ ز خانِ چین صد بار

خدا ہی جل جلالہ وزیر سلطان ا
بفضل خوش زامد اچرخ مامون ار

نظام ملک و سپہ کرم قوام الدین
محمد بن ابی سعد صاحبی کہ دہد
اگر نہ نغمہ اخلاق او مدد کردی
اگر نہ پتھورای منیر او بودی
ہمیشہ صدر وزارت باو شرف باد
مدام تاکہ بود دور چرخ گرد از ازلہ
کہ کرد بذل کفش خستہ سینہ کا زرا
برای قوت نشو و نما مرار کا زرا
کجا بدی بطراوت اثر گستا زرا
ز سایہ رنج بدی آفتاب رخشا زرا

تا ہما ز ابقاست باقی باد
ذات اور اخدای عز و جل
دولت او ز جان خصمانش
مطر بش زہر و ماہ ساقی باد
ہر دم از حادثات ذاتی باد
بر ترقی و در ترقی باد

اس قصیدہ میں نظام الملک کے تدبیر اور دہدہ کا اعتراف کرنے کے بعد
اپنی خواہش پیش کرتے ہوئے اپنا قصہ مختصر الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
میں مختلف درباروں میں پھرا ہوں لیکن چونکہ کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ اس لئے پھر تیسرے
دربار میں آگیا ہوں :

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن
آن جنیدی نسب و خلق کہ از راہ کرم
آکہ در گاہ جلالت ہر شرف و سلوک
بحر العاش بر خلق چنان گشتہ محیط
کاسمان گشت پی خدشا و شہت دعنا
اوست بر جملہ اکابر مشل خسرو شاہ
قبلہ حاجت سازند و سرخیل جباہ
کہ در و ہم ہندس نکند تیج شاہ

ای شده بحر کفایت غیرت کان دریا
 گیر از آتش غم خصم تو مانده شمع
 از پیکر کل برین گنبد کملی هر شب
 صاحباقصه داعی بکرم اصفا کن
 داعی خلص عوفی که ز احداث نمان
 گرچه در مرتبه راج عقل و نه است
 مدتی عمر بر آید به حصول اغراض
 رنگ و بوی کرم از کس چون دید و شنید
 ذات اوست بناتی بکرم آتش ده
 او روان کرد زبان او بگویم خود را
 تا که در نور و ضیا ماه تابد چون خورشید
 دشمن جاهد تو در حبس ابد و چنان

وی شد خاکست پاینده دولت جاهد
 چون گل ز باد صبا غفور تو خند و زنگنه
 خاک درگاه تو گیرند کواکب جباه
 که مثل گشت کنون قصه او در افواه
 میشود خون دل سکینش بر فوری صده
 صفر اعداد بود حاصل او یعنی آه
 همچو دربان گران منتکف نه درگاه
 با چنین سخفه دگر ره تو آورد پناه
 چون شمع تازه پس اندمی شری تازه بخواه
 تو از دست حوادث بکرم کن کوتاه
 تا که در مرتبه فرزین نبود همچون شاه
 که برون ناید هرگز چون سایه ز پناه

صاحب مادل نظام الملک مالی قنطار
 آب گوهری رود از لفظ او اندر جهان
 سائل از بذل کفش مسرور و خور همی رود
 جاودان در مسند اقبال باد اشد از الهی

کز جلال او رخ اقبال گلگون میرود
 هم نبوی دیگر آب در کنون میرود
 بحر از بذل کفش با طبع محزون میرود
 طایر فضل از جلال او همایون میرود

و در عهدگی بزرگی ایام مبارک او نورخ گشته و میت بزرگوار می بجاں جمال
 اخلاق گرفته.

نقش طرازو سے بقدر جلال باد
تا از خزانہ گہر لعل آب دار
عادل نظام ملک محمد قوام دین
بودند در عذاب بر املایق دام دین

اکن صاحب ستودہ کہ دام فضائی عرش
عادل نظام ملک محمد کہ دھر را
شہباز قدر و جاہ و را آشیان سزد
معاصر رای قاصد او قہرمان سزد
بر قصر قدر اورا از دولت جوان
بر جیس کو بہ بعد جہاز است میزبان
مریخ کو است شعلہ از نا زخمی او
ناہیب آنکہ عود طرب بر کنار اوست
تیر فلک محسوس در دیوان او بود
پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را
در روز حشر بر سر زخمش نشان سزد
از بہر بزم قدر و را در میان سزد
مہ پیک نیز تازوی از ہر جان سزد
قدرش روان فراید و رایش جوان سزد

اور یہ کہ وزیر کا دربار جملہ عالم کا مرکز ہے۔

اکن صاحبی کہ بذل کفش مہند کم کند
تا خواں بر مے کرمت او نہادہ شد
در عصر زمانہ بناء نبی از را
کس گر نہ نہ بیند ازین پیش آزا
چند آنکہ سجدہ رکن بود مہر سازا کہ
بادا نساز گاہ دو عالم جناب او

نظام الملک دستوری کہ باشد
قوام الدین محمد آنکہ شاید
فلک بردر گرش چون داد و خولے
ظفر را فلک و گماش نیابے
برای زادن نور می سعادت
شب آبتن بود مانند آبے

خورم سوگند اگر دارد ببالم چنین دستور ہر گز بیج شاہے
حسودش گر چونقرۂ زخم خوردہ است گدازان باد بھون زر کا ہے نہ

قوام دین محمد محمد بوسعہ کہ در نہاد زمین ہمیشہ شباب آورد
زماہ آفتاب سلم شدہ ست آن نوری کہ نور رایش در روی لہتاب آورد
چو دید جو ہر تنش فلک بشکل نجوم زابر بر رخ خود پردہ و نقاب آورد
تنگفت نیست کہ روزی سے خطا تیرہ چو رای روشن اواز خطا صواب آورد
ہر آن سوال کہ در ملک بود شکل چرخ زبان تیغ جوابش از ان جواب آورد

بغاش باد کہ در خاک ہند زائش تیغ

زبان ہدیت بر روی ملک آب آورد

یہ ایک رباعی بھی اس کی مدح میں ہے :-

سر پیش تو مہر می کہ بر خط نہند از قلم رنج پای بر خط نہند
بستی تو بہر مہر قلم ز پای چنانکہ شاہین ز ہواش چنگ بر خط نہند

آغا عبد الستار خاں

(ایم اے۔ ایم او، ایل۔)

(نوٹ) یہ سلسلہ نوٹ گذشتہ نمبر ۵۹ بابت سید ابوالدین فرہنگ نامہ تو اس میں جو ایک قدیم تالیف ہے اسے سید یعقوبی لکھا ہے۔

دیارِ عرب کے مغربی سیاح

(گزشتہ سے پیوستہ)

۱۴۔ ڈاؤنی

(G.M. Doughty)

دیارِ عرب کے مغربی سیاحوں کی طویل نہرت مختلف قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے نام صرف مخصوص علماء کو معلوم ہیں۔ بعض کی تصانیف کو اپنے زمانہ میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ مگر عام لوگ انہیں اب شاذ و نادر ہی پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ برکھارٹ۔ پالگریو اور برٹن۔ مگر اس کے برعکس ڈاؤنی اپنے زمانہ میں گننام رہا اور ایک مدت کے بعد اس کی سیاحت اور اس کے سفر نامہ کی وہ قدر و منزلت ہوئی جس کی وہ مستحق تھی +

چارلس ڈاؤنی انگلستان کے ضلع سٹاک (Stafford) کے ایک شریف خاندان سے تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کیمبرج سے ڈگری لینے کے بعد وہ تقریباً دس سال تک یورپ کی متعدد یونیورسٹیوں میں تحصیل علم کرتا رہا۔ اور یورپ کے جنوبی ممالک میں ایک عرصہ تک گھومنے کے بعد شام پہنچا اور فلسطین ہوتا ہوا سینا کے علاقہ میں آیا اور بدوی رہبروں کے ساتھ وہاں کی خشک اور وحشت ناک وادیوں میں ادھر ادھر مدت تک پھرتا رہا۔ جہاں اسے پہاڑیوں پر لکھے ہوئے کتبے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جسے غالباً قدیم زمانہ کے راہر سفر کرنے والوں نے چٹانوں پر کھودا تھا۔ یہ تحریریں زیادہ تر محض اسماء، امثال و اقوال یا کلمات تبریک و تہنیت پر مشتمل ہیں۔ وہاں سے ڈاؤنی عیدوم کے علاقہ میں گیا اور وہاں شہر ٹھرا (Hama) پر

کے آثار کو دیکھا ۛ

ایک دن جبکہ ڈاؤٹی مہمان کے ایک تموہ خانہ میں بیٹھا تھا۔ اس نے سنا کہ مدائن صالح میں پہاڑوں کے درمیان کچھ کتبے کھدے ہیں۔ کچھ تو علمی تحقیقات کے ارادہ سے اور کچھ محض سیر و سیاحت کے خیال سے اس کے دل میں عرب کی سیاحت کا شوق چرلایا ۛ
دشوق کی جانب سے شام کے راستہ سے جو حاجی آتے ہیں۔ وہ مدائن صالح میں پانی اور آرام کی خاطر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہ ایک غیر آباد مقام ہے۔ جو مہمان سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور موسم حج کے علاوہ سال کے دیگر حصوں میں بدویوں کی غارت گری کے سبب سے وہاں تک پہنچنا بالعموم مشکل ہے۔ چونکہ عربوں کی روایت کے مطابق یہ علاقہ حضرت صالح کا مکن تھا۔ اس لئے پڑھے لکھے لوگ اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ صالح کا ذکر متعدد بار قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ مگر قدیم الایام سے اس کا مقامی نام الحجر ہے۔ اور اس پاس کے بدوی قبیلوں کے درمیان یہی نام شہور ہے۔ ڈاؤٹی کے زمانہ سیاحت تک یہ مقام اہل مغرب کو معلوم نہ تھا ۛ

الحجر کے کتبے کس قسم کے تھے اور ان کی ماہیت اور نوعیت کیا تھی، ڈاؤٹی کے بدوی رہبر ان کے متعلق اس سے زیادہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کم از کم عربی زبان میں نہیں ہیں۔ چونکہ ڈاؤٹی کو بائبل کے متعلق آثار کی تحقیق کا بڑا شوق تھا۔ اسلئے انکو برائی العین دیکھنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا ۛ

ڈاؤٹی جانتا تھا کہ وہ اکیلا تنہا عرب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ دشوق واپس لوٹا اور وہاں چندے قیام کیا اور وہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ جازیں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ ۱۸۶۷ء کے شامی قافلہ کے ساتھ مدائن صالح پہنچا۔ حاجی لوگ تو کچھ دیر قیام کرنے کے بعد جاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر ڈاؤٹی وہاں کے آثار اور کتبات کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گیا ۛ

ڈاؤٹی نے دیکھا کہ مدائن صالح ایک غیر آباد ریتلا میدان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ حاجی لوگ ایک بڑے حوض کے پاس پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ جہاں سے وہ اپنے لئے اور اپنے حیوانوں کے لئے پانی حاصل کرتے ہیں۔ اور جس کے نزدیک ہی حفاظت کی غرض سے ایک سخت قلعہ بنا ہوا ہے۔ پہاڑیوں کے درمیان مقابر ہیں جن کو پہاڑ تراش کر بنایا گیا ہے۔ اور ان ہی مقابر میں وہ کتبے مرقوم ہیں جن کو دیکھنے کا ڈاؤٹی کو بڑا شوق تھا۔ ڈاؤٹی نے ان تمام آثار کو دیکھا اور بڑی احتیاط سے وہاں کے کتبوں کی نقلیں حاصل کیں۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ آرامی زبان میں ہیں۔ اور نبلی قوم سے متعلق ہیں۔ اور ان کا زمانہ حضرت مسیح کی پیدائش کے قریب قریب ہے۔ یہ کتبے موسیوریناں کے ترجمہ کے ساتھ فرنیچ الیڈی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں اور ڈاؤٹی نے وہاں کے آثار قدیمہ کے جو زیادہ تر مقابر پر نشتمل ہیں۔ خاکے بھی اپنے سفرنامہ میں شامل کئے ہیں :

جب حاجیوں کا قافلہ حرمین سے واپس آیا۔ تو ڈاؤٹی ان کے ہمراہ شام کی طرف واپس نہ لوٹا۔ بلکہ ایک بدوی شیخ کے ساتھ جو اس کا دوست بن گیا تھا چل دیا۔ تاکہ اہل باد یہ کے ساتھ کچھ مدت بسر کر کے ان کے ملک اور ان کی طرز معاش کو دیکھ سکے۔ اگرچہ ڈاؤٹی کے پاس اس ہم کے لئے کافی ذرائع نہ تھے۔ تاہم نتائج کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس نے بدویوں پر اعتماد کرنے میں غلطی نہیں کھائی۔ کیونکہ اگرچہ عام بدوی اسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تاہم دوران سفر میں اسے چند ایک ایسے فراعذل اور ہمدرد انسان مل گئے تھے جن کی روداری اور دوستی اس کے بہت کام آئی۔ اور جن کے مخلصانہ رویہ اور حسن سلوک کو ڈاؤٹی نے عمر بھر شکر یہ کے ساتھ یاد کیا :

ڈاؤٹی نے تقریباً دو سال شمالی حجاز اور علاقہ قصیم میں گزارے اور اپنی صحراوردی کے

دوران میں اہل بادیہ کی زندگی کو باعمان مطالعہ کرنے کے علاوہ اُسے مدائنِ صلح - خیبر - تبما - حائل - بریدہ - عنیزہ - طائف اور جدہ کے مقامات دیکھنے اور وہاں کم و بیش مدت قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔

ڈاؤٹی نے اپنے مذہب کو بحکمت چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ عرب اسے حقارت سے نصرانی کہتے تھے۔ اور اسی سبب سے اُسے اکثر بدسلوکی کا سامنا ہوا۔ بلکہ کئی دفعہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مگر اس کا استقلال اور حیرت انگیز قوت برداشت سب باتوں پر غالب آگئی۔

واپسی پر ڈاؤٹی نے اپنے واقعات سفر اور تاثرات ایک ضخیم سفرنامہ میں قلمبند کئے۔ جو ۱۸۸۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس کی طرف سے دو جلدوں میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ سفرنامہ جس کی تحریر میں ڈاؤٹی تقریباً نو سال تک مصروف رہا۔ بہت طویل ہے۔ کیونکہ اس ملک کے جغرافیہ حالات اور عربوں اور خصوصاً اہل بادیہ کی معاشرت کے متعلق رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔ اور ڈاؤٹی نے ملک عرب کے طبعی خصائص - لوگوں کی طرز زندگی - اُن کے عادات و خصائل، رسوم و آداب اور ان کے عقاید اور خیالات کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ غرض کہ ڈاؤٹی کا سفرنامہ عرب کی ایک قسم کی سائیکلو پیڈیا ہے۔ جس میں تلاش کرنے سے اہل عرب کی مذہبی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کے متعلق کم و بیش ہر قسم کی معلومات مل جاتی ہے۔ سفرنامہ کا عنوان (Arabia Deserta) ہے۔

مگر باوصف اس کے ڈاؤٹی کے سفرنامہ کو فوری مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اول تو یہ سیاحت نامہ عام ناظرین کے لئے بہت طویل تھا۔ اور دوسرے اس کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔ جنگ عظیم کے بعد جب سیاسی تعلقات اور اغراض کے سبب سے اہل انگلستان کو ملک عرب کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوئی۔ تو ۱۹۲۱ء میں اس سفرنامہ کے طبع ثانی کی نوبت آئی اس کے بعد اس کے متعدد سستے ایڈیشن شائع ہوئے اور اس کی بہت قدر و منزلت سمجھنے لگی۔

علم جغرافیہ کے لحاظ سے ڈاؤٹی کی سیاحت کا حاصل یہ ہے کہ اس نے شمالی عرب کے ندی نالوں اور وادیوں خصوصاً وادی حوض اور وادی الزمر کے محل وقوع اور ان کے صحیح رخ کو متعین کیا۔ خیبر کے علاقہ کے متعلق بہت سی قیمتی جغرافیائی تفصیلات بہم پہنچائیں اور خیبر اور تبرک کے درمیانی حرّات کی نوعیت اور رقبہ کو دریافت کیا ۛ
ڈاؤٹی نے ۱۹۲۶ء میں وفات پائی ۛ

۱۵۔ بلنٹ

(W. G. Blunt .)

ڈاؤٹی کے دو سال بعد عرب میں مسٹر بلنٹ اور اس کی بیوی لیڈی این بلنٹ وارد ہوئے۔ ان کی سیاحت کا مقصد علمی نہ تھا۔ بلکہ وہ محض سیر و تفریح اور خصوصاً عدوینی نسل کے گھوڑوں کی تلاش میں اندرون ملک میں آنکے تھے۔ مسٹر بلنٹ اور اس کی اہلیہ تدمر کے ایک شیخ محمد عبداللہ نامی کی ہمراہی میں داخل ہوئے۔ اس کی جماعت میں حضری اور بدوی دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔ دسمبر ۱۸۷۷ء میں دمشق سے روانہ ہو کر وہ دب الحج کے راستہ سے جنوب کی طرف بڑھے اور ایک ماہ کی سیاحت کے بعد وہ وادی سرحان سے ہوتے ہوئے صحرائہ نفود میں داخل ہوئے اور دس دن کے مزید سفر کے بعد حائل میں وارد ہوئے۔ جہاں اُن دنوں محمد بن رشید کی حکومت تھی ۛ

شہر حائل میں وہ ایک مدت تک مقیم رہے۔ اور انہوں نے محمد بن رشید کے دربارِ عدالت۔ طرزِ حکومت، اس کے قصر اور باغات کو خوب اطمینان سے دیکھا۔ حائل کے کوائف اور بلنٹ کی سیاحت کے دیگر حالات اس سفر نامہ میں مرقوم ہیں جو لیڈی بلنٹ نے واپس وطن آ کر لکھا۔ اور جس پر اس کے خاوند نے مزید حواشی چڑھائے ہیں۔ یہ سفر نامہ

Lady Anne Blunt. A Pilgrimage to Nejd. London, 1881.

ایک روز ناچھ کی صورت میں ہے جس میں مشاہدات اور واقعات یوں فیوٹا سادگی کے ساتھ درج ہیں۔ اگرچہ علمی جغرافیہ تحقیقات ان کا مقصود نہ تھا۔ تاہم ان کے سفرنامہ عرب کے شمال مغربی علاقہ جات کے طبعی حالات اور وادی سرعان۔ صحراء نفود اور حرار کے جغرافیہ خصوصیات کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ اور وہاں کے سیاسی کوائف پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے :

مسٹر ہنٹ اور لیڈی ہنٹ کو اپنے پیشرو سیاحوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی۔ کہ چونکہ وہ ایک معتد رشیج کی معیت میں سفر کر رہے تھے۔ اس لئے وہ بھیس بیٹے یا اپنی اصلیت چھپانے پر مجبور نہ تھے۔ سیاحت کے دوران میں انہوں نے عربی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ مگر بھیس بدلنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ اجنبی لباس لوگوں کی نظروں میں خواہ مخواہ نہ کھٹکے۔ اسی آزادی کی طفیل وہ قطب منا اور مقیاس الہواء ملانیہ استعمال کرتے تھے۔ اور اپنی یادداشتیں بلا روک ٹوک لکھتے تھے۔ خاندان بنو رشید کے سیاسی نظام کا ذکر کرتے ہوئے لیڈی ہنٹ نے ایک خاص بات کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا اعادہ یہاں غالباً غیر مناسب نہ ہو۔ وہ لکھتی ہیں۔ کہ خاندان مذکور اس بات سے خوب آگاہ تھا۔ کہ حضری زندگی اور شہروں کی تن آسانی میں مستغرق ہونا ان کی سطوت کے لئے مملکت ثابت ہوگا۔ اور یہ کہ ان کی سیاسی طاقت کا راز ان کی بڑی زندگی کی سرگرمی میں مضمر ہے۔ کیونکہ شہریوں کے لئے اہل بادیہ کو قابو میں لانا بہت مشکل ہے۔ مگر اس کے برعکس اہل بادیہ حضریوں پر ہمیشہ دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ لہذا بنو رشید کی عادت تھی کہ بدویانہ خصائص کو قائم رکھنے کے لئے موسم زینج کے آتے ہی وہ شہر حائل چھوڑ دیتے اور شہری لباس اور تکلفات کو برسر طاق رکھ کر صحرا میں نکل جاتے۔ اور گرما کے وسط تک دیگر بدویوں کے ساتھ رہتے بہتے :

باوجود اس احتیاط اور دور اندیشی کے رشید کا خاندان انحطاط اور ضعف سے

نہ بچ سکا۔ جانشینی کے مسئلہ پر کئی دفعہ کشت و خون کی نوبت آئی۔ جس سے حکمران خاندان کے افراد کم ہوتے گئے۔ اور من حیث المجموع ان کا زور گھٹ گیا۔ یہاں تک کہ چند سال ہوئے عبدالعزیز ابن سعود سلطان نجد نے ان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا ۴

سٹر بلنٹ اور اس کی بیوی گھوڑوں کے بہت شائق تھے۔ انہوں نے امیر جائل کے اصطلح کو بڑے شوق سے دیکھا۔ جو اس وقت تمام عرب میں مشہور تھا اور جس کا مفصل حال لیڈی بلنٹ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے۔ گھوڑے کی پرورش کے متعلق خاتون موصوفہ نے عربوں کی زبانی جو ہدایت تحریر کی ہے۔ اس کا یہاں اس موقع پر نقل کرنا شاید ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گا :-

• اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا بچہ اور دوسروں پر سبقت لے جائے تو حسب ذیل باتوں پر عمل کرو۔ پیدائش کے ایک ماہ بعد تک بچے کو ماں کا دودھ پینے دو۔ یہ اس کے لئے کافی ہو گا۔ اس کے بعد آئندہ پانچ ماہ تک اس میں بکری کا اس قدر دودھ ملاؤ جتنا کہ وہ پی سکے۔ اس کے بعد چھ ماہ تک اس کو اونٹنی کا دودھ دو اور تھوڑی سی گندم جسے پہلے پانی میں بھگو لیا گیا ہو۔ جب بچہ ایک سال کا ہو جائے تو اسے دودھ کی حاجت نہ رہے گی اس کے بعد اسے گندم اور گھاس پر پالنا چاہیئے۔ جب دو سال کا ہو جائے تو اسے محنت مشقت کا عادی کرنا چاہیئے ورنہ وہ کسی کام کا نہ رہے گا۔ اب اسے بڑے جانور کی طرح جو کھانے کو دو۔ اور گرما میں دوپہر کے وقت اسے آتش بھی پلاؤ۔ آتش تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آٹے کی دوٹھیاں لو اور ہاتھ کے ساتھ پانی میں خوب ہلاؤ۔ یہاں تک کہ پانی دودھ کی طرح سفید ہو جائے۔ پھر اسے چھان لو۔ اور جانور کو پلاؤ۔ شروع ہی سے گھوڑے کو دھوپ میں کھڑا رہنے کا عادی کرو۔ مگر ہاں جب دوپہر چڑھ آئے تو اسے سیر کر کے پانی پلاؤ۔ تیسرے سال میں بچہ پر سواری کرنا چاہیئے۔ جہاں مانگ جائے اسے بھی ساتھ لے جائے۔ تاکہ اسے ہر قسم کا تجربہ ہو اور اس کی ہمت بڑھے۔ اسے اکثر ریاست کرانی چاہیئے

تاکہ وہ ہمیشہ کھانے دانے پر کھڑا نہ رہے۔ اسے بے سفر کی بھی عادت ڈالنی چاہیے۔ جس جانور کے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں۔ جب تین سال کا ہو جائے تو اسے سرپٹ دوڑانے کی مشق کرانی چاہیے۔ اگر جانور اچھی نسل کا ہے تو کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔

سرٹبلٹ جب نجد سے لوٹے تو شیعہ حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ کر بلا ہوتے ہوئے بغداد پہنچے۔ وہ اپنے ساتھ عمدہ نسل کے بہت سے گھوڑے بھی لائے تھے۔ ان کا مطلب مدت تک انگلستان میں بہت مشہور رہا۔ سرٹبلٹ نے ۱۹۲۲ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی :

۱۶۔ سنوک ہر خریاں

(Snouck Hurgronje)

برن کی زیارت (جس کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے) کے تیس سال بعد ایک دیگر مغربی عالم دریافت حالات اور علمی تحقیقات کے ارادہ سے حجاز میں وارد ہوا جس کا نام سنوک ہر خریاں تھا۔ اور جس نے بعد میں بحیثیت ایک ممتاز اور نامور مستشرق کے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ہر خریاں ۱۸۸۵ء کے موسم خزاں میں جدہ میں وارد ہوا اور ساحل پر پانچ مہینے بسر کر کے ایک طبیب کی صورت بنا کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ میں اسے چند ماہ ٹھہرنے کا موقع ملا۔ اور ایک موسم حج سے دوسرے موسم حج کے درمیانی وقفہ میں اس نے مکہ کی سوسائٹی کا بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ بظاہر وہ ایک عرصہ دراز تک وہاں قیام کر سکتا تھا مگر اسے مکہ میں وارد ہونے ابھی صرف پانچ ماہ گزرے تھے۔ کہ جدہ کے فرانسیسی قنصل نے اس کے خلاف جنگی کھائی اور حکومت عثمانیہ کے عمال کو اطلاع دے کر اُسے مکہ سے نکلوا دیا :

ہر خُریان عربی زبان خوب جانتا تھا۔ اور بڑا مستند شخص تھا۔ لہذا اگرچہ اُسے مکہ میں صرف چند ماہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ مگر اس نے اس قلیل فرصت کو بہت اچھی طرح استعمال کیا۔ اور مکہ کی زندگی کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا۔ واپسی پر اس نے مکہ کے متعلق ایک کتاب جبرن زبان میں دو جلدوں میں لکھی۔ جو اپنے موضوع پر ایک مستند تالیف شمار ہوتی ہے۔ اس تالیف کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں مؤلف نے عربی تاریخی مصاد سے شہر مکہ اور وہاں کے حکمرانوں کی پوری تاریخ لکھ دی ہے۔ جو تاریخی لحاظ سے ایک کارآمد اور مفید کتاب ہے۔ دوسرا حصہ مؤلف کے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔ جس میں ہر خُریان نے شہر مکہ کے اقتصادی نظام اور وہاں کی منڈیوں، مقدس مقامات اور ان کے متوتیوں، اہل مکہ کی معاشرت، ان کی خانگی زندگی اور رسوم و عادات اور ان کے اخلاقی محاسن و معائب کو خوب شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اگرچہ ہر خُریان عربوں کے ساتھ پالگریو کی سی طبعی مناسبت نہ تھی اور نہ ہی اسے ان کے ساتھ ڈاؤنی کی طرح گہرا میل جول پیدا کرنے کا موقع ملا تھا۔ تاہم اس نے مغربی نقطہ نظر سے آثار و عیسیٰ کے آخر میں مکہ کی معاشرت کا جو دلچسپ مرقع کھینچا ہے وہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اُس نے عثمانی دور کے صورتِ حالات کو جواب بہت مد تک بدل چکے ہیں۔ قلبند کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اس دوسری جلد کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اصل جبرن تالیف اور ترجمے کے عنوان ذیل میں مندرج ہیں :

عنایت اللہ (ملتان)

S. Hurgonje . Mekha.

2 Vols. Hague, 1888. (2) Mekha in the

latter part of the 19th Century. Iran, by Monahan, Leyden, 1931.

سرسید کے سیر اثر ادبی تنقید کی ابتدا

تہذیب الاخلاق نے سوسائٹی اور ادب کی تنقید کے ذریعے اگرچہ عام مذاق قومی کی تنقید کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ ادبی تنقید کی طرف علماء کا رجحان اتنا زیادہ نہیں ہوا۔ جتنا کہ توقع کے مطابق تھا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ اس دور میں ان شعبوں میں زیادہ چھان بین کی گئی۔ جن کا تعلق قومی اور مذہبی احیاء و اصلاح کی تحریک سے تھا۔ چنانچہ مذہب اور تاریخ میں بہت اہم کتابیں لکھی گئیں۔ باقی رہا ناول۔ سوائے بھی احیاء قومی کی خدمت میں لگایا گیا۔ ادب اور آرٹ کی خدمت بالذات ان لوگوں کے پیش نظر نہ تھی +

تاہم ذوق ادبی کی اصلاح بھی چونکہ قومی اور ملی تعمیر کا ایک جزو ہے۔ اسلئے کسی قدر کام ضرور ہوا۔ پھر چونکہ قوم کا میلان اردو سے زیادہ عربی فارسی کی طرف تھا اس وقت ہم فارسی کا مذاق شایستگی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے تنقید کے لئے اردو ادب کے ساتھ ساتھ فارسی شاعری کی طرف بھی توجہ کی گئی +

حالی زبان اردو ہمیشہ مولانا حالی کی شکر گزار رہے گی۔ جنہوں نے مشہور مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اردو میں تنقید اور اصلاح ذوق کی بنیاد ڈال دی۔ ہم نے مولانا حالی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ مولانا حالی سب سے پہلے انجمن پنجاب لاہور میں مغربی طرز فکر سے روشناس ہوئے۔ جہاں انہوں نے نئی روش کے مطابق مشغولیاں لکھیں۔ اس کے بعد سرسید کی تحریکے وابستگی اور تہذیب الاخلاق سے تعلق کی وجہ سے مولانا بعدت اور اجتہاد کی طرف مائل ہوتے گئے۔ اور اردو شاعری میں اصلاح کی تحریک کے رہنما قرار پائے +

حالی نے اپنے اصلاحی خیالات مقدمہ شعر و شاعری حیات سعدی اور یادگار غالب

ظاہر کئے۔ اور یہی ان کے تنقید ادب کے کارنامے ہیں حیات جاوید میں بھی سرسید کی نصیحت پر تنقیدی بحث کی ہے ۛ

مقدمہ شعر و شاعری | اس معرکہ الار تصنیف میں مولانا حالی نے شعر، اس کی تاثیر،

اس کا تعلق تہذیب سے، نہی پُرانی شاعری وغیرہ کے موضوع کو پہلے لیا ہے۔ پھر یہ ظاہر کیا ہے کہ شاعری سوسائٹی کے تابع ہوتی ہے شخصی حکومتوں نے مسلمانوں کے مذاق کو برباد کر دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں جو شاعری مروج ہے۔ وہ تقلیدی ہے اور اس پر فارسی کے مذموم اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں قصص اور بناوٹ ہے اور یہ کسی جذبہ اندرونی سے تاثیر کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ محض قافیہ توزی ہے اور تاثیر سے خالی۔ جب تک کسی شاعری میں "اصلیت" اور "جوش" نہ ہو۔ اس وقت تک وہ حقیقی شاعری نہیں کہلا سکتی ۛ

حالی شاعری کے لئے معیشت کو ایک ضروری چیز قرار دیتے ہیں۔ قدیم زمانے سے اب تک شاعری میں جھوٹ کی جو آمیزش چلی آتی ہے۔ اس سے نئے شاعروں کو احتراز کرنا چاہیئے۔ قدیم عربی شاعری اس صفت سے متصف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اثر و تاثیر سے لبریز تھی ۛ شاعری کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نچر کے مطابق ہو اور اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو عادت یا واقعہ کے خلاف ہو ۛ

اچھے شعر کے لئے زبان کی درستی اور سادگی بھی ضروری ہے۔ مولانا حالی دہلی اور لکھنؤ کی تفریق کو پسند نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ اردو کی حدود کو وسیع کیا جائے۔ اور نہ صرف عربی فارسی سے شاعر کو مناسبت ہو بلکہ ہندی بھاشا میں بھی دست گاہ رکھتا ہو ۛ لیکن شعر دراصل وہی ہے جو کسی تاثیر کے ماتحت لکھا گیا ہو۔ حالی کہتے ہیں "بہر حال جہاں تک ممکن ہو کسی مضمون کے لکھنے پر اس وقت تک قلم نہیں اٹھانی چاہیئے۔ جب تک اس کے دل کو چٹیک نہ لگی ہو" ۛ

چونکہ غزل تمام طبقات میں بہت مقبول ہے۔ اس لئے حالی نے اس کی اصلاح کو بہت ضروری خیال کیا ہے۔ غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں۔ وہ ایسے جامع الفاظ میں بیان کئے جائیں۔ جو دوستی اور محبت کی تمام انواع و اقسام اور تمام جسمانی اور روحانی تعلقات پر حاوی ہوں۔ یہاں تک ممکن ہو۔ مذکر اور مؤنث کا لفظ نہ آئے۔ حالی کہتے ہیں کہ فارسی شاعری اور اردو شاعری میں مرد و معشوق کا ذکر محض ایک غلط فہمی اور قوی محبت کے خیال پر مبنی ہے۔ نہ کہ حقائق و واقعات پر۔ اس طریقے کو منسوخ کر دینا چاہیئے۔ اس کے برعکس جو لوگ اعلیٰ عورتوں کے لوازمات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بھی مناسب نہیں۔ حالی عشقیہ مضامین میں اس ترمیم کے ساتھ ساتھ شراب وغیرہ کے ذکر میں بھی اصلاح چاہتے ہیں۔ نہ کہ بڑا بھلا کہنے کی رسم بھی بُری ہے۔ اس کو بھی ترک کر دینا چاہیئے۔

غرض حالی شاعری میں سچائی کے عنصر کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور نئے شاعروں کو پرانی روش کی تقلید سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ حالی کی اصلاحی تحریک کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اور ملک میں خالصتہً قدیم طرز اور بالکل جدید طرز پوری قوت کے ساتھ رائج ہے۔

مقدمہ میں انگریزی کتابوں سے کافی مدد حاصل کی گئی ہے۔ لیکن عربی و فارسی نقادان ادب کے مقولوں سے اور شعراء کے اشعار سے ہمنوا کی بنا پر اس کی قدر قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔

حیاتِ سعدی میں حالی نے بلبل شیراز کی لایف کے ساتھ ساتھ ان کے کلام پر بھی تنقید کی ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کسی فارسی شاعر کی لایف اور کلام پر محققانہ تبصرہ ہوا۔ اس میں حالی نے "موازنہ اور مقابلہ" کا اصول رائج کیا۔ چنانچہ گلستان کی خوبی کا اندازہ لگانے کے لئے اس کا موازنہ فارستان اور پریشان وغیرہ ہم طرز کتابوں کے کیلئے

سعدی کے کلام میں سے ایک "اخلاقی سبق" اور "پیغام" بھی نکالا گیا ہے۔ اس طرح قصائد اور قطعات کی تنقید میں "صداقت" کے عنصر کو تلاش کیا گیا ہے۔

غزل کی خرابیوں کے متعلق حیاتِ سعدی میں بھی سیر حاصل بحث ہے۔ اور "مستوح" کے ذکر ہونے کی رسم کو مذموم قرار دیا ہے۔

یادگار غالب بھی اسی طرح کی ایک تصنیف ہے۔ لیکن اس کو غالب کے کلام کا انتخاب کہنا چاہیئے۔ اس نے بلند پایہ شاعر اور مفکر کے کلام کی تنقید کا حق صرف انتخاب کے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہاں حسن ذوق کی طرف عمدہ رہنمائی ضرور ہے۔

حالی حدیث تنقید کے اصولوں سے اچھی طرح واقف نہ تھے انہوں نے مغربی ادبیات سے جو کچھ اخذ کیا۔ وہ بالواسطہ تھا۔ پھر بھی یہ بات ان کے امتیاز کے لئے کافی ہے۔ کہ وہ اپنے اندازہ اور جانچ تول میں، اپنے اظہار رائے اور فیصلہ میں اور ادبی شاہکاروں کا، قدر و قیمت میں کرنے میں اکثر سلامت طبع کا ثبوت دیتے ہیں۔ غیر جانب داری

Disinterestedness اور میانہ روی ان کی خصوصیات میں سے ہیں۔

شبلی | شبلی جن کا ذکر اس کتاب میں کئی جگہ آیا ہے۔ جہاں کہیں بھی ہیں۔ صدر نشین نام ہیں۔ علم کلام، تاریخ اور فنِ سیر میں وہ وقت کے امام ہیں۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو ذوقِ ادب میں وہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے ملکہ اجتہاد سے جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ اسی میں اصول و ابواب مقرر کرتے چلے جاتے ہیں۔

فارسی شاعری کی وہ بے مثل تاریخ جو شعرِ اعجم کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ بقول ہمدی جن "تنقید عالیہ (ربانی کرڈیم) کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے"۔ بلکہ انہیں اصرار ہے کہ صرف اردو لٹریچر میں نہیں بلکہ مشرق کی کسی زبان میں اس پایہ کی تصنیف موجود نہیں۔

ہمارے ملک کے اس بلند پایہ انشا پرداز نے جس شعرِ اعجم کی اتنی تعریف و توصیف کی ہے اسکی ترتیب میں مصنف نے مغربی تنقید اور معیارِ ادب کے اصولوں سے اپنے

ثلی نے اپنی تنقید میں کیا خاص نئے اصول وضع کئے ؟ ان کا جواب تفصیل چاہتا ہے۔ ان اصولوں کی مختصر فہرست یہ ہے :-

۱۔ طبعی حالات کا اثر شاعری پر ثابت کیا جائے۔

۲۔ معاشرتی حالات کے زیر اثر قومی شاعری میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں ؟

یہ بات بلاشبہ کہی جا سکتی ہے۔ کہ ادبی تنقید کے معاملہ میں ثلی اگرچہ جدید اصول تنقید کے معیار سے بعض جگہ گرجاتے ہیں۔ تاہم ان کا درجہ ناقدان ادب میں بہت بلند ہے۔

۳۔ شاعری کی قدیم تقسیم غزل، قصیدہ وغیرہ مٹی۔ لیکن ”تقسیم کا صحیح طریقہ یہ تھا۔ کہ شعر کی جو حقیقت ہے یعنی مصوری جذبات و تخیل، اس کے لحاظ سے اس کے معنوی اقسام قائم کئے جائیں۔ مثلاً رزمیہ، عشقیہ، فخریہ، مرثیہ، اخلاقی، صوفیانہ، فلسفیانہ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے مختلف ادوار، اور ان کی خصوصیات، غزل اور اس کا معنوی تجربہ، قصیدہ اور اس کا اثر ؟

۴۔ ہر ایک شاعر کی معنوی اور فطری خصوصیات ظاہر کی جائیں ؟

۵۔ ہر ایک شاعر کا پیغام ”یا“ اصلی مقصود شاعری“ واضح کیا جائے ؟

۶۔ یہ واضح کیا جائے۔ کہ ایک شاعر نے کہاں تک ”صداقت“ اور ”خلوص“ کو اپنی

شاعری کا مبنی قرار دیا ہے۔ نیز شاعری کی تاریخ لکھتے وقت صرف طرز خاص کے موجدوں کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے ؟

ثلی چونکہ فلسفیانہ استنتاج کے بہت دلدادہ تھے اور اسباب اشیا سے اکثر بحث

کیا کرتے تھے۔ اسلئے اس اصول کو یہاں بھی نہایت اچھی طرح استعمال کیا۔ مثلاً یہ کہ فارسی

شاعری نے کن کن اسباب سے عروج حاصل کیا۔ اور اس کے زوال کے کیا اسباب تھے ؟

ثلی نے اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ کہ انتخاب کلام میں شعراء کی عزت نفس،

خود داری، ہمت اور حق گوئی یا برعکس صفات کا اظہار ہو سکے اور یہ غالباً اسلئے ہے۔ کہ

شبلی قوم میں ذوق صحیح کے ساتھ ساتھ آزاوی کے جذبات عالیہ پیدا کرنے کے بہت خواہاں تھے ۛ

حالی کی طرح شبلی بھی "موازنہ و مقابلہ" کرتے ہیں اور یہ طریقہ براؤن نے بھی حافظہ و خواجہ وغیرہ کے باہمی موازنہ میں استعمال کیا ہے ۛ

شاہ نامہ کی بحث بہت طولانی ہے۔ اس تنقید میں شبلی نے شاہ نامہ کو ہومر کی ایڈ کا درجہ دیا ہے۔ اور اس کو بہترین رزمیہ قرار دیا ہے۔ فردوسی کو ماہر نفسیات، منصور جذبات اور اعلیٰ درجہ کا حقیقت نگار ثابت کیا ہے ۛ

شعر الجعم کا ایک نفص بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں مختلف شعراء کی خصوصیتوں کے بیان میں تواروسا ہو گیا ہے۔ اور چونکہ یہ شعراء اکثر غزل گو تھے۔ اس لئے ان کا کوئی مجموعی پیغام نظر نہیں آتا۔ پس لفظی خصوصیتوں کے بیان میں تکرار سا پیدا ہو گیا ہے ۛ

آخر میں ہم یہ ضرور کہیں گے۔ کہ شعر الجعم واقعی ایک انقلاب انگیز تصنیف ہے۔ اور بقول ہمدی حسن درحقیقت یہ "دنیا کی سب سے شیریں زبان کے جذباتی لٹریچر کا ایک خوبصورت مرقع ہے" ۛ

سید محمد عبداللہ

تنقید و تبصرہ

(۱) تاریخ الہ آباد (جلد اول) مصنف مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی مصنف حیات جیل آزاد بنگلہ دیش، تاریخ قنوج وغیرہ۔ اشار پریس الہ آباد۔ صفحات ۲۹۹۔ کثابت و لماعت عمدہ۔ قیمت چار روپے

زیر تبصرہ کتاب الہ آباد کی تاریخ ہے۔ جس میں بقول مصنف "گلزار ہدیشہ بہار شاہ گیم" اور اس کے دفن، شاہزادہ خسرو اور اس کے مقبرے، سلطان بہار بانو کے روضے اور متجوسن گیم کے گنبد کے گزشتہ موجودہ حالات کیجا میں گئے۔" (ص ۴۰)۔ یا بالفاظ صحیح تر اسے "بیان خسرو باغ" کہا جاسکتا ہے۔

سلطان خسرو یا شاہزادہ خسرو شاہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا تھا۔ اور رانی مان بائی الخاں شاہ گیم کے بطن سے تھا۔ جب جہانگیر تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے اگرچہ اپنے بیٹے خسرو کی ہر طرح ولداری کی۔ لیکن اس نے پھر بھی اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر ہی دیا۔ لاہور میں باپ بیٹوں کا مقابلہ ہوا۔ بیٹے کو شکست ہوئی اور بالآخر تمام عمر کے لئے قید کر دیا گیا۔ اگرچہ خسرو قید میں تھا۔ تاہم خرم (جو بعد میں شاہجہان ہوا) تخت و تاج کے اس حریف سے بے خوف نہ ہو سکتا تھا۔ جب وہ خرم (خرم) دکن کی مہم پر بھیجا گیا تو وہ خسرو کو بھی بہ بہانہ محبت اپنے ساتھ لے گیا۔ خسرو وہاں ہی قضایا ماحل کا شکار ہو گیا۔ یا شاید اس کی قضاکے لئے انسانی تدبیر کام میں لائی گئی۔ پہلے برہان پور میں دفن ہوا۔ پھر جہانگیر کے حکم سے الہ آباد میں اپنی ماں شاہ گیم کے پڑوس میں دفن کیا گیا۔

یہی وہ مقام ہے۔ جو خسرو باغ کے نام سے شہرت رکھتا ہے اور جس کی توصیف و تحقیق میں اس کتاب کا بیشتر حصہ صرف کیا گیا ہے۔ زیر بحث کتاب، دراصل اس طویل

سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جو الہ آباد اور اس کے متعلقات کے متعلق مصنف کے پیش نظر ہے۔ حضرت مصنف کی تجویز ہے کہ اس کے بعد تذکرہ سلطان خسروؒ شایع کیا جائے گا۔
 اس کتاب میں پریاگ، کڑہ، الہ آباد کی وجہ تسمیہ اور اس کی تاریخی اہمیت پر بہت مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور علاوہ خسرو باغ اور مقبرہ شاہیگم (رانی ان بائی) کے طول طویل حالات کے بہت سے ایسے مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ جو اگرچہ کتاب میں ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم ان سے کتاب کا افادی پہلو بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کا شوق و شغف باغات کے ساتھ، جس میں فاضل مصنف نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے وقت سے لے کر مغلوں کے زمانے تک باغات کی تعمیر و ترتیب کی تاریخ دے دی ہے۔ یا مثلاً مسلمان بادشاہوں کا ہندوؤں سے قربت پیدا کرنا اسی طرح ”مغل بادشاہوں کے روزنامے“ کے ضمن میں بہت سی قابل قدر معلومات فراہم کی ہیں۔ ”فن تاریخ اور مسلمان“ کے عنوان سے جو صفحات لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی بہت مفید اور کارآمد ہیں۔

اس میں شبہ نہیں۔ کہ باہمی النظریں یہ تمام مباحث کتاب کے نفس مضمون سے گہری وابستگی نہیں رکھتے۔ اور بعض صورتوں میں اس سے تصنیف کے حسن تناسب پر برا اثر پڑتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ جو ذخیرہ عمدہ مطالب کا اس میں جمع ہو گیا ہے اس سے اس خامی کی تلافی باحسن وجوہ ہو جاتی ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔ کہ حضرت مصنف نے جس محنت سے تمام مآخذ کی چھان بین کی۔ اور جس وسعت نظر سے قدیم و جدید، انگریزی اور غیر انگریزی کتابوں کا مطالعہ کیا وہ بے حد قابل تحسین ہے۔ کتاب کے ہر ہر صفحے پر ذیلی حاشیوں میں بے شمار کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ جو مصنف کی عرق ریزی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

یہ یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ الہ آباد کے متعلق کوئی کتاب، یا اس جامعیت و وسعت ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ جس کے لئے مولوی صاحب مستحق مبارک باد ہیں۔

ان بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ، چند امور، دور ان مطالعہ میں ہماری نظر سے ایسے گذرے۔ جو ہمارے نزدیک اصلاح اور نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ مثلاً ص ۵۱ پر جناب مصنف لکھتے ہیں :-

”البتہ آگے چل کر باپ سے باغی و طاعی ہو کر اس نے تمام شان و شوکت ملوکانہ اختیار کر لی تھی۔ ممکن ہے کہ اس رعایت سے یہ قطعہ کہا ہو؟“

مندرجہ بالا عبارت میں جس قطعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے :-

بفرمان شاہنشاہ جہانگیر کہ زیب ملکش از مہتابا ہی
نباشد این سرای آسمان نذر [کہ باد آباد خلد آباد شاہی]

ہمارے مصنف کا خیال ہے کہ یہ قطعہ جہانگیر کے ایام بغاوت کا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ایام بغاوت میں اس نے جہانگیر لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ سلیم کے نام سے مشہور تھا نور الدین محمد جہانگیر کا لقب سلطنت میں تخت نشینی کے بعد اختیار کیا گیا ہے۔

ہمارے مخدوم پروفیسر شیرانی مدظلہ کے کتب خانہ میں ایک فرمان جہانگیر کے ایام بغاوت کا موجود ہے جس کی ہر کے الفاظ یہ ہیں :-

”مظفر الدین والدین سلطان سلیم بادشاہ“

اس سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوتی ہے کہ ایام بغاوت میں جہانگیر کا لقب سلطان سلیم تھا۔ مندرجہ بالا قطعہ سلطنت کے بعد کا ہے۔ نہ کہ ۹۵۷ یا ۹۹۵ء کا جیسا کہ حضرت مصنف نے قطعہ کے آخری مصرعہ سے تاریخ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قطعہ میں تاریخ یا مادہ سال کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ تیسرے اور چوتھے مصرعہ کے بیان کوئی ربط بھی نہیں معلوم ہوتا۔ بظاہر مصرعہ چہارم اس قطعہ کا جملہ نہیں ہے :-

ص ۵ پر ایک کتبہ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کے نام کا ہے جس کی تاریخ مصنف علام نے سلطنت دہلی سے گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ نور الدین جہانگیر لقب

۱۱۴ھ کے بعد اختیار کیا گیا تھا۔ ۱۱۵ھ میں اکبری دور تھا۔ کیا واقعی اکبر کی عین حیات
 سلیم اس شاہانہ لقب سے متاثر ہو گیا تھا؟

ص ۲۷۸ پر ”خردگفت جاے بہجت گرفتہ“ کے اعداد ۷۷۷ لکھے ہیں۔
 حالانکہ ۱۱۸۴ھ لکھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ دراصل مصرع یوں ہو گا ع
 ”خردگفت جلیے بہجت گرفتہ“

ص ۲۷۵ پر، باوجود ہر مقام پر مادہ ہای تاریخ سے تاریخ دینے کے التزام کے
 جناب مصنف نے مصرع ”سنہ ہفت جلوس بادشاہی“ سے جن دو طریق پر تاریخ برآمد ہوتی ہے
 اس کا بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اس سے ایک تو سنہ جلوس نکلتی ہے اور دوسری سنہ
 ص ۲۷۸ پر فرماتے ہیں اسی طرح حسب تحریر ہوا افضل۔۔۔۔ ہمایوں نے بھی اکبر
 وہی عمر چار سال۔ چار ماہ چار روزم ہو جانے پر کتب نشین کروایا تھا؟

یہاں اعتراض ہو سکتا ہے کہ اکبر ہمایوں کے فرار کے وقت امرکوٹ میں پیدا ہوتا
 اور کامران مرزا کے حملہ کے وقت اس کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ ہمایوں ایران چلا جاتا ہے
 اور اکبر چچا کامران کے پاس رہتا ہے، ہمایوں ایران میں دس سال گزارنے کے بعد کابل اگر
 کامران کو شکست دیتا ہے اور اکبر کو حاصل کرتا ہے۔ ان حالات میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے
 کہ اکبر کی کتب نشینی کے لئے، عمر کی مندرجہ بالا قید پُرل ہوا ہو؟

ص ۱۹۰ پر سلمان ساوجی کے قصیدہ لامیہ کے کچھ اشعار درج ہیں جن کے
 صحیح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ مصنف لکھتے ہیں:-

”در شارع دین کو ہفت سنگی کابل [دوسرا مصرع غائب ہے]“

حالانکہ مصرع اول غائب ہے۔ جو یوں ہے ع در راہ ہوا گاہ وشی سارع و پراں
 ص ۱۹۳ پر جو اشعار نام چھوڑ دیئے ہیں وہ بھی سلمان کے قصیدہ لامیہ کے ہیں جنہیں
 ہم تمام کر دیتے ہیں:-

[ہم سودہ و فرسودہ خوشی آخر [ان خود
[درد راہ ہوا کاہ و شی سار و پڑان]
این طول ال چیت [برآنی] کہ زمانہ
از نیست بہستی و زمانہ ہی برہیت
تا شہر و خود است [روانند توان]
ص ۱۵۹ پر جو قطعہ درج ہے۔ وہ ہمارے نزدیک اغلاط سے خالی نہیں کیونکہ اسکے

ایک سے زیادہ اشعار بحال موجود ہمنی کی سرحد سے نکل کر مہلات کی سرحد میں پہنچ گئے ہیں مثلاً
شعر ۳ میں 'اہل وادباش' شعر ۴ میں 'از مصلحت یاد شد' شعر ۵ میں 'در تہ خاکِ انوسل متلا شد' وغیرہ۔ ص ۳۳ پر فیروز تخلق کے متعلق فرمایا ہے :-

"اس نے اپنے مستقر سلطنت میں جو دہلی سے زیادہ فیض آباد کے نام سے اہمیت
شہرت رکھنا تھا۔ تو باغ نصب کر لئے تھے۔" فیروز تخلق نے جو مقرر سلطنت بسایا تھا
اس کا نام فیروز آباد "مقا۔ فیض آباد غالباً سہو کا تب ہے"

ص ۳۴۔ "سب سے پہلے اسی (سکندر لودھی) کے زمانے میں ہندوؤں نے
عربی۔ فارسی شروع کی تھی۔" اس کی سند بیلز کی کتاب ییا گرافیکل ڈکشنری سے پیش
کی ہے۔ حالانکہ فرشتہ وغیرہ قدیم تواریخ کی سند پیش کی جانی چاہیے تھی

اسی طرح بہت سی معمولی غلطیاں اور بھی نظر سے گزری ہیں۔ جو، بہر حال،
اس محققانہ اور فاضلانہ تصنیف کی بلند حیثیت پر کسی نوع اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔
ہماری دعا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ فاضل مصنف کو اس نہایت ہی مفید کام کے
دوسرے اجزاء کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۲) کیفیات :-

ڈاکٹر مومن سنگھ صاحب دیوانہ۔ ایم، اے۔ پی، ایچ، ڈی۔ ڈی۔ ٹی۔
لیکچرر پنجاب یونیورسٹی کے اشعار کا یہ ایک چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ جو حال ہی میں

میسر زاتارام اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں بیشتر قطعات اور چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں۔ جن میں جناب دیوانہ نے اخلاقی، مذہبی اور فلسفی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شروع میں دس صفحے کا دیباچہ جناب عبدالقادر صاحب سروری پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے اس مجموعے پر پوری طرح سے تبصرہ کر دیا ہے۔ ذیل کی عبارت کو ان کے تبصرے کا خلاصہ سمجھنا چاہیے:-

”اس مجموعے کا پڑھنے والا بلاشبہ یہ محسوس کرے گا۔ کہ جناب دیوانہ کی فطرت میں شاعری اور حسن گفتار کا ملکہ موجود ہے۔
 (ان نظموں میں انہوں نے) فلسفیانہ انداز فکر کا پیوند غنائی شاعری کے اسالیب کے ساتھ خوب لگایا ہے۔ بحروں کے انتخاب میں ترنم کا وہ حتمی الامکان خیال رکھتے ہیں، عصر حاضر کی اردو شاعری کی اکثر خصوصیات کے علاوہ جدید ترین تحریکات کا شائبہ بھی اس مجموعے میں موجود ہے۔ بلکہ جگہ ایسے شعر ملتے ہیں جن میں شاعر نے اپنے زمانے کی عام اور خاص ہر طرح کی تحریکوں کو صاف طور پر یا استعارے کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔“

کتاب کی طباعت خاصی اچھی ہے۔ تقطیع $\frac{20 \times 30}{14}$ ، قیمت ایک روپیہ ۛ

ادارہ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس

علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے اس کے پھر برس پہلے ادارہ معارف اسلامیہ کی بنائگی، اس وقت ہمارا خیال تھا کہ مسلمانوں کی جسے حسی اور ادارہ کے شعور علمی اغراض و مقاصد کو دیکھتے ہوئے اس کا چلن لکھنا دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن علامہ مرحوم کی نیک نیتی اور مال بینی کا پہلا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ قوم نے ادارہ کی ضرورت کو محسوس کرنا اور سرگرمی کے ساتھ اس میں دلچسپی لینا شروع کر دیا ہے، مئی ۱۹۳۷ء کے ادنیل کالینگزین میں اجلاس دوم کی کارروائی کو بیان کرتے ہوئے میں نے بتلایا تھا کہ دوسرا اجلاس پہلے کی نسبت بہت زیادہ کامیاب اور بارور و فنی رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تیسرے اجلاس کی نسبت میں یہ کہہ سکنے کے قابل ہوں کہ وہ دوسرے کی نسبت بہت زیادہ کامیاب اور بارور و فنی رہا :

اعلان کے مطابق ادارہ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس گذشتہ کرسس کی تعطیلات میں بمبئی کے ہال میں بصدرارت جناب آذیل سر شاہ محمد سلیمان منعقد ہوا۔ دہلی میں اس انعقاد اجلاس کی تحریک ادارہ کے ایک وزیر ہمدرد جناب شمس العلماء مولانا مولوی عبدالرحمن اور ان کے رفیق و ہیکارہ پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی کی طرف سے ہوئی۔ ان دو حضرات نے عربک کالج دہلی کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ادارہ کو دہلی میں مدعو کریں۔ اور اجلاس کے انعقاد کا اہتمام اپنے فرائض میں۔ ہم ان حضرات کو دلی مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کے حسن انتظام اور مہمان فرائض کی دولت اجلاس ادارہ کو اتنا زبردستی کامیاب و فانی ہوئی لیکن جس بات پر ہم ادارہ کو خصوصیت کے ساتھ متفق ہوئے ہیں وہ اس کے صدر کا انتخاب ہے ہماری پانہائی خوش نصیبی تھی کہ جناب آذیل سر شاہ محمد سلیمان نے اس اجلاس کی صدارت کو منظور فرمایا۔ ان کی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ وہ صاحبِ رتبہ بھی ہیں اور صاحبِ علم و فضل بھی اور اپنی صدارت انہوں نے نہ صرف ادارہ کی سرپرستی کی بلکہ ایک ذی علم کی حیثیت سے اپنے خاص نظریہ اضافیت پر ایک بصیرت افروز مقالہ پیش کر کے اہل جلسہ کو مستفید بھی کیا۔ سب سے زیادہ مسرت ہمیں اس بات سے ہوئی کہ اپنی انگریزی دانگی کے باوجود وہ اپنے وطن کی زبان کے زبردست عالمی ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا خطبہ صدارت بھی اردو مقالہ ہی اردو میں پڑھا اور اس بات کی تاکید کی کہ اس قسم کی علمی مجلسوں کی کارروائی ہمیشہ اردو میں ہونی چاہیئے :

افتتاح اجلاس

اجلاس ادارہ کا افتتاح ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو ساٹھ ویں سبجے سربراہ کالج کے ہال میں ہوا۔ حاضرین کی تعداد چار سو کے قریب تھی جن میں اکثر عائدین ملی شریک تھے۔ کارروائی جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن مجید ہوا جس کے بعد ان ذیل سر عبدالرحمن (سابق) و انس چانسلر دہلی یونیورسٹی (صدر مجلس استقبالیہ نے اپنا خطبہ خیر مقدم ب زبان اردو پڑھا جس میں انہوں نے دہلی کی قدیم علمی روایات کے مٹ جانے کو حسرت و افسوس کے ساتھ بیان کر کے بعد اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ادارہ کا دہلی میں منعقد کیا جانا ان علمی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش ہے، خدا کرے کہ وہ بار آور ہو، اسکے بعد جناب کزنیل سر شاہ محمد سلیمان نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ علوم اسلامیہ کی اہمیت کو جتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ زمانہ حال میں یورپ کے محققین علوم کی کوششیں اس بات پر وقف ہیں کہ توسیع تجارت کسب مال اور دنیاوی عیش و آرام کے سال تلاش کئے جائیں یا آلات ہلاکت ایجاد کئے جائیں جن کی بدولت جنگ میں نسل آدم کی تباہی بڑھے سے بڑھے پیمانے پر ہو سکے، لیکن اسلام کے نزدیک تحصیل تحقیق علوم سے خدمت خلق مقصود ہے، اہل اسلام کے تصور میں علم نور خدا ہے جس کی روشنی میں حُضانت کو ترقی کا راستہ ملنا چاہیئے۔

افتتاح نمائش

خطبہ صدارت کے بعد جناب صدر نے علمی نمائش کا افتتاح کیا جسکو مال کے برابر دو ہڑتے کروں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ ایسے علاوہ قدیم قلمی نسخوں کے ایک کثیر تعداد اسلامی سکولوں، عمارات کے کتبوں اور خطاطی کے نمونوں کی بھی قلمی نسخوں کا سب سے بڑا مجموعہ اور سکول کا نمائش بہانہ خیر بہا سے مخدوم پرفیسر حافظ محمود شیرانی کا تھا جسکو وہ بہت رحمت اٹھا کر لاہور سے دہلی لگائے تھے اس مجموعے میں بعض نہایت قدیم و دریش قیمت نمونے قرآن کریم اور تفاسیر کے تھے جو کوئی خطا میں تھے اور بعض فن خطاطی اور طلائی نقش و نگار کی وجہ سے قابل دید تھے اسکے علاوہ بہت ناؤر فارسی و دواوین اور تاریخی کتا ہیں تھیں جنہیں قلمی کتاہوں کے بعض و دریش بہا مجموعے بھی نمائش کی زینت کا باعث تھے جن میں نواب محمد علی خاں صاحب لکھاؤی اور مولوی ابوالحسن صاحب قانی دہلوی کے مجموعے قابل ذکر ہیں خطاطی کے نمونے جناب انصاحب کلیم محمد علی خان صاحب آہر دہلوی اور پیر عبدالرزاق صاحب ہوی نے نمائش کیلئے مستعار دیئے تھے ڈاکٹر محمد عبدالرشید حقانی نے تاج محل اگرہ کی بعض خوشنما تصویروں و عمارتی نقشے جن پر انہیں بہت کچھ علمی تحقیقاتی ہے زیب دیا کئے تھے ادارہ ان سب حضرت کبیر محمدیون سے لے کر انکی بدولت نمائش کو کامیابی ہوئی اور میں نمائش کی کامیابی کو حقیقت میں ادارے کی کامیابی سمجھتا ہوں۔

سطور ذیل میں ہم ادارہ کے اجلاس سوم کی مختلف نشستوں اور ان مقالات کا جو ان میں طے گئے ذکر کرتے ہیں

ہمیں یہ بتلاتے ہوئے سید خوشی ہے کہ اجلاس کی سات نشستوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جس میں حاضرین کی تعداد دوسو سے کم رہی ہو۔ علیٰ معنائیں سمجھنے کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کی اتنی بڑی تعداد کا ہونا ادارہ کی کامیابی کی نمایاں دلیل ہے۔ علاوہ کثرتِ حاضرین کے ہر مقالے کے بعد سوالات کا پوچھا جانا اور دلچسپی کا اظہار ہماری غیر معمولی خوشی کا باعث ہے اور اسکو ہم اجلاس ہی کی نمایاں خصوصیت سمجھتے ہیں۔ ایک ایسی ہی اور خوشگوار خصوصیت یہ ہے کہ اس اجلاس میں ہمارے بعض ذی علم ہندو بھائیوں نے مقالہ پڑھے جن میں مسلمانوں ہی کے علمی کارناموں کو دکھایا گیا تھا۔ ان مقالات کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ اگر رواداری کی ایسی مثالیں ادارہ کے ذریعے سے پیش ہوتی ہیں تو ادارہ کو علاوہ علمی خدمات کے باورِ وطن کی خدمات کا فخر بھی حاصل ہوگا۔

تفصیل نشست ہای اجلاس سوم ادارہ معارف اسلامیہ منعقدہ دہلی

روز اؤل - ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء - سارٹھے دس بجے - افتتاحی جلسہ

۱ - تلاوت قرآن کریم از مولوی عتیق الرحمن صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی؛

۲ - خطبہ خیر مقدم از جناب آریز سید عبدالرحمن صدر مجلس استقبالیہ؛

۳ - خطبہ صدارت از جناب آریز سر شاہ محمد سلیمان؛ (۴) - شکر یہ صدر از جناب نسیل محمد شفیع صاحب ایم اے؛

نشست اول - ڈھائی بجے بعد دوپہر - زید صدارت جناب شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب

مقالات ذیل اس نشست میں پڑھے گئے :-

۱ - "عذرا بن الاصبغ السامی الاعرابی و کتابہ اُسماء جبال قہامۃ" (بزبان عربی)

از مولوی عبدالعزیز صاحب مبین پروفیسر علیگڑھ یونیورسٹی -

۲ - "کتاب الاوائل لابن مال العسکری" (بزبان اردو) از مولوی عبد السلام صاحب مولوی فاضل رامپوری -

۳ - "صوفی اور تصوف" (بزبان اردو) - از خواجہ عبدالحمید صاحب دہلوی -

۴ - "اعتماد الدولہ فیروز علی سہراب جنگ" (بزبان اردو) از رفیق منظور حسین صاحب موسوی ایم اے -

نشست کے اختتام پر سارٹھے چار بجے جناب شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب

کی طرف سے دعوت چائے دی گئی جس میں ڈیڑھ سو کے قریب بہان شریک تھے؛

نشست دوم۔ بوقت چھ بجے شام۔ زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب (جامعہ اسلامیہ)
 اس نشست میں پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کا لیکچر انگریزی زبان میں ہوا جس کا موضوع "ایرانی
 علم اخلاق کے بعض پہلو" تھا۔ لیکچر کے علاوہ دو مقالات حسب ذیل پڑھے گئے :-

- ۱۔ "نصف الارواح شہر زوری" (زبان انگریزی) از ڈاکٹر سیر محمد حسن صاحب پروفیسر لاہور کالج فاروقین
 - ۲۔ "اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے کے بعض نقلی نسخے" (زبان انگریزی) از پروفیسر سجاد اللہ صاحب ایم اے۔
- نشست کے خاتمے پر جناب صدر نے خواجہ حسن نظامی صاحب سے جو جلسے میں تشریف رکھتے تھے درخواست
 کی کہ وہ حاضرین کو اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں۔ انہوں نے ایک مختصر اور نظریاتی تقریر میں اس بات پر
 اظہارِ انوس کیا کہ آوارہ کی کارروائی انگریزی زبان میں یہی ہے جسکی وجہ سے بہت سے شائقین اس کے استفادہ
 سے محروم ہیں۔ صاحب صدر نے تشریح فرمائی کہ لیکچر اور تقریریں تا حد امکان اردو میں ہونی چاہئیں۔
 مگر جیسا کہ آئندہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا ادارہ کا مقصد یہی ہے کہ ہم اسلام کے
 کارناموں سے اہل مغرب کو بھی آگاہ کر سکیں اسلئے ضروری ہے کہ بعض مقالے انگریزی میں ہوں ۛ

روز دوم۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء

نشست اول۔ دس بجے صبح۔ زیر صدارت مولوی عبدالعزیز صاحب مین پروفیسر علیگندہ یونیورسٹی
 مقالات ذیل پڑھے گئے :-

- ۱۔ "عہد اسلامی میں کتب خانوں کا نظم و نسق"۔ (زبان اردو) از قاضی احمد میاں اختر جو ناگدھی۔
 - ۲۔ "جمہور النسب لابن حزم الظاہری"۔ (اردو) از سید امتیاز علی صاحب عرشی۔
 - ۳۔ "احمد بن تیمیہ"۔ (زبان انگریزی) از پروفیسر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے۔
 - ۴۔ "شہنشاہ اکبر کی وفات"۔ (زبان اردو) از پروفیسر ڈاکٹر انور علی صاحب۔
- آخر میں مولوی آؤنٹ نے جو اسلامک سیرج ایسوسی ایشن بمبئی کی طرف سے ڈیلیگیٹ بن کر آئے
 تھے۔ جناب صدر کی درخواست سے ایک مختصر تقریر ایرانِ حاضر کی مختلف لہجوں یا پارکڑوں (Dialects) کی
 کی۔ جس کے بعد جلسہ برخاست ہوا ۛ

نشست دوم - ڈھائی بجے سپر - زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین

مقالات :-

- ۱۔ "سنسکرت پر مسلمانوں کا احسان"۔ از جناب حکیم محمود علی خان صاحب ماہر دہلوی ،
 - ۲۔ "آذر"۔ از جناب مولوی محمد ادریس صاحب ،
 - ۳۔ "ارتقاء جوگی دریافت میں اہل اسلام کا مطالعہ" (زبان انگریزی) از پروفیسر فضل الدین صاحب قریشی ایم ایس سی۔ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔
 - ۴۔ "سلطان التمش کے عہد کا ایک رسیلو"۔ تاج ریزہ (زبان انگریزی) از آغا عبد الستار صاحب ایم اے۔
 - ۵۔ "خواجہ حیثیت غزل نویس" (زبان انگریزی) از حکیم جمشید علی صاحب اٹھو ایم اے پروفیسر سیالکوٹ کالج۔
- جیسے کے اختتام پر ساڑھے چار بجے جناب ڈاکٹر انظر علی صاحب کی طرف سے مہمانوں کو دعوت چائے دی گئی جس میں روزاول کی طرح تقریباً ڈیڑھ سو مہمان شریک تھے ۔
- نشست سوم - آٹھ بجے شرب

اس نشست میں زیر صدارت جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو مجلس شاعرہ منعقد ہوئی جس میں علاوہ مقامی شعراء کے باہر کے حضرات بھی شریک تھے۔ نظموں کیلئے کوئی خاص مضمون یا مصرع طرح مقرر نہ تھا اسلئے ہر نوعیت کے اشعار پڑھے گئے۔ آٹھ بجے تک کی شعر خوانی ریڈیو پرنسپل کی شاعرانہ راوی میں حضرت سیام الکبر آبادی جناب سائمن نظامی جناب جوش ملیح آبادی جناب تجو دہلوی جناب روشن صدیقی جناب برق ہوشیار پوری جناب شجاع منعمی وغیرہم شریک محفل تھے جنہوں نے اپنے کلام سے حاضرین کو غفلت طاری کیا مجلس شاعرہ رات کے ساڑھے بارہ بجے تک منعقد رہی۔ اور یہی اجلاس بی بی کی خصوصیات میں سے تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی اجلاس میں شاعرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

روز سوم - ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء

نشست اول - دس بجے صبح - زیر صدارت جناب پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے۔

مقالات ذیل اس نشست میں پڑھے گئے :-

- ۱۔ "اضافیت جدید" (زبان اردو) از جناب عزیزیل سرشار محمد سلیمان صاحب صدر ادارہ ،

- ۲۔ "ایجادات سائنس میں مسلمانوں کا حصہ"۔ (بزبان انگریزی)،
 از ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ کوتھاری صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر طبیعیات دہلی یونیورسٹی،
 ۳۔ "انکشافات علم ریاضی میں مسلمانوں کا حصہ"۔ (بزبان انگریزی)،
 از جناب ڈاکٹر رام بہاری صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر ریاضیات دہلی یونیورسٹی،
 ۴۔ "کمال الدین ابوالحسن الفارسی کے نزدیک مسئلہ انعکاس ضیاء"۔ (بزبان انگریزی)،
 از پروفیسر ڈاکٹر محمد شجاع منعمی۔ پروفیسر بہاولپور کالج،
 نشست دوم۔ دھانی بچے بعد دوپہر، زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر اظہر علی صاحب،

مقالات :-

- ۱۔ "سرگزشت کے متعلق ایک یادداشت"۔ (بزبان انگریزی) از پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے۔
 ۲۔ "ہندی ادب میں تصوف اور مسلمان"۔ (بزبان اردو)۔
 از مہماں پدھیائے جناب پنڈت لکشمی دھر۔ پروفیسر کنکرت سنڈٹ اسٹینفس کالج۔ دہلی۔
 ۳۔ "مسائل نافع بن الازرق عن عبداللہ بن عباس"۔ (بزبان اردو)۔
 از مولوی عبدالخالق صاحب ایم اے۔ پروفیسر عربک کالج دہلی۔
 ۴۔ "ادبیات ایران جدید"۔ (بزبان انگریزی) از ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین صاحب،
 جلسے کے خاتمے پر چار بچے جناب مسٹر انیل احمد صاحب رشدی بیمر سٹریٹ لادنہ ہمانوں کو
 خوش ہوئے دیے،

نشست سوم۔ چھ بجے شام۔ زیر صدارت جناب ذہیل سر شاہ محمد سلیمان۔

سب سے پہلے جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین نے بذریعہ میکیک لیکچر "ایران حاضر
 اور کارنامہ ہائے رضا شاہ پہلوی" پر اردو میں لیکچر دیا۔ اس کے خاتمے پر چند نہایت اہم نویشن
 پاس ہوئے۔ جن میں سے ذیل کے رزلوشن خاص طور پر قابل ذکر ہیں :-

(۱)

رزلوشن در بارہ کتبات عربی فارسی اردو و ہندوستان

”ادارہ معارف اسلامیہ گذشتہ اجلاس لاہور کی قرارداد کو اعاذہ کرتا ہے جس میں محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ عربی اور فارسی و اردو کتبات کے تحفظ اور اشاعت کی طرف مخطفت کی گئی تھی۔ ادارہ کو افسوس ہے کہ عربی و فارسی اور اردو کتبات کی طرف وہ توجہ اب تک مبذول نہیں کی گئی۔ جو ہونی چاہیے تھی۔“

محرک :- پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم، اے۔

مؤید :- ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ)

(۲)

زبان اردو کو یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم قرار دیا جانا چاہیے

”ادارہ معارف اسلامیہ کی رائے میں یہ ضروری ہے کہ کم از کم شمالی ہند کی یونیورسٹیوں میں جہاں تک جلد ممکن ہو ثانوی مدارس اور انٹر میڈیٹ کے درجوں میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔“

محرک :- ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔

مؤید :- ڈاکٹر سید انور علی صاحب پروفیسر دہلی یونیورسٹی،

(۳)

بنائے کتابخانہ دروہلی

”ادارہ معارف اسلامیہ دہلی کے ارباب فضل سے توقع کرتا ہے کہ وہ متحدہ کوشش سے اس قدیم دارالعلم کی شان کے مطابق معارف اسلامیہ سے متعلق مخطوطات کا ایک مرکزی کتاب خانہ قائم کرنے کی سعی فرمائیں، ادارہ انگریزوں کو کالج دہلی کی مجلس منتظمہ اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس بارے میں ضروری اقدام کریں۔“

محرک :- تاضی احمد میاں صاحب اختر جونا گڑھی۔

مؤید :- سید امتیاز علی صاحب عرشی رامپوری،

(۴) نشر و اشاعت کتب قدیم اسلامی

”ادارہ معارف اسلامیہ باب علم کی خدمت میں قدیم عربی فارسی اور اردو علمی کتب کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ دینے کی درخواست کرتا ہے۔ ہمارے سلاسل کے یہ کارنامے ایک قیمتی ورثہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی حفاظت ہمارا مقدس فرض ہے۔ جملہ مسلمان ایسی مطلوبہ کتابوں کی خریداری سے ان کی نشر و اشاعت میں مدد دے سکتے ہیں اور طالبین اور ناشرین کو اشاعت کی مالی شکلات سے نجات دے سکتے ہیں“

حرک :- پروفیسر محمد شجاع منہمی مؤید :- پروفیسر منظور حسین صاحب موسوی

(۵)

دہلی میں ادارہ کی شاخ قائم کرنا

”ادارہ کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ادارہ معارف اسلامیہ کی ایک شاخ دہلی میں قائم کی جائے تاکہ وہ ادارے کے مقاصد کو کامیاب بنانے میں ادارہ کی مجلس عاملہ کی مدد کرے“

حرک :- مسٹر انیس احمد صاحب شدی بیرٹریٹ لاء مؤید :- شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب

(۶)

عربک کالج دہلی میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم کو ترقی دینے کی ضرورت

”ادارہ معارف اسلامیہ کا یہ اجلاس پُر زور الفاظ میں ذمہ ارجاس منتظرہ کی خدمت میں درخواست کرتا ہے۔ کہ عربک کالج دہلی میں عربی فارسی اور اردو کی تعلیم کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے جو اس کی سابقہ غفلت دہلی کی موجودہ ضروریات کے مطابق ہو“

حرک :- شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب مؤید :- مولوی عبدالخالق صاحب ایم اے۔

اس نشست کے بعد اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی طرف سے ہمارے کو دعوت طعام دی گئی اور اجلاس خیر و خوبی ختم ہوا۔ آخر میں ہم سب بات پر اظہارِ انصاف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس اجلاس میں علامہ سید سلیمان ندوی نے نوجا سازی طبع تشریف نہ لاسکے۔ دورانِ اجلاس میں انکا تار موصول ہوا کہ اپنی غیر ضروری ہمدرد چاہی تھی اور اتنے ہی ادارہ کے ایک دیرینہ خیر خواہ کی حیثیت سے دارالمصنفین، مکتبہ گدھ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اولڈ بوائز کی طرف سے دعوت دی گئی کہ ادارہ کا اجلاس جہاں لکھنؤ میں منعقد کیا جائے۔ اجلاس دہلی کی آخری نشست میں اس دعوت کو پیش کیا گیا۔ اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ آئندہ اجلاس لکھنؤ میں ہو۔

محمد اقبال

| صفحة | مصدر البيت قافيته بحره | مصدر البيت قافيته بحره | صفحة |
|------|-----------------------------|--------------------------------|-------------|
| ٨٨ | أَطْرُقُ كَرًا رجز ١٢ | تُعَيِّرُنَا هَلَا طويل ٢٠ | ٢٢٠ |
| ١٤٥ | أَشْهَدُ وَالضُّفَا = ١٢ | تَنَافَحَتِ سِهْمَاً وَافِر ١٩ | ١٣٢ |
| ٢٨٥ | بَاتَ كَالْقَطَا = ١٥ | أَلَمِ الْإِدَاآ = ٢٠ | ٤١ |
| ٢٠٥ | لَوَانُ قَنَا = ١٤ | فَيْحِيْ امْرِيْدَاآ = ٢٠ | ٤١ |
| ١٦٥ | أَنَا الْقُلُوحُ جَلَا = ١٨ | بَاتَتْ عَفَاً كَامِل ٣ | ٩٤ |
| ١٨١ | فَهْنٌ حَجَا = ١٨ | بَنُو الْعَشَا = ٢ | ١٨٢ |
| ٢٥٤ | وَعَالِمِ الْخَفَا = ١٨ | تَلَحَّتِ النِّسَا = ٤ | ٣٢ |
| ٨٢ | فِي الضُّحَا = ١٩ | مَا زِلْتُ نَجَا = ١٣ | ١٢٢ |
| ١٢٢ | نَاجٍ وَجَفَا = ١٩ | نَزَعَمْتُ الْحَنَا = ١٢ | ٢٢٤ |
| ٢٢٢ | جَزَاهُ طَهَا = ١٩ | لَكِنْ غَنَا = ١٦ | ٢٥٢ |
| ٣١٤ | بَاتَتْ عَلَا = ١٩ | إِنَّ الْقَنَا رجز ١ | ٦٨ |
| ٤ | لَا فَجَا = ٢٠ | فُجِعْتُ قَفَا = ١ | ٢٠٢ |
| ٢٢٠ | حَتَّى الضُّفَا = ٢٠ | وَشَجَرَ فَجَفَا = ٢ | ٢٤٩ |
| ٢٢٠ | حَتَّى هَلَا = ٢٠ | قَدْ النَجَا = ٣ | ١٢٣ |
| ١٢٥ | لَيْسَ لِلْفَنَا سَرِيح ١٨ | مَنْ آدَا = ٢ | ٢٢٢ (ص ٢٢٢) |
| ٣٢٤ | وَفِيْكَ الْلَقَا متقارب ١٢ | كَأَنَّمَا عَدَا = ٢ | ٢١٢ |
| ٢٦ | وَيَوْمَ الظُّبَا = ١٦ | فِيْ عَلَا = ٨ | ٢٢٥ |
| ١٥٩ | وَكَمْ مَكَا = ٢٠ | يَنْبَعْنَ نَجَا = ٨ | ٢٦٥ |
| ١٩٣ | فَدَمِي الْغَضَى = ١٠ | قَدْ كَرِهَ بِالْعَصَا = ٨ | ٣٦٨ |
| ٦٢ | تَصِيدُ الرُّقَى = ١٤ | بَاتَ كَالْقَطَا = ١٠ | ٢١٤ |

صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحة

(ب)

| | | | | | |
|----------|---|-----------------------------|--------------|----|--------------------------|
| ١٤٤ | ١ | نَحَاءٍ فَأَجْدُ بَوَاطِيلَ | ٢٩٢ | ١ | وَقُولَا حَرْبٌ طَوِيلَ |
| ٢٠٠ | ١ | هَضِيمُ الْمُؤَنَّبِ = | ١٢٠ | ٢ | نَهْوُضُ لَعَبٌ = |
| ٢٣٥ | ١ | وَلَكِنَّمَا إِثْلَبٌ = | ٢٣٩٥ | ٢ | عَمُوسٌ وَجَبٌ = |
| ٢٦٢ | ١ | خَفَاهُنَّ مُجْلَبٌ = | (٣٦: ٨) | | (وَعَمُوسُ) |
| ٢٦٣ | ١ | عَلَى أَحْلَبُوا = | ٥٣ | ٣ | تَنْقِضُ الرِّهَابِ = |
| ٢٤٢ | ١ | وَأَذُ جَنْبٌ = | ١٠٣ | ٥ | وَقَدْ الْعَذْبُ = |
| ٢٤٣ | ١ | جَنُوبٌ كَيْبٌ = | (١١: ١٠) | | |
| ٣٨٩ | ١ | فَسَاقَانِ فَجَحَبٌ = | ١٢٢ | ٤ | كِلَابٌ لُبٌ = |
| (٢٥٨: ٥) | | | ٢٣٢ | ١٢ | حَسْبٌ = |
| ٣٢٢ | ١ | وَيَنْقُصُهُ يَرْكَبُوا = | ٢٣٦ | ١٩ | فَهَلَّا الْقَتْبُ = |
| ٣٢٨ | ١ | وَصَبَّ الْمُتَحَوِّبِ = | ٢٣٣ | ١ | نَدَامَا كَهْ يَعْطُبُ = |
| ٣٣٩ | ١ | وَمِنَّا أَخْطَبٌ = | (٢٣: ١٣) | | (أَوْ يَنْهَبُ) |
| (٢٤٤: ٦) | | | (١٨٤: ١٣) | | |
| ٣٠٠ | ١ | يَقُولُونَ وَأَرْحَبُ = | ٤٣ | ١ | وَأَرْغَبُ أَرْغَبُ = |
| (٦٤: ١٣) | | | (٢٦: ٢٠) | | |
| ٣٠٥ | ١ | بِذَى فَيَرْعَبُ = | (١١: ٢٣٥: ٢) | ١ | إِلَيْكُمْ وَالْبُبُ = |
| ٣٢٠ | ١ | مَتَى أَمْرُنْبُ = | ٣٣٥ ١٩٣ | | |
| ٣٣٣ | ١ | وَفِي مَرَعَرِبُ = | ٣٢٩ | | |

| صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة | صد البيت قافيته بحره مجلد صفحة |
|--------------------------------|--------------------------------|
| ٨٠ ٢ ومثلُ نَعْرَبُ طویل | ٢٥٨ ١ نَزَائِعُ وَشَهْبُ طویل |
| ١٠٤ ٢ طَوَالُ مُعَقَّبُ | ٢٤٠ ١ لها اَمْرَكُبُ |
| ١٠٩ ٢ مَغَاوِيرُ مُعَقَّبُ | ٢٨٣ ١ اَقَامَتْ فَاشْعَبُوا |
| ١١٠ ٢ تَأَوَّبَنِي مُنْصَبُ | ٢٨٣ ١ وَمَالِي مَشْعَبُ |
| ١٣٠ ٢ اَتَمَّذَكَ وَمُعَرَّبُ | ٢٨٤ ١ وَإِنِّي مِشْعَبُ |
| ٣٥٣:٥ | ٢٩١ ١ فِدَى اشْهَبُ |
| ٩٢٦:١٩ | ٢٨٠:١٤ لا وفيدل |
| ١٣٨ ٢ مَرَأَى مُقَصَّبُ | ٢٩٥ ١ اِذَا اشْهَبُ |
| ١٤٩ | ٣٣١:٣ ٢ فَاِنْ مُتَرَبُّ |
| ١٤٨:١٣ | ٢١ ٢ فِجْنَا اَحْدَبُ |
| ١٤٥:١٥ | ٢٤ ٢ بِغَيْبَةِ الْمُضَبُّ |
| ١٣٩ ٢ شَرِيحَانِ مُعَرَّبُ | ٣٣ ٢ وَكِنْ تَضَرَّبُ |
| ١٤٤ ٢ فَظَلَّ مُتَغَيَّبُ | ٢٣ ٢ أَوَالِطِطَ الْمُطَبُّ |
| ١٤٥ ٢ مِنْ قَرَهَبُ | ٢٥ ٢ سَرَى طَحْرُبُ |
| ١٢٦ ٢ قَبْتُ يُقْشَبُ | ٢٥ ٢ وَلَمْ تُخْضَبُ |
| ١٣٢:٨ | ٢٦ ٢ اَقُولُ تَذَهَبُ |
| ١٤١ ٢ وَكُنْتُ اُقْصَبُ | ٢٤٨ ٢ وَجَدْنَا وَمُعَرَّبُ |
| ١٤٢ ٢ اَنَاةُ مُقْطَبُ | ٢٠:١٥ |
| ١٨٢ ٢ عَجِمْتُ قَنَبُوا | ١٣٥:١٤ |
| | ٢٣:١٨ |

| صدر البيت قافيته بحرف مجزء مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجزء مجلد صفحة |
|---|---|
| وَوَلَّى وَيَكَلِّبُ طَوِيل ٢ ٢٢١ ٢٨١: ١١ ١٥٢: ١٨ | وَوَلَّى وَيَكَلِّبُ طَوِيل ٢ ٢٢١ ٢٨١: ١١ ١٥٢: ١٨ |
| رَهَدَدَن تَحْلُبُ = ٢ ٢٢٤ | رَهَدَدَن تَحْلُبُ = ٢ ٢٢٤ |
| وَرَاخَتْ لَبْلَبُ = ٢ ٢٣٠ | وَرَاخَتْ لَبْلَبُ = ٢ ٢٣٠ |
| تَجَبَّبَتْهَا أَجَبُ = ٢ ٢٣٦ | تَجَبَّبَتْهَا أَجَبُ = ٢ ٢٣٦ |
| يَخْدَنَ الْمُحِبُّ = ٢ ٢٣٨ | يَخْدَنَ الْمُحِبُّ = ٢ ٢٣٨ |
| هُمَا فَتَنْكَبُوا = ٢ ٢٤٨ | هُمَا فَتَنْكَبُوا = ٢ ٢٤٨ |
| فَهَذَا أَنْكَبُ = ٢ ٢٤٩ | فَهَذَا أَنْكَبُ = ٢ ٢٤٩ |
| أَدَوَهَلَا | أَدَوَهَلَا |
| عَلَى هَاهِبُ = ٢ ٢٤٨ | عَلَى هَاهِبُ = ٢ ٢٤٨ |
| تَنْبَهُ يَنْضُبُ = ٢ ٢٩٤ | تَنْبَهُ يَنْضُبُ = ٢ ٢٩٤ |
| وَرُحْنَا مُحَقَّبُ = ٢ ٣٣١ | وَرُحْنَا مُحَقَّبُ = ٢ ٣٣١ |
| فَطَائِفَةٌ وَمُذْنِبُ = ٢ ٣٣٤ | فَطَائِفَةٌ وَمُذْنِبُ = ٢ ٣٣٤ |
| وَلَسْتَ الْمُهْتَبُ = ٢ ٣٣٦ | وَلَسْتَ الْمُهْتَبُ = ٢ ٣٣٦ |
| تَعَلَّكَ تَغْضَبُ = ٥ ١٩٣ | تَعَلَّكَ تَغْضَبُ = ٥ ١٩٣ |
| فَرَاقَبْتُهُ فَأَغْرِبُ = ٥ ٢٥٨ | فَرَاقَبْتُهُ فَأَغْرِبُ = ٥ ٢٥٨ |
| كَأَنَّ الْمُثَقَّبُ = ٥ ٣١٩ | كَأَنَّ الْمُثَقَّبُ = ٥ ٣١٩ |
| وَلَا تَذْهَبُ = ٣ ٣٢٥ | وَلَا تَذْهَبُ = ٣ ٣٢٥ |
| عَنَاجِجٌ مُعَقَّبُ = ٣ ٣٣١ | عَنَاجِجٌ مُعَقَّبُ = ٣ ٣٣١ |
| أَلَمْ يَتَذَبَّدُ = ٤ ٥٣ | أَلَمْ يَتَذَبَّدُ = ٤ ٥٣ |
| وَتَلَقَّى أَلْبُ = ٤ ٤٠ | وَتَلَقَّى أَلْبُ = ٤ ٤٠ |

| صفحة | مجلد | صدا لبيت قافيته بحره | صفحة | مجلد | صدا لبيت قافيته بحره |
|--------|------|-------------------------------|--------|------|-----------------------------------|
| ٢٢٨ | ٨ | وَمَهْمَاءُ تُقَطَّبُ طَوِيلٌ | ٨٢ | ٤ | لَقَدْ لَهُمْ بِتَقَرُّبٍ طَوِيلٌ |
| ٣١٤ | ٨ | أَشَامَتْ لِقُلُوبٍ | ١٠٠ | ٤ | أَفِينَا لَوُكَبٍ |
| ٢٤ | ٩ | كَيْلَيْنَا وَتَيْبٍ | ١٠٤:٨ | | |
| ١٤٩ | ٩ | تَحُلُ فَأُخْرَبُ | ١٩١ | ٤ | هُوَ الْمُتَّيَّبُ |
| ١٨٤ | ٩ | وَجَزَزَ فُحْقَبُ | ٢٢١ | ٤ | وَعَنَى وَمُهَبُ |
| ٣١٣ | ٩ | وَقَدْ وَيُثَوِّبُ | ٣٣٠:١٩ | | |
| ١٠٥:١٤ | | | ٢٨٤ | ٤ | يَقُولُونَ وَالْأَلْبُ |
| ٢٢٧:١٨ | | | ٣٢٥ | ٤ | سَرَتْ فَيَنْقُبُ |
| ٢٢٥ | ٩ | وَرَجُلَةٍ أَنْكَبُ | ٢٣٢ | ٤ | يَا خَضَرَ تَقَرُّبُ |
| ٢٢٨ | ٩ | لِيَا حِمْيَلُ | ٥٤ | ٤ | بَطِيءٌ يَخْضَبُ |
| ٢٥١ | ٩ | سَاكِنَاهُمْ مَرِيئُ | ٣٢١:٩ | | وَالْوَعِيدُ |
| ٣٢٤ | ٩ | نَغَيَّبَتْ أَلْعَيْبُ | ٣٠٢ | ٤ | وَلَا تِي تَعْرُبُ |
| ١٥ | ١٠ | أَخْطَبُ تَصَبَّبُ | ٣٠٤ | | |
| ١٠٢:٥ | ١٠ | مَرَاتِكَ تَعَصَّبُ | ١٨٤:١٢ | | |
| ٣٢:١٥ | | | ٣١٢ | ٤ | فَلَمْ مُعْتَلِبُ |
| ٢٣٤:٢٠ | | | ٨٣:١٥ | | |
| ٢١٢ | ١٠ | سَقَى وَمَعْرُبُ | ٢٠٢ | ٤ | كَأَنَّ أَطْيَبُ |
| ٢٨١ | ١٠ | أَذَامَا تُجَذَّبُ | ٢٢٤ | ٤ | هَبَطَنَ الْحَلْبُ |
| ٢٩٥ | ١٠ | أَحْنُ الْمُتَّقِبُ | ٢٢١ | ٨ | عَلَا يَتَصَبَّبُ |
| ٢٠ | ١١ | مَضَوْا تَقَلَّبُ | ٢٢٥ | ٨ | فَلَسَّنَشْ تَقَرُّبُ |

| صد البيت قافيته جرحه مجلد | صفحة | صد البيت قافيته جرحه مجلد | صفحة |
|----------------------------|--------|----------------------------|--------|
| وَعَيْتٌ مُعِشِبٌ طویل | ٢٢٥ ١٢ | وَكُنَّا مُطْلَبٌ طویل | ١٤٤ ١١ |
| إِلَيْكَ يَتَقَلَّبُ = | ٢٢٨ ١٢ | مُهَفِّفَةٌ وَلَعَبٌ = | ٢٦٥ ١١ |
| كَأَنَّ مُعْرِبٌ = | ٢٤٩ ١٢ | مَبْرُوتَ مَرَيْنَبٌ = | ٢١٤ ١١ |
| كَرِيمٌ يَعْضَبُ = | ٣٠٨ ١٢ | وَلَسْتُ فَأُعْرِبُ = | ٢٤ ١٢ |
| يُغَرِّدُ الْمُتَطَرِّبُ = | ١١٢ ١٥ | وَلَوْلا مُعْرِبٌ = | ١٢٩ ١٢ |
| عَفَا مُتَعَرِّبٌ = | ١٤٢ ١٥ | هَجَانٌ مُعْرِبٌ = | ١٦٣ ١٢ |
| مَا شِيرُ الْمَلِيقُ = | ٢٣٠ ١٥ | أَتَقْتَلَهُمْ تَصَبُّبٌ = | ٢٠٥ ١٢ |
| أَشَارَ مُجْلِبٌ = | ٢٣٤ ١٥ | غَضِبَتْ لَغَضَبٌ = | ٢٩ ١٣ |
| بَنَى أَسَدٌ أَشْهَبُ = | ٢٤١ ١٥ | فَانْكُمُ آبُ = | ٢٢ ١٣ |
| فَانْكُمَا طَيْبٌ = | ٣١٩ ١٥ | إِذَا مُعْرِبٌ = | ٤٥ ١٣ |
| فَلَنَّا أَطْلُبُ = | ٩١ ١٦ | وَمِنْ وَحِجْبُ = | ١٩٨ ١٣ |
| وَبَاتَ الْخَضَبُ = | ١٢٠ ١٦ | مَحْدُ فَاخْرَبُ = | ٢٠٤ ١٣ |
| وَكُلُّ يَتَذَبَّذُ = | ٢٤٥ ١٦ | كَأَنَّ مَلْعَبٌ = | ٢٨٢ ١٣ |
| وَيَضَاءُ مَلْعَبٌ = | ٢٩٩ ١٦ | هُمُ وَخَدَبُوا = | ٣٤٥ ١٣ |
| وَكُلُّ مُطَنَّبٌ = | ١٩ ١٤ | يَبْكُ وَخَشَبٌ = | ٢٠٦ ١٣ |
| نَشِيرُ مُجَبُّ = | ١١٠ ١٤ | كَأَنَّ لَسْكَبُ = | ٥٠٠ ١٣ |
| فَانْكُ يَتَغَيَّبُ = | ١٣٣ ١٤ | سَرَجُ أَكْهَبُ = | ١٦ ١٢ |
| لَهُمُ الْمُتَقَلَّبُ = | ١٢١ ١٤ | وَقَالَتْ يُنْقَبُ = | ٩٠ ١٢ |
| كَذَبْتُمْ تَحَلَّبُ = | ٢١١ ١٤ | فِي الْخَيْرِ التَّهَبُّ = | ٩٥ ١٢ |
| أَيُوعِدُنِي مُصْعَبٌ = | ٩ ١٨ | قُرَيْشُ الْكَذَبُ = | ١١٨ ١٢ |
| | | إِذَا مَا فَتَنَّفُ = | ١٤٤ ١٢ |
| | | عَلَفَتْ مَحَلَبُ = | ١٨٥ ١٣ |

صدرا لبيت قافيتته بحره مجلد صفحه

أَمَرْتُ الثَّعَالِبَ طَوِيلَ ١ ٢٣٠

إِذَا مُجَادِبٌ ١ ٢٣٤

وَأَنَّى الْمَجَانِبُ ١ ٢٤٠

وَنَحْنُ الْمَحَلَّابُ ١ ٣٢٢

فَأَمْسَلْ خَبَائِبُ ١ ٣٣٢

وَكُلُّ سَارِبٍ ١ ٣٣٥

وَيَبْتَزُّ فَيْشَاعِبُ ١ ٣٨٣

وَسِرْتُ مُشَاعِبُ ١ ٣٨٣

جَمَعْتُ حَالِبٍ ٢ ٢٩

فِيَاتِ الْكَوَاكِبِ ٢ ٤٣

تَأَبَّدَ التَّنَاضِبُ ٢ ٤٣

وَنَحْنُ الْمُعَاقِبُ ٢ ٣١١٠

١٨: ١٥٩

وَأَنْتَ كَارِبُ ٢ ٣٢٣

٨: ٢٢٢

فَإِنَّ لِتَائِبٍ ٢ ٢٣١

جَرَى نَاضِبُ ٢ ٢٣٠

فَوَاجُوا الْحَقَائِبُ ٢ ٣٣٨

لَهَا خَاطِبُ ٣ ١٠٨

١١: ٥٠٥

صدرا لبيت قافيتته بحره مجلد صفحه

وَكَسْتُ وَأَكْزَبُ طَوِيلَ ١٨ ٢٠

جَامِرِي مُضْطَجِبُ ١٨ ٤٨

فَأَلَوْتُ يُكْتَبُ ١٨ ٨٣

وَمَا تُنْصَبُ ١٨ ١٢٢

فَفِي وَتُسَحَّبُ ١٨ ٢٥٨

فَقَامَ شَوْذِبُ ١٨ ٢٦٠

عَلَى الْجَرَبِ ١٩ ٢٨

أَتَانِي التَّصَوُّبُ ١٩ ٩٥

أَقُولُ فَأَشْدِبُ ١٩ ١٥٣

فَقَامَ شَرْجَبُ ١٩ ٢٣٣

خَذَى أَعْضَبُ ١٩ ٣٠٦

وَزَلَّ اسْغَبُ ١٩ ٣٠٩

٢٠: ٥٩

أَلَا يَنْسَبُ ١٩ ٣٨٢

وَعَادِيَةٍ مُنْتَكِبُ ٢٠ ٣٦

أَغَرَّ الْمَكْتَبُ ٢٠ ٣٤

وَأَطْفَاتُ فَتَقَرَّبُوا ٢٠ ١٤٠

فَلَا أَجْرِبُ ٢٠ ٣١٩

مَرَّ أَيْتُ يَتَقَلَّبُ ٢٠ ٣٢١

يَجْرُ جَالِبُ ١ ٤٠: ١١٢٥

| صدر البيت قافيته بحرفه | مجلد | صفحة | صدر البيت قافيته بحرفه | مجلد | صفحة |
|-------------------------|------|---------|----------------------------|------|--------|
| وَكُلُّ سَارِبٍ طَوِيلٌ | ٩ | ٢٢٩ | أَكْثُهُمْ عَلِيبٌ طَوِيلٌ | ٣ | ٣٤٢ |
| فَنَادَى الْمَنَاهِبُ | ١٠ | ١٣٦ | إِلَى غَالِبٍ | ٢ | ٩٥ |
| لَقَدْ كَاذِبٌ | ١٠ | ١٩٤ | تَعَالَوْا رَاكِبٌ | ٢ | ٣٢٠ |
| يَحْكُ وَحَالِبٌ | ١١ | ٣٣ | قِفُوا طَالِبٌ | ٢ | ٢٤٠ |
| أَوْجَالِبٌ | ١١ | ٢٠٠: ١٤ | فَانِ الشَّوَارِبُ | ٥ | ٣٥ |
| إِذَا الْمَطَالِبُ | ١١ | ١٩٢ | وَيَمُتُّ أَمْرَابٌ | ٥ | ٣٠٦ |
| لَدَى وَهَاضِبٌ | ١١ | ٢٩٨ | وَقَدْ عَلِيبٌ | ٦ | ٢٢ |
| ذَكَرْتُ الْكَوْلِيبُ | ١١ | ٣٥٤ | فَلَوْ مُغَالِبٌ | ٦ | ١٩٢ |
| إِذَا جَانِبٌ | ١٢ | ٢٢٤ | يَكُنْ وَجَانِبٌ | ٦ | ٣٨٢ |
| تَدَلُّ مُغَاضِبٌ | ١٣ | ٢٦٣ | أَفَرَّ عَوَارِبٌ | ٦ | ٣٥٤ |
| قَطَعْتُ الْمَنَاسِبُ | ١٣ | ٢٣٢ | أَنَا كَاذِبٌ | ٤ | ٥٦ |
| غَيْنِنَا مَشَارِبُ | ١٢ | ٢٠ | قِصَامُ خَرَابُ | ٤ | ٢١٩ |
| أُتِنِجَ الْجَوَالِبُ | ١٢ | ٣٥٢ | سَيِّئُ الْجَابُ | ٨ | ٩٠ |
| أَتَتْنِي عَقَارِبُ | ١٥ | ١٣ | كَانَ شَارِبٌ | ٨ | ١٤٦ |
| خَلِيلِي مَنَاكِبُ | ١٥ | ١٥١ | وَحَوَامَةٌ لَاحِبٌ | ٨ | ١٩٤ |
| وَقُلْتُ حَارِطٌ | ١٥ | ٣٣٢ | أَهْلَجَكَ فَلَمَسَارِبُ | ٨ | ٢٢٢ |
| تَعَلَّمْ عَاتِبٌ | ١٥ | ٢٠٩ | طَرَحْتُ الْمَسَارِبُ | ١٨ | ٢٢: ١٨ |
| طَرَحْتُ الْمَسَارِبُ | ١٤ | ٤١ | إِذَا ضَارِبٌ | ٩ | ١٥١ |
| فَمَا غَالِبٌ | ١٤ | ١٨٢ | صُدُود سَارِبٌ | ٩ | ١٥٤ |
| أَيْتُكَ سَارِبٌ | ١٤ | ٢٥٦ | | | |

| مدالبيت قافيته بحره مجلد صفحة | مدالبيت قافيته بحره مجلد صفحة |
|-----------------------------------|--------------------------------|
| تُسَائِلُ وَحَاجِبُ طَوِيل ١٨ ٩٣ | وَأُنْتُ لُصِيْبُ طَوِيل ١ ١٥١ |
| يُتَبَرَّنُ الْمَذَاهِبُ = ١٨ ١١٤ | لَهَا جَشِيْبُ = ١ ٣٥٩ |
| حَلَفْتُ الْمَقَانِبُ = ١٨ ١٣٩ | ١٩١٢: ٤ |
| تَأَلَّقَ مُتَرَكِّبُ = ١٨ ٢٢٠ | ٢٣٩: ١٣ |
| يَقُولُونَ وَاجِبُ = ١٨ ٣٠٤ | ٣٥٩ ١ كَوَاحِدَةُ جَشُوْبُ = |
| ثَلَاثَةُ كَاذِبُ = ١٩ ١٩ | ٢٣٥: ١٣ |
| تَمَشَّشَتْنِي ذَاهِبُ = ١٩ ٢٢ | ٢٣٢: ١٤ |
| كَطَاوٍ حَاصِبُ = ١٩ ٢٨٠ | ٢٦ - ١ مَرَبَا جَنِيْبُ = |
| لَا لَزِبُ = ١٩ ٣٠١ | ٣٢٩ ١ وَفِي ذُكُوْبُ = |
| تَقُولُ تَوَائِبُ = ١٩ ٣٥٩ | ٢١٥: ٤ |
| تَفْعَى ثَاقِبُ = ٢٠ ٤ | ١٥٢: ٩ |
| إِذَا الْقَرَاهِبُ = ٢٠ ٣٦ | ٢٤٣ ١ لَعَنِي جَنُوْبُ = |
| يَمُجُّ جَادِبُ = ٢٠ ١٥١ | ٢٤٥ ١ وَدَاعٍ لُجِيْبُ = |
| أَسِيرَانِ مُشَاغِبُ = ٢٠ ٢٦٠ | ٢٨١ ١ أَتَهَجَّرُ لَطِيْبُ = |
| دَعِيْبُهُمْ دَرَبُ = ٢٠ ٢٨٨ | ٢٨٢ ١ وَذَنَ لَحِيْبُ = |
| فَيَاكَ جَالِبُ = ٢٠ ٣٢٦ | ٢٨٢ ١ يَشُجُّ حَيْبُ = |
| وَلِكِنَّمَا شَرَابُ = ٨ ٣٩٢ | ٣١٨ ١ يَبِيْتُ حَلُوْبُ = |
| فَلَيْتَ صَعَابُ = ١٢ ٣٥١ | ٢١٢: ٢ |
| لَا كِلَابُ = ١٩ ١٤٢ | ٣٢٩ ١ فَلَا حَسِيْبُ = |
| وَكَفَّ خَضَابُ = ١٩ ٢٢٩ | ٣٣٠ ١ مَذْكُورَةُ تُنِيْبُ = |

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة |
|---------------------------------|---------------------------------|
| فَلَمَّا خُضِبَتْ طَوِيلٌ ١ ٣٣٦ | أَمَّا كَ خُضِبَتْ طَوِيلٌ ٢ ٣٨ |
| مُوتِحَةً فَذَرَيْتُ ١ ٣٨٠ | فَإِنْ كَلْبِي ٢ ٣٢٢ |
| وَكُنْتُ مُرَبُّوبٌ ١ ٣٨٥ | ٣٢٨: ٢٠ |
| ٣٩١ | لَمَّا صُطِبٌ ٢ ٥٦ |
| ٣٠٦ ١ | وَمَا عَجِبٌ ٢ ٤١ |
| ٣١١ ١ | فَبَيَّنَّ عُدُوبٌ ٢ ٤٢ |
| ٣٦٠ ١ | فَمَا عَرُوبٌ ٢ ٣٨١ |
| ٣٨٣ ١ | ٣٥: ١٠ |
| ٣٢٥: ٩ | وَقُلْ عَسِيْبٌ ٢ ٨٨ |
| ٣٨٩ ١ | أَجَانَتْنَا عَسِيْبٌ ٢ ٨٩ |
| ٣٩٣ ١ | يَلِي قَرِيْبٌ ٢ ١٥٤ |
| ٣٢٠: ٨ | خَيْسَةً قُضِيْبٌ ٢ ١٤٣ |
| ٣٩: ٩ | فَخَيَّتْ كَذُوبٌ ٢ ٣٢٠ |
| ٣٢٩: ١١ | ٣٢٩: ١١ |
| ٣٢٥: ١٦ | فَقُلْتُ لَيْبٌ ٢ ٢٢٦ |
| ١١ ٢ | مِنْ نُصُوبٌ ٢ ٣٢٥٩ |
| ٣٢٢ ٢ | ١٩٢: ٣ |
| ٣٤٣: ١٢ | ١١٨: ١٠ |
| ٣٨٦: ٤١ | ١٢٩: ١٢ |
| ٢٢ ٢ | ٢٠٦: ٢٠ |

| صد البيت قافيته بحره مجلد صفحه | صد البيت قافيته بحره مجلد صفحه |
|--------------------------------|--------------------------------|
| قَمَنْ لَعْرِبُ طویل ٢ ٢٣٨ | وَيَأْوِي لَهْوَبُ طویل ٢ ٢٨٨ |
| نَجَاء نُدُوبُ ٢ ٢٥٠ | اَوْتَأْوِي ٢٣٠:٢٠ |
| لَقَدْ وَشُحُوبُ ٤ ٤٤ | فَجَاءَتْ كَلِيبُ ٢ ٢٨٨ |
| وَهْنُ تَنْيِبُ ٤ ٤٨٩ | تَرَكْتُ ذُؤُوبُ ٣ ٥٠ |
| ١٨٨:١٨ | الْأَمَنْ جَنْوَبُ ٣ ٢٠٩ |
| قَرِيْنَةُ وَجُؤُوبُ ٤ ١٣٤ | ١١:٤٨ |
| رَأَى كَثِيبُ ٤ ٢٥٣ | أَكَلْتُ قَيْسِبُ ٣ ٢٩٠ |
| لَقَدْ وَأُتُوبُ ٤ ٢٩٢ | ٩:٣٥ |
| ١٩:٥٩ | وَمَا قَلِيبُ ٢ ٤٣ |
| ٢٨٨:١٨٢ | كَأَنِّي غَرِيبُ ٢ ٢٢٢ |
| ٣٠٠ | كَيْشٍ فَرْكُوبُ ٢ ٣٢٥ |
| ١٢٥ | ١٥١ طَبِيبُ ٢ ٢٢٣ |
| ١٦٨ | ١٨:٢٤ |
| ٢٨٤ | فَبَيَّنَاهُ نَجِيبُ ٢ ٢٢٢ |
| ٢٩٤ | فَلَمَّا ضُرُوبُ ٢ ٢٦٠ |
| ٢٥٨ | عَلَى فَتَغِيبُ ٥ ١٩ |
| ٢ | لَعَمْرُكَ جَنْوَبُ ٥ ٣٨٤ |
| ٢٤ | إِلَى يَطِيبُ ٢ ٢٢ |
| ٢٥٤ | أُحِبُّ غَرِيبُ ٢ ١٠٠ |
| ٣٥٤ | مَكُوْدُ مَرِيبُ ٢ ٢٤٢ |

| صد البيت قافيته بحرفه مجلد صفحه | صد البيت قافيته بحرفه مجلد صفحه |
|---------------------------------|---------------------------------|
| بماء وَضَرِيْبٌ طَوِيْلٌ ١٣ ٣٢٦ | تَرَى حَبِيْبٌ طَوِيْلٌ ١١ ٣ |
| أَظَلَّ دَبِيْبٌ ١٣ ٣٣١ | نَحْيٌ حَبِيْبٌ ١٢ ١١ |
| نَحْيٌ فَيْشِيْبٌ ١٣ ٣٣١ | فَقُلْتُ لَطِيْبٌ ١١ ١٣٢ |
| فَقُلْتُ قَرِيْبٌ ١٣ ٥٠١ | وَمَا يَشِيْبٌ ١١ ١٣٥ |
| وَمَنْزَلَةٌ طَبِيْبٌ ١٣ ٩٥ | ظَلَلْنَا عُرُوْبٌ ١١ ٢١٦ |
| هَوْتُ يُوْبٌ ١٣ ٣٢١٠ | عَظِيْمٌ غُيُوْبٌ ١١ ٣٢١٠ |
| ٢٩٦ | ٣٢١٠ ص |
| (٢٥٠:٢) | ٢٤٩ ١١ حَبِيْبٌ ١١ |
| لَقَدْ قُلُوْبٌ ١٥ ١٣ | فَرَّاحٌ حَبِيْبٌ ١١ ٣٩٢ |
| إِلَى عُدُوْبٍ ١٥ ١٣ | فَأَخْلَسَ دَهِيْبٌ ١١ ٣٢٣ |
| (٢٥:٢) | تَعَقَّقُ وَكَلِيْبٌ ١٢ ١٢٥ |
| لَا بَأْسَ مُصِيْبٌ ١٥ ٣٢ | فَوَاللَّهِ حَبِيْبٌ ١٢ ٣٣٠ |
| مَظَاهِرُ وَمَرَسُوْبٌ ١٥ ٥٩ | (٣٠١:١٣) |
| إِذَا مَا وَصِيْبٌ ١٥ ١٤٦ | وَمَا رَأَيْتُ وَيُوْبٌ ١٢ ٣٥٣ |
| عَلَى وَصِيْبٍ ١٥ ٢١٠ | تَصَيَّدُ فَيَعِيْبٌ ١٣ ٣١٤ |
| تَصَانِئُهُ وَمُصِيْبٌ ١٥ ٢٣٥ | (٣٣١:١٤) |
| عَفْتُ مَرَكُوْبٌ ١٥ ٣٢٦ | وَمَا أَمْرِيْبٌ ١٣ ٢٤٣ |
| (٣٠٨:١٩) | تَرَادَى فَرَكُوْبٌ ١٣ ٢٩٤ |
| إِذَا تَوْبٌ ١٥ ٣٢٠ | ١٥:١٤ |
| ظُهُورُ تَرِيْبٌ ١٤ ١٢٤ | (١٩٠:٢٠) |

صدالبیت قافیتہ جرحہ مجلد صفحہ

سَعِيدٌ يَحْبِبُ طویل ٢٠ ٢١

وَقَعَنَ ضُرُوبٌ = ٢٠ ٢٢

وَابْأَمَانِي وَكَيْدٌ = ٢٠ ٣٢١

عُقَارٌ شَهَا بِهَا = ١ ١٤٢

١٤٤: ٩

٣٢٢: ١٣

٧٤ عِقَابُهَا = ١ ٢١٨

فَقُلْتُ حَبَابُهَا = ١ ٢٨١

٨٣: ٣

فَهَبَ شَرَابُهَا = ١ ٣٢٤

يَأْمُرِي ذَوَابُهَا = ١ ٣٦٥

تَوَصَّلُ رِبَابُهَا = ١ ٣٩١

٤٥٢: ١٣

تَنْظَنُ رِقَابُهَا = ١ ٣١٢

٣٣٣ { وَنَظِلُنَّ }

٣٣٥: ٤

١٩٨: ٨

تَدَلَّى غُرَابُهَا = ١ ٣٢١

٩٢: ٣

٣٨٤: ٤

٤٨٠: ١١

صدالبیت قافیتہ جرحہ مجلد صفحہ

أُرْدُدْ مَكْرُوبٌ طویل ١٤ ١٥٢

فَلَا شُرُوبٌ = ١٤ ١٩١

وَلَانِي شُعُوبٌ = ١٤ ١٩٢

قَدِ يَطُوقُ خَطِيبٌ = ١٤ ٢١٦

إِذَا غَرِيبٌ = ١٤ ٢١٢

تَنُوءُ كَعُوبٌ = ١٤ ٣٣٠

وَلَانِي لِأَرِيبٌ = ١٤ ٣٠٩

تَقُولُ غَرِيبٌ = ١٨ ٨ (١٠٠)

أَنِّي نُكُوبٌ = ١٨ ١٤

لَا بَأْسَ فَطِيبٌ = ١٨ ٤٩

إِذَا غَرِيبٌ = ١٨ ١١٢

يُرْدَنَ عَجِيبٌ = ١٨ ١١٩

أَلَسْتُ لَصِيبٌ = ١٨ ١٣٩

تَزَبِّي كَلِيبٌ = ١٩ ٤٢

هَنِيئًا مَشُوبٌ = ١٩ ١١٦

خَتَابِكَ مَشِيدٌ = ١٩ ٢٢٨

عَسَى سَكُوبٌ = ١٩ ٢٨٣

فَلَوْ لَطِيبٌ = ٢٠ ٤

وَلِيَكُنِّي وَمَشِيدٌ = ٢٠ ٨

فَقُلْتُ وَمَرِيدٌ = ٢٠ ١٤

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد | صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد | صفحة |
|------------------------------|--------|------------------------------|-----------|
| وَأُطِيبَ شَيْبَاهُا طویل | ١٩٥ | وَأُطِيبَ شَيْبَاهُا طویل | ٢٩٢ |
| اِذَا صِيَاهُا = | ١٢٠ | اِذَا صِيَاهُا = | ٢٢٢ |
| بَأْمَرِي انْقِلَابُهَا = | ٢٤٣ | بَأْمَرِي انْقِلَابُهَا = | ٣٢٢:٥ |
| يَلَادُ تُرَابُهَا = | ٢٢٩٦ | يَلَادُ تُرَابُهَا = | ٢٨١:٦ |
| | ١٢:١٢ | | ٨٢:٤ |
| | ٣٣٦:١٢ | | ١١٢ |
| فَأُفْسِمُ بِأَبُهَا = | ٤٩ | فَأُفْسِمُ بِأَبُهَا = | ٢١٠ |
| بَعِيدَةُ ذَهَابُهَا = | ٢٠٢ | بَعِيدَةُ ذَهَابُهَا = | ٢٢١ |
| لَهْفِي خَضَابُهَا = | ٥٠٤ | لَهْفِي خَضَابُهَا = | ٣٢٥:٤ |
| | ١:٥ | | ١١٢:١٥:١١ |
| | ١٢٢:٢ | | ٣٨٢ |
| | ٢٥:١٣ | | ٥٩ |
| وَكَيْفَ شَبَابُهَا = | ١٢١ | وَكَيْفَ شَبَابُهَا = | ٦٤ |
| فَلَمَّا وَارَثَتْهَا = | ٣٠٤ | فَلَمَّا وَارَثَتْهَا = | ٨٢ |
| | ١٢٣:١٨ | | ٢١٥ |
| وَأَنَا وَطَابُهَا = | ٥٢ | وَأَنَا وَطَابُهَا = | ٣٠٢ |
| مُشَارِعِي غُرَابُهَا = | ٢٠٤ | مُشَارِعِي غُرَابُهَا = | ٢٢٢ |
| وَقَدْ نَابُهَا = | ٢٥٠ | وَقَدْ نَابُهَا = | ١٨٣ |
| حُبِسَتْ بِأَبُهَا = | ٣٣٨ | حُبِسَتْ بِأَبُهَا = | ٢٨٨:١٣ |
| فِيَا لَيْكَ اجْتِنَابُهَا = | ٩٠ | فِيَا لَيْكَ اجْتِنَابُهَا = | ٢٥:٢٠ |

| | |
|----------------------------------|----------------------------------|
| صدرالبيت قافيته جرو مجلد صفحه | صدرالبيت قافيته جرو مجلد صفحه |
| وَأَنْ تَرَاهَا طویل ١٩ ٣٤٨ | وَأَنْ تَرَاهَا طویل ١٩ ٣٤٨ |
| إِنَّكَ تَرَاهَا = ٢٠ ٢٥١ | إِنَّكَ تَرَاهَا = ٢٠ ٢٥١ |
| إِذَا مَقُوبَهَا = ١ ١٨٤ | إِذَا مَقُوبَهَا = ١ ١٨٤ |
| تَحَدَّرَ غُرُوبَهَا = ١ ٣٢٥٣ | تَحَدَّرَ غُرُوبَهَا = ١ ٣٢٥٣ |
| وَأَبْنُ حُوبَهَا = ٣ ٢٢ | وَأَبْنُ حُوبَهَا = ٣ ٢٢ |
| بِمَسْمُوحَةٍ جُوبَهَا = ٣ ٣١٦ | بِمَسْمُوحَةٍ جُوبَهَا = ٣ ٣١٦ |
| وَيَسْجُ يَرِيْبَهَا = ٣ ٣٢٢٩ | وَيَسْجُ يَرِيْبَهَا = ٣ ٣٢٢٩ |
| وَجَدَّاءَ مَرِيْبَهَا = ٢ ٨١ | وَجَدَّاءَ مَرِيْبَهَا = ٢ ٨١ |
| تُقَدَّمُ ذُنُوبَهَا = ٢ ٢٩٩ | تُقَدَّمُ ذُنُوبَهَا = ٢ ٢٩٩ |
| وَمَنْ مَرَحِيْبَهَا = ٢ ٣١٥ | وَمَنْ مَرَحِيْبَهَا = ٢ ٣١٥ |
| كَمَا خَضِيْبَهَا = ٤ ٥٢ | كَمَا خَضِيْبَهَا = ٤ ٥٢ |
| فَلَمَّا جَنُوبَهَا = ٤ ٣٦٠ | فَلَمَّا جَنُوبَهَا = ٤ ٣٦٠ |
| إِذَا دُوبَهَا = ٤ ٣٢٠ | إِذَا دُوبَهَا = ٤ ٣٢٠ |
| عَظْفُنَا مَرَقِيْبَهَا = ٤ ٣٢٢٢ | عَظْفُنَا مَرَقِيْبَهَا = ٤ ٣٢٢٢ |
| وَسَدَّ جُنُوبَهَا = ٢ ٢٢ | وَسَدَّ جُنُوبَهَا = ٢ ٢٢ |
| كَأَنَّ عَكُوبَهَا = ٢ ١١٤ | كَأَنَّ عَكُوبَهَا = ٢ ١١٤ |
| نَقَلْنَاهُمْ عَكُوبَهَا = ٢ ١١٤ | نَقَلْنَاهُمْ عَكُوبَهَا = ٢ ١١٤ |
| فَقَائِبَةٌ وَقُوبَهَا = ٢ ١٨٨ | فَقَائِبَةٌ وَقُوبَهَا = ٢ ١٨٨ |

| صدرالبيت قافيته جره مجلد صفحه | صدرالبيت قافيته جره مجلد صفحه |
|--------------------------------|-------------------------------|
| فَلَمْ غَضُوبُهَا طویل ١٠ ٣٣٣ | هِيَ ذَوَائِبُهُ طویل ١ ٣٣٠ |
| أَحِينَ ذُنُوبُهَا ١٢ ٣٣٣ | فَجَاءَتْ دَعَائِبُهُ ١ ٣٤٣ |
| وَأَلُوبُ ذُؤُوبُهَا ١٣ ٣٣٨ | يُبَشِّرُنِي حَارِجُهُ ١ ٣٤٥ |
| تَلِينَ وَثُوبُهَا ١٣ ٣٣٣ | طَوَى مَرَاوِجُهُ ١ ٣٩٨ |
| وَقَتْلَى شُعُوبُهَا ١٥ ١١٥ | أَخُوكَ جَانِبُهُ ١ ٣٢٤ |
| يَا أُمَّ لُغُوبُهَا ١٦ ٣٣٦ | وَلَنْ عَاصِبُهُ ٢ ٩٨ |
| سَتَلْقَوْنَ عَكُوبُهَا ١٨ ٢٥ | أَذَى غَبَائِبُهُ ٢ ١٢٨ |
| أَجَبْنَا يُجِيبُهَا ١٨ ٣٨٣ | أَلَا جَانِبُهُ ٢ ١٣١ |
| نَظَرَ قُلُوبُهَا ١٩ ٦١ | بِهِ حَاطِبُهُ ٢ ١٨٦ |
| كَأَنَّ ضَرِيبُهَا ١٩ ١٤٨ | بَحِثْ ضَارِبُهُ ٣ ٣٣٣ |
| دَعَا ذُنُوبُهَا ٢٠ ٣٤٠ | مِنْ أَقَارِبُهُ ٣ ٥٤ |
| وَكَايْنُ أَعْجَبُهُ ٢ ١٢٣ | قَطَعْتُ جَوَائِبُهُ ٣ ٦٣ |
| أَلَا حَالِبُهُ ١ ٢٤ | وَرَتَيْتُهُ شَارِبُهُ ٣ ٩٣ |
| وَلَوْ شَارِبُهُ ١ ٩٤ | كَأَنَّ جَاذِبُهُ ٣ ١٧٦ |
| هَرَقْنَاهُ نَصَائِبُهُ ١ ٣١٦ | مُرَوِّدَ نَادِبُهُ ٣ ١٤٣ |
| وَنَشَرْتُ ثَائِقَهُ ١ ٣٣٣ | فَإِنْ غَارِبُهُ ٤ ١٥٢ |
| فِيَا لَكَ جَادِبُهُ ١ ٣٥٠ | أَغْرَ وَضِيَّاهُ ٤ ٣١٩ |
| وَمَا طَالِبُهُ ١ ٣٢٥ | إِنَّكَ جَانِبُهُ ٤ ٨ |
| وَصَفَّاحَةُ أَقَارِبُهُ ١ ٣٣٦ | فَظَلَّ سَبَائِبُهُ ٤ ٣٣٣ |

| صدر البيت فاقبته بحره مجلد | صدر البيت فاقبته بحره مجلد | صفحة | صفحة |
|-----------------------------|--------------------------------|------|------|
| تَلَوْر كَوَاكِبُهُ طَوِيلٌ | فَأَصْبَعَتْ غَارِبُهُ طَوِيلٌ | ٨ | ١٣ |
| ١٩٢ | ١٩٢ | | |
| وَأَيْنَادَى وَأَصَاحِبُهُ | لَهُ صَاحِبُهُ | ١٥ | ١٣ |
| ١٩٤ | ١٩٤ | | |
| وَنَائِيَةُ مَرَكَابُهُ | إِذَا مَوَاهِبُهُ | ١٤ | ١٣ |
| ٣٩٥ | ٣٩٥ | | |
| هُمُ وَغَارِبُهُ | مِنْ تَوَارِبُهُ | ٨ | ١٣ |
| ٣٢٤ | ٣٢٤ | | |
| وَأَبْيَضُ وَحَالِبُهُ | جَزَتْ طَالِبُهُ | ٨ | ١٣ |
| ٣٩١ | ٣٩١ | | |
| أَضَاءَتْ ثَابِقُهُ | لَا أَلَا عِبُهُ | ٩ | ١٣ |
| ٢ | ٢٤٤ | | |
| فَرُبَّ أَقَارِبُهُ | تَنَظَّمُ غَالِبُهُ | ٩ | ١٥ |
| ٢٢٠ | ٢٢٠ | | |
| بِمَعْقُودَةِ طَالِبُهُ | أَتَدَانُ مَضَارِبُهُ | ٩ | ١٤ |
| ٢٥٩ | ٢٥٩ | | |
| فَقُلْتُ وَغَارِبُهُ | وَقَالَ وَجَنَادِبُهُ | ٩ | ١٤ |
| ٣٠٠ | ٣٠٠ | | |
| تَطَاوَلَ أَدْعِبُهُ | وَجَدْتُمْ مَنَاسِبُهُ | ١٠ | ١٨ |
| ٢ | ٢٢ | | |
| وَكُلُّهُمْ صَاحِبُهُ | لَقَدْ جَاذِبُهُ | ١٠ | ١٨ |
| ٣٠١ | ٣٠١ | | |
| أَكُنْ صَوَاحِبُهُ | هِيَ ابْنَةُ ذَوَارِبُهُ | ١٠ | ١٨ |
| ٣٥٢ | ١٤٤ | | |
| وَحَتَّى جَنَادِبُهُ | أَرِيبُهُ | ١١ | ١٨ |
| ٣٨٨ | ٢٣٣ | | |
| تَقْلَدُ قَنَ صَائِبُهُ | فَلَوْ صَالِبُهُ | ١٢ | ١٩ |
| ١٠٠ | ١١٢ | | |
| وَكُنْ طَالِبُهُ | وَقَفْتُ أَخْطَابُهُ | ١٢ | ١٩ |
| ١٩٤ | ١١٢ | | |
| وَمَا يُقَارِبُهُ | وَأُشْكِيهِ مَلَا عِبُهُ | ١٢ | ١٩ |
| ٣٨٢ | ١٤٠ | | |
| أَقَامَتْ جَوَارِبُهُ | أَصَاحَ جَانِبُهُ | ١٢ | ١٩ |
| ٣٨٦ | ٢٤٤ | | |
| | ٣٢٢ | | |
| | ٣٢٠ | | |
| | ٨٢ | | |

| صد البيت قافيته جره مجلد صفحة | صد البيت قافيته جره مجلد صفحة |
|-------------------------------|---------------------------------|
| بَعَثْتُ عَصَبٍ طَوِيلٍ ١ ٨٦ | تَقِيهِ الْقَسْبِ طَوِيلٍ ٤ ١٨٩ |
| وَحَنَ أَلْبٍ ١ ٢٠٩ | فَإِنَّ كَعْبٍ ٤ ٢٢٢ |
| مِنَ الرَّطْبِ ١ ٣١٣ | إِلَيْكَ صُلْبٍ ٤ ٣٤٩ |
| أَبَارِقُ السَّهْبِ ١ ٢٥٩ | وَكَمَا غُلْبٍ ٤ ٩٠ |
| وَيَا مَنَّ الشَّجْبِ ١ ٢٣٦ | إِذَا سَأِبٍ ٤ ٣٩١ |
| (أَوِ السَّحْبِ) ١٥:٢ | فَأَقْسِمَ سَقْبٍ ٨ ٢١٠ |
| (٢٢٨:٤) | (٢٢١:١٨) |
| وَهَلْ ذُنْبٍ ٢ ١٤١ | تَوَارِمُ وَالْغَرْبِ ٩ ١٠٠ |
| وَمَا لَغَبٍ ٢ ٢٣٩ | (٢٠٩:١٠) |
| يُخَفِّرَ نَحْبٍ ٢ ٢٣٤ | أَيَا بِالْقَلْبِ ١٠ ٤١ |
| (١١٦:١١) | إِذَا نَقَبٍ ١٢ ٣٣٨ |
| تَشْمَنَهُ نَكِبٍ ٢ ٢٤٠ | أَقَاتِلِ الْكَرْبِ ١٣ ٤٦ |
| (٢١٨:١٥) | أَلَمْ لَقَبٍ ١٣ ٢١٠ |
| إِلَيْكَ الرَّحْبِ ٢ ٢٩٥ | أَهْمْدَانُ تَرْجِي ١٥ ١٠٢ |
| إِذَا ذِي شَعْبٍ ٢ ٣٤١ | (٤٣:١٩) |
| (٤٢:١٠) | وَمِمَّا ذَوَالْعَصْبِ ١٤ ٥٣ |
| فِيَا عَجَبًا الشَّرْبِ ٢ ٢١٤ | جَلَوْا بِالْعَصْبِ ١٤ ٣٥٤ |
| وَهُنَّ نَكِبٍ ٣ ٣٤٤ | أَرْهَطَ الصُّلْبِ ١٨ ٢٠٢ |
| جَزَنًا ذَا ذَنْبٍ ٤ ٢٩ | وَمِمَّا الْمَخْيِ ١٨ ٢٢٢ |
| إِذَا مَا الرَّكْبِ ٤ ١٢٥ | أُنْحَى طَيْبٍ ١٩ ١٤٠ |

| صد البيت قافيته مجر مجلد صفحة | صد البيت قافيته مجر مجلد صفحة |
|--------------------------------------|--------------------------------|
| ٢٩١ ١ مُجِب طِيل ١٩١ ١٩ | لِيَالِي صُهِب طِيل ١٩١ ١٩ |
| ٢٩٥ ١ سَيُصْبِحُ مُحَرَّب ٢٠١ ٢٠ | أَمَامِن مَرَكِب ٢٠١ ٢٠ |
| ٢٩٩ ١ عَلَى حَرَدٍ ٢٠٤ ٢٠ | وَدَهْمَاء الْقَلْب ٢٠٤ ٢٠ |
| ٣١٠ ١ فِإِنَّهُ الْمُحْصِب ٣٠ ١ | أَبَاء مُكَلِّب ٣٠ ١ |
| ٣١٠ ١ أَلَمْ الْمُحْصِب ٢٢٠:٢ | وَفِيَاء ٢٢٠:٢ |
| ٣٢١ ١ وَظَلَّ مُتَعَلِّب ٢٢٠ ١ | فَلَمَّا الْجَوِّب ٢٢٠ ١ |
| ٣٢٣ ١ فَذُنِّيَا مُحْتَب ١٢٤:١٠ | ١٢٤:١٠ |
| ٣٢٨ ١ فَذُوْقُوا وَالْمَحْجُوب ٢٣:٢٠ | ٢٣:٢٠ |
| ٢٢٣:٥ | أَمَرْتُ تَقَارِب ٢٠٣ ١ |
| (٢٠٢:١١) | قَضَيْتُ مُؤَرِّب ٢٠٤ ١ |
| ٣٥٣ ١ وَعَيْتِ الْمَخْلِب ٣٢٣ ١ | وَعَدَتِ بِيَتَرِب ٣٢٣ ١ |
| (٣٠٩:١٢) | ١٨٥:٢ |
| ٣٦٦ ١ فَكَلَفَهَا الْمَذَائِب ٢٢٨ ١ | ٢٢٨ ١ مَذَرِب ٢٢٨ ١ |
| ٣٦٦ ١ لَهُ الْمَذَائِب ٣٢٥ ١ | ٣٢٥ ١ تَجَجَّب ١٥٢ ١ |
| ٣٤٤ ١ وَقَدْ مَذْنِب ٢٠:٩ | ٢٠:٩ |
| ٣٩٢ ١ بِالْحَسَنِ مَرَبَرِب ٢١١:١٢ | ٢١١:١٢ |
| ٢٠٨ ١ لَا مُرْغِب ١٩٩:٢٠ | ١٩٩:٢٠ |
| ٢١٩ ١ تَدَلَّتْ مُؤَرِّب ٢٥٠ ١ | ٢٥٠ ١ قَتَلْنَا جُنْدِب ٢٥٠ ١ |
| ١٨٣:٢٠ | ٢٦٢ ١ بَعُوجِ مُجْلِب ٢٦٢ ١ |
| ٢٤١ ١ وَيُدْعَى مَشَرِب ٢٦٨ ١ | ٢٦٨ ١ جُنُوحِ الْمُجْنِب ٢٦٨ ١ |

| | | | |
|--------------------------|----------------------------|--------------------------|-------------------------------|
| صد البيت قافيته جره مجله | صفحة | صد البيت قافيته جره مجله | صفحة |
| ١٥: ٢٢٠ | «وَوَقَلَّ» | ١ ٢٤٤ | دَوَارِيفُ الْمُشْتَرَبِ طویل |
| ١١٩ ٢ | سَقَتْنَا الْمُعْلَبِ طویل | ١٣: ١٦٦ | «وَالْمُسْتَرَبِ» |
| ١٢٣ ٢ | مَقَّتْ عَنْكَیْبَ = | ١٥: ١٤٢ | |
| ٢ ٢٢٢ | حَلَلْتُ عَيْهَبِ = | ١ ٢٤٦ | أَيْسَلُهُ مُشْرَعِبِ = |
| ١٢٦ | «وَعَيْهَبِ» | ٢ ٨ | فَكَانَ فَاطِلِبِ = |
| ٢ ١٣٠ | وَأَصْبَحْتَ مُعَرِبِ = | ١٩: ١٢٢ | |
| ٢ ١٢٢ | وَأَتَاكَ مُعْلَبِ = | ٢ ٢٠ | تَمَشُّ مُضْهَبِ = |
| ٢ ١٢٦ | تَدْرِیْهَا نَيْهَبِ = | ٣: ١٠ | {«وَنَسْتُ»} |
| ٢ ١٢٤ | وَلَا الْمُنْعَبِ = | ٨: ٢٣٨ | |
| ٤: ٤٦ | | ٢ ٢٦ | يَغْرَدُ الْمُطَرِبِ = |
| ١٣: ٤٨١ | | ٢ ٢٠٠ | |
| ٢ ١٦٢ | مُعَرَّةَ مَقَرِبِ = | ٢ ٥٠ | كَأَنَّ مُطْنِبِ = |
| ٢ ١٤٤ | أِذَا مَا بِأَقْبِ = | ٢ ٩٦ | رَأَيْتَكَ لَعَصِبِ = |
| ٢ ١٩١ | غَدَاةَ كَبْكِبِ = | ٢ ١٠١ | إِذَا مُعْطِبِ = |
| ٢ ٢٢٢ | «وَفَرِيقَانِ» | ٢ ١٠٢ | كَرِيمَةُ مُعَقِبِ = |
| ٩: ٢٩٨ | | ٢ ١٠٦ | وَيَحْضُدُ مُعَقِبِ = |
| ٢ ١٩٥ | فَأَلَوْتُ يَكْتَبِ = | ٢ ٢٢٠ | |
| ٢ ٢٢١ | فَلِلْسُوطِ مُهْزَبِ = | ٤: ٢٣٠ | |
| ٢ ٢٦٠ | وَهَلْ تَنْصُبِ = | ٢ ١٠٩ | فَكَانَ بِالنَّعْبِ = |
| ٢ ٢٩٢ | قَرِيرَةُ مَيْتَبِ = | ٢ ١٩ | فَظَلَّ الْمَلْعَبِ = |

صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة

بَحْنِيَّةٌ وَصَلَبٌ طویل ٥ ٢٩٣

(٢٢٥:١٨)

كَانَ وَصَلَبٌ = ٥ ٨٢

بَسَرْتُ الْمُسَدِّبَ = ٥ ١٢٢

فَلَمَّا مُسَدِّبٌ = ٥ ٣٠٦

(١١٣:١١)

مَشُوْتُ تَقْلِبٌ = ٥ ٣٢٦

(١٨:١١)

فَمَا وَحَلَبٌ = ٥ ٣٨٢

إِلَى مَجُوبٍ = ٤ ٤

وَنَاجِيَةٍ سَبَسَبٍ = ٤ ١١

وَقَادَ التَّجَبُّبُ = ٤ ١٢

فَلَا أُلْفِي = ٤ ٣٢

إِذَا فَتَقَرَّبَ = ٤ ٢٢

فِيمَ تَأَلَّبَ = ٤ ١٢٠

إِذَا مَا بِأَتَايَبٍ = ٤ ٢٩١

يُرَادَى مُسَدِّبٌ = ٨ ٣٢٤

(١٢٢:١٩)

فَعَالُ الْمَلُوبِ = ٨ ٣٤٢

(١٢٠:١٢)

(١٢٣:١٢)

صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة

فَقُلْتُ مَوْجِي طویل ٢ ٢٩٣

وَعَارَضْتُهَا جَنْبٌ = ٣ ٤٢

إِذَا الْمَضَبُّبُ = ٣ ١٠٢

وَأَذَعَرَ بِمَقْنَبٍ = ٣ ١٩٠

خَوَارِجُ كَبْكَبٍ = ٣ ٣٠٣

وَكُنَّا مُذْهَبٌ = ٢ ٣٨٤

(٨١:٦)

(٢٩٥:١٨)

نَمْتُ أَتَقَرَّبَ = ٢ ٣٩٣

(وَنَمْتُ) (٢٢٢:٣)

أَيَحْكُمُ حَجَبٌ = ٢ ١٤

وَيَوْمًا تَوَلَّبَ = ٢ ٤٤

تَرَى مَالِهَبٍ = ٢ ٢٩٣

سَنُطْلِي جُنْدَابٍ = ٢ ٢٩٣

فَعِيدِكَ الْمُعَصِبُ = ٢ ٣٦٥

بِمُتَمَرِّدٍ مُخَرَّبٍ = ٢ ٣٤٥

يَمْلَأَانِ مُنْقَبٍ = ٢ ٢٣٨

مَمَكْتُ أَلْدَابِ = ٢ ٢٣٩

أُولَئِكَ تَوْنِبٌ = ٢ ٢٥١

مُهَابِدَةُ مُنْصَبٍ = ٥ ٥٢

| صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة | صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة |
|----------------------------------|----------------------------------|
| أَمَرْتُ تَسْكِبَ طَوِيل ١١ ٢٣٨ | ١٥١ مُتَقَوِّبَ طَوِيل ٨ ١١٣ |
| وَلَوْ مُغْرِبٍ ١١ ٣٢٩ | ١٢١ ٨ ١٢١ |
| رَأَتْ التَّقْلِبَ ١١ ٣٥٥ | ١٥٢ ٨ ١٥٢ |
| فَإِنْ مَرَكِبٍ ١٢ ٣٩١ | ١٥٤ ٨ ١٥٤ |
| (٣٤١:١٣) | ٢٢١ ٨ ٢٢١ |
| لُفَائِةٌ يَتَغَيَّبُ ١٢ ٣٢٠ | ٣٢٤ ٨ ٣٢٤ |
| (١٨٩:١٤) | ٣٤٩ ٨ ٣٤٩ |
| خَفَاهُنَّ هُجَلِبٍ ١٢ ٣٢٢ | ١٣ ٩ ١٣ |
| (٢٥٦:١٨) | ١٢٦ ٩ ١٢٦ |
| يَوْمًا التَّكَلِّبِ ١٢ ٢٦٠ | ٣٩١ ٩ ٣٩١ |
| لَنْ الْمُصَوِّبِ ١٢ ٣٩٩ | (٢٤٠:١٣) |
| وَمَا أَبٍ ١٢ ١١٣ | ٢٦٥ ٩ ٢٦٥ |
| لَهُ الْمُصَبِّبِ ١٢ ١٢٢ | ٣٢١ ٩ ٣٢١ |
| أَلَمْ تَطْيَبِ ١٢ ١٤٨ | ٣٨٢ ٩ ٣٨٢ |
| مَرَجَعْتُ وَغَيَّبِ ١٢ ٣١١ | ٣٩٨ ٩ ٣٩٨ |
| عَلَوْنَ يَثْرِبِ ١٢ ٣٥٨ | ٢٥٨ ٩ ٢٥٨ |
| وَنَحْمِ مَصْعَبِ ١٥ ٤١ | ٢٦٣ ٩ ٢٦٣ |
| كَأَنَّ مُتَلَقِّبِ ١٥ ٢٢٨ | ٨٤ ١١ ٨٤ |
| وَفِينَا الْمُتَوَرِّبِ ١٥ ٢٦٥ | ١٣٦ ١١ ١٣٦ |
| وَوَلَّ الْعَلْبِ ١٥ ٣٣٠ | ١٥٨ ١١ ١٥٨ |
| (٢٠٢:٢٠) | (١٤٨:١٤) |

صدرالبيت قافيته جرحه مجلد صفحة

تَطَالَّتْ الْأَمْرَانِ طَوِيلٌ ١ ١١

إِذَا دَمَرُوا الْحَوَاجِبَ ١ ٧٤

تَدَقَّى الدَّوَابُّ ١ ٣١٧٤

٢٠٩٩:٢٠

فَقُلْتُ بِالْحَوَاجِبِ ١ ٣١٩٦

٣ ٢٧٠٣

١٥:١٨١

وَهَبْتُ بِالْمَائِبِ ١ ٢٠٠

كَأَنَّ الْمَادِبِ ١ ٢٠٠

وَنُقِثُ أَشَائِبِ ١ ٢٠٨

يَرْجُحُ تَارِقِ ١ ٣٢٣٢

٣:١٣١

فَكَيْتَ كَالْجَلَابِ ١ ٢٧٠

بِحَيَّةِ الْجَوْلِبِ ١ ٢٧٢

تَقْدُّ الْجَارِجِ ١ ٣٢٢٨

١٢:٢٩

لَا الْجَارِجِ ١ ٢٢٨

تَرَأَتْ بِحَاجِبِ ١ ٢٩٠

فَلَا الْخَالِجِ ١ ٣٥١

صدرالبيت قافيته جرحه مجلد صفحة

وَلَا مِذْنَبِ طَوِيلٌ ١٧ ٢٢٥

وَفَتَيَانِ مُجْتَبٍ ١٤ ٥

يَضْرِبُ الْمُشْرَبِ ١٤ ٤٤

شَنَتَا شَرَحِبٍ ١٤ ١٠٩

إِذَا كَالْمَوْلِبِ ١٤ ١٧٤

وَفِي الْمَرْيَبِ ١٤ ٣٤٩

كَانَ الْمُتَصَوِّبِ ١٤ ٣٨٣

شَرُوبٌ تَحْلِبِ ١٤ ٢٢١

بَنَاتُ الْمُتَلَسِّبِ ١٤ ٢٥٥

يُنَيِّئِي وَالشَّرِبِ ١٨ ١١٤

يُنَادُونَ الْمُتَحَلِّبِ ١٨ ١٢٠

بَدَأَ أَبِي ١٨ ١٢٤

عَلَى الْمُطَنِّبِ ١٨ ٢٢٥

مِنْ مُضْعَبِ ١٩ ٢٨

فَلَمْ مَطْلَبِ ١٩ ٩٨

تَشِينُ مُجَبِّ ١٩ ١٠٢

مَمَّا وَتَهُ مَعْصَبِ ١٩ ١٢٢

وَسَانَيْتُ مَعْصَبِ ١٩ ١٣٠

إِذَا كُنْتَ وَطِيبِ ١٩ ٢٧١

فَعَادَى قَرْهَبِ ١٩ ٢٧٧

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة |
|---------------------------------|------------------------------------|
| ولكن دَوَاعِبٍ طویل ١ ٣٦٣ | عَلَى عَقَارِبٍ طویل ٢ ١١٥ |
| مَمْلَى كَالزَّوْجِیِّ = ١ ٣٩٨ | اِذَا الْغَرَائِبِ = ٢ ١٣١ |
| خُنَاعَةُ مُرَاضِبٍ = ١ ٣٠٣ | بِهَ قَرَاهِبٍ = ٢ ٣١٦٥ |
| رَقَاقُ السَّبَاسِبِ = ١ ٣٣٣ | بِهَ قَرَاهِبٍ = ٢ ٣٣٦:١٣ |
| فَخَانَتْ سَارِبٍ = ١ ٣٣٥ | أَيَا أَوْرَاهِبٍ = ٢ ١٨٢ |
| رَكِبْتُ النَّعَالِبِ = ١ ٣٣٦ | كُهْنُ الْكُوْثِبِ = ٢ ١٩٨ |
| فَصَادَتْ سَالِبٍ = ١ ٣٥٣ | سَدَا وَكَالِبٍ = ٢ ٣١٤ |
| فَقُلْتُ شَاسِبٍ = ١ ٣٤٤ | لَا وَتَدَى = ٣ ٢٨:٣ |
| تَرَى الشَّوْطِبِ = ١ ٣٤٨ | اِذَا لَمْ الْمَكَالِبِ = ٢ ٣٢١ |
| فَعَجَّزْتُ شَاهِبٍ = ١ ٣٨٩ | وَلَا لَا زِبٍ = ٢ ٢٣٣ |
| عُقَامَرَا صَالِبٍ = ٢ ١٨ | لَعَمْرُ بِالْأَهَاضِبِ = ٢ ٣٨٣ |
| حَدَا الصِّيَاهِبِ = ٢ ٢١ | تَصَابَيْتُ هَاضِبٍ = ٢ ٢٨٣ |
| كَأَنَّ الْأَمْرَانِبِ = ٢ ٣٠ | وَيَوْمَ ثَاقِبٍ = ٢ ٢٩٣ |
| وَمَكَيْ بِالْعَصَابِیِّ = ٢ ٩٢ | تَقُولُ جَانِبٍ = ٢ ٣٩٥ |
| أَعْيَيْتِ الْعَصَابِیِّ = ٢ ٩٥ | أَعْيَيْتِ الْعَصَابِیِّ = ٢ ١٥:١١ |

صدرا لبيت قافيته مجرد مجلد صفحة

٩٢:١٥

٢٠٤:١٩

كَأَنَّ قَائِبِ طویل ٤ ٢١٩

مُعَفَّرَةٌ لِحَالِیْب ٨ ١٦

كَأَنَّ بِالْجَنَائِبِ ٨ ٣٢٤

كَمَا الْأَخَائِبِ ٨ ٣٩٨

كَرَاهٍ الْأَمْرَائِبِ ٩ ٥٩

تُطَيِّرُ الْحَوَائِبِ ٩ ٤١

مُضَاعَفَةُ الْجَنَادِبِ ٩ ٣٥٨

فُرْجَانِ نَائِبِ ١٠ ٩٨

حَطَّكَتْ قَائِرِبِ ١٠ ١١٦

وَلَكِنَّا عَارِبِ ١٠ ١٣٩

سَرَى الْعَقَارِبِ ١٠ ٣٢٩٠

٢٦٦:١٥

إِذَا التَّرَائِبِ ١٠ ٣٢٣

عَلَى الثَّعَالِبِ ١٠ ٣١٤

شُفَاتُ مُهَارِبِ ١١ ٨٢

أَقَمْنَا جَائِبِ ١١ ١١٦

ثَلَاثَةُ الْحَارِبِ ١١ ١٣٤

لَكِنَّ حَارِبِ ١١ ٣١٨

صدرا لبيت قافيته مجرد مجلد صفحة

سَبَارِثُ الثَّعَالِبِ طویل ٣ ٣٥٥

سَقَيْتُكُمْ الْعَقَارِبِ ٣ ٣٤٥

فَقَى الْغَرَائِبِ ٣ ١٥٣

فَمَرَّتْ خَائِبِ ٣ ١٤٢

وَمَا مُحَارِبِ ٣ ٣٠٦

لَنَا التَّجَارِبِ ٥ ٢١٦

وَمِنْ مُتْقَارِبِ ٦ ٨٦

أَيَّاجَمْنَا الْمَذَارِبِ ٦ ٩٩

تَرَى الْأَكْمَارِبِ ٦ ٣٤٣

تَعَلَّمْتُ بِكَائِبِ ٤ ١٨

فَعَدُّ الْمَشَارِبِ ٤ ٥٨

وَأَنَّى الْكَوَائِبِ ٤ ١٦٣

عَرِيشُ الثَّعَالِبِ ٤ ٣١٤٥

٣٨٢:٨

٣٦٠:٩

تَحَوَّرَ مُضَارِبِ ٤ ٣١٠-٣٠٦

أَوْ تَحَوَّرَ ١١:١١

إِذَا الْحَوَائِبِ ٤ ٣١٠

إِذَا الْقَوْمُ الْمَنَائِبِ ٤ ٣٨٣

إِذَا: الْحَالِبِ ٤ ٣٨٨

| صدرا لبيت قافيته جره مجلد صفحة | صدرا لبيت قافيته جره مجلد صفحة |
|-----------------------------------|------------------------------------|
| اذا ما بعصائب طويل ١١ ٣٢٩ | ثُمَّ ثَنَّ الْجَارِبَ طِيل ١٥ ٣٨ |
| أَجْلَدُهُمْ لَاعِبٌ ١١ ٣٦٣ | لَقَدْ الْكَوَاكِبُ ١٥ ٤٦ |
| كَأَنَّ الْعَفَّارِيذَ ١٢ ٣٣٨ | تَكُنُّ صَاحِبٌ ١٥ ١١٢ |
| ١٢٩: ١٨ | لَوْ أَنَّكَ الْمُتَقَارِبُ ١٥ ٢٠٥ |
| دَعَنَّهُ ذَاهِبٌ ١٢ ٢٢٥ | وَمَلَّ التَّكَارِبُ ١٥ ٢٢٢ |
| اذا الحواري ١٢ ٣٢٤ | فَأَعْرَضَ الدَّوَاهِبُ ١٥ ٢٩٣ |
| فيوماً الثَّعَالِبُ ١٢ ٣٤٥ | قُدَيْدِمَةُ الْجَارِبُ ١٥ ٣٦٣ |
| عَجِيجُ الْمَذَاهِبُ ١٣ ١٠٤ | فَقُلْ وَالتَّارِبُ ١٦ ١١١ |
| مَجَلَّتْهُمْ الْعَوَارِبُ ١٣ ١٢٤ | لِخَطَابِ الْمَقْرَبُ ١٦ ١٩٥ |
| دِيَارُ التَّكَارِبُ ١٣ ١٤٣ | وَلَوْلَا نَارِبُ ١٦ ٢٢٢ |
| اذا المصاعيب ١٣ ٣١٢ | اذا جانِبُ ١٦ ٢٦٩ |
| ها القَرَاهِبُ ١٣ ٣٠٣ | وما فُحَارِبُ ١٦ ٢٩٦ |
| كومي المنكسِبُ ١٣ ٣٣١ | فَقُلْنَا الثَّعَالِبُ ١٤ ١٦ |
| جَزَى كَاذِبٌ ١٢ ١٢ | يَضْرِبُ الصَّوَارِبُ ١٤ ٤٤ |
| كَأَنَّ بِالْمَنَّاكِبُ ١٢ ٤٥ | فَلَمَّا الدَّوَارِبُ ١٤ ١٥٠ |
| اذا كان وجانب ١٢ ١٥٩ | فَلَمَّا عَاصِبُ ١٤ ٢٦٠ |
| يَمْشُونَ الْحَقَائِبُ ١٢ ١٤٦ | يَا عَزَّوْكَابُ ١٤ ٢٩٣ |
| تَكَادُ وَحَاصِبُ ١٢ ٢٢٢ | عَزِيزُ النَوَائِبُ ١٤ ٣٨٠ |
| فَلَيْتَ الْكَوَاكِبُ ١٢ ٣١٩ | كَثُنَ أَيُّبُ ١٤ ٢٢٣ |
| أَيَا الْمَذَائِبُ ١٢ ٣٥٢ | |

[illegible]

صدر البيت قافيته جرة جلد صفحة صدر البيت قافيته جرة جلد صفحة

٢٢٤:١٠

وَحَرًّا كَهَبًا طِيل ١٠ ٢٢٩٨

٢١٢:١١

(٢١٨:١٥)

(٨٩:١٨)

مُعَاتِبَةُ الْحَبَّاءِ = ١١ ٤١

مَلَكْنَا تَرْتَبًا طِيل ١ ٣٩٥

سَرَبْتُ عَصَبًا = ١١ ٢٢٩

دَعَا غُيْبًا = ١ ٢٣٤

وَهَمَّ الضُّمْبًا = ١٣ ١٢

وَكُنْتُ عَقْبًا = ٢ ١١١

أَلَمَ الشَّعْبًا = ١٤ ٣٦٩

وَلَيْسَ الْمُتَعَبِيًّا = ٢ ١٢٥

فَجَاءَ وَطْبًا = ١٤ ١٢٠

وَمَنْ مَسَحَبًا = ٢ ١٩١

وَكَيْفَ ذَنْبًا = ١٩ ١٣٣

كَذَبْتُ مَوْطِبًا = ٢ ٢٠٥

وَفِي الْحَيِّ مُغْضَبًا = ١ ٢٢٤

٢٩٩

(١٠٤:١٨)

(٣٨٠:٨)

وَلَوِ مَشْرَبًا = ١ ١٠٢

وَأَذْفَعُ مِلْحَبًا = ٢ ٢٣٣

(٢٣٣: ٢)

٨٠: ٣

صَرَمْتُ لَيْذُ هَبًا = ١ ١٩٩

(٣٣٢:٨)

لَعَمْرُ أَهْلَبًا = ١ ٢٠٨

(٤٣١:١٤)

(٣٢٩: ٣)

فَقُلْتُ أَنْيَبًا = ٢ ٢٤٢

فَأَبَكَ الْمُضْبَبًا = ١ ٢١٢

(٨٠:١٤)

فَاتَكَ فَتَبًا = ١ ٢١٨

فَقَالَتْ تَنِيَبًا = ٢ ٢٤٤

دَعَتْ قَحْلَبًا = ١ ٢٥١

وَكُنْ أَذْهَبًا = ٣ ٣١٩

وَقَدْ أَحْقَبًا = ١ ٣١٦

بَانَ تَقَرَّبًا = ٢ ٥٤

أَمْرَى مُخْضَبًا = ١ ٣٢٥

| صد للبيت قافيته بحره مجلد | صفحة | صد للبيت قافيته بحره مجلد | صفحة |
|---------------------------|------|---------------------------|------|
| لهم المصعبا طويل ٢ | ٣١٢ | لهم المصعبا طويل ٢ | ٣١٢ |
| فألقى وأجربا = ١٣ | ٢٠٤ | فألقى وأجربا = ١٣ | ٢٠٤ |
| فألقى وأجربا = ١٣ | ٣٣٥ | فألقى وأجربا = ١٣ | ٣٣٥ |
| وأعطى مؤثرا = ١٥ | ٢٤٤ | وأعطى مؤثرا = ١٥ | ٢٤٤ |
| أمراني يكلبا = ١٤ | ٥٥ | أمراني يكلبا = ١٤ | ٥٥ |
| أتراني تكذبا = ١٤ | ١٩٩ | أتراني تكذبا = ١٤ | ١٩٩ |
| وكنّا سبئسبا = ١٤ | ٣٣٠ | وكنّا سبئسبا = ١٤ | ٣٣٠ |
| فما وتغلبا = ١٨ | ٤٩ | فما وتغلبا = ١٨ | ٤٩ |
| تذكر ملعبا = ١٨ | ٣٠٣ | تذكر ملعبا = ١٨ | ٣٠٣ |
| لها تطيبا = ٢٠ | ١٢٣ | لها تطيبا = ٢٠ | ١٢٣ |
| فأوردتها مشربا = ٢٠ | ١٦ | فأوردتها مشربا = ٢٠ | ١٦ |
| تعوّج الجنائبا = ٣ | ٢٨٢ | تعوّج الجنائبا = ٣ | ٢٨٢ |
| خيّان فخايبا = ٩ | ٤١ | خيّان فخايبا = ٩ | ٤١ |
| مغاربا = ١٢ | ٢٠ | مغاربا = ١٢ | ٢٠ |
| أبامالك دايبا = ١٢ | ٣٨٤ | أبامالك دايبا = ١٢ | ٣٨٤ |
| ريّاك جبايجا = ١٣ | ١٠٥ | ريّاك جبايجا = ١٣ | ١٠٥ |
| غضبت تغضب = ١ | ٢٠٥ | غضبت تغضب = ١ | ٢٠٥ |
| تتقص للرهب = ١١ | ١٤٥ | تتقص للرهب = ١١ | ١٤٥ |
| كأني مشربا = ٢ | ٢٣٢ | كأني مشربا = ٢ | ٢٣٢ |
| فأصنق تصوبا = ٢ | ٢٣٨ | فأصنق تصوبا = ٢ | ٢٣٨ |
| تتجدد يكذبا = ٢ | ٢٢٨ | تتجدد يكذبا = ٢ | ٢٢٨ |
| لكالثر مشربا = ٥ | ١٤٨ | لكالثر مشربا = ٥ | ١٤٨ |
| وما ليظربا = ٥ | ١٤٩ | وما ليظربا = ٥ | ١٤٩ |
| وشققت وحلّبا = ٦ | ٢١ | وشققت وحلّبا = ٦ | ٢١ |
| لش عصبصبا = ٦ | ٢٨٠ | لش عصبصبا = ٦ | ٢٨٠ |
| وفتيان طربا = ٨ | ١٦٢ | وفتيان طربا = ٨ | ١٦٢ |
| لحيث جربا = ٨ | ٢٤٣ | لحيث جربا = ٨ | ٢٤٣ |
| ويكها فاصحبا = ٩ | ٢٤٣ | ويكها فاصحبا = ٩ | ٢٤٣ |
| لها طربا = ١٠ | ٢٦ | لها طربا = ١٠ | ٢٦ |
| وما تغيبا = ١١ | ١٣٨ | وما تغيبا = ١١ | ١٣٨ |
| ألم تغصبا = ١١ | ١٥٠ | ألم تغصبا = ١١ | ١٥٠ |
| ولا المعيبا = ١٢ | ١٢٥ | ولا المعيبا = ١٢ | ١٢٥ |
| فأني أخويا = ١٢ | ١٢٨ | فأني أخويا = ١٢ | ١٢٨ |
| بعت المهلبا = ١٢ | ١٨٠ | بعت المهلبا = ١٢ | ١٨٠ |
| فأصنق مؤثرا = ١٢ | ٢٢٨ | فأصنق مؤثرا = ١٢ | ٢٢٨ |

| صدر البيت قافيته بحرف جلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف جلد صفحة |
|--|----------------------------------|
| يَحْدَنَ وَيَا لَكُنْتُ طَوِيلَ ١٨ ٣٣١ | أَذَاكَ مُنْقَلِبُ بَسِيط ١ ٣٣٦ |
| (أَوْ بِالنَّسَبِ) ٣٣٤: ١٩ | (وَكَاثَهُ) ١٩: ١٩ |
| كَأَنَّ عَتَابَ = ٤ ٣٥ | فَبَاكَ وَالْهَضْبُ = ١ ٣٦٢ |
| أَنْهَا تَعِيبُ مَدِيدَ ١٢ ٢٩٥ | ٢٨٣: ٢ |
| وَعَرُوبُ حُقْبًا = ٢ ١٠٩ | ٤٠: ٢ |
| حَتَّى وَالرُّطْبُ بَسِيط ١ ٣٠٣ | ٢٢٨: ٤ |
| رَحَى وَالْحَرْبُ = ٤ ١١٢ | ١١: ٨ |
| يَهْدِي رُعْبُ = ١٠ ٢١٢ | أَمْسَى الرَّيْبُ = ١ ٣٩٢ |
| وَمَا الْوُطْبُ = ١٠ ٢٥١ | ١٢٣: ٨ |
| يُرِيدُ الطَّرْبُ = ١ ٨٢ | تَقَيَّظَ رَتْبُ = ١ ٣٩٥ |
| ٢٧: ٢ | وَبِالشَّمْلِ مُنْزَرِبُ = ١ ٣٣١ |
| لَمَّا نَضَبُ = ١ ١٠٥ | ١٣٩٢: ١٣ |
| (أَوْ نَضَبَ) ١٢٠: ١٤ | مَابَالُ سَرَبُ = ١ ٣٣٩ |
| سُرْتُي كَذَبُوا = ١ ١٥٦ | ١٤٢: ١١ |
| وَقَدْ كَذَبُ = ١ ٥٩ | كَأَنَّ سَلْبُ = ١ ٣٥٥ |
| ٢٢٢: ٤ | ٢٨٦: ٢ |
| وَتَبَّ جَنْبُ = ١ ٢٤٢ | ١٢٥: ٤ |
| ٣٣٨: ١٢ | ١٦٦: ١١ |
| هَاجَتْ وَالْجَنْبُ = ١ ٢٤٢ | فَامْتَحَ شَذَبُ = ١ ٣٦٩ |
| إِنْ فَخَّطَبُ = ١ ٣١٢ | ٣٥٣: ١٠ |

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة |
|---------------------------------|---------------------------------|
| لَمَّا الْعَرَبُ بَسِيط ٢ ٨١ = | لَا شَعَبُ بَسِيط ١ ٣٨٢ = |
| (٢٧٢: ٣) | (٣٨٧: ١٥) |
| نَارًا الْعُطْبُ ٢ ١٠١ | لَمِيَاءُ شَنْبُ ١ ٣٨٨ = |
| أَلْهَاءُ عُقْبُ ٢ ١٠٤ | ٩١٠: ٨ |
| وَأُدْرِكَ الْغَرْبُ ٢ ١٣٥ = | (٢٢٦: ١٨) |
| ٩٤: ١٣ | جَارِي مُصْحَبُ ٢ ٩ |
| (١٩٨: ٢) | أَرْضُ وَالْقَرْبُ ٢ ١١ |
| قَسَبَتْنَا الْغَرْبُ ٢ ١٦٤ | كَأَنَّهُ كَلْبُ ٢ ١٩ = |
| كَأَنَّهُ مُنْقَضِبُ ٢ ١٤٢ = | (٣١: ١١) |
| (٢٢٣: ٤) | لِيَالِي كَعْبُ ٢ ٣٤ = |
| أَنْشَيْتُ وَالْقُطْبُ ٢ ١٤٢ | (٢٢٤: ١٩) |
| عَلَى الْقُوبُ ٢ ١٨٨ | حَتَّى طَبَبُ ٢ ٣٣ |
| وَفَرَاءُ الْكُتُبُ ٢ ١٩٢ = | أَسْتَحَدْتُ طَرَبُ ٢ ٢٥ = |
| ١٥١: ٤ | ٢٣٢ |
| ١٤٢: ١١ | (٥٥: ١٠) |
| ٢٨٤: ١٣ | عَيْنًا تَضَطَّبُ ٢ ٢٥ |
| (١١٥: ١٨) | أَضَلَّهُ عَصْبُ ٢ ٢٨ |
| مِيلَاءُ كُتْبُ ٢ ١٩٤ = | فَانْصَاعَ وَالطَّلَبُ ٢ ٢٨ = |
| (١٦١: ١٢) | (٢٨٨: ٣٣) |
| أَحْلَامُهُمُ الْكَلْبُ ٢ ٢١٨ | تَقَدَّ كُنْبُ ٢ ٥٠ |
| | عُذْبُ الْعَذْبُ ٢ ٤٢ |

| صدرالبيت قافيته بحره مجلد صفحه | صدرالبيت قافيته بحره مجلد صفحه |
|--------------------------------|--------------------------------|
| لَا بَلَّ تَرِبَ بَسِيط ٣ ٢٢٣٢ | بَرَاقَةُ لَبَبَ بَسِيط ٢ ٢٢٩ |
| ١١: ٤ | كَانَ نَصَبُوا ٢ ٢٥٤ |
| ١٠٣: ١٤ | حَقَّ نَغَبَ ٢ ٢٢٢ |
| ٣٥١ ٣ = وَصَوَّحَ نَكَبَ | ١١٣: ٣ |
| ٨٢: ١٠ | وَلَا حَ لَهَبَ ٢ ٢٤٥ |
| ٢٤٤: ١١ | خُذِمَتْ هَضْبُ ٢ ٢٨٢ |
| ٣٦١ ٣ = طَرَحَ يَنْتَسِبُ | ٣٥٥ ٢ = شَعَتْ اِخْشَبُ |
| ٥١٠ ٣ = كَانَهَا الْقُلُوبُ | ٢٠٥: ٥ (اَوْ سَحَبًا) |
| ١٨٦ ٢ = مُنْهَرَتْ زَبَبَ | ٢٥٨ ٢ = يَسْتَلُّهَا الْعُشْبُ |
| ٣٣٠ ٢ = كَانَمَا الْعَنْبُ | ٢٢٢ ٢ = سَيَرُوا الْعَرَبُ |
| ١٥ ٥ = حَدَّاءُ عَجَبَ | ٢٢٣: ٢ |
| ٢٩٨: ٩ | قَدَّ الْخُطْبُ ٣ ٢٠ |
| ٢٢٢: ١٢ | تَزْدَادُ مُنْتَقِبُ ٣ ٥٨ |
| ٢١٢ ٥ = مَنَ الْحَلَبُ | ٩٠ ٣ = أَشَدُّهَا زُعْبُ |
| ١٩٠: ١٩ | ٢٢٣: ١٢ |
| ٣٢ ٤ = وَحَائِلُ شُهَبُ | ٢٢٨ ٣ = وَالْعَيْسُ تَنْسَلِبُ |
| ١١٢ ٤ = يَحْدُو قَبَبُ | ٢٨٢: ٢٢١ |
| ٢٥١ ٤ = كَانَ الْجَبَبُ | ١٤٥ ٣ = لَهُ صَحَبُ |
| ٢٤٢ ٤ = كَانَهُ مُنْتَقِبُ | ٢٠٥ ٣ = يَرْقَدُ حَصَبُ |
| ١٩٨ ٤ = فَهِنَّ خُضْبُ | ١٢٥: ٢ |
| | ٢١٩: ٨ |

| | |
|-----------------------------------|-----------------------------------|
| صدر البيت قبايته مجر مجلد صفحة | مد البيت قبايته مجر مجلد صفحة |
| جاءت وأب بسيط ٤ ٣٩٢ | جاءت وأب بسيط ٤ ٣٩٢ |
| مُقَرَّرٌ شَبُّ = ٤ ٢٣١ | مُقَرَّرٌ شَبُّ = ٤ ٢٣١ |
| أخو { جُلْبُ = ١١ ٣٠٣ | أخو { جُلْبُ = ١١ ٣٠٣ |
| وَأَخَا) ١٠ ٢٣١ | وَأَخَا) ١٠ ٢٣١ |
| حَتَّى مُضْطَرِبُ = ١١ ٨١ | حَتَّى مُضْطَرِبُ = ١١ ٨١ |
| تُرْيِكُ نَدَبُ = ١١ ٨٨٨ | تُرْيِكُ نَدَبُ = ١١ ٨٨٨ |
| ١٤ ٨٨٨ | ١٤ ٨٨٨ |
| إِذَا الْعُطْبُ = ١١ ٢٢٠ | إِذَا الْعُطْبُ = ١١ ٢٢٠ |
| حَتَّى مُنْتَصِبُ = ١٢ ١٨٥ | حَتَّى مُنْتَصِبُ = ١٢ ١٨٥ |
| ١٤ ٨٩١ | ١٤ ٨٩١ |
| كَانَتْ مُشْتَغِبُ = ١٢ ٢٥١ | كَانَتْ مُشْتَغِبُ = ١٢ ٢٥١ |
| جَعَلُوا عَزْبُ = ١٢ ٢٦٤ | جَعَلُوا عَزْبُ = ١٢ ٢٦٤ |
| كَانَ الْحَجَبُ = ١٢ ٣٢٩ | كَانَ الْحَجَبُ = ١٢ ٣٢٩ |
| هَلْ الْقَتَبُ = ١٢ ٣٠٣ | هَلْ الْقَتَبُ = ١٢ ٣٠٣ |
| فِيهَا خَدَبُ = ١٣ ٢٣ | فِيهَا خَدَبُ = ١٣ ٢٣ |
| وَالْقُرْطُ يَضْطَرِبُ = ١٣ ١٣٣ | وَالْقُرْطُ يَضْطَرِبُ = ١٣ ١٣٣ |
| فَبَاتَ مُحْتَجِبُ = ١٣ ١٤١ | فَبَاتَ مُحْتَجِبُ = ١٣ ١٤١ |
| أَوْ مَطْعَمُ يَكْتَسِبُ = ١٣ ٢١١ | أَوْ مَطْعَمُ يَكْتَسِبُ = ١٣ ٢١١ |
| حَتَّى الْهَرَبُ = ١٥ ١٠٥ | حَتَّى الْهَرَبُ = ١٥ ١٠٥ |
| ١٨ ٣٠٨ | ١٨ ٣٠٨ |
| فَاشْتَلَّ الطَّرِبُ = ١٥ ١٠٩ | فَاشْتَلَّ الطَّرِبُ = ١٥ ١٠٩ |
| ١٤ ٢٨٨ | ١٤ ٢٨٨ |
| أَصْبَحَتْ رَكِبُوا = ١٠ ٢٨١ | أَصْبَحَتْ رَكِبُوا = ١٠ ٢٨١ |

| صدر البيت قافيته جرو مجدد صفحة | صدر البيت قافيته جرو مجدد صفحة |
|---|---------------------------------|
| أَوْ مُفْعَمٌ وَالْقَتَبُ بَسِيط ١٥ ٣٦٢ | لَمَّا أَرْبَابُهُ بَسِيط ١١ ٣٤ |
| كَاثِلَهَا تُنْهَبُ ١٤ ٢٤ ٢٠: ١٤ | تَبْدُو الْعَزَاكِبُ ١ ٨٢ |
| حَتَّى رِيْبُ ١٤ ٩٨ | وَكُلُّ يَوْبُ ١ ٢١٣ |
| كَاثِلَهَا وَالْعَصْبُ ١٤ ١٣١ | تَمْشَى الْجَارِيْبُ ١ ٢٦٥ |
| يَسْكُلُوا الْوَصْبُ ١٤ ١٦٨ | وَفِي تَجْنِيْبُ ١ ٢٤٠ |
| مَقْعَحُ الْعَرَبُ ١٤ ٤٢ | وَكُلُّ وَالْحَوْبُ ١ ٣٢٤ |
| حَزَايَةِ الْغَضْبُ ١٨ ٢٢٨ | وَكُلُّ دُعْبُوبُ ١ ٣٦٢ |
| عَلَيْهِ الْحَقْبُ ١٨ ٢٦٠ | وَيَعْلَمُ دُعْبُوبُ ١ ٣٦٢ |
| تَدْعُو فَنَنْتَسِبُ ١٨ ٣٨٢ | لَقَدْ الدَّعَالِيْبُ ١ ٣٤٢ |
| أَنَا النَّسْبُ ١٩ ١٢٤ | أَفْقَرَ مَلُكُوبُ ١ ٣٤٩ |
| تَضْرِي تَيْبُ ١٩ ١٩٢ | أَضَلَّهُ أَضْطَرِبُ ١٩ ٢٣٤ |
| مِنْ دِمْنَةِ الْكُتْبُ ١٩ ٢٢٣ | وَهُنَّ تَنْشَخِبُ ١٩ ٢٩٨ |
| يَقُولُ أَغْبَابُ ٢ ١٢٨ | مِنَ الَّذِينَ شَخِبُوا ١٩ ٣٢٤ |
| شَدِيدُ أُنْدَابُ ٨ ٣١٠ | يَنْهَسَنَ الْمَرَارِيْبُ ١ ٢٠١ |
| أَسْوَانُ عِيْذَابُ ١٨ ٣٦ | أَعْلَقْتُ الذِّيْبُ ١ ٣١٢ |
| | أَبْلُغُ فَمَرْكُوبُ ١ ٣١٨ |

| صدرالبيت قافيتہ مجروحہ جلد صفحہ | صدرالبيت قافيتہ مجروحہ جلد صفحہ |
|-----------------------------------|---------------------------------|
| ۴۳۳ ۲ المَلَاذِيْبُ بَسِيط ۲ | ۴۴۹ ۱ فِي دُعْبُوْبٍ بَسِيط ۱ |
| ۴۰۰ ۴ | ۴۵۲ ۱ وَالطَّاعِنُ اُسْكُوْبٌ ۱ |
| ۴۳۵ ۲ بَعَثَتْهُ الْمَنَاجِيْبُ ۲ | ۴۹۴ ۱ تَصْبُوْا الْمَشِيْبُ ۱ |
| ۴۴۹: ۲ (وَالْمَنَاجِيْبُ) | ۱۷۰ ۲ وَالْمَاءُ مَلْكُوْبٌ ۲ |
| ۴۷۷ ۲ كَانَتْهُ مَدْرُوْبٌ ۲ | ۴۳۳ (وَالْفَاعِلِيْنَ) |
| ۹۶: ۵ (وَمَدْرُوْبٌ) | ۴۱۴: ۱۱ |
| ۴۶۴: ۱۴ | ۱۱۶: ۱۲ |
| ۴۳۳ ۳ كَانَتْهَا الدِّيْبُ ۳ | ۱۷۰: ۱۶ |
| ۷۰: ۱۰ | ۴۶۹ ۲ وَمِنْ وَغَرِيْبٍ ۲ |
| ۲۰۳ ۷ مُجْتَبِ مَصْبُوْبٌ ۷ | ۴۴۱: ۳ |
| ۲۷ ۸ مِّنَ الشَّيْبُ ۸ | ۴۶۶: ۱۹ |
| ۲۶۱ ۸ اَشْكُوْ الدِّيْبُ ۸ | ۱۵۲ ۲ اَلِيْدُ مَقْبُوْبٌ ۲ |
| ۲۷۹ ۸ يَأْوِيْ وَالِدِيْبُ ۸ | ۱۶۶ ۲ اَوْفَجْ قَسِيْبٌ ۲ |
| ۳۳۹ ۸ فَلَتَّ الْمَخَالِيْبُ ۸ | ۱۷۱: ۳ |
| ۱۵۵ ۹ نَعَمْ تَطْرِيْبُ ۹ | ۱۶۶ ۲ اَوْجَدُوْا قَسِيْبُ ۲ |
| ۴۴۲ ۹ شَيْبُ مَوْطُوْبٌ ۹ | ۱۷۳ ۲ كَسَتْ الْمَقَاضِيْبُ ۲ |
| ۴۷۶ ۹ لَا تَرْتَجِعْ تَنْدِيْبُ ۹ | ۲۰۷ ۲ اُرْجِرْ مَكْرُوْبٌ ۲ |
| ۱۹۰ ۱۱ اُولُو رَعَايِيْبُ ۱۱ | ۴۴۳: ۱۹ (وَارْدَدُ) |
| ۳۵۵ ۱۱ يَدُبُ مَقْلُوْبٌ ۱۱ | ۲۰۹ ۲ كَالَّذِيْ تَكْرِيْبُ ۲ |

صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة

أو كالفَتْى حَشَبًا بسيط ١ ٣٢٣

كَلْبُجِ وَالْخُطْبِ = ١ ٣٢٤

٣٢٤:٤

٩٢:١٣

١٢٤:١٤

وَشَقَّ عَضْبٍ = ١ ٣٤٤

كَارِثُ عَطَبٍ = ١ ٣٩٢

١٤:٥٥

كَانَ رِقَبٍ = ١ ٣١١

رَحْبُ الْمُضْطَرِبِ = ٢ ٣٢

إِذَا وَالْعَبَبِ = ٢ ٤٣

مُعَالِيَاتُ وَالْكَنْبِ = ٢ ٢٢٣

عَنْ مُلْتَصِبٍ = ٢ ٢٣٥

وَكَمْ أَبَا كَرِبٍ = ٣ ٢٣

يَا صَاحِ الذَّنْبِ = ٣ ١١٦

إِذَا يُنِيبٍ = ٣ ٢٥٠

تَيَبَّتْ كَالْجَرَبِ = ٣ ١٦٤

وَمَا كَالْعَقَبِ = ٣ ١٩٣

كَانَهَا التَّرِبِ = ٥ ٢٣٤

هَوْنُ الْحَسَبِ = ٦ ٣٦٢

صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة

هَذَا ذِيْبٌ بَسِيطٌ ١٢ ٢٣

فَرَاكِسُ فَالْقَلِيبِ = ١٢ ١٨٢

وَالْحَيْلُ يَعَايِبُ = ١٣ ٣٤٤

هَلْ مَسْبُوبٌ = ١٣ ١٢١

أَوْشَبَّ هَبُوبٌ = ١٥ ١٢٦

قَدْ قَرِيبٌ = ١٥ ٢٠١

كَانَهَا طَلُوبٌ = ١٦ ٢٨٩

عَيْنَاكَ شَيْعِيْبٌ = ١٤ ٩٦

كَانَتْ تَذْرِيبٌ = ١٤ ١٣٦

وَاهِيَةٌ لَهُوبٌ = ١٤ ٢٩٨

كُلُّ مَكْدُوبٌ = ١٩ ١١٠

بَأَنَّ الدَّيْبِ = ١٩ ١٦٠

وَمَنْ مَطْلُوبٌ = ٢٠ ٣٠٠

يَسْلُغِفِ مُزْلَعِيْبٍ = ١١ (٩) ٦٢

أَعْشَى ذُو ثَرْبٍ = ١ ١٩٣

أُعْطِيَتْ بِالْجَبِّ = ١ ٢٢٣

بَحْنُوبَةٌ وَالْقَصَبِ = ١ ٢٤٣

وَكَمْ حَسَبٍ = ١ ٣٠٢

٣٨٣:١٣

١٣٢:٢٠

| صدرالبيت قافيته مجرؤه جلد صفحه | صدرالبيت قافيته مجرؤه جلد صفحه |
|------------------------------------|------------------------------------|
| ١٥٢ الكُتُبُ بسيط ٩ ٣٣٥ | ١٥٢ الكُتُبُ بسيط ٩ ٣٣٥ |
| ١٢٨: ١٧٨ | ١٢٨: ١٧٨ |
| ١٠ = ٣٢٨ فَاثٌ نُصِبَ | ١٠ = ٣٢٨ فَاثٌ نُصِبَ |
| ١١ = ٢٩ اُخْلَى الرَّيْبُ | ١١ = ٢٩ اُخْلَى الرَّيْبُ |
| ١١ = ١٦٨ يَكْسُوهُ وَالْحَدَبُ | ١١ = ١٦٨ يَكْسُوهُ وَالْحَدَبُ |
| ١١ = ٢٩٥ يَسْتَبْرِقُ الْقُصْبُ | ١١ = ٢٩٥ يَسْتَبْرِقُ الْقُصْبُ |
| ١٢ = ٢٢٠ اُنَا اِلَى | ١٢ = ٢٢٠ اُنَا اِلَى |
| ١٢ = ٣٠٤ هَبَّتَقَى النَّشْبُ | ١٢ = ٣٠٤ هَبَّتَقَى النَّشْبُ |
| ١٣ = ٣٢٢ كَانَتْ لِحِبْ | ١٣ = ٣٢٢ كَانَتْ لِحِبْ |
| ١٣ = ٣٩٠ مَشْمُولَةٌ وَالْقَصْبُ | ١٣ = ٣٩٠ مَشْمُولَةٌ وَالْقَصْبُ |
| ١٥ = ١٤٦ قَدْ نَقِبَ | ١٥ = ١٤٦ قَدْ نَقِبَ |
| ١٥ = ٢٢٢ حَتَّى بِالذَّنْبِ | ١٥ = ٢٢٢ حَتَّى بِالذَّنْبِ |
| ١٦ = ٣٣٤ يَبْكِيكَ لِلْعَجَبِ | ١٦ = ٣٣٤ يَبْكِيكَ لِلْعَجَبِ |
| ١٦ = ١٠٢ نَوَاجِعَ بِالضَّرْبِ | ١٦ = ١٠٢ نَوَاجِعَ بِالضَّرْبِ |
| ١٦ = ١٥٨ مَاحَوَّتْكَ بِالسَّكَاةِ | ١٦ = ١٥٨ مَاحَوَّتْكَ بِالسَّكَاةِ |
| ١٦ = ٢٢٢ يَعْتَقِنَهُ مَكْتَسِبٌ | ١٦ = ٢٢٢ يَعْتَقِنَهُ مَكْتَسِبٌ |
| ١٦ = ١٦٥ حَرَفُ الصَّخِيبِ | ١٦ = ١٦٥ حَرَفُ الصَّخِيبِ |
| ١٦ = ٣٠٢ تَحَسَّرَ وَالْقُطْبُ | ١٦ = ٣٠٢ تَحَسَّرَ وَالْقُطْبُ |
| ١٤ = ٢٠٠ عَنَابٌ | ١٤ = ٢٠٠ عَنَابٌ |
| ١١ = ٥٤ مَابَانُ الْبَابِ | ١١ = ٥٤ مَابَانُ الْبَابِ |
| ١ = ٢٦ وَشَدَّ سُرْحُوبٌ | ١ = ٢٦ وَشَدَّ سُرْحُوبٌ |
| ١ = ٨٨ كَانُوا مَرْبُوبٌ | ١ = ٨٨ كَانُوا مَرْبُوبٌ |
| ١ = ٢١٣ يَوْمَانِ تَأْوِيْبٌ | ١ = ٢١٣ يَوْمَانِ تَأْوِيْبٌ |
| ١ = ٢٢٩ كَتَا بَجْدُوبٌ | ١ = ٢٢٩ كَتَا بَجْدُوبٌ |

| | |
|--|-------------------------------------|
| صدر البيت قافيته مجرد مجلد صفحة | صدر البيت قافيته مجرد مجلد صفحة |
| وَلَّى أَلْيَعَا قَيْبٌ بَسِيط ٢ ١١٣ = | كَمَّا تَجَنَّبٌ بَسِيط ١ ٢٤٢ = |
| (٢٠١٩:٩) | (٣١٨) |
| يَوْمًا أَلْيَعَا قَيْبٌ = ٢ ١١٣ | مَا خَرُوبٌ = ١ ٣٣٨ |
| مَاذَا الْمَلَجِيبٌ = ٢ ٢٣٢ = | كَيْسَ مَرُوبٌ = ١ ٣٨٢ = |
| (٣٥٩:١٣) | (٣٥٨:١٣) |
| هَلْ الْمَنَاسِيبُ = ٢ ٢٥٣ | ٤٣:١٤ |
| شَيْبٌ مَوْطُوبٌ = ٢ ٢٩٨ = | ٢٠٤:١٨ |
| (٢٩٩) | ١١:١٩ |
| كُنَّا مَوْطُوبٌ = ٢ ٢٩٩ | (٢٤٥:٢) |
| لَنَا مَرُوبٌ = ٣ ٤٢ | وَالْعَايِبَاتُ تَرْجِيبٌ = ١ ٣٩٤ = |
| وَكِرْنَا وَتَغْيِيبٌ = ٣ ٩١ | (٩٠:١٩) |
| قَوْمٌ قَرْضُوبٌ = ٣ ٣٣٣ = | أَمَّا تَسْهِيْبٌ = ١ ٢٥٨ |
| (١٠٣:١٣) | تَرَى الشَّنَاعِيبُ = ١ ٢٨٩ = |
| قَوْمٌ مَنَاجِيبٌ = ٢ ١١١ | (١٢٨:٤) |
| إِنِّي وَتَصْوِيبِي = ٢ ٢٣٩ = | (٣١٨:١٠) |
| (١١٩:١٠) | فَهُنَّ الْأَطَانِيبُ = ٢ ٢٩ |
| إِنِّي مَكْذُوبٌ = ٢ ٢٦٩ | حَتَّى الْأَطَانِيبُ = ٢ ٥٠ |
| أَعُوذُ ظُنْبُوبٌ = ٥ ٢٨٣ | وَقَدْ أَطَانِيبٌ = ٢ ٥٠ |
| فَقُلْتُ الْجَلَايِيبُ = ٥ ٢٩٩ | كُنَّا ظُنَابِيبٌ = ٢ ٢١ = |
| مُسْتَشْعِرِينَ أَيُّوبُ = ٢ ٨١ | (٢٢:١٠) |

| صدرالبيت قافيته مجرد جلد صفحة | صدرالبيت قافيته مجرد جلد صفحة |
|-------------------------------|-------------------------------------|
| ٢٩٩:١٢ | مَرَّتْ بِتَعْدِيْبٍ بَسِيْطٍ ٤ ٢٤٣ |
| ٩١:١٩ | حَتَّى فَالْوَبِ = ٩ ١٥٨ |
| ٢٥٤ | أَمَّا مَقْرُوبٍ = ٩ ٢١٣ |
| ٢٨٣ | حَتَّى فَانْشَعَبَا = ١ ١٥١:١٨ |
| ٤٨ | إِذَا فَاغْتَبَا = ٢ ٣٥٠ |
| ٢٠٩ | قَوْمُ الْكُرْبَا = ٢ ٣٨ |
| ١٥٣:٣ | ١٢:١٣ |
| ٢٢٢ | زِيَاةً انْتَبَا = ٢ ٣١٣ |
| ٢٠٤:٢٠ | فَأَقْنَى مَنجُوبٍ = ١٢ ٣٤٥ |
| ٣٥٠ | وَالَّذِي لِلذَّيْبِ = ١٣ ٥١٥ |
| ٥٨:٢٠ | نُبِّئْتُ مَقْرُوبٍ = ١٤ ٨٤ |
| ٢٤٣ | كَالسَّيْرِ عَصَبَا = ٢ ٢٩٨:١٥ |
| ٢٤٣ | أَقْبَ عَصَبَا = ٢ ١٢:٣ |
| ٣٠٨ | أَبْلَغُ كِذْبَا = ٢ ٢٤٩ |
| ٣٤ | عَارَضْتُهُمْ أَرْبَا = ٥ ١٤٣ |
| ١٤٣ | بِهِ دَخِيلٌ وَالتَّهْبَا = ٤ ١٤٣ |
| ٢٢٤ | لَا مُعْتَصِبَا = ٤ ٢٩٩ |
| ٢٩ | ثُمَّ رَجَبَا = ٤ ٣٤٥ |
| ٢٢٥ | الْفُحْوَانَةُ السَّلْبَا = ٨ ٢٠٨ |
| ٢٢٤ | أَمْطَيْتُ قَتْبَا = ٨ ٢٩:٣ |
| | «وَمُرْكَبَا» |

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة |
|---------------------------------|---------------------------------|
| جاءت شذبا بسيط ٨ ٢٤٩ | في الطنبا بسيط ٢٠ ١٨٥ |
| إذا والخبا ٩ ٢٢٢ | وعارضتها والشعبا ٢٠ ٢٢٣ |
| قد ساع شربا ١٠ ٣١٨ | أودى الحكمة ١ ٣٥١ |
| إني غلبا ١٢ ١٣١ | ٢ ١٨٠ |
| لا غلبا ١٣ ١٣١ | ٣ ٢٢٣ |
| واقيت العجا ١٢ ١٨٢ | وقد والرقبة ١٩ ١٠٠ |
| حتى ضربا ١٢ ٢٢١ | قربا عشنا ١ ٢٥٨ |
| أشأت ذهبا ١٢ ٢٢٣ | أياكم سيبا ١ ٢٦١ |
| ١٨ ٢٢٣ | جاءت فاشتا ١ ٢٩٢ |
| وحال أبا ١٥ ٢٢١ | إذا معدبا ٢ ٤٢ |
| يالرجال طربا ١٦ ٣٤ | إذا عيبا ٢ ١٢٥ |
| ولي وثبا ١٦ ٢١٠ | هينفا ٢ ٢٨٦ |
| ١٩ ٨٥ | كان هدا ٢ ٢٣٤ |
| أشأ قربا ١٦ ٢٢٤ | يجيئ الها ١٢ ٢٣٠ |
| تمشي اللجا ١٤ ٢٤١ | واحد أقصبا ١٤ ١٨٨ |
| أ ذهبا ١٨ ٢٢٣ | ومرّيب همتابه ٢ ٢٨٩ |
| أذكرت كلبا ١٨ ٢٣٥ | يلت أرب وافر ١ ٢٠٣ |
| لن عزبا ١٩ ١٢٣ | ١١ ٢٢٢ |
| حتى والعزبا ١٩ ٢١٤ | وقد واليلب ١ ٢٣٢ |
| فانت جذبا ٢٠ ١٥١ | فتى جنب ١ ٢٤٥ |

| صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة |
|--|---------------------------------|
| وأَقْلَنَهُنَّ الْوِطَابُ وَافِر ٢ ١٢١ | لَعَمْرِي ثَرَابُ وَافِر ١ ٣٨٢ |
| ٢٩٤ | صُلَاةٌ ضُرِبَ = ٢ ٣٤ |
| ١٣٣:٤ | فَمَا عَنَبَ = ٢ ٤٥ |
| (٣٩٩:٨) | وَمِثْلُهُ هَذَابُ = ٢ ٢٨١ |
| جَعَلَنَ الْعَنَابُ = ٢ ١٢٢ | وَمَخَّجَ يَجِبُ = ٣ ٤٢ |
| أَنَا مَعَابُ = ٢ ١٢٥ | وَلَا رَكِبُوا = ٢ ١٦٠ |
| فَجَاءَتْ الْكُبَابُ = ٢ ١٩٠ | خَضَمَ اللَّهَبُ = ١٢ ٢١٠ |
| تُدْرِي بُابُ = ٢ ٣٢٥ | وَلَا الْحَقْبُ = ١٥ ٣٣٢ |
| (١٢٥:٥) | (٣٣٢:٤) |
| تَمَتُّ السَّغَابُ = ٣ ٤٤ | رَأَتْ أُغْيِبُهَا = ٢ ٤٠ (٤١) |
| فَبِتْنَا الْكِلاَبُ = ٢ ٤١ | ٤١ مَوَكِبُهَا = ٢ ٣٠٢ |
| (٣٥٠:١٥) | (٢٩١:٤) |
| وَأَعْلَاطُ انْتِصَابُ = ٩ ٣٢٨ | وَفِي ذُبَابُ = ١ ٣٦٨ |
| (١٨٠:١٢) | سَرَاةُ رِثَابُ = ١ ٣٨٢ |
| وَلَوْ الْجَوَابُ = ١٠ ١٣٢ | (٢٠٣:٩) |
| رَغِبْنَا اللَّبَابُ = ١٠ ١٤٤ | تَكَدَّتْ ضَبَابُ = ١ ٣٣٦ |
| وَحَذَلْنَا السَّحَابُ = ١٠ ٢٢٤ | (٣١:٢) |
| فَإِنْ وَالْيَنَابُ = ١٢ ٤٥ | (٣٨:٣) |
| وَأَعْلَقَ الْيَنَابُ = ١٢ ١٩٨ | رَوَافِعَ عُبَابُ = ٢ ٤٢ |
| عُيُوثُ وَاللَّجَابُ = ١٣ ١٨١ | أَعَاتِبَ اجْتِنَابُ = ٢ ٤٤ |

| | |
|--------------------------------|-------------------------------|
| صدر البيت قافيته جره جلد صفحة | صدر البيت قافيته جره جلد صفحة |
| مَرَدُّ الْحَبِيبِ وافر ٢ ١٥٥ | وفيها صِحاب وافر ١٥ ٢٠٩ |
| وَقَدْ يَذُوبُ = ٢ ٣٣١ | سَمَوْتَ يُصَابُ = ١٦ ٣٣ |
| يَقُولُوا يَخِيبُ = ٢ ٢٢٣ | أَتَانِي الزَّكَاةُ = ١٦ ٢٠٢ |
| ٢٤:١٩ | فَإِنَّ الشَّبَابُ = ١٤ ١٣٥ |
| أَيَذْهَبُ الْحَبِيبُ = ٤ ١٦ | وَقُلْنَا كِلَابُ = ٢٠ ١١٨ |
| ٢٢٩:١٥ | كَأَنَّ قَبِيبُ = ١ ٢٩٥ |
| وَمَا يُصِيبُ = ٤ ٤٠ | ١٥٠: ٢ |
| سَبِيٌّ وَلُوبُ = ٤ ١١٣ | ١١: ٣ |
| ٢٩٥:١٠ | لَعَنُوكَ ذُنُوبُ = ١ ٣٤٤ |
| ٨٩:١٩ | وَمَا شَيْبُ = ١ ٢٩٣ |
| ٢١٠: ٢٠ | إِذَا طَرُوبُ = ٢ ١٠ |
| لَقَدْ يَخِيبُ = ٤ ٢٢٤ | تُجَيِّهَا غَتِيبُ = ٢ ٤٨ |
| ١٥٩: ٢٠ | ٢٩٥: ٤ |
| وَلَا حُوبُ = ٤ ٣٥٢ | لَهَنَّ قُوبُ = ٢ ١٨٤ |
| ٢٢٨: ١٨ | أَرَقْتُ نَقِيبُ = ٢ ٢٢٢ |
| أَمَّاخُ الْحُبُوبُ = ١٠ ٢٤٢ | ٢٤٢ |
| يُعَايِي السُّبُوبُ = ١١ ١٠١ | وَمَا الْمَشِيبُ = ٢ ٢٩١ |
| قَدَّعُ قَرِيبُ = ١١ ٢٢٨ | ٢٨٩: ١٣ |
| مَوْقَعَةُ الْحَلِيبُ = ١١ ٢٤٨ | فَتُبْسَى الْغُرُوبُ = ٣ ٣٦٠ |
| | وَمَاءُ الْخُبُوبُ = ٣ ٣٩٨ |
| | وَفِي الْغَضُوبُ = ٢ ١٠٢ |

| صدالبيت قافيته بحرو مجلد | صفحة | صدالبيت قافيته بحرو مجلد | صفحة |
|--------------------------------|------|-------------------------------|------|
| فَأَبْلَغَ الْعِتَابِ وَافِر ٢ | ٤٨ | فَلَسْتُ الْكَذُوبُ وَافِر ١٣ | ٢٢٢ |
| فَقَلَّ الْقِنَابِ ٢ | ١٨٥ | يَرَانِي رَعِيلِي ١٣ | ٣٠٨ |
| وَأَلْقَى كَالْكَعَابِ ٢ | ٢١٣ | تَفَرَّقَتِ يُذَيَّبِ ١٣ | ٢٢٣ |
| وَقَدْ بِالْإِيَابِ ٢ | ٢٤٤ | تَبَدَّلَتِ الصَّلِيْبِ ١٤ | ٢٩٢ |
| بِأَذِنِ وَثَابِ ٢ | ٢٩٢ | رَقُوبُ ١٨ | ٢٣٩ |
| وَوَلَّوْا الْوِذَابِ ٢ | ٢٩٥ | عَلَى يَغِيْبِ ١٩ | ١١٨ |
| فَعَيَّثَ الْيُصَابِ ٢ | ٣٤٤ | عَلَى قَرِيْبِ ٢٠ | ٢٢٥ |
| (٢٤٣: ١٤) | | (٢٢٩: ١٤) | |
| أَلَى شِبَابِي ٣ | ٢٢١ | أَلَمْ وَلَعِبِي ١ | ٣٤١ |
| عَصَا فِيرُ الذَّنَابِ ٣ | ٢٥٠ | (٢٣٩: ٢) | |
| وَأَنَّكَ رِكَابِ ٣ | ١١١ | ذَكَرْتُ وَالْوَصِيْبِ ٩ | ٣٨١ |
| فَلَوْلَا الْإِهَابِ ٣ | ٣٤٥ | تَمَنَّتِ السَّغَابِ ١ | ٣٨٤ |
| رَكَضَتِ بِالْقُصَابِ ٣ | ٣٤٣ | (٢٢٤: ١٣) | |
| (٢٢٤: ٤) | | وَكُنْتُ ثَوَابِ ١ | ٢٢٠ |
| تَفَاطِيرُ الشَّبَابِ ٥ | ١٢٨ | مَرِيضُ الْجُنَابِ ١ | ٢٤٢ |
| (٢٤٢: ٤) | | مِنْ الْكِتَابِ ١ | ٣٨١ |
| وَمَا الْحُبَابِ ٥ | ٣٥٥ | (٢٠٩: ١٢) | |
| (٢٠٥: ٩) | | (١٤٨: ١٤) | |
| أَرَانَا بِالشَّرَابِ ٤ | ١٢ | إِذَا سِرَاجِي ١ | ٣٢٤ |
| أَضَعْتُ الرِّيَابِ ٤ | ١٤٥ | تُكَلِّفُنِي وَالْقِنَابِ ٢ | ١٩٩ |

صدرالبيت قافيته بحر ومجلد صفحة

فلو السحاب وافر ١٩ ١٢٢

من الحباب ١٩ ١٨٩

وعقّت العقاب ١٩ ٣١٢

كأنك السحاب ٢٠ ٢٠٩

فلما والحبيب ١ ٢٩١

هذوا الحليب ١ ٣٢١

كأن جنوب ١ ٢٦٦

أرقت شيب ١ ٢٩٣

لأنتم قضيب ٢ ١٤٢

قتلنا والقبيب ٢ ١٤٨

وجدد فاللهيب ٢ ٢٢١

فأبتحنا العجوب ٣ ٢٣٩

رعت الجدوب ٤ ٢٢٥

إذا والغيوب ٨ ٢٣

وما القريب ٩ ٢٨

كأنى القلوب ١٠ ١٥٤

فسامونا كالشجوب ١٠ ٢١٨

٢٢٥:١٤

لمن نجيب ١٠ ٣٤١

يضيف والجدوب ١٠ ٣١٥

صدرالبيت قافيته بحر ومجلد صفحة

وما الكتاب وافر ٦ ٣٨٢

تداعت الزباب ٤ ٣٣٨

طمعنا السراب ٨ ٣١١

فعاد الكلاب ٩ ٢٠٦

٢٠٨:٢٠

جلنفة السراب ٩ ٢٠٣

وأقلت الظراب ٩ ٢٩٣

ورد نصاب ١٠ ٢٦٩

فقت الصلاب ١١ ١٩٨

صارت السحاب ١٢ ٢٥٢

مداد الجراب ١٢ ٢٩٤

ومسور الكتاب ١٣ ٣٢١

طوال الشهاب ١٣ ٣٣٦

برئت باب ١٣ ٢٦٤

الى الرضاب ١٥ ٢٤٢

تعلم الكلاب ١٥ ٣١٢

أجعل كلاب ١٥ ٤

سراة العراب ١٤ ٢٥٣

متى والقباب ١٤ ٣١٥

يئست الجباب ١٨ ١٨٤

| صدرا لبيت قافيته جره مجلد صفحه | صدرا لبيت قافيته جره مجلد صفحه |
|--------------------------------|--------------------------------|
| ١٥٢ الجيب وافر ١١ ٢٩ | ١٥٢ الجيب وافر ١١ ٢٩ |
| ١٥٣ الكدوب = ١١ ٣٢٣ | ١٥٣ الكدوب = ١١ ٣٢٣ |
| ١٥٤ كائنك ذبابا = ١ ٣٢٩ | ١٥٤ كائنك ذبابا = ١ ٣٢٩ |
| ١٥٥ تعم الطبايا = ١ ٣٢٩ | ١٥٥ تعم الطبايا = ١ ٣٢٩ |
| ١٥٦ (وبلى) ٢ ٣٣١ | ١٥٦ (وبلى) ٢ ٣٣١ |
| ١٥٧ كئت عصب = ١٢ ٣٢٤ | ١٥٧ كئت عصب = ١٢ ٣٢٤ |
| ١٥٨ وقد الكعوب = ١٥ ٨٤ | ١٥٨ وقد الكعوب = ١٥ ٨٤ |
| ١٥٩ فيان بالجيب = ١٢ ١٣١ | ١٥٩ فيان بالجيب = ١٢ ١٣١ |
| ١٦٠ فما العصب = ١٢ ١٨١ | ١٦٠ فما العصب = ١٢ ١٨١ |
| ١٦١ أجبتك قريب = ١٢ ١٩٠ | ١٦١ أجبتك قريب = ١٢ ١٩٠ |
| ١٦٢ يمشى للخطوب = ١٤ ٥٣ | ١٦٢ يمشى للخطوب = ١٤ ٥٣ |
| ١٦٣ تلتسن نيوب = ١٤ ٢٤٢ | ١٦٣ تلتسن نيوب = ١٤ ٢٤٢ |
| ١٦٤ بأيديهم الكعوب = ١٨ ٢٥٥ | ١٦٤ بأيديهم الكعوب = ١٨ ٢٥٥ |
| ١٦٥ تركنا نيب = ١٩ ١٢٨ | ١٦٥ تركنا نيب = ١٩ ١٢٨ |
| ١٦٦ لعمرك نجيب = ٢٠ ٣٩ | ١٦٦ لعمرك نجيب = ٢٠ ٣٩ |
| ١٦٧ فمن بابا = ١ ٢١٤ | ١٦٧ فمن بابا = ١ ٢١٤ |
| ١٦٨ وزعت وثابا = ١ ٣٣٤ | ١٦٨ وزعت وثابا = ١ ٣٣٤ |
| ١٦٩ (٢٩١:٢) ولو لذابا = ٣ ٣٨٠ | ١٦٩ (٢٩١:٢) ولو لذابا = ٣ ٣٨٠ |
| ١٧٠ ألتاني أصابا = ٣ ٢٨٠ | ١٧٠ ألتاني أصابا = ٣ ٢٨٠ |
| ١٧١ أسيلة الحقابا = ٣ ٢٨٨ | ١٧١ أسيلة الحقابا = ٣ ٢٨٨ |

| صدر البيت قافيته جرحه جلد صفحة | صدر البيت قافيته جرحه جلد صفحة |
|----------------------------------|--------------------------------|
| فما يُهايا وافر ٩ ٣٥٥ | يَرَى الرِّقَابَا وافر ٣١٧ |
| ١٣٥٢ | أَعُوذُ نَابَا = ٣ ٣٨٢ |
| ٢٢٧ ٩ = الرِّقَابَا | ٣٧ ٥ = تركت الدَّهَابَا |
| ٢٣١ ١٠ = دُبَابَا | ٢٠٧ ٥ = وأخذتُ يُجَابَا |
| ١٣٣٨ | ٢٠٤ ٧ = إذا ما الدَّهَابَا |
| ٢٩٢ ١٠ = فالويلُ الغُدَابَا | ٢٠٠ ٧ = وداري الإِهَابَا |
| ١٣٣ ١٢ = الحِجَابَا | ١٣٣ ٤ = فما ارتعابَا |
| ١٧٤ ١٢ = وعزَّذَ سِغَابَا | ٢٠٢ ٤ = ومُحْفَرَةُ الكِلَابَا |
| ٢٤٠ ١٢ = تَرَى شَابَا | ١٣٣ ٤ = إذا يُصَابَا |
| ٣٥٤ ١٢ = يَبْلَدَةُ والدُّبَابَا | ٥:١٢ |
| ٣٩٥ ١٣ = كَانُ الإِيَابَا | ٢١٢ ٨ = خَوَاتُ خِضَابَا |
| ٢٣٢ ١٣ = أَنَا النُّصَابَا | ٢٨ ٩ = أَفَاطَمَ وَجْتِنَابَا |
| ٣٥٠ ١٥ = سَتَحِطُّ عِتَابَا | ٧١ ٩ = فَعُصِّنَ كِلَابَا |
| ١٨٥ ١٧ = أَلَانَ عَذَابَا | ٩٩ ٩ = رَأَيْتُ الشَّبَابَا |
| ١١٤ ١٤ = تَطَلَّى مَلَابَا | ٢٢٥ ٩ = تَوَاجَهَ حَبَابَا |
| ٢٢٢ ١٨ = وَخُورُ والغُرَابَا | ٢٣٩ |
| ٥٩ ١٩ = فَا نَ ضَبَابَا | ١٥:٢٣٩ |
| ١٢٣ ١٩ = غِضَابَا | صُبَابَا |
| ١٢٩ ٢٠ = دُبَابُ الدُّبَابَا | ٣٣٥ ٩ = فَرِحِي آبَا |
| ٢٣٢ ١٧:٢٣٩ | ١٩:٢٣١ |
| ١٣:٢٣٢ | |

صدرا البيت قافيته مجرور مجلد صفحة

(١٠٨: ١٣

أَتَيْتُ وَقْتُ كَامِلٍ ٢ ٣٠١

يَا كَعْبُ كَعْبُ ١١ ٣٥٥

تَنْبُو مَا تَنْبُو ١٢ ٢٣٣

حَتَّى شَبَّوْا ١٣ ٨٦ =

(٣٨١: ٢٠

جَانِيكَ الْجُرْبُ ١٨ ١٦٨

كَذَوَائِبِ الطُّحْلُبُ ١ ٥١ =

٢٦: ١٣

(٣٦٤: ١٩

يَقْرُو الْحَلْبُ ١ ٤٠

بَيْنَاهُمْ مُؤَلَّبُ ١ ٢١٠ =

(١٥١: ٦

مِنْ كُلِّ يَرْعَبُ ١ ٢٣٦ =

(١٥٥: ١١ «وَيَرْعَبُ»

صَبَّ الْجَنْبُ ١ ٢٤٣ =

٢٦٦: ١٢

٢٣٢: ١١

٢٣٣: ١٩

(١٤٢: ٢٠

صدرا البيت قافيته مجرور مجلد صفحة

عَدَوْدًا حَيِّبًا وافر ١ ٢٨٤ =

(٣٦٦

مَتَعْنَا شَعُوبًا ١ ٢٨٥

كَأَنِّي طُلُوبًا ٢ ١٦ =

(٣٥٩: ١٣

بِهِ قَشِيْبًا ٢ ١٦٦ =

(٢٢٠: ١١

(٢٣: ١٥

بِهِمَّا حَلِيْبًا ٤ ٢٣٤

فَطَلْتُ خَضِيْبًا ٨ ٨٢

عَدَاةً حَيِّبًا ١٠ ٢٠ =

(٤٩: ١٥

تَرَوْحْنَا تَوْبًا ١٤ ٣٦٠ =

٢١٣: ١

٢٣٨: ٢

(١٥: ١٣

أَلَمْ وَالْقَطِيْبَا ١٨ ٤٢

تَعِيْبُ الْعَجِيْبَا ١٨ ٤٢ =

(٢٣: ٢٠

أَذْكُرْتُ رَأْتُ ١ كَامِلٍ ٣٥٠ =

| صدرالبيت قافيته بحرفه مبداء | صدرالبيت قافيته بحرفه مبداء |
|--|----------------------------------|
| ساوٍ وَيُجَنَّبُ كَامِلٌ ١ = ٢٤٢ | ١٨٢: ٢ |
| وَالْأَثْلُ فَعَلِيْبٌ كَامِلٌ ٢ = ١٢١ | ٢٤٣: ٩ |
| ثُمَّ مُتَغَرَّبٌ = ٢ = ٢٠ | ١٥٢: ١٢ |
| ١٢٢: ٤ | ٢٥٤: ١٢ |
| هَجَرْتُ يَتَجَنَّبُ = ٢ = ١٢٢ | ٩٤: ١٩ |
| ١٩٥: ٢ | ١٣١: ٢٠ |
| ١٩٩: ٢ | هَجَرْتُ لَشَعْبٌ = ١ = ٢٨٣ |
| ٣٠٠: ٢ | ٢٤٠: ٩ |
| ١٢٤: ٣ | ٢٩٣: ٢٠ |
| ١٤٤: ٣ | فَالَّذَهُرُ حَوْشِبٌ = ١ = ٣٠٨ |
| ٢٤٨: ٤ | ٢٢٩: ١١ |
| ١١: ١٩ | فِي الْبَدَنِ حَوْشِبٌ = ١ = ٣٠٨ |
| ٢٢٢: ٣ | بَشْرَبَةٍ يُرْطَبُ = ١ = ٢٠٢ |
| ٢٤١: ٢ | ٢٤٥ |
| ٢٣٤: ٣ | مَعَهُ وَمِسَابٌ = ١ = ٢٣٨ |
| ٢٢٢: ٢٠ | ٢٨٨: ٨ |
| ٢٥٢: ٣ | ٢٢٣: ٩ |
| ٢٣٩: ٩ | ١١٣: ١٤ |
| ٢٨٢: ٣ | شَابٌ يُعْتَبُ = ١ = ٢٩٥ |
| ٢١: ٢ | |

| صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة | صدر البيت قافيته مجرؤه مجلد صفحة |
|----------------------------------|---|
| ٢٨٣: ١٢ | رَدِيَّةٌ يَهْبُؤُا كَامِلٌ ٢ ٥٤ |
| ٢٤٣ ١١ | إِلَى مَرْغَبٍ ٢ ١١١ |
| ٣٤١ ١١ | وَكَانَ مَحْلَبٌ ٢ ٢٨٢ |
| ١٢٣ ١٢ | وَكَاثِمًا مُتَرْتِبٌ ٢ ٢٩٠ |
| ٢٢ ١٣ | ٢٨١: ٢٠ |
| ٢٨٤ ١٣ | مَا غُيِّبٌ ٢ ٢٤٢ |
| ١٩٥: ١٤ | لَمَّا وَتَغَضَّبُوا ٥ ٣٨٤ |
| ٢٤٣ ١٣ | فَقَضَى يَتَسَبَّبُ ٦ ١٠٣ |
| ١٢٥ ١٢ | وَإِذَا يَهْرُبُوا ٤ ٥٥ |
| ٢١٩ ١٢ | هَلْ الْأَجْنَبُ ٤ ٣٦٢ |
| ٣٣٠ ١٢ | ٢٦٩: ١ |
| ٢٥٩ | وَتَرَى تَنْجَبُ ٨ ١٣٣ |
| ٢٢٢ ١٥ | وَمَنْ تَرَقُبُ ٨ ٣٨٩ |
| ٢٢٣ | فَكَانَ أَجْرُبُ ٩ ٣٥٦ |
| ٢٥٣: ٢ | «وَأَجْرُدُ» |
| ٣٨٤ ١٥ | سُودٌ تَحْلَبُ ١٠ ٤٣ (٤٩) |
| ٤٠ ١٦ | وَلَوْ أَنَّهَا مُتَحَبِّبٌ ١٠ ٣٦٣ |
| ١١٠ ١٦ | وَلَقَدْ رُكِبُوا ١١ ٢٩ |
| ١٨٣ ١٤ | وَقِرَاتُ الْأَجْرِبُ ١١ ١٨٤ |
| ٤٤٣: ٢ | وَمَقَامُهُنَّ الْأَحْشَبُ ١١ ٢٣٠ (٢٣١) |

صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة صدر البيت قافيته بحرف مجلد صفحة

أَزَى الموكب كامل ١٨ ١٤٣ أَيْرُونِي شَيْبُ كامل ٩ ٢١٩

مِمَّا حُرِّبُ ١٨ ٢٢٢ بَانَتْ جَنْوُبُ = ٩ ٢٤٢

مَرَمَتْ تُعْتَبُ = ٢٠ ١٢٨ ١٩٨:٨

يَقْدُرُو يَتَصَبَّبُ = ٢٠ ٢١١ ٩١٢:١

إِنِّي تَتَعَبُ = ٢٠ ٢٣٢ ٤٩١:٢٤٥

وَقَفَيْتُ قَصْبُهُ = ١ ١٤٥ إِنِّي قُلُوبُ = ٩ ٣٢٠

جَعَلَ الطَّلَابُ = ٩ ٣١٤ لا الْمَكُوبُ = ١٠ ١١٥

يَا مَطَرُ الْأَبْوَابُ = ١٥ ٢١٨ مَن كَذُوبُ = ١٢ ٣٣٤

وَلَهْدُ شَرَابُهُ = ٥ ١٥٦ وَكَانَهَا نَجِيبُ = ١٩ ٣٣٢

وَكَانَ الْجَائِبُ = ١ ٢٢١ ١٢٢:١٦

سَلِسُ جَنَابُهُ = ١٠ ٢١١ وَعَلَى عَضْبٍ = ١ ٢٥٣

غَرَاءُ خِصَابُهُ = ١١ ٢١١ مُتَبَدِّلًا التَّقِيبُ = ٢ ٢٦٣

فَصَدَّقْنَاهَا كَذَابُهُ = ١٢ ٢١ مُدَاحِجَ كَالْكَيْبُ = ٣ ٩٠

يَا شَمْعُ وَالتَّقْلِيلُ = ١ ١٠١ عَوْجُوا صَحْبِي = ٣ ١٥٨

إِنِّي جُرْبٍ = ٢ ٢٢١ ١٨٢:٢٢

الْأَوْبُ حَقِيبُ = ٦ ٢١٨ ٢٥٣:٢

أَخْنَأَسُ الْحَيْبُ = ٤ ٣٤٥ ٢٢٢:٢

لَوْ كُنْتُ ذِي اللَّيْلِ = ٨ ١٦٩ ١٩١:٨

فَاعْبُدِ الزَّرْبُ = ٨ ٣٢٠ ٥٦

مَنْ شَيْبُ = ٨ ٢٤٠ ٢٤

فَعَرَضْتُهُ وَالْكَعْبُ = ٩ ٢٤

| صدر البيت قافيته بحرفه جلد | صفحة | صدر البيت قافيته بحرفه جلد | صفحة |
|------------------------------------|------|------------------------------------|------|
| مِنْهُ النَّهْبُ كَمَل ١٠ ٢٢٠ | | مِنْهُ النَّهْبُ كَمَل ١٠ ٢٢٠ | |
| وَيَكَاذُ ذِي الْعَقَبِ ١٠ ٣٢٩ | | وَيَكَاذُ ذِي الْعَقَبِ ١٠ ٣٢٩ | |
| وَرَأَيْتُ حَرْبِي ١١ ١١٢ | | وَرَأَيْتُ حَرْبِي ١١ ١١٢ | |
| مُتَلَقِّبَيْنِ الْعَصَبِ ١١ ١٣٢ | | مُتَلَقِّبَيْنِ الْعَصَبِ ١١ ١٣٢ | |
| عَرَفَ رَأْيِي ١١ ١٣٢ | | عَرَفَ رَأْيِي ١١ ١٣٢ | |
| وَطَوَى الصُّلْبِ ١٣ ٩٤ | | وَطَوَى الصُّلْبِ ١٣ ٩٤ | |
| فَوَقَفْتُ عَضْبِ ١٣ ٣٣٥ | | فَوَقَفْتُ عَضْبِ ١٣ ٣٣٥ | |
| فَتَرَكْتُهَا صَوْبِي ١٣ ٥١٥ | | فَتَرَكْتُهَا صَوْبِي ١٣ ٥١٥ | |
| وَشَقِيتُ وَالضَّرْبِ ١٣ ٢٨٢ | | وَشَقِيتُ وَالضَّرْبِ ١٣ ٢٨٢ | |
| الْأَكْلِينَ الرَّطْبِ ١٣ ٣١٢ | | الْأَكْلِينَ الرَّطْبِ ١٣ ٣١٢ | |
| يَاضِلَ دُبِ ١٩ ١٥٢ | | يَاضِلَ دُبِ ١٩ ١٥٢ | |
| وَكَانَ مُغْرِبِ ١ ١٣٥ | | وَكَانَ مُغْرِبِ ١ ١٣٥ | |
| أَيَّ يَثْرِبِ ١ ٢٢٨ | | أَيَّ يَثْرِبِ ١ ٢٢٨ | |
| فَأَجَازَنِي الْمَثْرِبِ ١ ٢٤٩ | | فَأَجَازَنِي الْمَثْرِبِ ١ ٢٤٩ | |
| لَتَوَقَّيْتُ مُحْسِبِ ١ ٣٠٦ | | لَتَوَقَّيْتُ مُحْسِبِ ١ ٣٠٦ | |
| لَا تَقْضِبَنَّ فَأَعْضِبِ ١ ٢٠٤ | | لَا تَقْضِبَنَّ فَأَعْضِبِ ١ ٢٠٤ | |
| عَجَّتْ الْأَرْبِ ١ ٢١٩ | | عَجَّتْ الْأَرْبِ ١ ٢١٩ | |
| إِنَّ الْأَعْضِبِ ٢ ١٠٠ | | إِنَّ الْأَعْضِبِ ٢ ١٠٠ | |
| كَيْتَ تُلْغِبِ ٢ ٢٣٩ | | كَيْتَ تُلْغِبِ ٢ ٢٣٩ | |
| صدر البيت قافيته بحرفه جلد | صفحة | صدر البيت قافيته بحرفه جلد | صفحة |
| ١٢٧: ٩ | | ١٢٧: ٩ | |
| فَالْيَسْذُ الْأَثَابِ كَمَل ٣ ٢٠٣ | | فَالْيَسْذُ الْأَثَابِ كَمَل ٣ ٢٠٣ | |
| وَلَا تَجْلَنَّاكَ لَعَطِبِ ٢ ٢٠٤ | | وَلَا تَجْلَنَّاكَ لَعَطِبِ ٢ ٢٠٤ | |
| ١٢٨: ٤ | | ١٢٨: ٤ | |
| يَرْضَى يَغْضِبِ ٣ ١٣٢ | | يَرْضَى يَغْضِبِ ٣ ١٣٢ | |
| كَالتَّوْرِ تَضْرِبِ ٣ ٢٠٣ | | كَالتَّوْرِ تَضْرِبِ ٣ ٢٠٣ | |
| ١٢٩: ١١ | | ١٢٩: ١١ | |
| وَلَوَى الشَّغْبِ ٣ ٢٠٩ | | وَلَوَى الشَّغْبِ ٣ ٢٠٩ | |
| لَدُ مَذْهَبِ ٣ ٢٢٢ | | لَدُ مَذْهَبِ ٣ ٢٢٢ | |
| ١٣٠: ١٣ | | ١٣٠: ١٣ | |
| عَسَى يَثْرِبِ ٣ ٢٢ | | عَسَى يَثْرِبِ ٣ ٢٢ | |
| مُتَحَدِّثُونَ يَشْعَبِ ٥ ٢٢٥ | | مُتَحَدِّثُونَ يَشْعَبِ ٥ ٢٢٥ | |
| ١٣١: ١٢ | | ١٣١: ١٢ | |
| يَتَحَدَّثُونَ | | يَتَحَدَّثُونَ | |
| ١٣٢: ١٤ | | ١٣٢: ١٤ | |
| يَا مَرْبَمَا الْكَوَيْبِ ٥ ٣٠٢ | | يَا مَرْبَمَا الْكَوَيْبِ ٥ ٣٠٢ | |
| وَمَوْزِي الْجَوْرِبِ ٥ ٢٤٥ | | وَمَوْزِي الْجَوْرِبِ ٥ ٢٤٥ | |
| ١٣٣: ١٤ | | ١٣٣: ١٤ | |
| مَالَانَ تَغْلِبِ ٤ ٢٤٢ | | مَالَانَ تَغْلِبِ ٤ ٢٤٢ | |
| ١٣٤: ١٥ | | ١٣٤: ١٥ | |

| | |
|--|-----------------------------------|
| صدر البيت قافيته بجرو مجلد صفحة | صدر البيت قافيته بجرو مجلد صفحة |
| طَرَقْتَهُمْ وَقَوَّضِيَّ كَامِل ٨ ٢٨٨ | أَرْبُطْ لِعُزْبٍ كَامِل ٤ ٨٢ |
| هَذَا لِلشَّارِبِ = ١١ ٢٥ | حَضِنُ الخَلْبِ = ٨ ٤٣ |
| مَنْ الكَاذِبِ = ١١ ٣٢٤ | وَمِزْجُهَا الْمُثَقَّبِ = ٨ ٢٨٩ |
| ١٥: ٥٨ | مَدَّحَى تُطَلِّبِ = ١٠ ١٥٤ |
| كَيْسَتْ اللَّادِغِبِ = ١٢ ١١١ | وَإِذَا يَغْضَبِ = ١٠ ٣٥٥ |
| ١١: ١٥ | ذَهَبَ الْأَجْرِبِ = ١٠ ٣٢٢ (٣٨٨) |
| لَمَّا اللَّاحِبِ = ١٢ ٢٠٠ (٣٢٥) | أُعْطِيكَ تَهْرِبِ = ١١ ٨ |
| وَجَبَّتْهُ لِنَارِ = ١ ٣٠٤ | كَذَبَ قَاذِئِي = ١٢ ١٠٨ |
| ١٤٩: ٨ | ١١: ٦٣ |
| وَلَقَدْ الْأَذْرَابِ = ١ ٣٤٢ | ٢٩٦: ٣٢٢ |
| ١٥: ٣٢٤٣ (وَالْأَسْبَابِ) | ١٥: ٣٩٨ |
| ١٤٩: ١٣ | لَتَبَقَّتْ الحَوَائِبِ = ١٢ ٣٥٨ |
| لَمَّا يَسْقَابِ = ١ ٢٥١ | مَنْزِلَةُ تَجِبِ = ١٣ ٢١٤ |
| عَيْنِ مِطْنَابِ = ٢ ٥٠ | كَمْ مُهَيَّبِ = ١٢ ١٣٠ |
| وَمُقَطَّعِ الْأَطْرَابِ = ٢ ٥٨ | سُوْدُ مُخَلَّبِ = ١٥ ٢٤٦ |
| ١٣: ٢٩٣ | ١٩: ٣٣١ |
| هَمَّتْ الغَلَابِ = ٢ ١٣٢ | ١٤: ٢٢٤ |
| ١٦: ٢٨ | لَا التَّرْكِبِ = ١٤ ٢٢٤ |
| وَمُدَّحِّجِينَ قُرْضَابِ = ٢ ١٢٣ | يَلِي قُلْبِ = ١٤ ٢٤٤ |
| فَأَقَاتِ الْمُقْضَابِ = ٢ ٤٣ | فَمَشَوْا مُنْهَبِ = ١٩ ٣٤٠ |
| ١١: ٢٢٢ | |

| صدر البيت قافيته مجرد مجلد صفحة | صدر البيت قافيته مجرد مجلد صفحة |
|--|---------------------------------|
| أَجْمَعْتُ غُرَابَ كَامِل ١٢ ٣٢١ | نَادَتْ بِكَذَابٍ كَامِل ٢ ١٩٩ |
| ٣٢٢ | لَا غَضَابَ = ٢ ٣٨٢ |
| وَالِضْدُقُ الْأَبَابُ = ١٣ ٢٢٥ | وَمَنْفَعَةُ بَيْنَابُ = ٣ ١٤٠ |
| هَلْ وَجَنَابِي = ١٥ ١٥١ | خُوصٌ لِلْكَذَابِ = ٣ ٣٨٤ |
| وَلْيُصْلِقَنَّ الْأَطْنَابُ = ١٤ ١٢١ | إِنَّ الْأَحْسَابَ = ٣ ٣٥٠ |
| وَلَقَدْ بِالْمُرْتَابِ = ١٤ ٣٢٢ | ٣٣: ٤ |
| ٢٢٢ | نَقَحَ رَبَابٍ = ٣ ٢٦٥ |
| إِنَّ الْمُنْجَابَ = ١٤ ٣٥٦ | أَمْسَتْ بِجَبَابٍ = ٢ ٢٥٦ |
| فَكَهْ الْأَطْنَابُ = ١٤ ٢٢٠ | يَرَعُونَ شَهَابٍ = ٢ ٣٩٥ |
| وَلَا تُفَرِّقَنَّ الْأَخْرَابُ = ١٩ ١٢٣ | أَقْبَلْتُ الْأَقْرَابُ = ٢ ٢٦٠ |
| أَرَأَيْتَ أَتَوَابِي = ١٩ ٢٤٥ | بَكَتْ عِتَابِي = ٥ ١٢٢ |
| وَمَرَقَتْ ثِيَابِي = ١٩ ٢٤٤ | بَاءَتْ الْأَلْبَابُ = ٦ ٢٣٢ |
| هَلَا الْأَنْسَابُ = ١٩ ٣٠٨ | ١٠٥: ١٢ |
| أَهْوَى الْكَارِي = ٢٠ ٤٨ | حَتَّى يَخْضَابُ = ٦ ٣١٠ |
| وَنَشِيتُ قِرْضَابٍ = ٢٠ ١٩٨ | ١٢٢٩ |
| يَهْدِي الْأَعْرَابُ = ٢٠ ٢٣٤ | وَعَلَقَتْ الْخَطَابُ = ٨ ٢١٦ |
| وَإِذَا لَشْرَابِهَا = ٥ ١٦١ | وَمَدُّنُ كِلَابِي = ٨ ٢٤١ |
| إِنَّ رِبْهَا = ٦ ٣٢٠ | وَإِذَا رَجَائِي = ٩ ٢٦٥ |
| وَعَلَيْتُ أَرَى رِبْهَا = ١٩ ١٥ | لَا أَسْرَابُ = ١٠ ٩٠ |
| أَنْتَى قَرِيبُ = ١ ٢٢٥ | فَقَلَلْتُ سَرَابُ = ١٢ ٢٢٦ |

| صدرالبيت قافيته بحرف مجلد صفحه | صدرالبيت قافيته بحرف مجلد صفحه |
|------------------------------------|----------------------------------|
| وَتَجَرُّ حَوَاشِيَهُ كَامِل ١ ٣٠٨ | لَوْلَا الْعُرْقُوبُ كَامِل ٢ ٣٣ |
| (١٥١:١٨) | (١٤٥:١٨) |
| وَبَنُو الْحَلَايِبِ ١ ٣١٩ | كَمْ مَكْرُوبٍ ٨ ٣٣ |
| يَنْزِعْنَ الْمَذَاهِبِ ١ ٣٨١ | فَأَصَاحَ رَبًّا ٢٠ ٣٥٣ |
| حَتَّى عَقَارِبٍ ٢ ١١٥ | (٣٤٢) |
| تَسْرِى عَقَارِبٍ ٢ ١١٦ | فَانْقَضَ طُنْبًا ١ ٢٤ |
| عَدَّتِ الْجَنَائِبِ ١٢ ٣٤٣ | يُذِرِينَ الْحَبَا ١ ٢٨٨ |
| سُودٍ سَرَاهِبٍ ١٣ ٣٥٢ | يَا صَاحِبِي وَتَقَرَّبَا ٢ ١٥٦ |
| لَا إِلَهَ الْعَوَائِبِ ١٤ ٣٥٩ | حَتَّى كَثَبَا ٢ ١٤٠ |
| خَاظِ النَّجَائِبِ ١٨ ٢٥٥ | وَهُمْ أَجْدَبَا ٨ ٣٨٢ |
| وَقَرِئْتُ صَاحِبٍ ٢٠ ١٢ | أَبْنَى أَغْضَبَا ١٥ ٣٣ |
| فَدَعِ الْعِتَابِ ٢ ٢٤ | فَدَاوَنَهُ جَلَبَا ١٨ ٣٠٨ |
| لِمَنْ تَخْبُوا هَزَج ١٣ ١٤٨ | تَدَعُ لَاجِبَا ١ ٢٣٣ |
| (٣٣٩:٢٠) | قَدْ رَابَهُ ١ ٣٩٣ |
| لَهُ بِالرُّعْبِ ١ ٣٢٥ | أَقْسَمْتُ سَيَّابَهُ ١ ٣٦١ |
| وَقَدْ سَهَبَ ١ ٣٥٤ | وَالْحَيْطُ وَالرَّغَابِ ١ ٣٥٥ |
| وَقُصِّرَى الشُّعْبِ ١ ٣٨٣ | (١٨٥:٣) |
| (١٣٣:٣) | (١٣٤:٩) |
| ٣٣٩ | دَلَّى الْحَبَابِ ١ ٣٨٨ |
| (١١٥:٢) | (١١٣:١٤) |

صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحة

قَرَّبَهَا تَقَرَّبَ رجز ١ ٢٩٢

٢٩٠:١٢

٣٢٠:١٤

وَابْأَى الْأَشْبَبُ = ١ ٣٣٢

شَرَجُ وَزُنُقُ = ١ ٣٣٦

١٤٣:٢٠

كَأَنَّهَا مَعْقَبُ = ٢ ١١١

كَأَنَّهُ يَهْرُبُ = ١١ ١٦٠

قَدْ صَرَحَ = ١٢ ٣٣١

حَرَقَهَا أَشْهَبُهُ = ١ ٣٣٠

ثُمَّ رُعْبُهُ = ١ ٣٠٦

١١٢:٢

كَانَ نُرْبُهُ = ١ ٣٣٣

٢٣٠:١٦

٢١:٢٠

أَشْقَانِي مَشْرِبُهُ = ١ ٣٣٤

أَشَرَ شُعْبُهُ = ١ ٣٨١

كَوْلَا كِبَبُهُ = ٢ ١٤٨

كَأَنَّ نَجْبَهُ = ٢ ٢٢١

ظَلَّ نَجْبُهُ = ٣ ٥٠

صدر البيت قافيته بحره مجلد صفحة

حَدِيدُ وَالْقَلْبُ هِج ٢ ٨٣

رَذَايَا الْقَضِبُ = ٢ ١٤٢

رَفَعْنَا حُبَّ = ٢ ٢٣٣

١٥٣:١٢

طَوِيلُ الْكَلْبِ = ٣ ٣٦٤

مِنْ رَحْبِ = ٨ ١٤٣

تَرَى الْجَدَابِ = ١٢ ٤٥

٢٢٠:١٨

وَهِنْدُ غُلْبِ = ١٥ ٣٣٤

وَمَثَانِ الْهَضْبِ = ١٨ ٢٥٥

إِلَى قَلْبِي = ١٩ ١٨٢

يَدْمَعُ هَيْدَبُ = ٢ ٢٤٩

٢٥٠:٥

أَخَذَنَ السُّهْبُ رجز ٢ ٢٩٢

٨٠:٣

عَلَّقَ مُكِبْتُ = ٥ ٢٩٣

٨١:٤

١٢:١٢

قَدَحَلَفَتْ أَرْجَبُهُ = ١ ٢٢٩

٢٥٢:١٨

(وَأُجْدَدُنْ)

(وَعَلَّقَ)

صدرا لبيت قافيته هو موجد صفحة | صدرا لبيت قافيته هو موجد صفحة

١٥٠:١٩

يَا عَجَبًا عَجَبُهُ جِزْ ١٧ ٢٨

لَمْ تَرَوْ قَلْبِيهَا جِزْ ١ ٢٨٩

جَاءَتْ ظَبَاطِبُ = ٢ ٥٤ (١١٤٣)

يَسْمَعِي الْوُثْبُ = ١ ٢٠١

تَاللَّهِ صَاحِبُهُ = ١٧ ٤٧

١٣٣:٣

قَدْ قُلْتُ الْعُقَابُ = ١ ٣٧٤

٤٣:١٩

(١٩٢:١٧)

كَأَنَّ أَوْبُ = ١ ٢١٣

لَا يُفْنِعُ الْخَضَابُ = ١ ٣١٨

وَنَحْنُ شُعْبُ = ١ ٢٢٨

(٣٧٥:٣)

٢٤٥:١٢

بَطُونُهُمُ الْحَبَابُ = ٩ ٢١٦

حَتَّى رَبِّي = ١ ٢٣١

وَهُوَ عُقَابُهُ = ١ ٢٩٣

يَغِصُّ عَصَبُ = ١ ٢٣٣

٣١٣:١٩

١٩٨:٢

(٣٣٨:١٥:٢)

إِنِّي أُحَرِّبِي = ١ ٢٩٨

خَيْلُ شَمَابُهُ = ١ ٣٩٢

وَقَدْ الْحَضْبُ = ١ ٣١١

قَدْ اضْطَرَّهَا = ٢ ١٥٤

كَأَنَّ الْأَذْيَبُ = ١ ٢٤٠

صِيدَ رِقَابُهَا = ٣ ٢٥٣

تَنْصَحُ صَبُ = ٢ ٣

لَهَا ذُنُوبُ = ١ ٢٤٨

أَشْلَيْتُ قَعْبِي = ٢ ١٥٠

إِنِّي الْكَذُوبُ = ٢ ٢٠٣

(١٤٣:١٩)

أَتَاكَ نَيْبُ = ٣ ١٥٢

يَا لَيْدِي تَأْتِي = ٢ ١٩١

أَفْلَحَ الْأَكْرَبُ = ٣ (١٩) ٣٨١

بَازِبُ = ٢ ٣٠٠

يَكُنِي كَثِيبُ = ٢ ٣٧٩

(٥٥:٩) (وَأُذْرِبُ)

السَّجَلُ وَالذُّنُوبُ = ١٣ ٣٣٧

